میرے خواب ریزہ ریزہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دھرتی پر رہ کر ستاروں میں رہنے والوں کی کہانی، جن کے ہاتھ آسمان کے ستارے تو کیا زمین کے جگنو بھی نہیں آتے۔۔۔

میرے خواب ریزہ ریزہ

ماھا ملک

علم و عرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون:042-7352332-7232336

جملہ حقوق محفوظ

نام کتاب	....	میرے خواب ریزہ ریزہ
مصنف	....	ماہا ملک
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم وعرفان پبلشرز، اُردو بازار لاہور
سرورق	....	حنا شیخ
پروف ریڈنگ	....	رانا عبدالمجید
سن اشاعت	....	مئی 2007ء
مطبع	....	جوہر رحمانیہ پرنٹرز، لاہور
قیمت	....	-/240 روپے

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ

40-اردو بازار، لاہور۔فون: 7223584



علم وعرفان پبلشرز

34-اردو بازار لاہور

فون: 042-7352332-7232336

میرے خواب ریزہ ریزہ

''میرے خواب ریزہ ریزہ'' خواتین ڈائجسٹ میں چھپنے والے اس سلسلے وار ناول کو تعریف کے ساتھ ساتھ مسلسل تنقید کا سامنا رہا۔ قارئین کو میری سوچ سے اختلاف تو نہیں تھا لیکن وہ زینب کے کردار کو قبول نہیں کر پا رہے تھے۔

میں ان قارئین سے کہنا چاہوں گی کہ ہمیں اپنی خوبیوں کے ساتھ اپنی خامیوں کو تسلیم کرنے اور ان کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔

میرے اس ناول کا موضوع دولت کی ہوس نہیں تھا۔ ساری بات محض اپنے ''حال'' سے غیر مطمئن ہونے اور ''شکر'' کی نعمت سے محروم ہونے کی ہے۔ جو لوگ اس نعمت سے محروم ہوتے ہیں، وہ زمین سے آسمان تک پہنچ کر بھی غیر مطمئن اور محروم رہتے ہیں۔

زینب ہمارے معاشرے کی ہی ایک عام لڑکی ہے جو زمین پر رہ کر ستاروں کے درمیان جیتی ہے۔ زمین سے ستاروں تک کا یہ فاصلہ اس نے اپنے خوش رنگ خوابوں کی راہ گزر پر چل کر طے کیا تھا لیکن منزل پر پہنچ کر اسے احساس ہوا کہ:

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

اور جب منزل پر پہنچ کر رستوں کے غلط ہونے کا انکشاف ہو تو پھر وہی ہوتا ہے جو زینب کے ساتھ ہوا۔ بعض سفر منزل پر پہنچنے کے بعد شروع ہوتے ہیں اور انکشافات کا یہ سلسلہ اذیت ناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس لیے رستوں کا تعین بہت پہلے کر لینا چاہیے۔ میں نے اپنے قارئین سے محض یہی کہنے کی کوشش کی تھی۔

میں اپنے اللہ کی شکر گزار ہوں اور میری خوش قسمتی ہے کہ ناول کے انجام سے کسی کو بھی اختلاف نہ تھا۔

میری دعا ہے کہ جس طرح میں اپنے قارئین کی آراء کو سو فیصد بدلنے میں کامیاب ہوئی اسی طرح اپنے معاشرے میں موجود زینب جیسی لڑکیوں کی سوچ بھی بدل سکوں۔

ایک قلم کا یہی امتحان ہے اور یہی انعام۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔ اتنی ہی کوشش پبلشر کو کرنی پڑتی ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتابیں یہ بلبلیں یہ تتلیاں، جو چلے تو جاں سے گزر گئے، اک دیا جلائے رکھنا، کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشر نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

آپ کی دعاؤں کی طالب

ماہا ملک

وہ مئی کی ایک چلچلاتی ہوئی دوپہر تھی۔ کالج سے نکل کر قریبی دکان تک پہنچتے پہنچتے وہ دونوں پسینے سے شرابور ہو گئی تھیں۔ پیاس کی شدت حلق میں کانٹوں کی صورت محسوس ہو رہی تھی۔

''توبہ اس قدر گرمی اور پروفیسر نظامانی کی تیز، نوکیلی، آواز!'' فارحہ نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتابیں اور جرنلز کاؤنٹر پر ٹکائے ''کل ہر حال میں یہ نوٹس ہر لڑکی کے پاس موجود ہونے چاہئیں۔'' اس نے ساتھ ساتھ پروفیسر نظامانی کی آواز بنا کر نقل بھی اتاری۔ زینب کو ہنسی آ گئی۔

''باسط بھائی کہاں ہیں آپ؟'' فارحہ نے دوکان دار کو آواز لگائی تھی۔ ''میرے جسم کا سارا پانی ہوا میں تحلیل ہو چکا ہے۔ اب ماس کی باری ہے ایسا نہ ہو صرف میرے جرنلز ہی اس کاؤنٹر پر رکھے رہ جائیں۔''

پردہ ہٹا کر، دکان کے اندرونی حصے سے باسط بھائی نکل کر مسکراتے ہوئے ان دونوں کی طرف چلے آئے وہ اکیلے نہیں تھے۔ ان کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

''باسط بھائی! فٹافٹ دو عدد ٹھنڈی بوتلیں دیں اور یہ کچھ نوٹس فوٹو اسٹیٹ کرنے ہیں۔ پاؤڈر کاپی چاہیے۔ ایک دم فرسٹ کلاس جو صفحہ بھی دھندلا ہوا وہ دوبارہ کاپی کروائیں گے۔ اس لئے ذرا دھیان اور ایمانداری سے کام کیجئے گا۔''

''کتنا بولتی ہو فارحہ تم!'' زینب نے زچ ہو کر کہا تھا۔

وہ دراصل اس شخص کی موجودگی کا خیال کر رہی تھی جو اب ایک کرسی پر بیٹھ کر اسے دیکھنے میں مشغول ہو چکا تھا۔ عجیب نگاہیں تھیں۔ ان میں شناسائی کی چمک بھی تھی، نرمی اور خلوص بھی تھا اور ایک جوان، حسین لڑکی پر مرکوز ہونے کا دلچسپ احساس بھی۔

ایسے میں زینب کو فارحہ کی نان اسٹاپ بولتی پر غصہ آنے لگا۔

''گرمی کا اثر ہے۔ ویک سیل بھی طاقت پکڑ لیتے ہیں یہ تو پھر طاقتور سیل ہیں۔'' فارحہ نے اسے سمجھایا۔

باسط بھائی ہنس دیے۔ اجنبی کے لبوں پر بھی مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''باسط بھائی! ذرا جلدی کام کر دیں۔ وقت پر گھر نہ پہنچو تو اماں بے کل ہو جاتی ہیں۔'' زینب نے کولڈ ڈرنک تھامتے ہوئے انہیں تاکید کی تھی۔

''بس پندرہ بیس منٹ کا کام ہے۔'' انہوں نے کاغذات پر نظر دوڑائی۔ ''تم دونوں چاہو تو اندرونی حصے میں بیٹھ جاؤ آرام سے۔''

''نہیں، یہیں ٹھیک ہے۔''

فارحہ کے بولنے سے پیشتر ہی وہ تیزی سے بول گئی۔ فارحہ اسے گھور کر رہ گئی۔ ویسے تو وہ دونوں اکثر و بیشتر مختلف کاموں کے سلسلے میں یہاں آتی رہتی تھیں۔ ڈپارٹمنٹل ٹائپ اسٹور تھا۔ فوٹو اسٹیٹ مشین بھی تھی اور ساتھ پی سی او بھی، دونوں تقریباً روزانہ ہی کسی نہ کسی کام سے چلی آتی تھیں۔ اس طرح باسط بھائی سے کافی جان پہچان ہو گئی تھی۔ یوں بھی وہ فارحہ کے بھائی کے واقف کار بھی تھے۔ دونوں لڑکیوں سے ان کی کافی بے تکلفی تھی۔ کام زیادہ ہوتا تو وہ دونوں دکان کے اندرونی حصے میں بنے ہوئے پی سی او میں جا بیٹھتیں۔ باسط بھائی کاغذات فوٹو اسٹیٹ کرتے اور وہ دونوں آپ میں گپیں لڑاتی رہتیں۔ لیکن آج اس نو وارد کی موجودگی میں زینب اندر جانے سے کترا گئی تھی۔ اس کی نگاہوں میں موجود شناسائی کی ایک نا محسوس دعوت اسے مسلسل بے چین کر رہی تھی۔

فارحہ اپنے ازلی لاابالی پن کی بنا پر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت دیر سے محسوس کرتی تھیں۔

''یار احسن! تمہیں دوں کولڈ ڈرنک'' باسط بھائی کو اچانک خیال آیا تھا۔ ''یار دو! لیکن شرط وہی ہے۔ ادائیگی کروں گا۔'' ہونٹوں پر نرم مسکراہٹ سجا کر اس نے جواب دیا تھا۔

اس کے بولنے کا انداز بہت اچھا تھا۔ آواز نرم تھی اور لہجہ سے اس کے سلجھے ہوئے ہونے کا پتا چلتا تھا۔ زینب کو مزید گھبراہٹ ہونے لگی۔ نجانے ذہن کیوں اس اجنبی شخص کی جانب متوجہ تھا۔ شاید اس کی مہربان نگاہوں کا اثر تھا۔

اپنی بوتل ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''اچھا باسط بھائی! پھر ہوگی ملاقات۔'' اس نے بٹوے میں سے پیسے نکالتے ہوئے کہا۔

''بیٹھتے یار۔ گپ شپ رہتی۔'' باسط بھائی ان لوگوں کے کاغذات خاکی لفافے میں ڈال رہے تھے۔

''پھر سہی!''

اس نے پیسے انہیں تھماتے ہوئے مزید کچھ کہا تھا۔ لیکن آواز بے حد دھیمی تھی۔ زینب سن نہ سکی وہ ان کے قریب سے گزر گیا۔ ایک بڑی گہری اندر تک اتر جانے والی نگاہ پھر زینب پر ڈالی تھی۔ گرمی سے سرخ ہوا اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''بدتمیز''۔ وہ زیر لب بڑبڑا اٹھی۔

''یہ لیجیے۔'' فارحہ حساب کر رہی تھی۔ ''یہ کاپی کروانے کے اور یہ بوتلوں کے۔''

''بوتلوں کی ادائیگی ہو چکی ہے۔'' وہ مسکرائے۔

''ہیں؟'' فارحہ نے ہونق پن سے انہیں دیکھا ''کس نے کی؟''

''احسن نے ابھی جو یہاں بیٹھا تھا''

''لیکن کیوں ہم اس کے کیا لگتے ہیں؟'' زینب کو طیش آ گیا۔

''یہ تو مجھے نہیں پتا دیکھو، وہ کھڑا ہے۔''

انہوں نے ان دونوں کی توجہ پیچھے کی طرف دلائی۔ دونوں نے ساتھ مڑ کر دیکھا تھا۔ وہ دوکان سے قدرے فاصلے پر کھڑی اپنی بائیک اسٹارٹ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

فارحہ دکان سے اتر کر لپکتی ہوئی اس تک پہنچی۔ زینب بھی اس کے پیچھے دوڑی۔

''اے مسٹر!'' فارحہ نے بڑے رعب سے اسے مخاطب کیا تھا ''یہ کیا بدتمیزی ہے؟''

''جی؟'' اس نے مڑ کر دیکھا اور مسکرا دیا ''مجھے احسن کہتے ہیں۔ احسن ایاز!''

''کہتے ہوں گے۔'' وہ جھنجھلائی ''یہ بتایئے'' اس مان نہ مان، میں تیرا مہمان، والی حرکت کا کیا مقصد ہے؟''

''آپ کچھ غلط کہہ گئیں۔'' وہ دھیرے سے ہنسا۔

''یہ مان نہ مان، میں تیرا میزبان والی حرکت ہے۔'' بات وہ فارحہ سے کر رہا تھا لیکن اس کی نگاہوں کے حصار میں زینب تھی۔ فارحہ اس بات سے اور تپ گئی۔

''مجھ سے بات کیجیے۔ کس سلسلے میں کولڈ ڈرنکس کی پے منٹ کی گئی ہے؟''

''آپ ہی سے بات کر رہا ہوں محترمہ!'' وہ مسکرا دیا ''ہو جاتے ہیں کچھ 'ایسے' سلسلے بھی زینب شاہ!''

آخر میں اس نے زینب کے سینے سے لگے جرنل پر جلی حروف سے لکھا گیا اس کا نام زیر لب پڑھا تھا۔

''میں کہتی ہوں آپ شرافت سے اپنے پیسے واپس لے لیں ورنہ، ورنہ سنگین نتائج بھگتنے پڑیں گے۔''

فارحہ کا غصے سے حشر برا ہو گیا۔

جبکہ وہ اس ''سنگین نتائج'' والی دھمکی پر بے ساختہ ہنس دیا تھا۔

''اب تو میں دے چکا ہوں، واپس لے کر کیا کروں گا؟'' اس نے بائیک کو پھر کک لگائی تھی۔

''موٹر سائیکل بنوالیجیے گا اپنی۔'' فارحہ طنزاً بولی۔

''مشورے کا شکریہ! میں پیسوں کی نہیں ''دل'' کی بات کر رہا تھا۔''

بائیک اسٹارٹ ہوگئی تھی۔ وہ ''زوں'' کی ایک زوردار آواز کے ساتھ چلتا بنا۔

''بدتمیز، بے ہودہ، آوارہ'' فارحہ نے دانت پیسے۔

''کمینہ کہیں کا'' زینب نے بھی ساتھ دیا۔

''آیا بڑا دل والا۔''

دونوں بڑبڑاتی ہوئی واپس دکان پر پہنچیں۔

''باسط بھائی کون تھا یہ؟''

''احسن نام ہے اس کا۔ اکثر آتا جاتا ہے۔ اچھا لڑکا ہے۔''

''لوفر ہے ایک نمبر کا۔'' زینب کو اس کی نگاہیں یاد آئیں۔

''یہ پیسے رکھیں باسط بھائی۔'' فارحہ نے کاؤنٹر پر روپے پٹخے۔ ''اب آئے تو منہ پر ماریے گا اس کے۔ ہم اس طرح ایروں غیروں کے پیسوں سے کھانے پینے والی لڑکیاں نہیں ہیں۔ سمجھا کیا اس کمینے نے۔''

''ارے فارحہ تم تو بہت ناراض ہوگئیں۔'' باسط بھائی شرمندہ ہوئے۔

''ٹھیک کہہ رہی ہے فارحہ۔'' زینب رکھائی سے بولی تھی ''آپ کو بھی اس سے اس طرح پیسے نہیں لینے چاہیے تھے۔''

''سوری بھئی، ویسے معاملہ اتنا بھی سیریس ہونے والا نہیں ہے۔'' وہ بے حد شرمندہ ہو رہے تھے، دونوں دکان سے نکل آئیں۔

بس اسٹاپ تک وہی ''بدتمیز'' نوجوان زیر بحث رہا تھا۔ پھر دونوں ایک دوسرے کو الوداع کہہ کر اپنے اپنے رستوں کو ہولیں۔



شام کو اس کی آنکھ قدرے دیر سے کھلی تھی۔ لیٹے لیٹے اس نے نظر اٹھا کر گھڑی کی سمت دیکھا۔ سوئیاں چھ بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ کھڑکی پر لٹکے پردے بھی دھوپ اتر جانے کے باعث بجھے بجھے سے لگ رہے تھے۔

''حیرت ہے!'' اس نے سوچا ''اماں نے آج اٹھایا نہیں۔ ورنہ تو وہ پانچ بجنے کا انتظار بھی بڑی مشکلوں سے کرتی ہیں اور ان کے چکر لگنے شروع ہو جاتے ہیں۔''

پھر اس کا دھیان باہر سے آتی باتوں کی آوازوں پر گیا۔ اماں کسی خاتون سے محو گفتگو تھیں۔

''نسرین خالہ'' اس نے خاتون کی آواز پہچانی ''اوہ تو نازل ہوگئیں!'' وہ اٹھ کر کمرے کے دروازے تک چلی آئی۔

''میں تو کہتی ہوں چھوٹی بیگم! بس ہاں کہو اور لڑکی کو گھر کا کرنے کی تیاریاں پکڑو۔ اس سے بہتر رشتہ اب نہیں ملنے کا، ساڑھے چار ہزار روپے ماہوار کماتا ہے لڑکا۔''

''ساڑھے چار ہزار روپے ماہوار۔'' زینب نے مصنوعی حیرت سے بھنویں اچکائیں ''اوہ میرے خدا! اتنے سارے روپے؟ خرچ کیسے ہوتے ہوں گے۔''

''لیکن نسرین! چھ جوان کنواری بہنیں پھر ماں باپ حیات یہ بھی تو سوچو!'' اماں قدرے تردد سے کہہ رہی تھیں۔ ''اتنی ذمہ داریاں بھی تو

ہیں اس کے کاندھے پر۔ بیوی کے لیے کیا بچائے گا اور کیا کھلائے پہنائے گا؟"

"ارے چھوٹی بیگم! ہر لڑکی اپنا نصیب خود لے کر جاتی ہے سسرال۔" نسرین خالہ نے پاندان کا ڈھکنا بند کر کے کتھے میں ڈوبی چھنگلی بالوں سے صاف کی "اپنی زینب کے جاتے ہی ہریالی ہی ہریالی ہوگی وہاں دیکھنا!"

"ہاں نسرین خالہ! سچ کہتی ہو۔" زینب ہنستی ہوئی صحن میں چلی آئی۔ "ایسی ہی تو سبز قدم ہوں میں۔ کیوں اماں؟"

"تم بند کرو اپنی بکواس۔" اماں کو اس کی بات پر غصہ آ گیا۔ "اور کتنی مرتبہ منع کیا ہے میں نے تمہیں، اپنی عمر سے بڑی باتوں میں ٹانگ مت اڑایا کرو۔"

"لیجیے اماں! یہ بھی عجب کہی۔" وہ سستی سے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے بولی "میری باتیں ہو رہی ہیں اور میری عمر سے بڑی بھی ہو گئیں۔ اب رشتے کم از کم نسرین خالہ کی عمر میں تو آنے سے رہے۔ کیوں نسرین خالہ؟"

"ارے بیٹی! خدا عمر دراز کرے تمہاری۔ تمہیں ہر خوشی دکھائے ایسے ہی ہنستا مسکراتا رکھے۔"

نسرین خالہ نے اپنا ایور گرین راگ الاپنا شروع کیا۔

"لیکن خالہ! رشتے تو آپ ایسے لاتی ہیں کہ آپ کی تمام دعاؤں کی از خود نفی ہوتی ہے ان سے، ارے جب مجھے کھانے کو ہی نہیں ملے گا تو میری عمر کیسے دراز ہوگی؟ پہننا اوڑھنا ڈھنگ کا نہ ہوگا تو ہر خوشی کیسے دیکھ پاؤں گی۔ ہونٹوں کو دائیں بائیں کھینچ کر ٹیپ لگا لوں تب ہی ہر وقت مسکراتی نظر آ سکتی ہوں ورنہ تو حالات تو ایسے نہیں کہ ہونٹ خود بخود پھیلیں!" اماں اس کی بکواس پر جل کر باورچی خانے کی سمت چل دیں۔

"میں ذرا شام کی ہانڈی کا کروں نسرین! تم ہی سنو اس کی یہ لن ترانیاں۔"

"میں تو کہتی ہوں بیٹی! سوچ سمجھ کر دینا جواب۔" نسرین خالہ سنجیدہ ہوئیں "اچھے رشتے بار بار دستک نہیں دیتے ہیں۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے، اچھی شکل وصورت کا ہے، اچھے کردار کا مالک ہے اور بھلا کیا چاہیے؟"

"اور بھی ایک بہت ضروری چیز ہوتی ہے زندگی میں خالہ! پیسہ کہتے ہیں اسے لڑکے کی پڑھائیوں اور شکل وصورت کا خمار چند روزہ ہوتا ہے۔ پھر عورت دیکھتی ہے اپنا سکون اور آرام، اسے طلب ہوتی ہے آسائشات کی، اچھے کپڑے، زیور، گہنا، خوب صورت لگژری گھر ان سب چیزوں کی خواہش اس طرح دل ودماغ پر حملہ کرتی ہے کہ پھر تمام عمر روتے سسکتے، اپنی خواہشات کا ماتم کرتے گزر جاتی ہے شوہر گھر آتا ہے تو نگاہ اس کی شکل پر پڑتی ہی نہیں۔ سیدھی جا کر جیب ٹٹولتی ہے۔"

"سچ کہتی ہو بیٹی!" نسرین خالہ ٹھنڈی سانس بھر کر کھڑی ہوئیں "یہ ہمارا ہی دور تھا جب عورت شوہر کی ایک میٹھی نگاہ کی خاطر ساری عمر کانٹوں پر گزار دیتی تھی اور "اف" نہ کہتی تھی۔ یہ زمانہ اور ہے۔ پیار کا نہیں پیسے کا دور ہے۔"

وہ اطمینان سے بیٹھی اپنے ناخنوں کا جائزہ لیتی رہی۔

"اچھا چھوٹی بیگم! چلتی ہوں۔" نسرین خالہ باورچی خانے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئیں "پھر کہہ آؤں انکار نہیں؟ زینب بیٹی تو۔"

"ہاں نسرین!" اماں نے آہستہ سے کہا تھا "کہہ دو انکار۔ کوئی اور اچھا رشتہ ہو تو بتانا۔"

"جی چھوٹی بیگم ضرور!"

نسرین خالہ کے جانے کے بعد اس نے اٹھ کر دروازے کی کنڈی لگائی اور باورچی خانے کے دروازے کے پاس موڑھا لا کر بیٹھ گئی۔

اماں کا موڈ سخت آف تھا۔ وہ بڑی خاموشی سے کھانا پکانے میں مصروف تھیں۔

"اماں!" اس نے بالآخر انہیں پکارا۔

"ہوں کہو؟" انہوں نے بظاہر سارا دھیان ہانڈی بھوننے پر لگا دیا۔

آپ کو پسند تھا یہ رشتہ؟ جو کوالیفائیڈ خالہ بیان کر رہی تھیں قابل قبول لگتا تھا آپ کو اپنی اکلوتی لاڈلی، خوبصورت بیٹی کے لیے۔"

"بس ان ہی خوش فہمیوں نے دماغ خراب کیا ہے تمہارا۔" اماں چڑ کر بولیں "بہت حسن آرا سمجھتی ہو خود کو۔"

"تو غلط کیا ہے؟" وہ اترائی۔ "کبھی میرے ساتھ چل کر دیکھیں کالج۔ لڑکیاں آگے پیچھے پھرتی ہیں میرے، کوئی لیڈی ڈیانا سے ملاتی ہے تو کوئی سائرہ بانو سے بس آپ کو ہی قدر نہیں ہے میری۔"

"تمہیں خود کو قدر نہیں ہے اپنی! ضائع کر رہی ہو خود کو، ایک وقت آئے گا ایسا جب یاد کرو گی اس وقت کو جب لوگ آگے پیچھے پھرا کرتے تھے۔ چند سال گزر جانے دو پھر پچھتاؤ گی۔"

"کمال ہے اماں۔" وہ چڑ گئی۔ "مائیں اپنی بیٹیوں کے اچھے نصیبوں کی دعا کرتی ہیں اور آپ ہیں کہ بددعائیں دے رہی ہیں۔"

"بددعائیں نہیں دے رہی ہوں میری بچی۔ سمجھا رہی ہوں۔ پتے کی بات بتا رہی ہوں تجھے۔ نصیب میں جو کچھ خدا نے اتارا ہوتا ہے وہ تو موت کی طرح پیچھا کرتا ہے آدمی کا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ انسان کو نہ ملے جو خدا نے اس کی قسمت میں لکھ دیا ہے۔ اس کے انتظار میں اس طرح عمر ضائع نہیں کرنی چاہیے۔ یہ روپے پیسے کی خواہش کہاں سے سما گئی ہے۔ تیرے من میں؟ اور کوئی اچھائی تیری نگاہ میں جچتی ہی نہیں!"

"اماں اماں۔" وہ بکھر گئی۔ "میں ویسی زندگی نہیں گزارنا چاہتی جیسی آپ نے گزاری۔"

"بڑی اچھی گزاری ہے۔ شکر ہے اس رب کا۔" اماں نظریں چرا گئیں۔

"اچھی؟ اچھی؟ کیا اچھی زندگی گزاری ہے آپ نے؟ مجھ سے یہ بات کہہ سکتی ہیں آپ؟ جس نے شعور کی دنیا میں پہلا قدم رکھنے کے ساتھ ہی آپ کو بھائیوں کے در پر سر جھکائے کھڑے دیکھا ہے۔ ذرا ذرا سی چیز کے لئے کیسے کیسے جتن کرنے پڑتے تھے۔ میری فیس بھرنی ہو تب بھائی کے ہاں حاضری، گھر کا راشن ختم ہو گیا تب شرمندگی، بجلی کا بل زیادہ آ گیا تو جیسے جسم میں جان ہی نہ رہی کیسے سامنا ہوگا بھائی کا۔ بھائی کے طعنے الگ۔"

"یہ سب باتیں کیوں کر رہی ہو زینب!" اماں دکھ سے بولیں۔ "خدا ہر عورت کے سر پر اس کے سہاگ کا سایہ سلامت رکھے۔ تمہارے ابا ہوتے تو۔"

"بات یہ نہیں اماں! کہ آپ شوہر کے سائے سے محروم ہو گئی تھیں۔ بات اصل یہ ہے کہ میرے ابا دو وقت کی روٹی بڑی مشکلوں سے کمانے والے شخص تھے۔ میرے اور آپ کے تحفظ کے لئے چھوڑنے کو ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا کسی امیر و کبیر شخص کی بیوہ بھی کسی غریب کی سہاگن سے زیادہ مطمئن اور مضبوط ہوتی ہے۔"

"خدا کا کچھ خوف کرو۔" اماں دہل گئیں۔ "کیسے برے بول منہ سے نکال رہی ہو۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے عزتیں محفوظ رکھی ہیں۔ اچھے خاندان میں پیدا کیا ہے۔ یہ روپے پیسے کی مشکلات کچھ حیثیت نہیں رکھتیں۔"

"میرے لئے رکھتی ہیں اماں!" وہ پرزور انداز میں بولی۔ "میں ماضی میں اپنے شوق کی ہر شئے کو ترسی ہوں اور اب اپنے مستقبل میں زندہ ہوں۔ مجھے ایک خوب صورت گھر چاہیے۔ ایک بے فکر زندگی کی خواہش ہے جس میں میں اگلے وقت کی روٹی کے خیال سے پریشان نہ رہوں۔ اپنی پسند کا کپڑا خرید سکوں۔ بھرے بازار سے سر جھکا کر نہ گزروں بلکہ جہاں جو شئے پسند آئے کھڑے کھڑے خرید لوں۔"

"میری بچی ایہ نصیبوں کی باتیں ہیں!" اماں کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ "میں ماں ہوں تیری کیا کیا نہ سوچتی ہوں گی تیرے لئے، دنیا کی ہر نعمت تیرے قدموں میں ڈھیر کر دینے کا ارمان میرے دل میں پھانس بن کر اٹکا رہتا ہے۔"

"پھر...... پھر...... اماں؟ یہ ہرا یرے غیرے کے رشتے پر اتنے انہماک سے کیا سوچنے لگ جاتی ہیں آپ؟ میری بات سن لیں اماں میں ایک دو کمروں کے گھر سے اٹھ کر دوسرے دو کمروں کے گھر جانے سے بہتر سمجھتی ہوں کہ پہلے گھر میں ہی ساری زندگی گزار دوں۔ معیار زندگی ایک

اونچ بھی اوپر کو نہ جائے، ذمہ داریوں کا بوجھ الگ شانوں کو جھکا دے، کیا فائدہ ایسی شادی کا اماں؟" اماں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں۔

"لیکن زینب! نصیبوں سے کون لڑسکتا ہے۔ خواہش تو میری بھی یہی ہے کہ تجھے ایسے بیاہوں کہ تیرا چہرہ غازے سے، خوشیوں سے دمکتا ہو۔ لیکن میری بچی! کسی کا ہاتھ پکڑ کر تو نہیں لاسکتی اس گھر میں۔"

"میں نے کب کہا اماں ایسا کرنے کو؟ بس مجھے سکون سے انتظار کر لینے دو۔ مجھے یقین ہے۔ پورا یقین ہے کہ خدا نے میری قسمت میں یہ سب کچھ لکھ دیا ہے جو میں چاہتی ہوں۔ بس تھوڑی دیر ہے۔"

اماں ہنس دی۔

"بھولی! قسمتوں کا حال پڑھنے کا دعویٰ کر رہی ہے؟"

"نہیں۔ خدا پر اپنے یقین کا اظہار کر رہی ہوں۔" وہ اطمینان سے بولی تھی۔

"اور کیوں نہ یقین ہو مجھے اپنے خدا پر۔"

پھر رات کو صحن میں بچھے ٹھنڈے سفید بستر پر آرام سے لیٹ کر اس نے سوچا تھا۔

"میری قسمت میں اس نے دولت نہ لکھی ہوتی تو کیوں مجھے دولت حسن سے آراستہ کرتا۔۔۔ سر سے پیر کے انگوٹھے تک ایک ایک انگ کیوں ہیرے کی کنی کی مانند دمکتا اگر جو اس جسم نے پرانے، پیوند زدہ کپڑوں میں ہی ملبوس رہنا تھا تو......اور فارحہ کہتی ہے۔ زینب! تجھے دیکھ کر صرف یہ سوچتی ہوں، حسن اس قدر مکمل بھی ہوتا ہے۔"



اس روز کالج کی چھٹی تھی۔

گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ آمنہ کے ہاں جانے کے خیال سے نہانے گھس گئی۔

آمنہ اس کے پڑوس میں رہتی تھی۔ دبلی پتلی، سانولی، لیکن جہاں بھر کا خلوص دل میں سمیٹے وہ لڑکی زینب کی بہت اچھی دوست تھی۔ دونوں کی دوستی بچپن سے چلی آ رہی تھی۔ گھر کے کاموں کی وجہ سے آمنہ اسکول سے آگے نہ پڑھ سکی تھی اور زینب کو اکیلے ہی کالج میں داخلہ لینا پڑ گیا تھا۔ لیکن اب بھی ذرا سی فرصت ملنے پر وہ آمنہ کے ہاں دوڑی جاتی تھی۔

گیلے بال دوپٹے سے ڈھانپ کر اماں کو دروازہ بند کرنے کا کہہ کر وہ آمنہ کے ہاں چلی آئی۔ آمنہ کپڑوں کی آخری بالٹی لے کر چھت کی سمت جا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر رک گئی۔

"ملکہ عالیہ کو آ گیا دھیان؟ پورے پندرہ روز بعد آئی ہو۔" اس نے بالٹی پہلی سیڑھی پر رکھ کر مصنوعی خفگی کا اظہار کیا۔

"جتنا تمہارا گھر میرے گھر سے دور ہے اتنا ہی میرا گھر بھی تمہارے گھر سے دور ہے آنسہ آمنہ پروین!" وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"دھل گئے کپڑے؟ یا ابھی باقی ہیں؟"

وہ اس کے قریب آ کر بیٹھی تو زینب نے دریافت کیا۔

"دھل گئے۔" اس نے سانس بھرا۔ "صبح چھ بجے سے مشین لگائی تھی۔ اب گیارہ بج رہے ہیں۔"

"چھ بجے؟" زینب نے حیرت سے کہا۔ "کھانا پھر خالہ نے بنایا ہے؟"

"نہیں کھانا بھی میں نے ہی بنایا ہے۔ صفائی بھی کی۔"

"توبہ ہے آمنہ! اتنا کام کیسے کر لیتی ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "مجھے دیکھو۔ آٹھ بجے اٹھی تھی۔ تھوڑے سے برتن دھوئے اور دو یا تین روٹیاں پکائیں۔ پھر بھی تھک سی گئی ہوں۔"

آمنہ کو ہنسی آ گئی۔

"تم تو بھئی نواب زادی ہو۔ اماں نے شہزادیوں کی طرح پالا ہے تمہیں۔ ہمارے ہاں ایسا دستور نہیں ہے۔ یہاں الف سے یے تک ہر کام کرنا پڑتا ہے۔ وقت نکالنا پڑتا ہے۔ چاہے صبح کے چار بجے اٹھنا پڑ جائے۔"

زینب تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ دبلی پتلی سی آمنہ پر اسے ترس آنے لگا۔ اس نے واقعی اسے بے حد پیار سے پالا تھا۔ خود خواہ وہ سارا دن کام میں جتی رہتیں اسے نہیں اٹھاتی تھیں۔ وہ گھر کے کاموں سے بے نیاز محض اپنے ذاتی کاموں میں لگی رہتی۔ کبھی کالج کے لئے یونیفارم تیار کرتی۔ کپڑوں کو کلف لگا کر گھنٹہ گھنٹہ بھر استری کرتی رہتی، بالوں کو خوب صورت بنانے کے ٹوٹکے آزماتی۔ کبھی ناخن صاف کر کے کیوٹکس سے سجانے میں پورا پہر نکال دیتی۔ کبھی اپنی پرانی ڈائریاں نکال کر شعر منتخب کرتی رہتی۔

گھر کے کاموں سے اسے کبھی دلچسپی محسوس نہ ہوئی۔ اماں کر ہی لیتی تھیں سب کچھ۔ سودا سلف تک لے آتی تھیں قریبی بازار سے۔ فارغ وقت میں بیٹھ کر سبزی بنا لیتی تھیں۔ وہ کالج میں ہوتی تو پیچھے سے گھر کا تمام کام نمٹا لیتیں۔ اسے گھر آ کر ہاتھ ہلانے کی زحمت بھی نہیں کرنی پڑتی تھی۔ کھانا تک اماں ہی نکال کر دیتی تھیں۔ وہ اماں کی خوشیوں کا مرکز تھی۔ ان کی ہر تمنا کا عنوان تھی۔ ان کی ساری عمر کا حاصل تھی۔

"کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟" آمنہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کچھ بھی نہیں۔ میں سوچ رہی تھی، کتنی سلیقہ مند ہو تم۔ ایک میں ہوں پھوہڑ، بدسلیقہ۔"

"فکر نہ کرو۔ سسرال جاؤ گی تو ہر کام کرنا آ جائے گا۔" آمنہ دھلے کپڑوں کی تہہ لگانے لگی۔

''نا بابا۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔'' بد دعائیں تو نہ دو۔ دعا کرو ایسا سسرال ملے کہ وہاں جا کر باقی کے کام کرنا بھی بھول جاؤں۔ کچھ کرنے کی ہو تو محض عیش۔'' آمنہ ہنس دی۔

''بڑے اونچے خیالات ہیں بھئی!''

''ہاں آمنہ!'' اس نے گہرا سانس بھرا۔'' اور کچھ نہیں تو کم از کم آدمی کے خیالات تو اونچے ہوں۔''

''اور کچھ کیوں نہیں۔'' آمنہ نے شوخی سے اسے گھورا۔'' اتنی خوب صورت ہو۔مل ہی جائے گا تمہیں تمہارے خوابوں کا شیش محل، یہ تو ہم جیسے عام شکل وصورت والے لوگ ہیں جنہیں' جہاں ہو جیسا ہو' کی شرائط پر آئے رشتے قبول کرنے پڑتے ہیں۔''

''کہتی تو فارحہ بھی یہی ہے۔'' زینب مسکرا دی۔

''کیا کہتی ہے فارحہ؟''

''کہتی ہے، زینب! کسی ایوریج سے رشتے پر سر ہلا دینے کی بے وقوفی بھی مت کرنا۔خدا نے تجھے اتنا حسن دیا ہے۔تیرے مقدر کا محل بھی بنایا ہوگا۔ٹھیک کہتی ہے نا آمنہ وہ؟''

''نہیں زینب!'' آمنہ سنجیدہ ہوگئی۔'' غلط کہتی ہے۔میری ایک بات پلو سے باندھ لو۔طبیعت میں کبھی بھی ہوس اور مادہ پرستی پیدا مت ہونے دینا۔کیونکہ ایک مرتبہ نفس ہاتھ سے نکل جائے تو پھر آدمی محل تو کیا پوری دنیا پا کر بھی مطمئن نہیں ہو پاتا۔نفس کو ہمیشہ اپنے قابو میں رکھنا چاہیے۔قناعت پسندی بڑی نعمت ہے۔بڑا پر سکون رکھتی ہے انسان کو ورنہ تو دنیا پا کر انسان چاند ستاروں کی تمنا کرنے لگتا ہے۔یاد رکھو زینب! خدا نے چیزوں کی تقسیم بڑے انصاف سے کی ہے۔تمہیں حسن کی دولت سے نوازا ہے تو کہیں کسی کو دوسری نعمتیں عطا کی ہے۔کسی کو کچھ نہیں دیا تو قناعت پسندی اور شکر گزاری کی عظیم نعمتوں سے آراستہ کر دیا تا کہ کسی شے کی طلب دل میں پھانس کی مانند اٹکی نہ رہے۔ضروری نہیں کہ ہر حسین عورت کے مقدر میں خدا نے ایک عالی شان محل بھی لکھا ہو۔''

زینب چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی تھی۔

''ہاں آمنہ!'' پھر وہ بولی'' تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں لیکن، لیکن ان خوابوں سے پیچھا کیسے چھڑائے انسان؟ یہ تو وہ ضدی بچے ہیں جو اگر ایک مرتبہ ضد پر آ جائیں تو پھر کسی نہ کسی طور پر انہیں بہلانا ہی پڑتا ہے۔اپنی نیندیں، اپنی ساری امیدیں کھلونوں کی صورت انہیں دینی ہی پڑتی ہیں۔''

''یہ خواب نہیں سراب ہوتے ہیں زینب! ان کے دھوکے میں کبھی مت پڑنا۔یہ مسافر کو کہیں کا نہیں چھوڑتے نہ منزل پر پہنچنے دیتے ہیں، نہ ہی پیاس بجھاتے ہیں۔خوابوں کے ان صحراؤں میں امیدوں اور تمناؤں کی لاشیں پڑی سسکتی ہی رہتی ہیں۔''

زینب سر جھٹک کر کھڑی ہوئی تھی۔'' میں چلتی ہوں آمنہ!''

''بیٹھو زینب! کھانا تیار ہے۔کھا کر جانا!'' آمنہ نے بڑے خلوص سے اسکا ہاتھ تھاما۔

''نہیں۔کھانا تو اماں نے تیار کر لیا ہوگا۔میرا انتظار کر رہی ہوں گی وہ!'' آہستہ سے ہاتھ چھڑا کر وہ باہر نکل گئی تھی۔



گرمی سے وہ سخت بیزار ہوا کرتی تھی۔ سخت حبس اور آگ برساتے سورج کی موجودگی میں گھر سے نکلنے کا تصور اسے بھیانک لگتا تھا۔ گھر آتے ہی سب سے پہلا کام وہ چہرے پر کوئی چیز لگانے کا کام کرتی تھی۔ اپنی سفید، بے داغ جلد اسے بہت پیاری تھی۔

کالج کی مجبوری نہ ہوتی تو وہ کبھی ایسے حسن کے دشمن موسم میں باہر نہ نکلتی۔ لیکن کالج ابھی گرمی کی چھٹیوں کے سلسلے میں بند نہ ہوئے تھے اور ٹیچرز زور و شور سے پڑھائی کروا رہی تھیں۔ اس دن بھی وہ کالج سے لوٹتے ہی حسن کی نگہداشت میں مشغول ہو گئی تھی۔

''زینب!'' وہ بیسن سے چہرہ صاف کر رہی تھی۔ اماں وہیں واش بیسن کے پاس چلی آئیں۔

''جی اماں؟ آتی ہوں ابھی۔ نکال لیں کھانا۔''

''کھانا تو میں نے نکال ہی لیا ہے۔ وہ میں کہہ رہی تھی اب پڑھ کر سومت جانا، کوئی ڈھنگ کے کپڑے نکال کر استری کر لینا پھر سونا۔''

''کیوں؟'' وہ منہ پر پانی کے چھپاکے مارنے لگی۔ ''کہیں جانا ہے؟''

''جانا نہیں ہے۔ شام کو کوئی آئے گا!'' وہ کہہ کر مڑ گئی تھیں۔ زینب کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ تولیہ سے ہولے ہولے چہرہ تھپکتے ہوئے سوچنے لگی۔

''یہ مبہم انداز تو اماں اسی وقت اپناتی ہیں جب کسی رشتے وغیرہ کا چکر ہو۔ صاف کہتے بھی نہیں اور چھپاتے بھی نہیں۔ کی تفسیر بن جاتی ہیں۔ کون لوگ ہیں؟ یقیناً نسرین خالہ اماں سے ضد کر کے ان ہی لوگوں کو لا رہی ہیں۔ چھکواری بہنیں، ماں باپ حیات اور چار ہزار روپے ماہوار، یا خدا! میری ماں کو عقل سلیم عطا فرما۔''

وہ پریشان سا چہرہ بنا کر کمرے میں بچھے دستر خوان پر آ بیٹھی تھی۔

''بھنڈیاں بنائی ہیں مسالہ بھر کر، پسندیدہ ڈش تمہاری۔'' اماں نے اس کا چہرہ دیکھا۔

''جی!'' وہ چپ چاپ لقمے لینے لگی۔

''وہ باسط آیا تھا صبح۔'' اماں اس کی خاموشی محسوس کر کے بول پڑیں۔

''باسط؟'' اس نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

''ہاں وہی لڑکا۔ تمہاری دوست فارحہ کا عزیز جس کی دکان ہے تمہارے کالج کے قریب۔''

''باسط بھائی؟'' اسے حد درجہ حیرت ہوئی۔

''کیوں؟ وہ کیوں آئے تھے؟''

''وہ کسی رشتے کا ذکر کر رہا تھا۔ تمہارے لیے کوئی خاتون آئیں گی شام کو۔'' اماں کہہ کر باہر چلی گئیں۔ جب کہ وہ لقمہ ہاتھ میں پکڑے گہری سوچ میں گم ہو گئی۔ باسط بھائی سے اس کی تھوڑی بہت جان پہچان ضرور تھی لیکن ایسا بھی نہ تھا کہ وہ یوں کسی خاتون کو لے کر اس کے گھر آ دھمکتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا کہ وہ اور فارحہ نوٹس یا کوئی کتاب وغیرہ ان کی دکان پر چھوڑ آئی تھیں اور وہ شام کو گھر پہنچا گئے تھے۔ لیکن اس سے آگے کسی قسم کی کوئی بے تکلفی نہ تھی۔

''اور فارحہ؟'' اس نے سوچا ''فارحہ کے علم میں یہ بات ہوتی تو وہ ضرور کالج میں مجھ سے ڈسکس کرتی۔ اس کا مطلب ہے باسط بھائی نے اس سے ذکر نہیں کیا۔ اگر ان کے علم میں ایسا کوئی رشتہ ہے تو انہوں نے فارحہ کے لیے کیوں نہ سوچا۔ میرے لیے ہی کیوں؟'' تب اچانک ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ مہربان، شناسا سا، دل تک اترتی آنکھیں اس کے تصور میں در آئیں۔

''اوہ کہیں وہ اجنبی، کیا نام تھا بھلا اس کا۔''

ایک مسکراتا چہرہ اس کے تصور میں گردش کرنے لگا۔

''لیکن نہیں۔'' پھر اس نے سر جھٹک دیا'' میں بلاوجہ خوش فہمیوں کا شکار ہو رہی ہوں۔ کوئی اجنبی بھلا ایک ادھوری سی ملاقات میں کیوں میرے لیے رشتہ بھیجنے لگا۔ خیر دیکھا جائے گا۔'' اس کیلئے یہی اطمینان بہت تھا کہ یہ نسرین خالہ کا بتایا ہوا رشتہ نہیں ہے۔ وہ سکون سے کھانا کھانے لگی۔



شام کو حسب توقع اماں نے اسے پانچ بجے ہی جگا دیا تھا۔ اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ وہ برا سا منہ بنائے بستر میں پڑی رہی۔

''زینب! میں کہتی ہوں اٹھ کر نہالو۔ بیزار کر دیتی ہے تمہاری یہ ڈھٹائی مجھے۔'' بلاشبہ اماں کا آٹھواں یا نواں چکر تھا۔

''اماں! اماں! یہاں کسی کو اتنی فرصت نہیں ہے کہ گرمیوں میں چار پانچ بجے کسی کے گھر جا کر بیٹھ جائے۔ لوگ موسم کی تپش ختم ہونے پر نکلتے ہوں گے۔

''باسط مجھ سے خود چھ بجے کا کہہ کر گیا ہے۔''

''کہتے سب ایسا ہی ہیں۔''

''مرضی ہے تمہاری۔ عین وقت پر دوڑیں لگاؤ گی۔ کبھی غسل خانے کی تو کبھی باورچی خانے کی جانتی ہوں تمہیں میں۔''

وہ جل کر کمرے سے نکل گئی تھی۔

''توبہ توبہ! کتنا ارمان ہے اماں کو مجھے گھر سے نکال پھینکنے کا۔ بس نہیں چلتا، گھر آئے پہلے شخص کے ہاتھ میں میرا ہاتھ تھما کر مجھے چلتا کریں۔''

وہ اماں کے خراب موڈ کے پیش نظر فوراً ہی بستر سے نکل آئی تھی۔ ایک ہاتھ سے چوٹی کی بل کھولتے ہوئے اور دوسرے ہاتھ سے تولیہ تھامے وہ غسل خانے میں گھس گئی۔ نہا کر گلابی کاٹن کا سوٹ پہن کر، گیلے بال شانوں پر بکھرائے جس وقت وہ باہر نکلی، اماں مہمانوں کی رہنمائی کرتے ہوئے انہیں اندر لا رہی تھیں۔

زینب ٹھٹک کر وہیں رک گئی۔

اماں کے پیچھے باسط بھائی تھے۔ ایک درمیانی عمر کی خاتون اور ان سے ذرا پیچھے وہی کھڑا تھا احسن ایاز! سفید شلوار سوٹ میں ملبوس، سلیقے سے بال جمائے وہ بڑا دھلا دھلا نکھرا نکھرا لگ رہا تھا۔ اس سے نگاہیں ٹکرائیں تو زینب کی آنکھیں خود بخود جھک گئیں ان نظروں میں وہی شرارت ہلکورے لے رہی تھی۔

گلابی سوٹ پر سفید بڑا سا تولیہ شانوں پر بکھرائے، سیاہ گیلے بالوں سے ٹپکتا پانی لئے وہ عجب خجل سی کھڑی تھی۔

''یہ ہے میری بیٹی، زینب!'' اماں نے خاتون سے اس کا تعارف کرایا۔

''اسلام علیکم۔'' اس کی نظریں ہنوز جھکی ہوئی تھیں۔

وعلیکم السلام جیتی رہو ماشاء اللہ! بے حد پیاری بچی ہے۔ گلابی گڑیوں سی۔'' انہوں نے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آئیں، آپ لوگ اندر آجائیں۔'' اماں کمرے تک ان کی رہنمائی کرنے لگیں۔ وہ قریب سے گزرا تو نجانے کیوں اسکی جھکی نظریں اٹھ گئی تھیں۔ لبوں پر بڑی گہری، خوب صورت مسکراہٹ لئے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

زینب کے دل کو پر لگ گئے۔ بڑی مشکلوں سے وہ باورچی خانے تک آئی تھی۔

''عجیب آدمی ہے۔'' وہ بلاوجہ ہی مصنوعی خفگی کا اظہار خود سے کرنے لگی۔ ''نظروں میں ذرا لحاظ نہیں۔ ایسے دیکھتا ہے جیسے میں اسکی ہوں۔''

اس کے گال اپنی ہی سوچ کی تپش سے سلگ اٹھے۔

"زینب!" اماں باورچی خانے کے دروازے پر نمودار ہوئی تھیں۔ چائے کا پانی رکھو۔ میں نے پڑوس کے بچے کو بھیجا ہے سموسے اور بسکٹ لینے کے لئے۔ سب چیزیں سلیقے سے رکھ کر اندر لے آنا۔"

"اماں۔" اس نے بے چین ہو کر انہیں پکارا۔ میں، میں اندر نہیں آؤں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ یہ لوگ اچھے اور شریف ہیں۔ چائے دے جاؤ پھر بے شک مت بیٹھنا۔"

اماں سنی ان سنی کر کے چلی گئی تھیں۔

اور زینب کا دل اس کے سامنے جانے کے تصور سے گھبرانے لگا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا ہوا تھا جب کسی کی نظروں نے برملا پسندیدگی کا اظہار کیا تھا، پیغام بھیجے تھے، جواب مانگا تھا۔ زینب کی نظریں جواب دینے کے قابل نہ تھیں، حیا کے بوجھ سے جھک جھک جاتی تھیں۔

"کیسا شخص ہے۔ ایک نظر دیکھا اور زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ کر کے اتنے رعب سے چلا آیا۔ جیسے میں تو تیار ہی بیٹھی ہوں ناں اٹھ کر ساتھ چل دوں گی اونہہ ایسی سستی تو نہیں میں، ایسے ہتھیلی پر دل لے کر پھرنے والوں کا کیا بھروسا۔ آج اس کے پیچھے تو کل اس کے اور پھر ایسا ہی ہے۔ ایویں سا، پھٹیچر سی بائیک ہے جو اسٹارٹ ہونے میں برسوں لگا دیتی ہے۔ میں تو ہاں کہوں گی کسی گاڑی والے کو، عالی شان کوٹھی ہو جس کی۔ جسے دیکھتے ہی دل کہے، ہاں یہی تو ہے۔" وہ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر نجانے کن خیالوں میں کھو گئی تھی۔

"باجی! یہ سموسے اور بسکٹ۔" پڑوسیوں کا لڑکا اس کے سر پر آن پہنچا تب وہ چونکی۔

"ہاں، ہاں لاؤ۔"

اسے خیال آیا مہمانوں کو اندر بیٹھے بہت دیر گزر گئی تھی۔

"اماں، اماں تو مغز پلپلا کر دیں گی باتیں سنا سنا کر۔" وہ جلدی جلدی پلیٹیں نکال کر صاف کرنے لگی۔ "پہلے ہی خفا رہتی ہیں میرے سلیقے اور ہنر مندی سے۔"

ساری چیزیں بڑی سی ٹرے میں سجا کر وہ کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی۔ اندر جانے کا اور احسن ایاز کا سامنا کرنے کا اس کا ارادہ نہ تھا۔

"اماں! اماں چائے۔" اس نے دھیرے سے پکارا تھا۔

"زینب! بیٹا اندر آ جاؤ۔" اماں نے اس کے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔

ناچار اسے اندر داخل ہونا پڑا۔ سیاہ آبشار سے بال پشت پر بکھرے، لبوں کو دانتوں سے کاٹتی وہ خفا خفا سی، گھبرائی گھبرائی سی براہ راست اس کی نگاہوں کی زد میں تھی۔

"آپا! چائے آپ نکالیں۔"

اس کے ہاتھوں کی لرزش شاید اس سے چھپی نہ رہی تھی۔ اس کی اندرونی کیفیت سمجھ گیا تھا۔ اُس نے بڑی نرم آواز میں اپنے ساتھ آئی خاتون سے کہا تھا۔

"بیٹھ جائیں بیٹا! آپ۔" خاتون نے کیتلی اس کے ہاتھوں سے لے لی۔

زینب بیٹھنے کے بجائے پلٹ کر کمرے سے نکل گئی اور کچھ سمجھ میں نہ آیا تو چھت پر چلی آئی۔ مغرب کا وقت ہو چلا تھا۔ وہ بے مقصد ادھر ادھر ٹہلتی رہی تاوقتیکہ نیچے سے اماں نے پکار لیا۔

"زینب! نیچے آ جاؤ بیٹا! مغرب ہو گئی ہے۔"

وہ دھیرے دھیرے سیڑھیاں اترتی نیچے چلی آئی۔ وہ لوگ جا چکے تھے۔

"چائے کے برتن سمیت لو بیٹا! میں ذرا نماز سے فارغ ہولوں تو رات کی روٹی ڈالوں گی!" زینب نے اماں کا چہرہ دیکھا۔اماں بے حد خوش نظر آرہی تھیں۔ان کا زرد چہرہ اندرونی خوشی کے احساس سے چمک اٹھا تھا۔ان کی چال میں تیزی سی آگئی تھی۔

اس کے......دل کو عجیب سے احساس نے آگھیرا۔

"نجانے کیسے لوگ ہیں۔کیا کہہ کر گئے ہیں۔اماں نے کیا جواب دیا ہے۔اماں کے انداز تو بہت مختلف ہیں۔دیکھنے میں تو عام،بالکل عام لگ رہے تھے۔خاتون کے کپڑے تو بالکل سادہ سے تھے۔شاید اس کی بہن تھیں۔شکل کا تو اچھا ہے بلکہ بہت اچھا ہے لیکن شکل سے کیا ہوتا ہے امیر ذرا بھی نہیں۔امیر لوگ تو الگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ہائے! کہیں اماں پوچھے بنا ہاں نہ کہہ دیں اور یہ باسط بھائی انہیں کس نے مشورہ دیا ہے رفاہ عامہ کے کام سرانجام دینے کا۔اس روز اس سے بوتلوں کے پیسے لے لیے تھے۔آج اسے لے کر گھر چلے آئے۔پوچھوں گی ان سے تو۔فارحہ کو کچھ خبر نہیں،کل کالج میں بات کروں گی۔"

جب تک اماں نماز سے فارغ نہ ہوگئیں۔اس کا ذہن عجیب منتشر،بے ربط سوچوں کی آماجگاہ بنا رہا۔اماں روٹی پکانے بیٹھیں تو وہ صحن میں بستر لگانے لگی۔کھانا کھا کر دونوں ماں بیٹی برابر برابر لیٹ گئیں۔

"زینب!" اماں نے بڑی محبت سے اسے پکارا۔

"جی اماں!" وہ آہستگی سے بولی۔

"بیٹی! خوش قسمتی بار بار پلٹ کر نہیں آتی۔احسن بہت اچھا لڑکا ہے۔نیک،شریف،برسرروزگار،پھر بڑی امیدوں سے،تمناؤں سے آیا ہے۔ہتھیلی کا چھالہ بنا کر رکھے گا۔مجھے بھی اس کی صورت میں ایک جوان،مضبوط بیٹا مل جائے گا۔"

وہ خاموش لیٹی ستاروں سے بھرا آسمان دیکھتی رہی۔

"کسی مل میں ملازم ہے آٹھ ہزار تنخواہ پر۔"

"آٹھ ہزار۔" زینب کا دل ٹوٹ گیا۔بس آٹھ ہزار؟ اتنے سے پیسوں میں تو آج کل سفید پوشی کا بھرم رکھنا بھی مشکل ہے۔"

"اکیلا ہے نہ کوئی آگے نہ پیچھے۔" اماں اس کی کیفیات سے بے خبر بولتی رہیں۔"جس عورت کو ساتھ لایا تھا،وہ مالک مکان کی بیوی ہے۔بہن بنا رکھا ہے اسے۔"

"مالک مکان؟" اسے پھر دھچکا لگا۔"تو اپنا گھر بھی نہیں،آدھی تنخواہ سے تو کرایہ ادا کر دیتا ہوگا مکان کا۔"

"باسط کا پرانا شناسا ہے۔باسط تو اس کے اعلیٰ کردار کی قسمیں کھا رہا تھا۔وہ عورت بھی بڑی تعریفیں کر رہی تھی۔کہتی تھی خوش قسمت ہوگی وہ لڑکی جو احسن کی بیوی بنے گی۔"

"تعریفوں کے لئے ہی تو لایا تھا ان دونوں کو۔" اس نے جل کر سوچا۔"انہوں نے تو تعریفیں کرنی ہی تھیں۔"

"میں کہتی ہوں زینب! ہر لحاظ سے بہترین رشتہ ہے۔سلجھا ہوا،باکردار لڑکا ہے۔اچھا کماتا ہے۔ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے،بہت ترقی کرے گا خدا نے چاہا تو۔شکل کیسی بھلی ہے،دیکھ کر دل خوش ہوتا ہے۔"

"آپ کا دل ہی اتنا سادہ اور معصوم ہے۔اماں! میرا دل تو کہیں گہرائیوں میں ڈوبا جاتا ہے۔" وہ اماں کی خوشیاں دیکھ کر اداس ہوگئی تھی۔

"پھر کیا سوچا ہے تم نے؟ دو دن بعد جواب مانگا ہے انہوں نے۔"

"نیند آرہی ہے اماں۔" اس نے کروٹ لے لی۔"صبح کالج بھی جانا ہے۔"

اماں نے گہری سانس بھری تھی۔



''ہوں! تو محترم گھر تک پہنچ گئے۔'' فارحہ نے ساری بات سن کر ماتھے پر شکنیں ڈالی تھیں۔

''اور یہ باسط بھائی! ان کی عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے جو یہ حرکتیں کرتے پھر رہے ہیں۔''

''اصل بات تو یہ ہے فارحہ! کہ اماں خوش ہیں۔ بہت خوش، ایک دن میں ان کا چہرہ چمک اٹھا ہے۔ احسن نے انہیں بے حد متاثر کیا ہے!''

''کہیں تمہیں تو نہیں متاثر کر دیا اس نے؟'' فارحہ نے اسے گھورا۔

''مجھے؟'' وہ نظریں چرا گئی۔ ''نہیں، بھلا میں تمہیں اتنے کمزور دل کی لگتی ہوں؟ اتنی جلدی مجھے کوئی متاثر نہیں کر سکتا۔ ہاں، یہ ہے کہ وہ لگتا مخلص ہے۔ ورنہ آج کل کون لڑکا نظر بازی سے آگے کی بات کرتا ہے۔''

''ہونہہ! ملتی نہیں ہو گی محترم کو کوئی۔ بھلا یہ کوئی رشتہ ہے جس پر اماں اتنا خوش ہو رہی ہیں۔ آٹھ ہزار میں کوئی کیا کیا کرے؟ گھر کا کرایہ بھرے، راشن خریدے، بل جمع کرائے، پٹرول جلائے پھر بیماری میں دوا دارو ہے، آنا جانا، دینا دلانا، کیا خرچ کرو گی کیا بچاؤ گی۔ آج تو لان کا ایک سوٹ خرید کر لاؤ تو ہزار کے نوٹ کا پتا نہیں لگتا۔ بقیہ شوق تو بہت دور کی بات ہیں۔''

''لیکن فارحہ! اماں کہتی ہیں، انسان کو وہی ملتا ہے جو اس کے نصیبوں کی کتاب میں درج ہے۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولی۔ ''کیا خبر میرے نصیبوں میں یونہی ذرا ذرا سی شے کے لئے ترسنا لکھ دیا ہو خدا نے۔ ساری عمر ایک ایک چیز کے لئے مہینوں مہینوں انتظار کیا ہے۔ ماموؤں کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ ممانیوں کے طعنے سہے ہیں۔ شاید آگے بھی یہی کچھ کرنا ہو۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو زنب!'' فارحہ نے ہمدردی سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ ''اللہ تعالیٰ یہ بھی کہتا ہے کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ سعی کرتا ہے۔ امید کے دیے کو بجھنے مت دو یہ چھوٹے موٹے رشتے تو عام سے عام لڑکی کے بھی آتے رہتے ہیں۔ تم ذرا غور سے آئینہ تو دیکھو، کیا انمول بنایا ہے خدا نے تمہیں۔ عمر گزر جاتی ہو گی لوگوں کی تب کہیں ایک آدھ چہرہ ایسا دکھائی دیتا ہو گا۔ ایسی شہد رنگت تو کسی کسی کو دیتا ہے خدا۔ اس پر یہ غزالی آنکھیں، ایسا متناسب سراپا۔''

زینب بے اختیار ہنسنے لگی۔

''توبہ ہے فارحہ! جوشِ جذبات میں تم اتنی مبالغہ آرائی بھی کر سکتی ہو۔''

''مبالغہ آرائی؟ یعنی کہ حد ہو گئی۔ میں غلط کہہ رہی ہوں کیا؟''

''اب میں ایسی بھی حسین نہیں۔'' زنب نے جھینپ کر سر جھکا لیا۔

''پوچھنا ذرا احسن ایاز صاحب سے، کیوں پہلی نظر میں دیوانے ہو گئے وہ۔ پوچھو ذرا کسی لڑکی کو روک کر، کیا کیا قصے مشہور ہیں پورے کالج میں تمہارے حسن کے۔ لڑکیاں ایسے رشک بھرے انداز میں ایک دوسرے سے تمہارا ذکر کرتی ہیں کہ کیا کسی ہیروئن کا ہوتا ہو گا۔ ارے زنب! قدر کرو اپنی۔ ذرا سا صبر سے کام لو، دیکھنا کوئی نہ کوئی بزنس مین لینڈ لارڈ، کوئی نہ کوئی وڈیرے کا پتر ضرور ٹکرائے گا تم سے عیش کرو گی عمر بھر احسن صاحب کے پلے بندھ کر تو ساری عمر برتن ہی مانجھتی رہنا۔'' آخر میں وہ جل کر بولی تھی۔

''لیکن فارحہ! اماں، اماں! کو اب مزید دکھ نہیں دینا چاہتی۔ کب سے وہ اپنے دل میں مجھے میرے گھر کا کر دینے کا ارمان لیے بیٹھی ہیں۔ پھر وہ خوف زدہ ہیں۔ ان کے سوا ہے کون میرا۔ بھائیوں سے انہیں کوئی اچھی امید ہے نہیں۔''

''میں ملوں گی اماں سے۔ سمجھاؤں گی انہیں۔ یہ ظلم نہ کریں تمہارے ساتھ وہ۔ اتنے لاڈوں سے پالا ہے۔ کچھ تو خیال کریں۔ خود ساری عمر باورچی خانے میں گزاری ہے سیاہ برتنوں سے لڑتے ہوئے تمہارے لیے تو اچھے ماحول کی امید رکھیں۔ کچھ نہیں دے گا زینب! وہ آدمی تمہیں سوائے بچوں کی لائن کے۔ ابھی جو حسن کا خمار اس کی آنکھوں پہ چھایا ہے۔ وہ بھی اتر جائے گا پہلے بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی۔ پھر ساری عمر تم دونوں پیسوں کے لیے لڑو گے۔ وہ تو صبح اٹھ کر گھر سے نکل جائے گا۔ پیچھے تم ہو گی، بچوں سے بھرا گھر ہو گا، نا آسودہ تمنائیں ہوں گی اور کبھی نہ ختم

ہونے والے کام ہوں گے۔ روؤ گی سر تھام کر اور یاد کرو گی باتوں کو۔'' زینب کو جھرجھری سی آ گئی۔

''پھر۔ پھر فارحہ؟''

''انکار کردو زینب! اماں کا غصہ وقتی ہوگا پھر سمجھ جائیں گی وہ تمہارا نقطہ نظر اور میں وعدہ کرتی ہوں، میں پوری کوشش کروں گی تمہارے لئے کوئی بہت اچھا رشتہ ڈھونڈنے کی۔ ارے میں کہتی ہوں حسین لڑکیوں کو کوئی کمی ہے رشتوں کی؟''



اس کا انکار ایک بم کی صورت اماں کے حواسوں پر گرا تھا۔ چند لمحوں کے لئے وہ ساکت بیٹھی رہ گئی۔

''کیا، کیا کہا تم نے؟'' پھر وہ بولیں۔ ''منع کردوں باسط کو؟ لیکن کیوں زینب۔ کیا چاہتی ہو آخر تم؟ کس شہزادے کے انتظار میں بیٹھی ہو؟ ارے بیٹی! یہ زندگی ہے۔ کوئی قصہ کہانی فلم، ڈرامہ نہیں۔ جہاں خوب صورت شہزادے آتے ہیں اور ہاتھ پکڑ کر کسی محل میں لے جاتے ہیں۔ کیوں رب کی ناشکری بن رہی ہے زینب! کیا اچھا رشتہ بھیجا ہے اللہ نے۔ کیسا اچھا، سلجھا ہوا بچہ ہے۔ کس پیار سے لینے آیا ہے۔ نہ کوئی فرمائش ہے، نہ کوئی شرط ہے۔ بس تیرا ہاتھ مانگا ہے اس نے پھر اکیلا ہے۔ کسی ساس نند کا جھگڑا نہیں۔ ورنہ تو میری نیندیں اسی دھڑکے نے اڑا رکھی تھیں کہ تیری نازک طبیعت کیسے میل کھائے گی کسی دوسری عورت کے ساتھ۔ ساس تو مجھے بدسلیقگی اور نازک مزاجی کے طعنے دے دے کر مار دے گی۔ ہائے زینب! تو تو بہت خودسر ہو گئی ہے۔''

اماں رونے بیٹھ گئیں۔

''اماں، اماں! اس میں بھلا رونے کی کیا بات ہے۔ کیا اس رشتے پر مہر لگی ہوئی ہے کہ یہ میرا آخری رشتہ ہے۔ پھر اس کے بعد کوئی نہیں آئے گا؟''

''مہر اس پر نہیں لگی۔ مہر یہ لگی ہے کہ یہ ہر لحاظ سے ایک بہترین رشتہ ہے۔ ارے ایک چاہنے والا شوہر، مکمل طور پر اپنا گھر، روپے پیسے پر اپنا تصرف اور کیا چاہیے ایک عورت کو؟''

''روپیہ پیسہ۔'' وہ جل کر بولی۔ ''روپیہ پیسہ کہاں ہے اس کے پاس؟ اپنا گھر تک تو ہے نہیں۔ گاڑی تک تو ہے نہیں۔''

''ارے اندھی! گاڑی ہے اس کے پاس۔ اسی پر بٹھا کر لایا تھا اس عورت کو۔ میں نے خود دیکھا تھا۔''

''اماں، اماں! وہ گاڑی نہیں، موٹر سائیکل ہے۔ وہ بھی پھٹیچر سی۔'' وہ چیخی۔

''ہاں تو وہ بھی تو گاڑی ہی ہے۔ چلتی ہے رکشوں ٹیکسیوں سے تو بچے گی۔ تو ایسی کون سی نواب زادی ہے جو تجھے چار پہیوں والی گاڑی ہی چاہیے۔ تیرے باپ کے پاس تو سائیکل تک نہیں تھی۔ کوسوں دور تھی حویلی جہاں وہ منشی تھے۔ پیدل آتے جاتے تھے۔''

''اس کا مطلب یہ تو نہیں اماں! کہ میں گاڑی کی خواہش نہیں کرسکتی۔ میرے ابا کے پاس سائیکل تھی تو لازماً میرے شوہر کے پاس بھی سائیکل ہی ہو۔''

اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

''اماں! آج کل ہوتا ہی کیا ہے آٹھ ہزار میں بمشکل گزارا ہوتا ہے دو افراد کا۔''

''تیرے تین ماموں ہزار ہزار دیتے ہیں ہر مہینے تین ہزار میں نکالتی ہوں۔ مہینہ، اس پر بھی چند سو بچا لیتی ہوں۔ تو ایسے کون سے عیشوں میں پلی ہے جو تیرے اتنے دماغ ہیں ارے یہ تو گھر کی عورت پر منحصر ہے کہ وہ آٹھ ہزار میں گزارا کرتی ہے یا اٹھارہ ہزار میں بدسلیقہ عورت کو تو آٹھ لاکھ بھی کم ہیں۔''

''خیر اب ایسا بھی نہیں'' اور عیشوں میں پلی نہیں ہوں اسی لیے احتجاج کر رہی ہوں۔ اب کچھ بہتر زندگی چاہتی ہوں اماں! میں جس میں کم

ازکم دو ملازمائیں تو افورڈ کر سکوں۔ روکھے بالوں کا جوڑا لپیٹے ہر وقت باورچی خانے میں گھسی رہوں گی۔"

چپلیں پہن کر وہ سپڑ سپڑ کرتی باہر چلی گئی تھی اماں ٹھنڈی آہ بھر کر بستر پر بے سدھ ہو کر لیٹ گئیں۔



اماں نے اس سے اگلے روز ہی باسط بھائی کو انکار کہلا بھیجا تھا۔ وہ اس سے بے پناہ محبت کرتی تھیں۔ وقتی طور پر وہ اس سے ناراض ضرور ہو جایا کرتی تھیں لیکن ان کی ناراضی پانی کا بلبلہ ثابت ہوتی تھی۔ وہ اس کی خواہشات کو بیک جنبش قلم رد کر دینے کا حوصلہ بھی خود میں نہ پاتی تھیں اور وہی کیا کرتی تھیں جو وہ کہتی تھی۔

اس واقعے کے تین چار دن کے بعد ایک روز جب وہ کالج سے واپسی پر فارحہ کے ساتھ سڑک پار کر رہی تھی کسی نے پیچھے سے اسے پکار لیا۔

"مس زینب! ذرا رکیے"

زینب نے مڑ کر دیکھا سامنے احسن ایاز کھڑا تھا۔

"آپ؟" اس کے بجائے فارحہ بولی تھی۔

"فرمایئے؟ جواب نہیں پہنچا آپ کو؟"

"زینب! میں آپ سے مخاطب ہوں" اس نے فارحہ کی بات سنی ان سنی کر دی۔ بے حد اپنائیت بھرا انداز تھا۔ تحکم کا ہلکا سا احساس لیے ہوئے۔

"آپ چند لمحوں کے لیے میری بات سن سکتی ہیں؟ باسط بھائی کے اسٹوڈیو تک چلتے ہیں۔"

"پلیز!" زینب کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، وہ ہونقوں کی مانند ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس شخص کی نگاہوں میں کوئی طلسم تھا۔ اس کا دل کسی وحشی پرندے کی مانند سینے کی دیواروں سے ٹکراتا تھا۔

"کیا تماشا بنا رہے ہیں مسٹر آپ؟" فارحہ ایسی صورت حال سے نمٹنے کی صلاحیتیں رکھتی تھی۔ نہایت سخت لہجے میں بولی۔

"ہم شریف لڑکیاں ہیں، یوں اجنبی مردوں کی دعوت پر منہ اٹھا کر نہیں چل دیتیں۔ براہ مہربانی اپنا راستہ ناپیے چلو زینب!"

زینب کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر وہ آگے بڑھ گئی۔ اس کے الفاظ سن کر زینب کا بھی حوصلہ نہ پڑا کہ وہ اس کو کوئی رسانیت بھرا جواب دیتی۔ چپ چاپ سر جھکائے وہ فارحہ کے پیچھے چلتی چلی گئی۔ احسن ان کے پیچھے نہ آیا تھا۔

گھر آ کر وہ بڑی خاموشی سے سونے کے لئے لیٹ گئی تھی۔ اماں نے دو تین مرتبہ پوچھا بھی تو اس نے سر درد کا بہانا کر دیا۔ اس کا دل اداس ہو رہا تھا۔ اندر سے بے کل ہو چکی تھی وہ شاید کہیں کوئی چنگاری سی جل اٹھی تھی۔

"زینب! میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

"زینب! میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

"زینب! میں آپ سے مخاطب ہوں۔"

وہی نرم لہجہ شناسا نظریں اس کی سوچوں میں در آئیں۔ شور مچانے لگیں۔

"زینب!" اس نے خود اپنا نام زیر لب لیا۔

"زینب! کتنے پیار سے، اپنائیت سے پکارتا ہے۔ اسے نام پر پیار آنے لگتا ہے۔ میں انکار کر چکی ہوں لیکن یہ دل؟ جب اسے مقابل پاتا ہے اس کے حضور جھکتا ہی چلا جاتا ہے۔ اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں کیسا بھلا شخص ہے۔ سلجھا ہوا، نرم مزاج، باکردار کتنی حلاوت ہے اس کے لہجے میں، کیسی

محبت ہے اس کی آنکھوں میں۔ کاش کہ میں نے کچھ خواب یوں نہ سجائے ہوتے یا کاش کہ تم بہت امیر بہت دولت مند ہوتے تب میں خود کو اس دنیا کی سب سے خوش قسمت لڑکی سمجھتی۔ اے کاش!''



اداسی دوسرے روز تک برقرار تھی۔ وہ کالج بھی نہ گئی۔ موڈ سخت آف تھا۔ مستزاد یہ کہ اماں نے مختلف باتوں پر دو تین مرتبہ جھاڑ پلا دی۔ وہ بکھر بکھر گئی۔

''میں جا رہی ہوں ذرا آمنہ کی طرف!'' منہ پھلائے وہ کمرے میں آئی تھی۔

''جاؤ، تمہیں اور کام ہی کیا ہے۔'' نجانے کیوں اماں بھی صبح سے تپی بیٹھی تھیں۔ ''جلدی آجانا۔'' وہ آمنہ کے ہاں چلی آئی۔

آمنہ دوپہر کا کھانا پکا رہی تھی۔ اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

''کوئی اور دعا مانگتی خدا سے تو وہ بھی پوری ہو جاتی۔ سچ! تم سے ملنے کو دل کر رہا تھا۔''

''تمہاری دعائیں قبول ہوتی ہیں آمنہ؟'' وہ اداسی سے اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''پھر میرے لئے بھی دعا کیا کرو۔''

''اللہ سب کی دعائیں سنتا ہے زینب! یہ ضرور ہے کہ ایک بندے کی دعا دوسرے کے حق میں جلدی قبول ہوتی ہے۔ میں ضرور دعا کروں گی تمہارے لئے۔ ویسے کیا معاملہ ہے؟'' پھر وہ شرارت سے مسکرائی ''کس سلسلے میں دعائیں منگوائی جا رہی ہیں؟ کسی مغرور صنم پر دل تو نہیں آ گیا میری پیاری دوست کا؟''

''معاملہ کچھ اس کے برعکس ہے۔'' زینب بھی ہنس دی۔

''اچھا! چلو ذرا روٹی پکا لوں، پھر اندر چل کر بات کرتے ہیں۔'' وہ جلدی جلدی پیڑا بنانے لگی۔ دونوں کھانے سے فارغ ہوئیں تو زینب نے مختصراً اسے ساری روداد سنا ڈالی۔

''زینب!'' آمنہ حیرت زدہ ہو گئی تھی۔ ''کیسی بے عقل لڑکی ہو تم؟ ارے کسی کے خلوص اور محبت سے بڑھائے گئے ہاتھ کو ایسے بھی جھٹکتے ہیں؟''

''فارحہ کہتی ہے۔'' وہ نظریں جھکا کر کہنے لگی۔

''بے وقوف ہے فارحہ۔ بلکہ نری جاہل ہے۔ زندگی میں دولت کی اہمیت ہے، میں مانتی ہوں۔ لیکن اس کے لئے یوں دیوانگی کی حدوں کو چھو لینا کہاں کی دانائی ہے۔ خدا نے تمہاری قسمت میں روپیہ لکھا ہوگا تو اسی شخص سے بہت کچھ ملے گا تمہیں۔ عورتوں کا نصیب تو مرد کو مالا مال کر دیتا ہے۔ کیا خبر آگے چل کر کتنی ترقی کرے گا یہی شخص پھر ابھی اس کا ساتھ دو گی تو ساری عمر پلکوں پر بٹھا کر رکھے گا تمہیں۔ اپنی ترقیوں، کامیابیوں کا سہرا تمہارے سر باندھے گا۔ امیر آدمیوں کے تو اپنے ہزار نخرے ہوتے ہیں۔ بیوی کو روپیہ کھلا دیتے ہیں تو محبت میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ وفائیں ادھوری رکھتے ہیں اور ایک وفا شعار عورت کے لئے یہ سب سے بڑا عذاب ہے۔ ناسمجھی سے کام نہ لو زینب! مجھے لگتا ہے یہ آدمی تم سے بے حد محبت کرنے لگا ہے۔ تمہارا ساتھ پا کر تو پوجا کرے گا تمہاری۔ اسے یوں مایوس نہ کرو زینب!''

آمنہ نجانے کیوں اس قدر جذباتی ہو گئی تھی۔

''مجھے کسی نے ایسے چاہا ہوتا، اتنے پیار سے مانگا ہوتا تو میں خوشی سے پاگل ہو جاتی۔ ہاتھوں کو نہ دیکھو زینب! دل کو دیکھو ہاتھ خواہ خالی ہوں۔ دل بھرا ہوا ہونا چاہیے۔''



وہ بیٹھی کچھ نوٹس مکمل کر رہی تھی جب باہر دروازہ بجا۔

''اماں! کوئی ہے باہر۔''

اس نے باورچی خانے میں مصروف اماں کو آواز لگائی۔

اماں دروازہ کھولنے چل دیں۔

کام میں مصروف زینب کے اچانک ہی کان کھڑے ہوئے تھے۔ باہر سے آتی مردانہ آواز کو اس نے پہچاننے کی کوشش کی پھر وہ اچھل ہی پڑی۔

''احسن ایاز!''

''زینب!'' اماں کمرے میں آئی تھیں۔ ''تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔ بھیج دوں اندر؟''

اسے اماں سے یہ امید نہ تھی۔ ''آجاؤ بیٹا'' اماں نے اسے پکار لیا وہ ہونق بنی انہیں دیکھتی رہی۔

''اسلام علیکم۔'' اس نے اندر آکر، لبوں پر مسکراہٹ سجا کر سلام کیا تھا۔

''بیٹھو بیٹا! میں آتی ہوں!'' اماں کمرے سے نکل گئی تھیں۔

''بیٹھ سکتا ہوں؟''

زینب نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ اسے ان ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''آپ، آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' بڑے کمزور لہجے میں اس نے پوچھا تھا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے مقابل رکھی ہوئی کرسی پر آ بیٹھا اور اس پر نظر جما کر بولا۔

''چند وضاحت طلب، دل و دماغ میں کلبلاتے ہوئے سوالوں کے جواب۔ میں وعدہ کرتا ہوں زینب! آپ کو پریشان نہیں کروں گا اگر ایک بار آپ میری تسلی کر دیں تو دیکھیں زینب! بات دراصل یہ ہے کہ مسترد کر دینا بہت آسان ہوتا ہے لیکن مسترد کر دیا جانا کسی قیامت سے کم نہیں اور پھر اسکے ہاتھوں جو شوق کا مرکز بن چکا ہو۔ ایک عجب بے کلی سی لگی ہے۔ دل کو جب سے یہ علم ہوا ہے کہ۔۔'' وہ لمحہ بھر کے لئے رکا تھا۔

''کہ آپ نے زندگی کے سفر میں، میری ہم سفری سے انکار کر دیا ہے۔''

وہ خاموش ہو کر اسے تکنے لگا تھا۔ زینب سختی سے لب بھینچے ایک ٹک اپنی گود میں دھرے ہاتھوں کو تک رہی تھی۔

''زینب! میرے ایک سوال کا جواب اگر آپ نے ہاں میں دے دیا تو وعدہ کرتا ہوں۔ نہایت خاموشی سے اٹھ کر میں آپ کے کمرے، آپ کے گھر اور آپ کی زندگی سے نکل جاؤں گا اور پھر، کبھی بھی، کہیں بھی آپ سے دانستہ ٹکرانے کی کوشش نہیں کروں گا۔''

زینب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر فوراً پلکیں دوبارہ گرا لیں۔

''آپ، آپ کسی دوسرے شخص میں انٹرسٹڈ ہیں۔۔؟''

''جی نہیں۔'' وہ بنا کر کسی تردد کے فوراً ہی بول اٹھی تھی۔

احسن کے لبوں پر بڑی خوبصورت، مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اسے جیسے کسی نے نئی زندگی کی نوید سنا دی ہو۔

''پھر؟ وجہ جان سکتا ہوں آپ کے انکار کی۔؟'' اب کی بار بڑے دھیمے لہجے میں بڑی رسانیت سے اس نے پوچھا۔

زینب نے خشک ہوتے ہوئے حلق کو محسوس کرتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا۔ اماں کا کہیں پتا نہ تھا۔ اور وہ کھلے ہوئے دروازے کے عین سامنے بیٹھا تھا۔ فرار کے تمام رستے مسدود تھے۔

''اگر آپ میرے سوالوں کو تشنگی بخش کر جانا چاہتی ہیں تو بے شک جائیں۔ میں رستے میں بیٹھا ضرور ہوں لیکن آپ کا دامن نہیں پکڑوں گا۔'' وہ مسکرا دیا۔

بڑی ذومعنی بات تھی۔ زینب کے لبوں پر بھی کمزوری مسکراہٹ نمودار ہوگئی۔

''لیکن کیا ہی اچھا ہو زینب اگر آپ سائل کو کچھ دے کر جائیں۔''

''باتیں بنانا تو بہت آتی ہیں آپ کو۔'' وہ آہستگی سے کہہ گئی۔

''جی ہاں! اعتراف ہے۔ لیکن میں باتیں نہیں زندگی بنانا چاہتا ہوں، زندگی! ایسا لگتا ہے زینب ایک...... فریم ہے جس میں ایک سادہ، سفید کاغذ لگا ہے۔ فی الحال زندگی میرے لئے اسی سادہ، بے رنگ کاغذ کا نام ہے۔ آپ کو دیکھا تو یاد آیا یہ کاغذ ہمیشہ یونہی نہیں رہنا۔ اس پر ایک تصویر ابھرنی ہے۔ اس میں رنگ بھرنے ہیں، پھول کھلنے ہیں۔ جس لمحے آپ نظر آئیں زندگی کے کاغذ پر تصویر ابھر گئی۔ نقش بیدار ہوگئے۔ لیکن جب میں نے رنگ بھرنے چاہے، پھول کھلانے چاہے تو......'' وہ گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

''میری تمناؤں کو یوں لاحاصل نہ کرو زینب۔!'' وہ بڑبڑایا تھا۔

زینب نے پریشانی سے اس کی سمت دیکھا۔ اسے لگا وہ اسے قید کر رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ اس کے پروں کو اپنی مٹھی میں جکڑ رہا تھا۔ وہ بے بس ہوتی جا رہی تھی۔ آسمان سے زمین پر آ رہی تھی۔

''مجھے، مجھے مجبور نہ کریں احسن صاحب۔!'' وہ دفعتاً بستر سے اتر کر دوسری جانب کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

''کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا زینب! جب تک کہ درمیان میں یہ نامراد محبت نہ چلی آئے۔'' وہ کھڑے ہو کر آہستگی سے بولا۔ ''میں آپ کو مجبور نہیں کر سکتا کہ آپ مجھ سے محبت کریں مگر آپ مجھے مجبور کر چکی ہیں کہ میں آپ کو چاہنے لگا ہوں۔''

زینب کا دل اس تیزی سے دھڑکنے لگا کہ وہ سارے بدن میں اسے دھڑکتا ہوا محسوس کرنے لگی۔ وہ اس کی طرف سے بالکل پشت کر کے کھڑی ہوگئی۔

''میں بہت سیدھا، کھرا، بے ریا انسان ہوں۔ جو نظر آتا ہوں، وہی ہوں۔ جو سوچتا ہوں بے دھڑک کہہ دیتا ہوں۔ تمہیں پہلی مرتبہ دیکھا تو دل نے لمحہ بھر میں فیصلہ کر لیا کہ یہی ہے وہ جسے اب تک لاشعوری طور پر کھوجتا چلا آ رہا تھا۔ سو اسی لمحے تمہیں بتا دیا کہ دل نے کیا فیصلہ کر ڈالا ہے۔ گھر تک پہنچا تو ٹھان چکا تھا کہ جو ہو، جہاں رہتی ہو، تمہیں ڈھونڈنا ہے، تم تک پہنچنا ہے، اپنانا ہے۔ اتنی ہی ایمانداری اور تقدس سے جتنی مقدس تم دکھائی دیتی ہو۔ گواہ ہو زینب تم بھی اس بات کی کہ میں نے سب سے راست رستہ اختیار کیا اور بڑی ایمانداری سے اپنا آپ تمہاری والدہ کے سامنے رکھ کر ان سے تمہارا ہاتھ طلب کیا۔ میں نے کوئی مبہم انداز نہیں اپنایا۔ کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی۔ کیا یہ میرا حق نہیں ہے زینب کہ مجھ سے بھی یہی رویہ

روا رکھا جائے۔ مجھے بھی اتنی ہی صفائی سے میری اس خامی سے آگاہ کر دیا جائے جس کی بنا پر مجھے مسترد کیا جا رہا ہے۔ کیا خرابی ہے مجھ میں؟ جاننا چاہتا ہوں اسی لئے تمہاری والدہ کی اجازت سے یہاں کھڑا ہوں۔"

زینب نے مڑ کر اسے دیکھا۔ کرسی کی پشت اپنے مضبوط ہاتھوں سے تھامے وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ تھا۔

"بعض باتوں کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ احسن صاحب!" وہ بے بسی سے بولی تھی۔

"ایسا تو نہیں۔" اس نے زینب کی بودی دلیل مسترد کر دی "تم بالغ، شادی کے قابل ہو۔ آج میرا نہیں کل کسی دوسرے کا رشتہ قبول کرو گی۔ کیا فرق ہو گا اس میں اور مجھ میں، مجھے یہ بتا دو۔"

"کوئی زبردستی ہے" وہ زچ ہو گئی۔ "جوابدہ ہوں آپ کے آگے میں؟"

"نہیں۔!" اس کا لہجہ ٹوٹ گیا۔

وہ یک دم اداس نظر آنے لگا۔

"مجھے اعتراف ہے۔ میرے اور تمہارے بیچ زبردستی کا کوئی حق، کوئی رشتہ موجود نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اگر تم نہیں بتانا چاہتیں تو....."

"تو میں بتا دیتی ہوں۔" اماں کی آواز پر دونوں نے ایک ساتھ مڑ کر دیکھا تھا۔

"اماں۔" زینب کی آواز میں شکایت تھی، احتجاج تھا۔ "اماں آپ....."

"بات اصل میں یہ ہے احسن میاں کہ میری بیٹی پیدا تو دو کمروں کے گھر میں ہوئی ہے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خواب محلوں کے سجے ہیں۔ جب اس کے ابا کا انتقال ہوا تو ان کی تنخواہ چند سو روپے ماہوار تھی اور اب اسے آٹھ ہزار بھی گزارا کرنے کو تھوڑے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ بیاہ کر کسی ایسے عالیشان بنگلے میں جانا چاہتی ہے جہاں آٹھ ہزار یہ ہر ماہ اپنے نوکروں کو دے دیا کرے۔ اسکے لئے یہ ساری عمر اس گھر کی دہلیز پر بیٹھ کر انتظار کرنے کے لئے تیار ہے جس کا کرایہ ہر ماہ اس کے ماموں دیا کرتے ہیں۔ یہ چاہتی ہے کہ جب میں مروں تو ایسے ہی بے سکون مروں جیسے زندگی بھر بے سکون رہی ہوں۔" اماں کی آواز بھیگ گئی۔

زینب میں مزید کچھ سننے کی تاب نہ تھی۔ وہ تیزی سے چلتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ باہر آ کر اس نے سیڑھیوں کا رخ کیا اور چھت پر چلی آئی۔ اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آ رہے تھے۔

"کیوں یہ شخص میرے پیچھے پڑ گیا ہے کیوں۔" اس نے دوپٹے سے آنکھوں کو رگڑا۔ "اس کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔ یہ پیچھے کیوں نہیں ہٹ جاتا۔ چند روز میں میری ماں کو میرے خلاف کر دیا ہے اس نے نجانے کہاں سے آسیب بن کر چلا آیا ہے۔"

وہ وہاں بیٹھی روتی رہی۔ رات کا اندھیرا پھیلا تو وہ اپنے خیالوں سے چونکی۔ آہستگی سے سیڑھیاں اتر کر وہ نیچے آئی تو اماں اپنے وقت سے بہت پہلے ہی لیٹ کر سو چکی تھیں۔

وہ بھی آزردگی سے ان کے برابر لیٹ کر زندگی میں اچانک ہی در آنے والے اس واقعہ پر غور کرنے لگی۔



اگلے روز کالج کی چھٹی تھی سو اس روز بھی وہ گھر پر ہی تھی۔ صبح وہ جان بوجھ کر دیر سے اٹھی۔ اماں بڑی خاموشی سے اپنے روزمرہ کاموں میں مشغول تھیں۔ وہ ہاتھ منہ دھو کر وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی۔

اماں نے دیر تک اس کی سمت کوئی توجہ نہ کی اور ادھر سے ادھر پھرتی چھوٹے چھوٹے کام نپٹاتی رہیں۔ زینب کو پھر رونا آنے لگا۔ کیسی دیوار سی کھڑی ہوگئی تھی دونوں کے بیچ چند دنوں میں ورنہ عام طور پر اس کی چھٹی ہوتی تو اماں قدرے خوش نظر آتی تھیں۔ اس کے لئے خاص طور پر ناشتے کا اہتمام کرتیں۔ کوئی اچھی سی میٹھی چیز بناتیں کہ وہ میٹھا بڑے شوق سے کھاتی تھی۔ وہ دیر تک سوتی رہتی تو بار بار اسے جگاتیں، ناشتہ کرنے پر اصرار کرتیں۔ لیکن آج اماں کا رویہ ویسا نہ تھا۔ انہوں نے اس سے چائے بنانے کو بھی نہ کہا۔ زینب کچھ دیر بیٹھی رہی پھر کمرے میں آکر اپنی کتابیں اور نوٹس دیکھنے لگی۔

”زینب!“ اماں سے رہا نہ گیا۔ چند منٹ بعد ہی وہ چلی آئی۔ ”ناشتا کرلو پراٹھا بنا رکھا ہے۔“

”دل نہیں چاہ رہا اماں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”کیوں۔؟ آج دل کیوں نہیں چاہ رہا؟ چائے بھی نہیں پی تم نے۔؟“

وہ اس کے قریب آکر کھڑی ہوئیں تو اس سے رہا نہ گیا۔ وہ ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

”اماں، اماں آپ کیوں ناراض ہیں مجھ سے۔؟ ایسا کیا کیا ہے میں نے۔“

”نہیں زینب! میری بچی۔ میں ناراض نہیں تجھ سے۔“ ماں کی آواز بھی بھیگ گئی۔ وہ اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔ ”میں ناراض ہو ہی نہیں سکتی تجھ سے۔ زندگی سے روٹھ کر کہاں جاؤں گی۔؟ کون جان کر روٹھ سکتا ہے اپنی زندگی سے۔“

”اماں اماں! خواب دیکھنا جرم ہے کیا؟ خوشیوں کی تمنا کرنا گناہ ہے۔؟ امید کے چند دیے جلا کر بیٹھنا اتنی بڑی خطا ہے کہ ماں بھی روٹھ جاتی ہے۔ اماں آپ اپنی بیٹی کے دل کی بات کیوں نہیں سمجھتیں۔؟ میں احسن ایاز کو ناپسند نہیں کرتی، اسے ٹھکرا نہیں رہی لیکن مجھے ایسا لگتا ہے اماں، جس کا مجھے انتظار ہے وہ یہ شخص نہیں۔“

”ایسا ہی لگتا ہے بیٹی، ایسا ہی لگتا ہے۔“ اماں نے گہری سانس بھری۔ ”یہ دل ایسے ہی دھوکے دیتا ہے۔ یہ نفس ایک شیطان ہے۔ ایسے ایسے سبز باغ دکھاتا ہے کہ آدمی کو پتا بھی نہیں لگتا عمر تمام ہوتی ہے اور ہاتھ کیا آتا ہے۔؟ پچھتاوے، روگ، ناقابل تلافی نقصان۔ میں تیری ماں ہوں، میری عمر کا حاصل ہے تو۔ کیا میں تیرے لئے برا سوچ سکتی ہوں۔؟ کوئی غلط فیصلہ کرسکتی ہوں۔؟ جلد بازی میں کیا میں تجھے کسی اندھے کنوئیں میں دھکیل دوں گی۔؟“

”میں نے ایسا کب کہا اماں۔“ وہ شدت جذبات سے مغلوب ہوگئی۔ ”آپ میرا اور میں آپ کا سب کچھ ہوں۔ میں جانتی ہوں۔“

”پھر تو میری بات کا یقین کیوں نہیں کرلیتی۔؟ میرے سینے میں ایک ماں کا دل ہے۔ حساس اور تیز بین اور میرا یہ دل کہتا ہے یہ شخص تیرے لئے خوشیوں کا پیامبر بن کر آیا ہے۔ اس کی ہتھیلی پر جو دیا دھرا ہے زینب! وہ آس کی آس اور امید ہے۔ لیکن یہی دیا تیری زندگی میں روشنیاں بکھیر دے گا۔ ساری عمر تیرے چہرے کو منور رکھے گا اور اگر اپنی عاقبت نااندیشی میں تو نے اس دیے کو پھونک مار کر بجھا دیا تو.....“

ان کے چہرے پر ایک تاریک سایہ سا لہرا گیا۔

”تو نجانے کتنا لمبا انتظار تیرا مقدر ہو جائے گا۔ دلوں کو یوں بے وجہ نہیں توڑتے میری بیٹی۔ خدا بھی ناراض ہو جاتا ہے۔ اور انسان دنیا میں کچھ نہ پائے، کچھ نہ کرے پر خدا کو تو منائے رکھے۔“

اِسے یوں لگا اماں اسے مجبور کر کے ہی دم لیں گی۔ کچھ وقت اور گزرے گا اور وہ سر تسلیم خم کرے گی اس احساس نے یکایک لہو اس کی رگوں

میں منجمد کرنا شروع کردیا۔

''اماں اماں! مجھے کچھ وقت تو دو۔ فیصلہ کرنے کے لئے چند دن تو......''

''وہ کہہ گیا ہے کہ وہ ساری عمر تیرا انتظار کرسکتا ہے۔ لیکن میری بچی وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ انسان کے کہے کا کیا اعتبار۔ تو فیصلہ کرلیکن ذرا جلدی۔ نجانے ہم میں سے کس کے پاس کتنی مہلت ہو۔''

ان کی آواز بھرا گئی تو وہ کمرے سے نکل گئیں۔ زینب پتھر کا بت بنی بیٹھی رہی۔



اگلے روز اس کا اترا ہوا چہرہ فارحہ کے لئے ایک سوالیہ نشان تھا۔ پیریڈ کے دوران وہ بار بار اس کی جانب دیکھتی۔ اس کی غائب دماغی کو نوٹ کرتی رہی۔

پیریڈ ختم ہوا تو وہ دونوں اٹھ کر باہر چلی آئیں۔

''کیا ہوا ہے؟ پھر کوئی نیا جھگڑا۔؟'' کالج کے لان کی ہری گھاس پر بیٹھتے ہوئے فارحہ نے بغور اسے دیکھا۔

''نہیں، جھگڑا کیسا اور کس سے۔'' وہ تنکا چبانے لگی۔

''پھر؟ یہ چہرہ تو کسی اندرونی کشمکش کی کہانی سنا رہا ہے۔''

''وہی، پتا تو ہے تمہیں۔ مسٹر احسن ایاز'' اس کے لہجے میں تلخی سی آگئی۔

''اٹکے ہوئے ہیں اب تک حلق میں؟'' فارحہ نے ماتھا پیٹا۔ ''ارے زینب! تم بھی عجیب ہی لڑکی ہو۔ یا تو نگلو انہیں یا باہر نکال پھینکو۔ کیوں اس اذیت میں مبتلا ہو۔''

''کیسے نکال پھینکوں۔؟'' وہ جھلا گئی۔ ''سب سے مضبوط ووٹ جو اس نے اپنے حق میں کرلیا ہے۔ اماں کا بس نہیں چلتا مجھے اٹھا کر اس کے گھر رکھ آئیں۔ وہ ہر دوسرے روز آدھمکتا ہے۔ انکار کی وجہ پوچھتا ہے۔''

''سو واٹ۔؟ بتادو اسے وجہ۔ اسے کہہ دو کہ وہ تمہارے معیار پر پورا نہیں اترتا۔''

''کیسے کہہ دوں؟ ایسے کوئی کسی کو کہہ سکتا ہے۔ کتنا دکھ ہوگا اسے۔'' وہ جھلا گئی۔

''ہوں!'' فارحہ نے ایک لمبی ''ہوں'' کی اور اسے دیکھا۔ ''اور تم اسے دکھ دینا نہیں چاہتیں۔''

''ہیں، میں کسی کو بھی دکھ نہیں دے سکتی۔'' وہ نظریں چرا گئی۔

''جھوٹ بولتی ہو تم! اگر ایسا ہی ہے تو پھر کیوں اپنی عزیز از جان اماں کو دکھ دے رہی ہو۔ مان کیوں نہیں لیتیں ان کا کہنا؟ بات یہ ہے زینب! کہ تم اپنے بنائے ہوئے معیار سے نیچے آنے پر تیار بھی نہیں ہو اور وہ شخص تمہیں بھا بھی گیا ہے۔ ہے نا یہی بات؟''

''فارحہ'' اس نے سر تھام لیا۔ ''تنگ آگئی ہوں۔ اس لاحاصل بحث سے میں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں کیا کروں۔ کبھی سوچتی ہوں، اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں۔ کون حسین شہزادہ مجھے لے جانے کو اس کوارٹر میں آئے گا۔ کردوں ہاں اور چلی جاؤں احسن ایاز کے ساتھ اس کے دو کمروں کے اس گھر میں جو اس کا اپنا بھی نہیں ہے۔ لیکن پھر، پھر تمہاری باتیں ایک ایک کر کے میرے ذہن میں گونجتی ہیں۔ میں خود کو میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس سیاہ برتنوں سے لڑتے ذرا ذرا سی بات پر شوہر اور بچوں سے الجھتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ خواہشات کا ماتم کرنے سے مجھے بڑا ڈر لگتا ہے۔ فارحہ! نجانے کیوں میری پلکوں پر ایسے خواب آ سجے جو میری سکون بھری نیندیں تک اڑا لے گئے ہیں۔ کتنی عورتیں ہیں جو دنیا میں آتی ہیں، عمر گزارتی ہیں اور پھر ایسے دفن ہوتی ہیں کہ خود ان کا اپنا وجود ہزار ہا نامراد خواہشوں، سسکتے خوابوں کا مدفن ہوتا ہے۔ کتنی عورتیں فارحہ! پھر میں خود کو اتنا

الگ، اتنا منفرد کیوں سمجھ بیٹھی ہوں۔؟''

''اس لئے میری جان کہ خدا نے تمہیں الگ اور منفرد بنایا ہے۔'' فارحہ نے ہمدردی سے اس کا شانہ تھپکا۔'اور پھر کیا ناممکنات میں سے ہیں۔تمہاری خواہشات۔ذرا سا بہتر طرز زندگی چاہتی ہو اور بس! دنیا کی شہنشاہی تو نہیں مانگی ہے تم نے۔کیا اس دنیا میں خوشحال لوگ نہیں بستے؟'' کیا وہ شادیاں نہیں کرتے۔؟ گھر نہیں بساتے۔؟ کیا ان کی بیویاں ڈائریکٹ جنت سے اترتی ہیں۔؟ کم آن زینب! ذرا سی بات کو دل کا روگ بنا کر بیٹھی ہو۔ذرا سا مسئلہ ہے اسے اتنا سیریس بنا رہی ہو۔دیکھو، دو باتیں ہیں۔ایک یہ کہ تمہیں وہ شخص پسند ہے اور تم سمجھتی ہو کہ وہ تمہیں خوش رکھے گا۔تو ٹھیک ہے، پہلی فرصت میں اسے ''یس'' کہو، دوسری یہ کہ تم اسے اپنے لئے بہتر نہیں سمجھتیں۔تم اس سے بہتر کا انتظار کر سکتی ہو۔اگر ایسا ہے تو دو ٹوک انداز میں اماں کو آگاہ کر دو۔'

زینب اسے دیکھ کر رہ گئی۔

''کاش کہ یہ برملا انداز میرا خاصا ہوتے۔'' اس نے سوچا تھا۔'' میرا مسئلہ تو یہ ہے کہ میں خود نہیں جانتی کہ میرے لئے کیا ٹھیک ہے۔؟''



جس دن کالج گرمیوں کی تعطیل کے سلسلے میں بند ہوئے اس سے اگلے روز اس کی سالگرہ تھی۔ہر سال وہ یہ دن خاص اہتمام سے ضرور مناتی تھی۔نیا جوڑا اس مقصد کے لیے اس نے دو ماہ پیشتر ہی تیار رکھا ہوتا تھا۔میچنگ جیولری اور نئے سینڈل بھی ضروری ہوتے تھے۔یہ دن وہ عید بقر عید کی طرح منایا کرتی۔اماں کی تو واحد خوشی ہی اس کی ذات تھی۔وہ بھی نجانے کب کے جمع شدہ پیسے نکال کر کھانے پینے کی چیزیں منگواتیں۔بڑے اہتمام سے رات کا کھانا تیار کرتیں۔مہمانوں کی لسٹ البتہ نہایت مختصر تھی۔فارحہ اور آمنہ اس کے دو ہی مہمان ہوتے تھے کبھی کبھار ایسا ہوتا کہ بھولے بھٹکے اس کے کسی ماموں کو کبھی خیال آیا تو اسکے تحفوں میں ایک تحفے کا اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔

اس روز بھی وہ صبح سے تیاریوں میں لگ گئی تھی۔گھر کی صفائی اس نے دل لگا کر کی۔جالے اتارے، بستروں کی چادریں تبدیل کیں، گملوں کی صفائی کی۔پودوں کی کانٹ چھانٹ کی، صحن دھویا۔پھر وہ نہا دھو کر ستانے کے خیال سے کچھ دیر کے لیے لیٹ گئی۔آمنہ اور فارحہ شام ڈھلے ہی آیا کرتی تھیں۔آمنہ کا گھر نزدیک ہی تھا فارحہ کو اس کا کوئی بھائی چھوڑ جاتا تھا۔

''زینب! کھانا نہیں کھاؤ گی۔؟'' اماں کمرے میں آئیں تو وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔

''ناشتا اتنا ہیوی کیا تھا اماں! اب بھوک نہیں ویسے بھی شام کو کیا کچھ الا بلا کھانا ہے۔کتنا کچھ منگا کر رکھ لیا ہے آپ نے اتنے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔''

''ضرورت تھی۔آج میں نے بھی کسی کو بلایا ہے۔''

اماں کے لہجے میں کوئی خاص بات تھی۔وہ آنکھیں کھول کر انہیں دیکھنے پر مجبور ہوئی۔

''کس کو۔؟'' اسے کچھ کچھ اندازہ تھا'' احسن کو'' اماں نے ذرا سا رخ موڑ لیا۔

''کیوں۔؟'' وہ پریشانی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔'' اسے کیوں بلایا ہے آپ نے میری سالگرہ میں؟ وہ ہم لڑکیوں میں بیٹھ کر کیا کرے گا۔؟''

اماں کو ہنسی آ گئی۔

''تم نہ بٹھانا اسے پاس۔وہ میرے پاس بیٹھے گا۔''

''لیکن اماں کیوں؟ وہ کون سا ہمارا رشتے دار لگتا ہے۔''

''لگ بھی سکتا ہے۔!'' اماں مسکراتے ہوئے کمرے سے نکل گئیں۔

اس نے سر تھام لیا، یہ شخص اس کے اعصاب پر مستقل سوار تھا۔

''اماں نے آج کا دن بھی خراب ہی کرنا تھا۔ اسے بلا لیا ہے، فارحہ بھی ہوگی۔ کیا سوچے گی وہ۔ کتنا ڈھیٹ شخص ہے۔ پھر گھور نے بیٹھ جائے گا مجھے۔ اس کی آنکھیں، وہ نظریں۔''

اس کے دل کی سطح پر پھر بھنور سے پڑنے لگے۔ ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔ اس کا دل چاہا، وہ کہیں چلی جائے۔ اسے اس شخص کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن وہ جا بھی کہاں سکتی تھی۔؟ بے چین ہو کر وہ بستر سے اتر آئی۔ الماری تک آ کر اس نے ایک نظر خود پر ڈالی۔ نہا کر وہ نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ سیاہ بال شانوں پر پڑے شعاعیں بکھیر رہے تھے۔

الماری کا پٹ وا کر کے اس نے اپنا سوٹ نکالا۔ اسے تنقیدی نظروں سے دیکھنے لگی۔

سفید شیفون کا سوٹ تھا جس پر سفید موتیوں کا بڑا نازک سا کام تھا۔ پورے تین ماہ کی پاکٹ منی جمع کر کے اس نے یہ سوٹ بنوایا تھا۔ سفید موتیوں کا ہار اور ٹاپس وہ پورا دن خواری کر کے ڈھونڈ کر لائی تھی۔

سفید ہی سینڈل تھے۔

''کیسی لگوں گی یہ کپڑے پہن کر میں۔؟'' اس نے قمیض ساتھ لگا کر آئینے پر نظر دوڑائی۔

سفید رنگ اس پر بڑا اٹھتا تھا۔ وہ جب بھی سفید رنگ کا لباس پہنتی۔ اماں اس کی نظر اتارتی تھیں۔

''تو ویسے ہی پری لگتی ہے۔ اس پر سفید لباس اور پہن لیتی ہے۔'' آمنہ کہتی ''لگتا ہے سیدھی پرستان سے چلی آ رہی ہے۔''

اس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ آج کے دن کے لئے اس نے بڑے صحیح رنگ کا انتخاب کیا تھا۔ پھر بھی نجانے کیا بات ہوئی۔ وہ مطمئن نہ ہو پائی تھی۔

اس نے بمشکل چار بجنے کا انتظار کیا تھا۔ چار بجتے ہی وہ تیاریوں میں لگ گئی۔ برآمدے میں ٹیبل رکھ کر ساری چیزیں اس پر رکھ دیں۔ برتن نکال کر صاف کیے۔ کیک پر موم بتیاں لگائیں۔ پھر وہ اپنے ہاتھ پیروں کو سجانے بیٹھ گئی۔ لوشن لگا کر صفائی کی۔ ناخن فائل کیے۔ گھنٹہ بھر بیٹھ کر گلابی نیل پالش لگائی۔ گلابی رنگ کی نیل پالش اس کے ہاتھ پیروں پر گلاب کھلا دیتی تھی۔ اچھی طرح جائزہ لے کر جب مطمئن ہوئی تو لباس تبدیل کر کے چہرہ سجانے لگی۔ آج اس نے خوب دل لگا کر تیاری کی تھی۔ بس یہی دھڑکا تھا، کوئی کمی نہ رہ جائے۔ آج وہ حسین سے حسین تر نظر آئے۔

''لیکن کیوں۔؟''

پوری طرح تیار ہو کر جب وہ اپنا تنقیدی جائزہ لے رہی تھی، کسی نے اس کے اندر سرگوشی کی۔

''کیوں اور کس کے لئے ہے یہ خاص تیاریاں؟ یہ دن تو ہر سال ہی آتا ہے۔ ہر سال تو تم نے اس انداز میں اپنا جائزہ نہیں لیا کہ دل نے اسے پرائی نظر محسوس کیا ہو۔ کس کی نظروں سے جانچ رہی ہو خود کو؟ آج کیوں محض حسین نظر آنے پر مطمئن نہیں، حسین ترین، بلکہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی نظر آنا چاہتی ہو؟ تمہیں فارحہ اور آمنہ کا تو انتظار نہیں، تمہیں تو کسی اور کا انتظار ہے کہ کب وہ آئے، کب تمہیں دیکھے، سراہے اور تمہاری محنت وصول پائے۔ یہی بات ہے نا۔؟''

وہ گھبرا کر کمرے سے نکل آئی۔

''اماں، اماں۔''

''ہاں بچی، کیا بات ہوئی۔ کیوں گھبرا گھبرا کر پکار رہی ہو۔؟'' اماں ڈونگا اٹھائے کچن سے نکل آئیں۔

''اماں وہ اب تک تو آئی نہیں۔''

''کون۔؟'' اماں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

''فارحہ، نہیں وہ، آمنہ۔!''

پھر وہ نہایت جھینپ کر دوبارہ کمرے میں چلی آئی۔ کیسا جذبات کا تلاطم سا برپا تھا دل میں۔ منہ سے ٹھیک بات بھی نکل نہیں پا رہی تھی۔

چھ سے سات اور پھر ساڑھے سات بج گئے۔ فارحہ اور آمنہ اور ''اس'' کا کچھ پتا نہ تھا۔

زینب جو کتنی دیر سے ٹہل ٹہل کر انتظار کر رہی تھی، اس انتظار سے اکتا گئی۔

''پتا نہیں ان لوگوں نے آنا بھی ہے یا نہیں۔ بے وجہ ہی اتنا اہتمام کر ڈالا۔ کیا پتا ان دونوں کو یہ دن یاد ہی نہ ہو'' وہ اداسی سے اماں کے قریب آ بیٹھی۔

''کیوں یاد نہ ہوگا۔ ہر سال آتی ہیں بچیاں۔'' اماں اطمینان سے بولیں۔ ''ہاں، وہ احسن ہو سکتا ہے نہ ہی آئے۔ کہہ تو رہا تھا اسے کوئی ضروری کام ہے۔''

زینب نے اپنے تمام خوبصورت احساسات پر اوس گرتی ہوئی محسوس کی اور اپنی اس تبدیلی کو واضح طور پر محسوس کیا۔

''اچھا ہے وہ تو نہ ہی آئے۔''

وہ کہہ کر وہاں سے اٹھ گئی۔ لیکن لہجے کا کھوکھلا پن صاف محسوس ہو رہا تھا۔ اماں صحن میں بیٹھی سلاد بنا رہی تھیں وہ کمرے میں چلی آئی۔ سامنے الماری میں لگا آئینہ اس پر ہنسنے لگا۔ اس کا جی چاہا پل بھر میں ساری تیاری کا ستیاناس کر دے۔ کوئی میلے، ملگجے کپڑے نکال کر پہنے اور منہ رگڑ رگڑ کر دھو ڈالے۔

دروازہ بجا تو اماں نے اسے پکارا۔

''زینب، چلو بھئی۔ آ گئیں تمہاری سہیلیاں۔''

زینب بے دلی سے کمرے سے نکلی تھی۔

''کون۔؟'' وہ دروازے کے قریب پہنچی۔

''میں ہوں زینب باجی فرقان۔!'' باہر سے فارحہ کے بھائی کی آواز آئی تھی۔

زینب نے دروازہ کھولا باہر وہ اکیلا ہی کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک پیکٹ تھامے۔

''السلام علیکم۔ یہ آپ کا گفٹ بھیجا ہے فارحہ باجی نے۔'' اس نے پیکٹ اس کی جانب بڑھایا۔ ''انہیں آج صبح ارجنٹ کام سے لاہور جانا پڑ گیا۔ پھپھو کے پاس مجھے تاکید کر گئی تھیں کہ آپ کا گفٹ شام تک ضرور پہنچاؤں۔''

وہ پیکٹ لے کر اندر آئی تو اس کا اترا ہوا منہ مزید اتر چکا تھا۔ اس نے ہاتھ میں تھاما ہوا پیکٹ اماں کے پاس رکھ دیا۔

''کیا ہے اس میں۔؟'' اماں نے اس کی صورت ملاحظہ کی۔

''تحفہ ہے۔'' وہ بے دلی سے ناخن سے کیوٹکس اتارنے لگی۔ ''فارحہ نے بھیجا ہے۔ خود وہ لاہور گئی ہے۔ کسی کام سے......''

''اچھا، چلو پڑ گیا ہوگا کوئی ضروری کام، ورنہ بچی ہر سال ضرور آتی ہے۔ یوں بھی کیا یہ کافی نہیں کہ اس نے یہ دن یاد رکھا۔''

اماں یقیناً اس کا دل رکھنے کو کہہ رہی تھیں۔

''السلام علیکم، سالگرہ مبارک۔''

اچانک ہی آمنہ کی چہکتی ہوئی آواز پر ماحول یک دم تبدیل ہوا تھا۔

زینب اٹھ کے اس کے گلے لگ گئی۔

''شکر ہے تم تو آئیں۔ میرا موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔''

''کیوں۔ اتنا اچھا لگنے پر بھی۔؟'' آمنہ نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ ''اور کیا چاہیے تمہیں۔؟''

''نہ تو فارحہ آئی نہ۔۔۔'' وہ اچانک ہی زبان دانتوں کے بیچ دبا گئی۔ کن انکھیوں سے اماں کی طرف دیکھا وہ ان دونوں کی جانب متوجہ نہ

تھیں۔ باورچی خانے کی سمت جانے کے لئے اپنی چپل ٹٹول رہی تھیں۔

''کسی اور کو بھی بلایا تھا کیا۔؟'' آمنہ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں نہیں، بس تم دونوں ہی چلو کیک کاٹتے ہیں۔ آئیں اماں! آپ بھی۔ سخت بھوک لگی ہے۔'' وہ بات کا اثر زائل کرنے کے لئے تیز تیز بولتی ہوئی آمنہ کا ہاتھ پکڑے ٹیبل کی طرف بڑھ گئی۔

''گفٹ تو دیکھ لو اپنا۔'' آمنہ اس کی جلد بازی پر ہنسی۔

وہ موم بتیاں جلانے لگی۔

''آئیں ناں اماں اب۔'' وہ ساری موم بتیاں جلا کر کیک پر جھکی ہوئی تھی۔

پل کی پل جو نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے کو اسے لگا، اس کے دل کی دھڑکن تھم گئی ہے۔ سامنے ہی وہ کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''سالگرہ مبارک۔'' اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ بولا' اس وقت اگر کیمرہ ہوتا تو.....''

وہ جلدی سے سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی۔

''السلام علیکم، آپ کب آئے؟''

''وعلیکم السلام بس ابھی جب آپ چیخ چیخ کر کیک کٹنے کا اعلان کر رہی تھیں۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔

آمنہ قدرے تجسس سے باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

''وہی ہیں نا۔'' پھر اس نے زینب کے کان میں سرگوشی کی۔''احسن ایاز۔؟''

اس نے ٹیبل کے نیچے ہولے سے آمنہ کا ہاتھ دبایا۔ ہر چند کہ آمنہ کی 'سرگوشی' پر سامنے کھڑے احسن کے لبوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ آمنہ کی سرگوشیاں ایسے ہی ہر کسی کے گوش تک با آسانی سفر کر جایا کرتی تھیں۔

اس نے کیک کاٹا تو اماں نے اسے گلے سے لگا کر پیار کیا۔ آمنہ نے اس کا گال چوما۔ اس نے بے اختیار ہی اس کی جانب دیکھا۔ وہ اس طرح مسکرا رہا تھا جیسے نظروں ہی نظروں میں پوچھ رہا ہو۔''میں بھی؟'' زینب کو ہنسی آگئی۔

کھانا بڑے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا۔ احسن کو واقعی باتیں بنانے کا فن آتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں وہ کوئی چٹکلا چھوڑتا اور ماحول گلزار ہو جاتا۔ آمنہ اور زینب ہنس ہنس کر پاگل ہو گئیں۔

اماں کے چہرے پر ایک انوکھی خوشی کی چمک تھی۔ وہ کبھی احسن کو دیکھتیں کبھی زینب کو جیسے دل ہی دل میں ان دونوں کی بلائیں اتار رہی ہوں۔

اور زینب وہ جیسے اماں سے، احسن سے، اپنی قسمت سے اور اپنے دل سے ہار مانتی جا رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ پوری طرح سے آمادہ ہے۔ بس زبان سے کہنے کی دیر ہے۔

آمنہ جانے کے لئے اٹھی تو زینب اسے چھوڑنے دروازے تک آئی۔

''زینب تیری قسمت کو نظر نہ لگے، ماشاءاللہ کہہ دوں۔؟'' وہ شرارت سے مسکرائی تھی۔

زینب ہولے سے ہنس دی۔

''میں نے ابھی 'ہاں' نہیں کہی۔''

''میں کچومر نکال دوں گی زینب تمہارا۔'' آمنہ نے اسے مکا دکھا کر دانت کچکچائے۔''یہ شخص ایسا نہیں ہے کہ اسے مایوس اور نامراد لوٹا دیا جائے۔ زینب، زینب کتنا چاہتا ہے تجھے، اس کی نگاہیں تک بولتی ہیں۔ ہر خوف دل سے نکال کر ''ہاں'' کہہ دو۔ یہ تو تمہیں دل میں چھپا کر رکھے گا۔ اس کا ہر و ہر انداز کہتا ہے۔''

زینب اسے خدا حافظ کہہ کر اندر آئی اس کا رواں رواں آمنہ کی کہی ہوئی باتوں کا زیر اثر تھا۔ احسن بیٹھا اماں سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اماں کے قریب بیٹھ گئی۔

''کیوں اماں، آپ کی صاحبزادی اب تک خفا ہیں مجھ سے؟'' وہ مسکین سی صورت بنا کر اماں سے پوچھنے لگا۔

''میری بیٹی بہت پیارے دل کی ہے۔'' اماں نے اسے خود سے لگا لیا ''بس ذرا سی احمق ہے۔''

''ذرا سی۔؟'' اس نے آنکھیں پھیلا کر حیرت کا اظہار کیا۔

زینب اسے خفگی سے گھورنے لگی۔ اماں ہنستے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''میں ذرا نماز پڑھ لوں۔ تو بج گئے ہیں پھر ہمت نہیں رہتی۔''

احسن نے تشکر بھری نظروں سے اماں کو دیکھا تھا۔ اماں اس پر بے پناہ اعتماد کا اظہار کر رہی تھیں۔

''ہاں بھئی۔'' اماں کے چلے جانے کے بعد وہ اس کی جانب متوجہ ہوا ''ذرا سی احمق لڑکی۔''

''خود تو نہایت عقل مند ہیں ناں آپ، بلکہ واقعی ہیں۔ دو دن میں میری اماں کو اپنا اتنا گرویدہ کر لیا کہ میں بیس سال میں نہ کر پائی۔'' وہ خفا خفا بول رہی تھی، احسن دلچسپی سے اسے دیکھے گیا۔ زینب نے اسے یوں اپنی جانب دیکھتا پایا تو جھینپ گئی۔

''تو اس بات کا بھی گلہ ہے محترمہ کو، یعنی آپ ناپسند کرتی ہیں سو کرتی ہیں، دوسروں کی پسندیدگی بھی برداشت نہیں ہو پا رہی۔ آخر ایسا کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا؟''

''میں نے کب کہا کہ میں آپ کو ناپسند کرتی ہوں؟'' اس نے فوراً احتجاج کیا۔

''پھر؟ یہ کب کہا کہ پسند کرتی ہوں؟'' وہ یکا یک سنجیدہ ہو گیا ''بخدا زینب! میں آج یہاں صرف اماں کے اصرار سے مجبور ہو کر آیا ہوں۔ وہ مجھے بالکل ایک ماں کی طرح چاہنے لگی ہیں اور میرے دل میں انکے لیے جو جذبات ہیں وہ میں زبان پہ لانے سے ڈرتا ہوں، کہیں تم یہ نہ سمجھو کہ تمہاری رضا حاصل کرنے کے لیے میں کوئی ناٹک کر رہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے اور اماں کے بیچ تمہارا حوالہ کہیں نہیں ہے۔''

زینب کو اس کے لہجے میں بولتی سچائیوں کا اعتراف تھا۔

''میرا خیال ہے، مجھے چلنا چاہیے''

دونوں کے درمیان خاموشی آئی اور تنہائی کا احساس واضح ہوا تو وہ یکا یک اٹھ کھڑا ہوا۔

زینب اسے چھوڑنے دروازے تک چلی آئی۔

''اور ہاں'' اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی تھی۔ ''یہ تمہاری سالگرہ پر ایک معمولی سا تحفہ چاہو تو پہن لینا، نہ پہننا چاہو تو کسی ڈسٹ بن میں ڈال دینا۔ آئندہ ملاقات پر اسے تمہاری انگلی میں نہ پایا تو پھر یقین رکھنا۔ میں دوبارہ کبھی دست سوال دراز نہ کروں گا۔ ہاں، اماں سے جو دلی تعلق قائم ہوا ہے اس کے ناتے یہاں آتے رہنے سے انکار نہیں کروں گا۔''

زینب نے ڈبیا تھامی تو وہ ''خدا حافظ'' کہہ کر باہر نکل گیا۔

''خدا حافظ'' اس کے لب بھی دھیرے سے ہلے تھے۔

اسے رخصت کر کے اندر آئی تو دل کی کیفیت عجیب تھی۔ زینب اپنے تمام خوابوں کو پس پشت ڈال کر احسن ایاز کے منہ زور جذبوں سے ہار مان چکی تھی۔

اس نے ڈبیا کھول کر دیکھا۔ سرخ نگ سے مزین نازک سی انگوٹھی تھی۔ اس نے انگوٹھی نکال کر انگلی میں پہن لی۔

''میں تمہارے ساتھ خوش رہوں گی احسن، بہت خوش، کہ ابھی ابھی دل کو علم ہوا ہے کہ تم نظروں سے اوجھل ہوتے ہو تو ساری روشنیاں گل ہو جاتی ہیں۔ میں تم سے کترا کر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ آگے اندھیرا نظر آتا ہے۔''

اماں نماز پڑھ کر آ چکی تھیں۔

''زینب! کیا کر رہی ہو بیٹی؟''

''اماں..... !'' وہ مڑی ''احسن نے سالگرہ پر یہ انگوٹھی دی ہے۔ میں نے پہن لی۔'' اس نے ہاتھ آگے کر دیا۔ اماں کا چہرہ منور ہو گیا۔

''ماشاء اللہ!!'' انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر چوم لیا۔

پھر انہوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''زینب! میں خوش ہوں بیٹی بہت خوش ہوں''

''میں بھی خوش ہوں اماں'' اس نے سرگوشی کی۔

اماں کمرے سے نکلیں تو وہ بڑی دیر تک بیٹھی نجانے کیا کیا سوچتی رہی۔ آمنہ اور فارحہ کے دیئے گئے گفٹس کی جانب متوجہ ہوئی۔

دونوں ہی نے سوٹ دیئے تھے۔ فارحہ کے پیکٹ سے ایک خط بھی برآمد ہوا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

''پیاری زینب!''

سالگرہ مبارک''

سدا خوش رہو۔ ایک بے حد ضروری کام سے آج ہی لاہور جانا پڑ گیا ہے ورنہ تم سے ملنے ضرور آتی۔ تحفہ بھیج رہی ہوں تمہیں یقیناً پسند آئے گا کہ میں تمہاری پسند سے خوب واقف ہوں۔ میں جلد واپس آنے کی کوشش کروں گی۔ واپسی میں شاید میرے پاس تمہیں سنانے کو ایک بڑی خوشخبری ہو۔ میرا انتظار کرنا۔

تمہاری دوست

فارحہ

''میرے پاس بھی تمہیں سنانے کو ایک خبر ہے'' وہ مسکرا دی ''پتا نہیں تم کس ردعمل کا اظہار کرو گی''



چند دن بڑے خوشگوار انداز میں گزر رہے تھے۔ صبح سے شام اور شام سے رات ہو جاتی ،زینب کو وقت گزرنے کا پتا نہ چلتا۔ وہ اپنی ہی دھن میں مگن تھی۔ احسن ایاز کا تصور اسے وقت گزرنے کا احساس نہ ہونے دیتا تھا۔

"زینب بیٹی!" اس روز وہ پودوں کو پانی دے رہی تھی جب اماں نے اسے کمرے سے پکارا۔

"آتی ہوں اماں" وہ مصروف سے انداز میں جواب دے کر پھر سے کوئی نغمہ گنگنانے لگی۔ اماں نے کچھ دیر بعد دوبارہ آواز دی تو وہ اپنے خیالات سے چونکی۔

ہاتھ دھو کر دوپٹے کے پلو سے پونچھتی ہوئی وہ اندر داخل ہوئی تو اماں بڑے صندوق سے نجانے کیا کچھ نکالے بیٹھی تھیں۔

"یہ سوٹ دیکھو" انہوں نے ہاتھ میں تھاما ہوا ایک مردانہ شلوار سوٹ کا کپڑا آگے کیا۔

"کیا ہے.....؟" اس نے سوٹ پیس تھام لیا۔ "اچھا ہے، کس کا ہے؟"

"اچھا یہ دیکھو؟"

انہوں نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے ایک ریشمی سوٹ آگے کیا۔

"یہ بھی اچھا ہے۔ لیکن کس کے لیے اماں؟"

"کل احسن اور اس کی منہ بولی بہن آ رہے ہیں۔ کیا بھلا سا نام ہے اس عورت کا، ہاں فرخندہ! میں نے احسن سے بات کی تھی۔ دیکھو بیٹی! وہ تمہیں انگوٹھی تھما گیا تم نے پہن لی۔ ایسے کہیں رشتے طے ہوتے ہیں "انسان چار لوگوں کو بلائے" رشتے داروں عزیزوں کو علم ہو، کوئی باقاعدہ رسم ہو اصل دستور تو یہ ہے اور یہی باتیں اچھی بھی لگتی ہیں۔ انسان بھاری رہتا ہے چار لوگوں میں عزت رہتی ہے کل کلاں کو تمہاری کسی ممانی نے ہاتھ تھام کر انگوٹھی کے بارے میں کچھ پوچھ پاچھ لیا تو کیا جواب دو گی؟ اور میں کیا منہ دکھاؤں گی بھائیوں کو، کہ ساری عمر ان کا دیا کھایا اور جب اتنا بڑا فیصلہ کرنے کا وقت آیا تو ان سے صلاح تک نہیں کی۔"

"پھر اماں؟" وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھے گئی۔

"پھر یہ کہ میں نے احسن سے بات کی، اسے تمہاری رضامندی کا بتایا۔ اس سے کہا کہ اپنی بہن کو چار عزیزوں، دوستوں کو لے آؤ، ہم یہاں اپنے عزیزوں کو بلاتے ہیں۔ اور ایک چھوٹی موٹی رسم ہو جائے تو لوگوں کو بھی علم ہو جائے اور کل کو کوئی بات نہ ہو۔"

"پھر.....؟" وہ آہستگی سے بولی "کیا کہا انہوں نے؟"

"اس کو کیا اعتراض وہ تو دل جان سے راضی ہے کل وہ لوگ شام کو آئیں گے بعد نماز مغرب میں نے تمہارے ماموؤں کو بھی مطلع کر دیا ہے کہ میں زینب کی بات ٹھہرا رہی ہوں۔ وہ لوگ بھی ہوں گے۔ یہ جوڑے میں نے اسی مقصد کے لیے نکالے ہیں۔ ایک احسن کو دوں گی ایک اس کی بہن کو۔ یہ گھڑی تمہارے بڑے ماموں عمرے سے واپسی پر لائے تھے کب سے سنبھال کر رکھی ہے میں نے۔ یہ دوں گی احسن کو"

اولڈ فیشن گھڑی دیکھ کر زینب کو ہنسی آ گئی۔ لیکن اس نے اماں کا دل توڑنا مناسب نہ سمجھا۔

"جیسے آپ کی خوشی اماں" وہ دھیرے سے بس بول سکی۔

پھر دفعتاً اسے خیال آیا۔

"اور یہ احسن صاحب سے رابطہ کیسے کر لیتی ہیں آپ؟ ایسے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہو پاتی ہے، مجھے بھی نہیں، سالگرہ پر انہیں انوائیٹ بھی کر لیا اور مجھے علم بھی نہ ہوا اور آج صبح سے گھر پر ہیں اور ان سے بات ہو گئی۔"

اماں بڑی پراسراریت سے مسکرا دیں۔

"اب ہر بات بتانے کو تھوڑا ہی ہوتی ہے"

"کوئی بات نہیں میں ان ہی سے پوچھ لوں گی۔"

وہ کہنے کو تو کہہ گئی لیکن پھر اسے اماں سے بے پناہ شرم آئی، وہ کچھ زیادہ ہی کھلتی جا رہی تھی۔ اماں نے اس کا جھکا ہوا سر دیکھا تو ہنس دیں۔

''فون نمبر ہے اس کے آفس کا میرے پاس، پہلی ملاقات میں ہی دے گیا تھا وہ، کوئی کام ہو تو سامنے کی دکان سے فون کر آتی ہوں جب سودا سلف لینے جاتی ہوں تو۔''

''اچھا اچھا'' وہ جلدی سے بولی۔

''اور ہاں بیٹی! یہ انگوٹھی بھی اتار کر مجھے دے دو۔''

''کیوں اماں؟'' اس نے تعجب سے اپنے ہاتھ کو دیکھا۔

''ارے کل سب کے سامنے پہنا دے گی اس کی بہن تمہیں۔ اب وہ بے چارا بار بار انگوٹھیاں خریدنے سے تو رہا۔ کل کیا پھر نئی انگوٹھی لائے گا؟''

انگوٹھی تو زینب نے اتار کر اماں کو تھما دی لیکن پھر اسے عجیب سے احساس نے آ گھیرا۔

''کیا تھا جو کل وہ نئی انگوٹھی خرید لاتا تو۔ ایسے اچھا لگتا ہے پہنی ہوئی چیز دوبارہ پہناتا۔ کتنے کی آجاتی بھلا دوسری انگوٹھی، کیا وہ میری خوشی کے لیے دو چار ہزار بھی خرچ نہیں کر سکتا۔''

شام تک وہ بے کار الجھتی رہی۔ اسے اپنی ہر بات کا منفی پہلو دیکھنے والی عادت سے خوف آتا تھا۔

رات کو اماں کے برابر ٹھنڈے، سفید بستر پر لیٹی تو احسن مسکراتا ہوا اس کی پلکوں میں در آیا۔

کل احسن کے ساتھ اس کی منگنی تھی۔ اس احساس کی خوبصورتی نے اس کا سارا اضمحلال ساری پریشانی دور کر دی۔ وہ گہری پرسکون نیند سو گئی۔



اسے فارحہ کے نہ ہونے کا بے حد افسوس تھا اگر وہ ہوتی تو زینب خود کو اتنا گھبرایا ہوا محسوس نہ کرتی۔ اسے ہر جگہ فارحہ کے سہارے کی عادت پڑ چکی تھی۔ فارحہ کی تیزی اور طراری اسے اپنی ڈھال محسوس ہوتی تھی۔ آمنہ بے چاری تو اسی کی طرح تھی سیدھی سادھی، خاموش خاموش سی۔ محفل میں آکر چپ چاپ ایک طرف بیٹھ جایا کرتی تھی۔ اس کا پتا بھی نہ چلتا تھا۔

زینب کو آج کے دن فارحہ کی بے حد کمی محسوس ہو رہی تھی۔ فارحہ نے بیوٹیشن کورس بھی کیا ہوا تھا۔ وہ ہوتی تو منٹوں میں اسے سجا سنوار دیتی۔

اس نے پڑوس کی ہی ایک لڑکی کو بلایا تھا جو اس کے چہرے پر اپنا ہنر آزما گئی تھی۔ زینب مطمئن نہ تھی۔

''اچھی تو لگ رہی ہو زینب اور بھلا کیسے اچھی لگو گی؟'' آمنہ دسویں مرتبہ اسے یقین دلا رہی تھی۔

''صرف اچھی نا؟ میں آج بہت زیادہ اچھی نظر آنا چاہتی ہوں آمنہ! آخر میری منگنی ہے''

آمنہ ہنس کر رہ گئی۔

منگنی کی رسم ادا کی گئی۔ فرخندہ باجی نے اسے انگوٹھی پہنائی تو زینب چونک اٹھی یہ وہ انگوٹھی نہ تھی جو احسن نے اسے سالگرہ پر دی تھی۔ یہ نئی انگوٹھی تھی۔ زینب کو خوشی کا احساس ہوا۔ احسن نے اس کے جذبات کا از خود خیال رکھا تھا وہ دوسری انگوٹھی لایا تھا۔

زینب کے رشتہ دار تینوں ماموں، ممانیاں احسن سے مل کر خوش ہوئے تھے۔ سب ہی نے اماں کو مبارکباد دی تھی ان کی پسند کو سراہا تھا۔

اماں کا چہرہ خوشی کے اندرونی احساس سے جگمگا رہا تھا۔

منگنی کی رسم کے بعد مل بیٹھ کر شادی کی تاریخ بھی طے کر لی گئی اماں اس سلسلے میں علیحدہ سے کوئی تقریب نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ دو ماہ بعد کی

تاریخ ٹھہرادی گئی۔

"احسن صاحب کے دانت محفل میں سب سے نمایاں ہیں۔" آمنہ نے باہر سے آ کر اسے چھیڑا تھا۔

خود زینب بھی خوش تھی۔۔بے پناہ خوش۔وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

محفل ختم ہوئی۔سب لوگ چلے گئے تو وہ پھر سابقہ حلیئے میں لوٹنے کی تیاری کرنے لگی۔کپڑے تبدیل کیے۔منہ دھویا پھر بیٹھ کر بال سلجھانے لگی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو اس نے توجہ نہ کی۔اماں باہر ہی تھیں۔لیکن چند لمحوں بعد ہی کمرے کے دروازے پر دستک دی گئی تو وہ چونک اٹھی۔

"کون۔؟" اس نے کنڈی گرانے کے ساتھ ساتھ پوچھا۔

"احسن۔!" وہ اپنی جگہ کھڑی رہ گئی۔دروازہ کے پٹ اس سے وانہ کیے گئے۔

"یہ محترم اچانک کس سلسلے میں پہنچ گئے۔" وہ سوچ رہی تھی۔

"کیا لوٹ جاؤں واپس۔؟" باہر سے قدرے شوخی سے پوچھا گیا۔

زینب نے دروازہ کھول دیا۔

"ہائے ری قسمت۔" گہرا سانس لے کر اس نے ٹکڑوں میں کہا تھا۔

"کیا ہوا۔؟" زینب اسے گھور رہی تھی۔"واپس کیوں آئے ہیں۔؟"

"ایک نظر آپ کے دیکھنے کے لیے۔" احسن نے اسے گھورا۔"اماں سے اجازت لے کر گیا تھا کہ فرخندہ باجی کو گھر پہنچا کر آتا ہوں اور تم ہو کہ سابقہ کسی بھی تیاری کا کوئی نام ونشان نہیں چھوڑا تم نے۔"

زینب ہولے سے ہنس دی۔

"مجھے کیا خبر تھی، اماں نے بتایا ہی نہیں۔"

"اب کیا دونوں اسی طرح کھڑے رہیں گے۔؟ یا تو باہر آ جاؤ یا مجھے اندر آنے دو۔"

"آ جائیں۔" زینب نے اسے راستہ دیا اور خود اندر بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔

"اماں کہاں ہیں؟" پھر دفعتاً اس نے مڑ کر احسن سے پوچھا۔

"کچن صاف کر رہی ہیں۔بے چاری اماں، تم ان کا بالکل ہاتھ نہیں بٹاتیں۔"

"بٹاتی کیوں نہیں۔؟ بٹاتی ہوں۔اماں کچن صاف کر رہی ہیں تو باقی صفائی مجھے کرنی ہے۔"

"بس یہ ذرا سی چیزیں سمیٹ دو گی اور تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔"

"اچھا بابا۔! یہ ہم ماں بیٹی کا معاملہ ہے۔آپ یہ فرمائیں کہ آمد کس سلسلے میں ہوئی۔؟" وہ اس سے کافی فاصلے پر رکھے موڑھے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"بتایا تو ہے۔تمہیں دیکھنے آیا تھا۔دلہن بن کر کیسی لگ رہی ہو۔"

زینب کو شرم آ گئی۔

"میں، میں دلہن تو نہیں بنی تھی۔بس ایسے ہی ذرا سا تیار ہوئی تھی۔"

"اچھا۔؟ سنا تو ہے کہ منگنی میں بھی لڑکیاں دلہن بنتی ہیں۔چلو خیر کوئی بات نہیں، میں دو مہینے بعد۔"

"آپ چائے پئیں گے۔" اس نے گھبرا کر اس کی بات کاٹ دی۔

خوشی کی ترنگ میں آ کر وہ نجانے کیا کچھ بولے جا رہا تھا۔ اس نے غور سے زینب کو دیکھا اور ہنس دیا۔

''چلو، بناؤ گی تو ضرور پیوں گا۔''

''میں ابھی لاتی ہوں۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گئی۔

وہ کچن میں آئی تو اماں چائے بنا چکی تھیں۔

''لو۔'' انہوں نے اسے دیکھ کر ٹرے اس کی سمت بڑھائی۔ ''میں چائے لا رہی تھی۔ اب آ گئی ہو تو لے جاؤ اندر۔''

زینب ٹرے تھامنے کے بجائے اماں کو دیکھتی رہ گئی۔

وہ صبح سے کام میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ خود تو مہارانی بنی ایسے کمرے میں گھسی رہی تھی جیسے مایوں بیٹھ گئی ہو۔ اس وقت بھی وہ کچن سمیٹ کر نماز پڑھنے کے لیے جا رہی تھیں۔ لیکن احسن کو دیکھ کر چائے بنانے لگی تھیں۔ زینب کو اپنی ماں پر بے ساختہ ٹوٹ کر پیار آیا۔

کس قدر چاہتی تھیں وہ اسے۔

''کیا دیکھ رہی ہو تھا مو۔''

''اماں۔!'' اس نے جھک کر ان کا گال چوم لیا۔

''کتنی اچھی ہیں آپ۔''

اماں سادگی سے مسکرا دیں۔

''اچھا!'' میں ذرا نماز پڑھ لوں تو آتی ہوں۔ احسن میاں سے کہنا بیٹھیں۔''

''جی۔''

وہ ٹرے اُٹھا کر اندر چلی آئی۔ احسن کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔

آہٹ سن کر سیدھا ہو گیا۔

''اماں کو بھی بلا لو۔'' وہ کپ تھامتے ہوئے بولا۔

''اماں آ رہی ہیں، نماز پڑھ کر۔''

''تم نماز نہیں پڑھتیں۔؟''

''پڑھتی ہوں۔'' وہ شرمندہ ہو گئی۔ ''کبھی کبھی۔''

''پابندی سے پڑھا کرو۔''

پھر وہ اسے دیکھ کر شرارت سے مسکرایا۔

''عبادت گزار عورتوں کے شوہر کو خدا خوب نوازتا ہے۔ جس گھر میں قدم رکھتی ہیں وہاں پھول کھل جاتے ہیں۔''

''میری اماں بچپن سے نماز روزے کی پابند ہیں۔''

اس نے چند لمحے احسن کی بات پر غور کر کے کہا۔ ''اور میرے ابا بے چارے! ساری عمر لگا دی انہوں نے ایک گھر تک نہ بنا پائے اور وہ عورتیں جو فرعون بنی بازاروں میں گھومتی ہیں۔ موٹی موٹی سیٹھانیاں، جن کی کلائیاں کہنیوں تک سونے سے پیلی ہو رہی ہوتی ہیں۔ گھر امیک اپ تھوپے یوں روپے بے دریغ لٹا رہی ہوتی ہیں۔ جیسے گھر سے قسم کھا کر نکلی ہوں وہ کتنی عبادت گزار ہوتی ہیں؟''

احسن اسے یوں جذباتی انداز میں بولتا دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''ہاں۔ تو خدا تو اس کو بھی نوازتا ہے جو اس کے وجود سے ہی منکر ہوتا ہے۔ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اللہ صرف ان کو ہی دیتا ہے جو اس کی عبادت کرتے ہیں بلکہ اس غرض سے کی گئی عبادت تو مشکوک ہی رہتی ہے۔ آیا مقبول ہو گی بھی یا نہیں۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ......

زینب۔! اس روز اماں نے بتایا تھا کہ تم پیسے کی اہمیت پر بہت زور دیتی ہو۔ لیکن تم اس قدر جذباتی ہو، مجھے اندازہ نہ تھا۔'' وہ بے حد حیران تھا۔

''میں واقعی اس سلسلے میں پاگل پن کی حد تک جذباتی ہوں احسن۔!'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''اس روز آپ پوچھ رہے تھے میرے انکار کرنے کی وجہ۔ آج میں آپ کو بتا دوں وجہ یہی تھی۔ میں کسی ایسے شخص سے شادی کی خواہش مند تھی جو میری ہر خواہش پوری کر سکتا ہو۔ میں بچپن سے لے کر اب تک اپنے شوق کی چیزوں کو ترستی ہوں۔ میں چاہتی ہوں......''

وہ گہرا سانس بھر کر خاموش ہو گئی۔ اب یہ سب کچھ کہنے کا فائدہ بھی کیا تھا۔ وہ اپنی کشتیاں جلا چکی تھی۔ اپنے خواب کچلتی ہوئی آگے بڑھ آئی تھی۔ اب پلٹ کر ان کرچیوں کو دیکھنے اور انہیں چننے کی کوشش لاحاصل تھی۔

احسن بغور اسے دیکھ اور سن رہا تھا۔

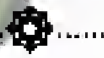
''تم، تم پچھتا رہی ہو زینب؟'' اس کے خاموش ہونے پر وہ بڑے عجیب لہجے میں بولا تھا۔

''نہیں تو۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔''

''پھر میرا اعتبار بھی کرو زینب!'' وہ یکایک جوشیلے انداز میں بولا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ دنیا کی ہر خوشی تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں گا۔ چاند تارے توڑ لانے کا دعویٰ تو نہیں کرتا لیکن جس شے کی تمہیں خواہش ہو گی، وہ اپنا آپ بیچ کر بھی لاؤں گا۔''

زینب کی آنکھوں میں نمی سے ستارے چمکنے لگے۔

''تمہارا ساتھ پانے کی تمنا میری زندگی بن گئی تھی۔ تم نے مجھے اپنانے کا فیصلہ کر کے مجھ کو میری زندگی لوٹا دی ہے۔'' وہ بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ ''میں وعدہ کرتا ہوں زینب! تمہیں زندگی کی ہر خوشی دینے کی کوشش کروں گا۔''



چند دن بعد وہ ایک شام اچانک ہی چلا آیا۔ بنا کسی پیشگی اطلاع کے۔

''چلیے۔!'' اس نے اماں سے کہا۔ ''تیار ہو جائیں فٹافٹ۔ رات کا کھانا ہماری طرف ہے۔''

اماں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''ہماری طرف۔؟''

''جی ہاں۔ میری طرف اس لیے نہیں کہا کہ تمام تیاری فرخندہ آپا نے کی ہے۔ صبح سے لگی ہوئی ہیں دعوت کرنے میں ان کا برابر کا حصہ ہے۔ ویسے میں اپنے گھر لے جانے آیا ہوں اماں۔ میں چاہتا ہوں، آپ اور زینب بھی شادی سے قبل ایک مرتبہ میرا گھر دیکھ لیں۔ اصل میں اماں زینب کی آنکھوں میں نجانے کیا کیا خواب سجے ہیں۔ میں وہ خواب پورے ضرور کروں گا۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ اسی لیے میں نے سوچا اس کے خیالات کو کوئی دھچکا نہ لگے۔ اسے پوری طرح سے علم ہو، اسے بیاہ کر کہاں جانا ہے۔ وہ ذہنی طور پر تیار ہو۔''

اماں خاموشی سے اٹھ کر تیاری کرنے لگیں۔ اسے بھی تیار ہونے کو کہا۔

زینب کو یقین نہ تھا کہ اماں شادی سے پہلے اسے وہاں جانے کی اجازت دے دیں گی۔ اسے بڑی حیرانی ہوئی۔

''ہر کسی کو بڑی جلدی شیشے میں اتار لیتے ہیں آپ!''

اماں کسی کام سے باہر گئیں تو اس نے شرارت سے سرگوشی کی۔

''بتاتا ہوں اماں کو۔'' وہ خطرناک حد تک سنجیدگی سے بولا۔

زینب شرارت سے ہنستی باہر بھاگ گئی۔

وہ دونوں تیار ہو گئیں تو احسن رکشہ لے آیا۔ اماں اور وہ رکشہ میں بیٹھ گئیں۔ احسن بائیک پر سوار ہو گیا۔

جس علاقے میں اس کا گھر تھا۔ اسے دیکھ کر زینب کو حقیقتاً مایوسی ہوئی تھی۔ اس علاقے میں جگہ جگہ گندگی کے ڈھیر تھے۔ گندی گلیاں تھیں۔ میلے بچوں کا ہجوم تھا۔

احسن نے بائیک ایک نسبتاً صاف گلی میں، ایک نسبتاً صاف گھر کے سامنے روکی تو اس کا نجانے کب کا رکا ہوا سانس خارج ہوا۔

''شکر ہے۔! کچھ تو صاف جگہ ہے۔ پچھلی گلی تو گندگی کا ڈھیر تھی۔'' وہ اتر کر سوچ رہی تھی۔

گھر میں وہ جس قدر خوش تھی۔ اب قدرے بجھی بجھی نظر آرہی تھی۔ احسن اس کی ہر تبدیلی کو بغور نوٹ کر رہا تھا۔

''آئیں اماں۔'' رکشے والے کو کرایہ دے کر وہ ان کی راہنمائی کرتا آگے بڑھا۔

دونوں اس کے پیچھے پیچھے گھر میں داخل ہو گئیں۔

''نیچے فرخندہ باجی رہتی ہیں۔'' وہ بغلی راستے سے سیڑھیوں کی سمت جاتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ''میں اوپر رہتا ہوں، فرخندہ باجی اور ان کے شوہر دونوں ہی عادت کے بہت اچھے ہیں۔ مجھے بالکل سگے بھائیوں کی طرح چاہنے لگے ہیں۔ آٹھ سال ہو گئے ہیں مجھے یہاں رہتے ہوئے۔ اس سے پہلے میں رشتے کی خالہ کے پاس رہا ہوں۔ ماں باپ تو بہت بچپن میں ہی میرا ساتھ چھوڑ گئے تھے۔'' وہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا بتا تا جا رہا تھا۔

سیڑھیاں طے کر کے ایک چھوٹا سا صحن پڑتا تھا۔ جس میں گلاب اور موتیا کے چند گملے ترتیب سے رکھے تھے۔ ایک کونے میں کپڑے دھونے کے لیے چھوٹا سا چبوترہ تھا۔ صحن پار کر کے ایک مختصر سا لاؤنج تھا۔ جس میں ایک صوفہ، ایک میز اور کونے میں چھوٹا ٹی وی رکھا تھا۔ سامنے دو کمرے اور سائیڈ میں چھوٹا سا کچن تھا۔

پورا گھر ایک ہی نگاہ ڈالنے میں تمام ہوتا تھا۔ لیکن گھر بہت اچھا اور صاف ستھرا بنا ہوا تھا۔ ہوادار اور روشن سا۔ گرمیوں کے دن تھے لیکن گرمی کا نشان تک نہ تھا۔

''بیٹھیں آپ لوگ۔'' اس نے لاؤنج میں بچھے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ ''میں فرخندہ آپا کو بلا کر لاتا ہوں۔ وہ کھانا پکا کر نیچے گئی ہیں۔ صبح سے یہیں تھیں۔''

اماں صوفے پر بیٹھ گئیں جبکہ وہ کھڑی رہی۔ احسن باہر نکل گیا تو وہ کچن کے دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ چولہوں کی فٹنگ اور کونے میں بنی برتنوں کی الماری کے بعد بمشکل ایک آدمی کے کھڑے ہونے کی گنجائش تھی۔

کھانے کے برتن نکلے ہوئے تھے۔ یقیناً فرخندہ آپا کے تھے۔ احسن نے اتنے برتنوں کا کیا کرنا تھا۔ وہ جائزہ لیتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔

ایک کونے میں سنگل بیڈ تھا۔ جس پر صاف ستھری بیڈ شیٹ بچھی تھی۔ ایک کونے میں رائٹنگ ٹیبل اور کرسی رکھی تھی۔ ایک تپائی پر پانی کا جگ اور گلاس رکھا تھا۔ بیڈ کے مقابل دیوار میں کپڑوں کی الماری تھی۔ بس یہی کل کائنات تھی کمرے کی۔

وہ دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں فرش پر ایک دری بچھی تھی اور چند گاؤ تکیے دھرے ہوئے تھے۔ ایک دیوار پر بڑی پینٹنگ لگی ہوئی تھی۔

گھر نہایت مختصر لیکن بے حد صاف ستھرا تھا۔ ہر چیز نہایت صفائی سے اپنی جگہ بالکل درست نظر آرہی تھی۔ کسی قسم کی کوئی افراتفری نہ تھی۔ جیسا کہ ایک اکیلے، جوان لڑکے کے گھر میں نظر آسکتی تھی۔

''ہمیں دکھانے کو کیا ہو گا سب کچھ۔'' اس نے یقین سے سوچا۔ ''اتنے صفائی پسند لگتے تو نہیں۔ باہر صحن میں رکھے گملے تک صاف ستھرے ہیں۔''

فرخندہ آپا آکر نہایت محبت اور خلوص سے ملیں زینب کی ان سے تیسری ملاقات تھی لیکن وہ برسوں کی سی شناسائی کا رویہ اپنائے ہوئے

تھیں۔

زینب نے ان کے ساتھ مل کر کھانا نکالا۔ لاؤنج میں پڑی سینٹر ٹیبل ہٹا کر دیوار سے لگا دی گئی۔ بیچ میں دری بچھا کر وہ لوگ وہیں بیٹھ گئے۔

''اندر کمروں میں اس وقت حبس سا ہوتا ہے۔''

فرخندہ آپا بولی تھیں۔ ''یہاں کھانا کھا لیتے ہیں۔''

''نہیں نہیں۔ حبس تو نہیں۔'' اماں فوراً بولیں۔

''بڑا اچھا، روشن گھر ہے۔ عمدہ طرز پر بنا ہوا۔ ہاں، یہاں ہوا کچھ زیادہ آتی ہے۔''

زینب نے کوئی رائے دینا مناسب نہ سمجھا۔ اسے اتنا چھوٹا گھر اور مختصر ساز و سامان دیکھ کر کچھ خاص خوشی نہ ہوئی تھی۔ اماں البتہ حسب عادت نہایت خوش تھیں۔

کھانا بھی نہایت لذیذ تھا۔ اماں، آپا اور احسن مسلسل بول رہے تھے جبکہ وہ چپ چاپ لقمے لے رہی تھی۔

''کیا بات ہے زینب! تم ٹھیک سے کھا نہیں رہیں۔'' فرخندہ آپا نے اس کی جانب توجہ کی۔ ''کھانا پسند نہیں آیا۔؟''

''کھانا تو بہت اچھا بنا ہے۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تمہارا وجود بھی اس گھر میں ایک نعمت ہے فرخندہ۔'' اماں بولی تھیں۔ ''مجھے اس کی طرف سے پریشانی نہ ہوگی۔ یہ تو ابھی بہت ناسمجھ اور ناتجربہ کار ہے۔ سخت پریشانی ہوتی تھی مجھے سوچ سوچ کر۔ یہ کب اور کیسے سیکھے گی۔''

''سب آ جاتا ہے اماں۔'' فرخندہ آپا ہنس کر بولیں۔

''ہماری شادی ہوئی تو ہمیں کیا آتا تھا۔ چائے تک بنانا بعد میں سیکھی ہے۔''

''تم نے سیکھ لی چائے بنانا۔؟'' احسن شرارتاً اس سے مخاطب تھا۔

وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

واپسی میں بھی وہ انہیں چھوڑنے آیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اندر بھی چلا آیا۔

''مطمئن ہو۔؟''

اماں کمروں کے دروازوں میں پڑے تالے کھولنے لگیں تو وہ ہولے سے پوچھنے لگا۔

''کس بات سے۔؟'' وہ انجان بن گئی۔

''اپنے خوابوں کے محل سے۔'' وہ ہنسا۔

زینب نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا پھر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''زینب!''

''جی۔؟''

''ایک بات کا یقین کر لو۔ خوشی کا کوئی سائز نہیں ہوتا جو اسے بڑے بڑے گھروں اور اونچی اونچی دیواروں والے محلوں میں ہی ڈھونڈا جائے''

''میں نے کب کہا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''تمہارا رویہ کہہ رہا ہے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''زینب! ہم دونوں اس چھوٹے سے گھر میں بھی خوش رہیں گے تم دیکھنا۔ مجھے یقین ہے اپنی محبتوں پر۔''

''آؤ احسن۔'' اماں دروازہ کھول کر اسے بلا رہی تھیں۔ ''اندر آ جاؤ۔''

''میں چلتا ہوں اماں۔ پھر آؤں گا، خدا حافظ!'' وہ ایک نظر اس پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

زینب کسی گہری سوچ میں گم تھی۔



فارحہ اچانک ہی چلی آئی تھی۔ زینب کو دیکھتے ہی وہ پر جوش انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

''زینب! قسم خدا کی بے حد مس کیا میں نے تمہیں۔ مجھے یقین ہے پورا تم نے بھی یاد کیا ہوگا۔ مجھے۔''

''ایسا ویسا!'' زینب کھلکھلا کر ہنس دی۔

''اور ایسی کمینی ہو تم، پورے نوٹس بنا کر بیٹھی ہو گی، اکیلے اکیلے تیاری کمپلیٹ ہو گی تمہاری تو۔''

''قسم لے لو ایک لفظ بھی پڑھا ہو تو۔'' زینب شرارت سے ہنسی۔

''میں تو سخت ٹینس ہوں زینب! کیا کیا کروں گی میں۔'' وہ جوش جذبات میں اس کی سنے بغیر بولے جا رہی تھی۔ ''خبر ہے میری منگنی ہو گئی ہے میری شادی ہے مہینے بھر میں۔''

زینب کا منہ کھلا رہ گیا۔

''پھوپھی اماں نے اچانک ہی بلایا اور ہاتھ پکڑ کر انگوٹھی پہنا دی۔'' وہ ہنس رہی تھی۔ ''فیصل ابھی ابھی لوٹے ہیں لندن سے۔ اپنا بزنس کرتے ہیں۔ اب یہاں بھی برانچ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن پھوپھی اماں نے کہا پہلے شادی، پھر کوئی دوسرا کام۔ انہوں نے جھٹ میرا نام لے دیا۔ بچپن سے لائک کرتے ہیں۔ مجھے۔ یقین کرو زینب؟ مجھے خبر ہی نہیں وہ نجانے کب سے سپنے دیکھ رہے ہیں۔''

وہ بے تحاشا ہنس رہی تھی۔

''میں تو چند دنوں میں خوشی سے پھول کر کپا ہو گئی ہوں۔ ایمان سے کپڑے ٹائٹ ہو گئے ہیں۔ اتنی موٹی ہو کر آئی ہوں مہینہ بھر میں، اچھا سنو۔''

پھر وہ رازداری سے گویا ہوئی۔

''ان سے چھوٹا بھائی ہے احمر۔ پھوپھی اماں نے مجھ سے پوچھا، کوئی لڑکی نظر میں ہو تو بتاؤ۔ میں نے جھٹ تمہارا نام لے دیا۔ اگلے مہینے آ رہی ہیں پھوپھی، تم سے ملانے لاؤں گی انہیں۔ ایسے ہونقوں کی طرح منہ کھولے کیا دیکھ رہی ہو۔ باہر سے لاء پڑھ آیا ہے۔ یہاں اپنی پریکٹس کرے گا۔ بہت ٹیلنٹڈ ہے، لاکھوں میں کھیلا کرو گی۔''

وہ شرارت سے ہنسی۔

''فارحہ۔ میری منگنی ہو گئی ہے۔'' وہ بمشکل بول سکی تھی۔ ''احسن ایاز سے۔''

''کیا۔؟'' فارحہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔



''زینب! زینب کاش تم تھوڑا سا انتظار کر لیتیں۔'' فارحہ کے لہجے میں بے پناہ تاسف تھا۔

''آخر تمہیں اس قدر جلدی کس بات کی تھی؟ تمہارا حسن ڈھل رہا تھا، تمہاری عمر نکلی جا رہی تھی۔ تمہارے حوصلے جواب دے رہے تھے۔ کیا ہو گیا تھا زینب؟''

اس کے انداز میں قدرے برہمی اور جھنجھلاہٹ در آئی۔

''کس قدر خوش تھی میں، کتنی جلدی تھی، مجھے تم سے ملنے کی کہ کسی طرح اڑ کر تم تک پہنچوں اور تمہیں یہ سرپرائز دوں، میں نے تو اپنے طور پر پورا پورا یقین کر لیا تھا کہ پھوپھی تمہیں پہلی نگاہ میں پسند کر لیں گی اور ہم دونوں کی دوستی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اٹوٹ ہو جائے گی۔ لیکن تم زینب اور اماں اور وہ احسن صاحب۔''

آخر میں وہ جل کر بولی تھی۔

زینب سر جھکائے مجرموں کی طرح بیٹھی تھی جیسے فرد جرم سن رہی ہو۔

''اب کچھ پھوٹو بھی منہ سے، منگنی کر ہی لی ہے تو اب چہرے پر برستی اس اداسی کا کیا سبب؟

کیا اماں نے زبردستی کر ڈالی منگنی؟ پوچھے بغیر؟''

''نہیں!'' اس نے نفی میں سر ہلایا ''اماں نے تو انکار کہلا بھیجا تھا تم تو جانتی ہی ہو۔''

''پھر؟ پھر یوں اچانک؟''

''بس فارحہ!'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ''یوں سمجھو، یہ نصیبوں کا کھیل ہے اپنے مقدر سے کوئی لڑ نہیں سکتا۔ آنکھ کی پتلی میں کتنے ہی خواب جڑے ہوں۔ نظر سامنے کھڑا مقدر ہی آتا ہے، خدا نے میری ہتھیلیوں میں اسی شخص کا نام تحریر کیا ہے احسن، احسن ایاز''

اس نے ہتھیلی سامنے پھیلا کر یوں کہا۔ جیسے واقعی ہاتھ پر اس کا نام لکھا ہے۔

''مجھے یقین ہے اس نے تمہیں مجبور کیا ہوگا۔''

فارحہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''پتا نہیں شاید اس کو مجبور کرنا کہتے ہیں۔ وہ ہر دوسرے دن آتا تھا اماں سے ملنے، میرے حوالے کے بغیر، پھر مجھے بھی اچھا لگنے لگا اس کا آنا۔ میں لاشعوری طور پر اس کی منتظر رہنے لگی۔ پھر اماں نے سمجھایا، کچھ دل نے سمجھایا اور بس یہی کل فسانہ ہے۔''

''چلو!'' فارحہ نے سانس بھری ''یوں ہی سہی۔ ظاہر ہے، اگر تمہارے دل نے بھی تمہیں یہ سمجھایا ہے تو پھر تو کچھ کہنے کی گنجائش ہی نہیں ہے ورنہ۔''

''ورنہ؟'' اس نے سوالیہ نظریں اٹھائیں۔

''ورنہ ہونے کو ابھی بھی بہت کچھ ممکن ہے۔''

فارحہ نے جیسے اس کا چہرہ جانچا تھا ''میں اماں سے بات کرتی کہ......''

''نہیں نہیں فارحہ......'' وہ جلدی سے بول اٹھی۔

''جو ہو گیا بس اب وہی بہتر ہے۔ میں، میں اماں کو کوئی دکھ دینا نہیں چاہتی۔''

''ٹھیک ہے۔'' فارحہ نے کندھے اچکائے ''خدا کرے یہ فیصلہ تمہارے حق میں بہت بہتر ثابت ہو۔''

''اور تم سناؤ'' اس نے قصداً اس کا دھیان اس موضوع پر سے ہٹانے کے لیے کہا ''تم خوش ہو؟ وہ کیسے ہیں فیصل صاحب۔''

''وہ۔'' فارحہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔ ''بہت اچھے ہیں۔ تم ملو گی تو یہی کہو گی۔ تھوڑے سے بزنس مائنڈڈ ہیں۔ ایک کے دو بنانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ جذباتیت سے قدرے گریز کرتے ہیں محبت تو فرما چکے ہیں۔ لیکن اظہار وظہار بقول ان کے، انہیں آتا نہیں پھر بھی آئی ایم پی یہ

دیکھوناں یہ رنگ۔"

"انہوں نے ہی گفٹ کی ہے۔ ڈائمنڈ لگا ہے اس میں پچیس ہزار کی ہے۔"

"پچیس ہزار؟" زینب ہونقوں کی طرح اس نازک سی انگوٹھی کو دیکھنے لگی "صرف یہ انگوٹھی؟"

"ہاں تو اور کیا۔" فارحہ ہنس دی "میں خود ان کے ساتھ گئی تھی پسند کرنے۔ ڈائمنڈ ہے پگلی کوئی عام سا نگینہ نہیں۔"

اس کے کہنے پر زینب کی نگاہ اپنے ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی انگوٹھی پر گئی اس نے مٹھی بند کر لی اس کی انگوٹھی میں سرخ رنگ کا عام سا نگینہ تھا۔

"ڈائمنڈ سے کم کی تو فیصل بات ہی نہیں کرتے۔"

فارحہ اپنی دھن میں مگن بول رہی تھی۔ "پتا ہے زینب! میں تو منہ دکھائی کا گفٹ بھی وہیں پسند کر آئی ہوں۔ اتنا حسین، دیدہ زیب سیٹ ہے۔ نگاہیں خیرہ کر دینے والا۔ فیصل بولے تمہیں پسند ہے تو میں اسی کا آرڈر دے دیتا ہوں۔ چیز تمہیں پہننی ہے، پسند تمہاری ہی ہونی چاہیے، میں یہ سرپرائز ورپرائز نہیں مانتا۔ وہیں آرڈر کر دیا انہوں نے میرے سامنے ہی۔"

"بہت امیر ہیں؟" زینب کے لہجے میں اس کی تمام حسرتیں بول رہی تھیں۔

"ہاں بہت! دولت باندی ہے ان کے گھر کی۔" فارحہ نے بال جھٹکے۔

کتنے تھوڑے دن گزرے تھے۔ اس کا ہر انداز بدل چکا تھا۔ اس نے ابھی سے خود کو مسز فارحہ فیصل کے روپ میں دیکھنا اور سوچنا شروع کر دیا تھا۔

زینب ایک تحیر کے عالم میں گھری اس کو دیکھ رہی تھی۔

"سچ زینب میں نے تمہارے لیے فیصل سے بھی اچھا شخص پسند کیا تھا۔ فیصل اتنے ہینڈسم نہیں جتنا کہ احمر لیکن خیر۔" اس نے پھر سانس بھر کر کہا "جیسا کہ تم نے کہا وہی قسمت۔"



"زینب!" اماں تیسری مرتبہ کمرے میں آئی تھیں۔

"بیٹا! کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟ دوپہر ہو گئی ہے تم ابھی تک بستر میں پڑی ہو۔"

"ٹھیک ہوں اماں۔" وہ بے دلی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سستی سے ہاتھ اٹھا کر انگڑائی لی "بس دل چاہ رہا تھا دیر تک سونے کا۔"

"ارے بیٹا! اب یہ رواج بدلو اپنے۔" اماں چڑ کر بولیں۔ "مہینہ، دو مہینہ میں تمام عادتیں سدھار لو۔ کل کو سسرال جاؤ گی تو کون تمہیں یوں بارہ بارہ بجے تک سونے دے گا۔"

"سسرال میں کون ہے ایسا۔ آپ نے تو بڑا اچھا گھر اور بر ڈھونڈا ہے میرے لیے۔"

"ساس سسر نہ سہی، اپنے گھر کے ہزار دھندے تو ہوتے ہیں عورت کو۔" اماں اس کے لہجے کا طنز قطعاً محسوس نہ کر پائی تھیں۔ "اور پھر وہ جس کے دم سے سسرال ہے۔ شوہر وہ تو ہوگا۔ اس کی ہانڈی روٹی تو کرو گی۔ یا بھوکا پیاسا ہی روانہ کر دیا کرو گی یا اسے کہو گی میرا دل آج دیر تک سونے کا ہے۔ گھر میں دس نوکر ہوں پھر بھی سویرے اٹھ کر شوہر کو چائے پانی کا پوچھنا پڑتا ہے۔ تمہیں تو صبح اٹھ کر یہ خبر نہیں ہوتی کہ تم خود کس شے سے ناشتہ کرو گی۔ میں سامنے لا کر چائے رکھ دوں تو پینے کا احسان کر دیتی ہو نہیں تو اللہ اللہ خیر صلا۔"

اماں نجانے کیوں غصے میں تھیں۔ وہ بے دلی سے گھٹنوں پر سر ٹکائے ان کی تقریر سنتی رہی۔ ساری رات کروٹیں بدلتے گزری تھی۔ فارحہ کی

آمد، اس کی باتیں، اس کے دل کا چین آنکھوں کی نیند چھین کر لے گئی تھیں۔ ساری رات اس نے محض یہ جاننے کی آرزو میں گزاری تھی کہ آیا اس کا فیصلہ درست تھا یا غلط کیا اس نے جلد بازی میں ایک غلط قدم اٹھالیا تھا۔ اور ساری رات جاگ کر بھی یہ بات اس کی سمجھ میں نہ آسکی تھی اور اب اماں کی باتیں اس کی طبیعت اور مکدر کر رہی تھیں۔

''صبح صبح اٹھنا، شوہر کو ناشتہ کرانا، گھر کے ہزار دھندے، روز کی ہانڈی روٹی۔'' اس کے ذہن میں ان ہی باتوں کی گردان ہونے لگی۔

''فیصل تو ڈائمنڈ سے کم پر بات ہی نہیں کرتے یہ رنگ دیکھو پچیس ہزار کی ہے وہ بولے، چیز تمہیں پہننی ہے، پسند تمہاری ہی ہونی چاہیے دولت باندی ہے ان کے گھر کی۔'' فارحہ کی وہی باتیں جن پر وہ ساری رات غور و خوض کر چکی تھی۔ پھر ذہن میں ہلچل مچانے لگیں۔

''وہ شخص تمہیں کچھ نہیں دے گا زینب! سوائے بچوں کی لائن کے ساری عمر روپے پیسے کے لیے لڑتے جھگڑتے گزر جائے گی۔''

''میں نے تو تمہارے لیے فیصل سے بھی اچھا شخص پسند کیا تھا۔ لیکن وہی قسمت۔'' اس نے ایک گہری سانس بھری۔

''ہاں قسمت۔'' پھر وہ بڑبڑائی ''ضروری نہیں کہ ہر حسین عورت کے مقدر میں خدا نے ایک عالیشان محل بھی لکھ دیا ہو۔ آمنہ ٹھیک کہتی ہے لیکن اگر چہرہ دیکھنے کے لیے ایک بدرنگ سا آئینہ ہی ملنا ہے تو پھر حسن کا کرنا کیا ہے؟ کیوں دیتا ہے خدا حسن جی ہی جی میں جلنے اور کڑھنے کے لیے، حسرتوں کا ماتم کرنے کے لیے، ایسے حسن کا فائدہ کیا جسے رونمائی میں ایک نقلی نگینہ جڑی انگوٹھی ملے۔

''زینب!''

وہ اپنے خیالوں سے چونکی اماں سامنے کھڑی فکرمندی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

''جی...... جی اماں۔''

''کیا بات ہے چندا، تیری طبیعت تو واقعی خراب لگ رہی ہے ایسا اترا اترا چہرہ، تھکی تھکی آنکھیں، میں بھی بس جو منہ میں آئے، بولے چلی جاتی ہوں۔''

اماں نے اس کا سر سینے سے لگالیا۔

''اٹھ کر منہ دھولے۔ میں اپنی رانی کو چائے بنا دیتی ہوں۔''

''میں ٹھیک ہوں اماں۔'' مجھے اپنی عادتیں درست کر لینی چاہیں۔ کل کلاں کو کون میرے اتنے نخرے اٹھائے گا۔''

وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ اماں پیچھے کسی گہری سوچ میں گم کھڑی تھیں۔



شام کو حیرت انگیز طور پر وہ چلا آیا تھا۔

''السلام علیکم۔ نصیب دشمناں۔ سنا ہے طبیعت ناساز ہے۔'' وہ کرسی کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولا تھا۔ ''یوں بستر میں گھس کر کس بات پر جی جلایا جا رہا ہے؟''

زینب حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس کی سمجھ میں ساری بات آگئی۔ یہ یقیناً اماں کے فون کا کرشمہ تھا۔ اس نے ایک گہری سانس بھری۔

''اماں نے فون کیا تھا آپ کو؟''

''یہ میرے سوال کا جواب تو نہیں اور پھر اتنی سی بات تو کوئی بے وقوف بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے؟''

''ہاں ٹھیک ہے۔ میں بے وقوف ہی ہوں۔'' وہ جل بیٹھی تھی۔

''جی نہیں۔آپ مہا بے وقوف ہیں۔'' وہ ہنس دیا۔

زینب نے برہمی سے نگاہ اٹھائی۔بلیک لائننگ کی شرٹ اور بلیک جینز میں ملبوس وہ بڑا اسمارٹ لگ رہا تھا۔سلیقے سے جمے ہوئے سیاہ بال ہلکی ہلکی چمک دیتے معلوم ہورہے تھے اور سیاہ آنکھوں میں وہی اپنائیت تھی۔وہی خلوص تھا۔وہی محبت تھی۔اسے یوں محویت سے اپنی جانب دیکھتے ہوئے دیکھ کر اس کے لب شرارت سے مسکرا اٹھے۔

''اچھا لگتا ہوں ناں؟'' بڑی معصومیت سے اس نے پوچھا تھا۔

خجالت سے زینب کا بُرا حشر ہوگیا۔گالوں پر دوڑتی سرخی اس نے خود ہی محسوس کرلی تھی۔

''چائے بنالاؤں؟'' اسے فوری طور پر یہی بات سوجھی۔

''جی نہیں۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

''میں لاتی ہوں چائے بنا کر۔''

اسے وہاں سے اٹھنے کا بہانا چاہیے تھا۔اس کی نظروں کی تپش برداشت سے باہر تھی۔بڑی تیزی سے وہ باہر نکل آئی تھی۔

اماں برآمدے میں عصر کی نماز ادا کررہی تھیں۔وہ کچن میں چلی آئی۔چائے کا پانی رکھتے ہوئے اس کے لبوں پر بڑی خوب صورت مسکراہٹ رقصاں تھی۔کل سے طبیعت سخت اداس تھی۔جی بے حد ملول تھا اور اب جیسے اچانک ہی مطلع صاف ہوا تھا اور چمکتا ہوا سورج اس کے روبرو چلا آیا تھا۔دل ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔چائے بنانے کے دوران وہ ہاتھ میں پڑی انگوٹھی دیکھتی رہی۔اب وہ خوب صورت اور قیمتی معلوم ہورہی تھی۔

چائے بنا کر وہ اندر آئی تو اماں ہنوز نیت کی حالت میں تھیں۔وہ برآمدہ عبور کرتے ہوئے کمرے میں چلی آئی۔وہ کرسی کی پشت سے سر ٹیک کر غالباً غنودگی میں چلا گیا تھا۔

''چائے۔'' وہ ہولے سے بولی۔

''اچھا جناب!'' وہ سیدھا ہو کر پیالی پکڑتے ہوئے بولا۔

''سوگئے تھے؟'' وہ سامنے آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تھکے ہوئے ہیں؟"

"ہاں! تھکا ہوا تو ہوں۔ لیکن سویا نہیں تھا۔ کچھ سوچ رہا تھا۔" اس نے چائے کا ایک گھونٹ بھرا۔

"کیا سوچ رہے تھے؟"

"بتا دیا تو تم پھر بھاگ جاؤ گی۔" وہ پھر شرارت سے مسکرایا۔

"یا اللہ" زینب کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا "آپ تو بہت ہی بدتمیز ہیں۔" اس نے بمشکل کہا تھا۔

"ہائے!" احسن نے بناوٹ سے آہ بھری۔ "ابھی سے ہی بدتمیزی کے طعنے مل رہے ہیں بعد میں تو نجانے کیا کچھ کہا جائے گا۔"

"احسن میں باہر چلی جاؤں گی۔" اس نے زچ ہو کر دھمکی دی۔

"اوکے، اوکے۔" اس نے مصالحت بھرے انداز میں ہاتھ اٹھایا "آج کی بدتمیزیاں یہیں ختم کی جاتی ہیں اور میں تو یونہی جان کر تمہیں تنگ کر رہا تھا۔ آخر تمہارے لٹکے ہوئے منہ کا بھی تو کچھ علاج کرنا ہی تھا۔ اب دیکھو ناں ان ہی "بدتمیزیوں" سے کیسی چمک آ گئی ہے چہرے پر۔ آنکھیں روشن ہو گئی ہیں۔ ہونٹ یہاں سے وہاں تک اس کان سے اس کان تک۔"

زینب کو بڑے زور سے ہنسی آئی۔

"دیکھا بدتمیزیوں کا اعجاز" وہ اطمینان سے چائے پینے لگا تھا۔

"میں اماں سے شکایت کروں گی آپ کی۔ انہیں کہہ دوں گی کہ آپ کو منع کر دیں یہاں آنے سے۔" وہ شرمندگی دور کرنے کی غرض سے قدرے خفگی سے بولی۔

"تم خود کیوں نہیں کہہ دیتیں؟ اماں کے کاندھے پر بندوق رکھنے کی کیا ضرورت۔ ایک مرتبہ کہہ کر دیکھ لو، اگر تمہاری گلی سے بھی گزر جاؤں تو جو سزا چور کی وہ میری۔"

زینب خاموش رہی۔

"میرا مطلب تھا شادی سے پہلے۔" پھر وہ سر جھکا کر وضاحت کرنے لگی۔

"سوچا تو میں نے بھی یہی تھا۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا "کہ رخ روشن کا دیدار اب اپنے گھر لے جا کر ہی کریں گے دل کو مارنا مجھے بھی پسند نہیں، لیکن اماں نے فون پر بتایا کہ تم گم صم دیواروں کو تک رہی ہو۔ کھانے پینے سے ہاتھ اٹھا رکھا ہے تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ سوچا، ایک نظر دیکھتا چلوں۔ میں آفس سے گھر جا رہا تھا۔"

"ارے بیٹا! کھڑے بھی ہو گئے۔" اماں اندر داخل ہوئی تھیں "بیٹھو بھی۔ کھانا کھا کر جانا۔"

"جی اماں! بھوک تو لگی تھی سخت قسم کی۔" اس نے شرارت سے زینب کو دیکھا۔ "لیکن آپ کی لاڈلی بیٹی نے کھانے کو پوچھا ہی نہیں۔ خالی پیٹ بڑی اسٹرونگ سی چائے پینی پڑی۔" اماں نے اسے گھورا۔

"ارے بچی! تم سے اتنا بھی نہ ہوا کہ ساتھ بسکٹ ہی رکھ دیتیں کھانے کو پوچھنا تو ایک طرف ٹھہرا۔"

"اماں! انہوں نے کہا ہی نہیں۔" اس نے احتجاج کیا۔

"اب میں اپنے منہ سے کہتا ہوا اچھا لگتا؟" وہ اماں کے پیچھے کھڑا شرارت سے بول رہا تھا۔

"اب بھی تو اپنے ہی منہ سے کہہ رہے ہیں۔" وہ جل کر بولی تھی۔

صاف ظاہر تھا۔ وہ محض اسے اماں سے ڈانٹ پڑوانے کے کام کر رہا تھا۔ زینب کو اس پر سخت غصہ آیا۔

پھر اماں نے بے حد اصرار کیا لیکن وہ کھانے پر نہیں رکا۔ شاید اسے اندازہ تھا کہ اماں خواہ مخواہ کے تکلف میں پڑیں گی۔ وہ ویسے ہی اماں

کے باورچی خانے میں گھسے رہنے سے چڑتا تھا۔

"اچھا نہیں لگتا اماں۔" اماں کے بے حد اصرار پر اس نے کہا تھا "تھوڑے سے دن رہ گئے ہیں۔ پھر تو انشاء اللہ ہمیشہ اکٹھے ہی کھانا کھایا کریں گے۔"

"زینب! میری بچی اب کچھ عقل تمیز سیکھ چندا!"

اماں نے اسے رسان سے سمجھایا "آدمی گھر آئے تو سب سے پہلے اسے چائے پانی کا، روٹی کا پوچھتے ہیں۔ ایسے بڈحراموں کی طرح آلتی پالتی مارے نہیں بیٹھے رہتے۔ باہر سے آیا ہوا بندہ کبیدہ خاطر ہوتا ہے۔"

"اماں۔" وہ چڑ گئی "چائے بنا کر دی تو تھی۔"

"میری بچی وہ کام کر کے، دن بھر کا تھکا ہارا لوٹا تھا۔ تو نے یہ نہ سوچا کہ اسے بھوک لگی ہو گی۔"

"بھوک لگی تھی تو کہہ دیتے زبان ویسے تو بہت چلتی ہے۔"



جب بھی دل و دماغ کسی مسئلے پر الجھ پڑتا وہ آمنہ کی طرف چلی آتی تھی۔

"زہے نصیب۔" آمنہ اسے دیکھ کر مسکرائی "ملکہ عالیہ تشریف لائی ہیں۔"

"اب تو مجھے اس خطاب سے پکارنا چھوڑ دو آمنہ!"

وہ پیڑھی پر بیٹھتے ہوئے بولی "ملکہ بننے کے جتنے خواب تھے، اپنے ہاتھوں سے جلا کر ان کی راکھ دریا برد کر دی ہے میں نے۔"

"ایسا کیا ہو گیا اب؟ پھر سوچنے لگی ہو؟"

آمنہ روٹیاں دسترخوان میں لپیٹنے لگی۔

"آمنہ! کیا انسان کو اپنی سوچوں پر اختیار ہوتا ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ انسان وہی کچھ سوچے جو وہ سوچنا چاہتا ہے۔"

"سوچیں۔ دو طرح کی ہوتی ہیں زینب!" آمنہ کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہ مرکوز کر کے بولی "ایک قسم تو ان جملہ آور بے لگام سوچوں کی ہوتی ہے، جن پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ کوئی زور نہیں چلتا۔ جب ان کا جی کرتا ہے، آ کر پریشان کرتی ہیں۔ ستاتی ہیں۔ زچ کر دیتی ہیں۔ دوسری قسم کی سوچیں وہ ہوتی ہیں زینب جو انسان اپنی قوت ارادی کے بل بوتے پر آپ پیدا کرتا ہے۔ فیصلہ کن سوچ! دوسروں کا حال دیکھ کر عبرت پکڑنے کی سوچ، توبہ کرنے کی سوچ، اپنی اصلاح کرنے کی سوچ، اپنا آپ بہتر بنانے کی سوچ۔ بس اس سوچ کا مضبوط اور اچھا ہونا چاہیے زینب! منفی، حملہ آور، بے اختیار سوچیں تو ہر انسان کو پکڑتی ہیں۔ کسی کو نہیں چھوڑتیں۔ لیکن مطمئن، پرسکون اور بااعتماد لوگ اس لیے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنی قوت ارادی سے مثبت سوچ پیدا کرتے ہیں۔ جو منفی سوچوں کو شکست دیتی ہے اور بعض کوتاہ اندیش، بدقسمت لوگ خود سے سوچیں تب بھی منفی رخ پر ہی سوچتے ہیں ہاں ایسے لوگوں کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔"

"تب ہی تم اتنی مطمئن رہتی ہو آمنہ؟ تم منفی سوچوں کو اتنی آسانی سے شکست دے لیتی ہو؟"

"ہاں زینب! کبھی کبھار حالات بھی انسان کو مطمئن رہنا سکھا دیتے ہیں۔ چوری کا کھٹکا نہ ہو تو آدمی سکون سے ہی سوتا ہے۔ خیر چھوڑو! تم سناؤ۔ کیسی ہو کیا کرتی رہتی ہو۔ امتحان دینے کا ارادہ ہے یا شادی کی تیاریوں میں مگن ہو۔"

"امتحان کی کس کو فکر ہے۔" وہ ہولے سے مسکرا دی "فارحہ کی اگلے مہینے شادی ہے۔ میں اکیلی کہاں نوٹس اور کتابوں کے چکر میں بھاگی پھروں گی۔ بس خیر باد کہہ دیا پڑھائی کو۔ پھر اماں بھی کہنے لگیں، سکون سے گھر میں بیٹھو۔ امتحان دینا ہوا تو اگلے سال دینا۔ احسن مدد کر دیں گے۔"

''اور احسن بھائی وہ کیا کہتے ہیں؟''

''پتا نہیں۔ میری اس موضوع پر ان سے کوئی بات نہیں ہوئی۔ شاید اماں نے بات کی ہو۔ ویسے مجھے یقین ہے، انہیں علم ہوا بھی تو وہ میری مرضی پر چھوڑ دیں گے۔''

''فارحہ کی شادی اگلے ماہ ہے؟'' آمنہ پوچھنے لگی ''اس قدر اچانک؟''

''ہاں۔ وہ لاہور گئی تھی ناں پھوپھی کے پاس۔ وہیں منگنی طے ہو گئی پھوپھی زاد بھائی سے۔ آمنہ! لوگ اتنے خوش قسمت بھی ہوتے ہیں کیا؟ سچ مجھے تو رشک آرہا ہے فارحہ پر۔''

''کیوں۔'' آمنہ مسکرا دی ''اس میں فارحہ پر رشک کرنے والی کون سی بات ہے؟ منگنی اور شادی طے پانا۔ ہر لڑکی کی زندگی میں یہ مرحلے آتے ہی ہیں۔ اور پھر تمہارے اپنے ساتھ بھی تو یہی سب ہوا۔ فارحہ پر کیوں رشک کر رہی ہو؟''

''بہت فرق ہے آمنہ!'' اس نے مصنوعی ہنسی ہنس کر سر ہلایا ''فارحہ کی شادی تو لکھ پتی آدمی سے ہو رہی ہے۔ صرف منگنی میں اسے ڈائمنڈ رنگ ملی ہے، پچیس ہزار کی۔ منہ دکھائی پر جو سیٹ ملے گا اس کی قیمت میرے تصورات سے تو باہر ہی ہے۔ فارحہ کی خوشی تو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ اور کیوں نہ خوش ہو وہ۔''

آخر میں وہ سر جھکا کر انگلی سے فرش پر لکیریں کھینچنے لگی۔

''تم خوش نہیں ہو زینب؟'' آمنہ نے بغور اسے دیکھا تھا۔

زینب بہت دیر تک کے لئے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔ وہ کم از کم آمنہ کے سامنے بالکل جھوٹ نہیں بول پاتی تھی۔

''پتا نہیں آمنہ۔'' بہت دیر بعد وہ بولی۔ ''میری سمجھ سے باہر ہے۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں خوش ہوں۔ بے حد خوش، احسن آتے ہیں تو میرا دل میرے قابو میں نہیں رہتا۔ ان کی آنکھوں سے چھلکتی شرارت، ان کے چھوٹے چھوٹے جملے ایسا لگتا ہے، زندگی کا سارا حسن ان ہی چھوٹی چھوٹی باتوں میں ہے۔ میری ہر پریشانی، ہر منفی سوچ کہیں پس منظر میں چلی جاتی ہے اور ...... اور ...... میرا دل کہتا ہے، آمنہ! کب وقت گزرے اور کب ہمارا ساتھ ہمیشہ کے لئے امر ہو جائے۔ لیکن جب احسن سامنے نہیں ہوتے یادیں کچھ ماند پڑتی ہیں تو عجب لاحاصل خواہشات میرا دامن تھام لیتی ہیں۔ ایک عالیشان گھر، گاڑی اور بے حد قیمتی چیزوں کی خواہش میرے اعصاب پر سوار ہونے لگتی ہے۔ میں سوچتی ہوں، کیا کبھی احسن مجھے وہ سب کچھ دے پائیں گے جو میں چاہتی ہوں۔ جس کی میں نے خواہش کی، جو میں نے خدا سے مانگا۔ آمنہ! آمنہ! خدا نے وہ سب کچھ بن مانگے فارحہ کو کیوں بخش دیا؟ آمنہ! خدا کی قسم جب فارحہ مجھ سے اپنے منگیتر کا ذکر کر رہی تھی میرے اندر احساس کمتری کا سناٹا گونجنے لگا تھا۔ جی چاہتا تھا، اسی لمحے احسن کی محبتوں سے کنارہ کش ہو جاؤں۔ اپنی جلد بازی حماقت لگ رہی تھی۔ پھر کل احسن ملنے آ گئے اور میرا من ایسے شانت ہو گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ جیسے مجھے فارحہ سے، اس کے منگیتر کی دولت سے، اس کی قسمت سے کچھ سروکار نہیں بتاؤ آمنہ! میرے اندر جاری اس ''جنگ'' کا انجام کیا ہو گا؟''

آمنہ بغور اس کی باتیں سن رہی تھی۔ چند لمحوں کے لئے وہ زینب کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''اسی لئے تو خدا نے حکم دیا ہے زینب! کہ اپنے سے اوپر والوں کو نہیں، نیچے والوں کو دیکھو۔ آج کے بعد جب تمہیں فارحہ پر رشک آئے تو تو میرے بارے میں سوچنا اور خدا کا شکر بجا لانا کہ اس نے تمہیں کتنی اچھی قسمت سے نوازا ہے۔''

''تمہارے بارے میں؟'' زینب کو اچنبھا ہوا۔

''ہاں زینب! یہ کوئی شکوہ شکایت نہیں اپنے حالات کا عام سا اظہار ہے۔ وہ بھی اسلئے کہ یہ سب کچھ سن کر شاید تم مثبت رخ پر زیادہ آسانی سے سوچنے لگو۔ پتا ہے زینب! انسان امیدوں کے بل پر جیتا ہے۔ لیکن ان خواہشوں اور امیدوں کو جی روگ بنانا عقل مندی نہیں، حماقت ہے۔''

''میرے اندر ہمیشہ سے یہ خواہش دفن ہے زینب کہ مجھے ٹوٹ کر چاہنے والا شوہر ملے۔ جس کی آنکھوں میں، دل میں، بس میں ہی میں ہوں جو مجھے سامنے پا کر گرد و پیش سے یوں بے نیاز ہو جائے جیسے احسن بھائی تمہاری موجودگی میں ہوتے ہیں۔ بہت کم عمری سے ہی یہ خیال میں نے اپنے دل میں بسا لیا تھا۔ ایسے کہ اب اس خواہش سے دستبردار ہونا بہت اذیت ناک محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اب علم ہوا ہے زینب کہ حسن، عورت کا کتنا قیمتی زیور ہے۔ یہ حسن جس کی مرد کو آرزو ہوتی ہے جسے وہ اپنی من پسند عورت میں ہر حال، ہر قیمت میں دیکھنا چاہتا ہے۔ لیکن اتنا ٹوٹ کر نہیں چاہتا جیسا کہ چاہے جانے کا حق ہے۔ یہ حسن، جس سے خدا نے تمہیں نوازا ہے، میرے پاس نہیں اس لئے مجھے آج تک کسی نظر نے نہیں سراہا، کس دل نے نے چاہنے کا دعوا نہیں کیا۔ کسی نے یہ غرور نہیں بخشا۔ میرے لئے جو رشتے آتے ہیں، تم تو ان کا سوچ کر خودکشی کر لو۔ کبھی کسی رنڈوے کا رشتہ، کبھی کسی ایسے شخص کا جو اولاد کے لئے دوسری شادی کا خواہشمند ہو۔ کل بھی نسرین خالہ آئی تھی۔ پینتالیس سالہ آدمی کا رشتہ لے کر جس نے حال ہی میں اپنی بیوی کو اس لئے طلاق دی ہے کہ وہ کردار کی اچھی نہ تھی۔ امی سنجیدگی سے اس رشتے پر غور کر رہی ہیں۔''

''کیوں کیوں آمنہ؟'' زینب کا دل اس کے دکھ پر پانی ہو گیا۔

''پھر اور کیا کریں امی۔'' آمنہ ہولے سے مسکرائیں۔ ''خالہ تو صاف کہہ گئی ہیں کہ یہ زمانہ میرے جیسی دبلی پتلی، سانولی لڑکیوں کا نہیں جو دیکھنے آتا ہے، ناک بھوں چڑھا جاتا ہے ایک عرصہ ہو گیا لوگوں کے سامنے اپنی نمائش کرتے کرتے اب دل کہتا ہے، جو ہے، جیسا ہے، اور جہاں ہے...... بس پلک جھپکتے اس ذہنی بوجھ سے نجات مل جائے۔''

زینب حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس پرسکون سی آمنہ کے اندر کیسی ہلچل تھی۔ کتنا تلاطم تھا۔ وہ اس کی اتنی قریبی دوست آج تک نہ جان سکی تھی۔ کس قدر بردبار تھی۔ یہ دبلی پتلی، سانولی لڑکی۔ جس کا خوب صورت، نازک دل کسی کو آج تک نظر نہ آ سکا تھا۔

''اور تم زینب! کتنا خوش قسمت بنایا ہے تمہیں خدا نے۔ ایک شخص ہے۔ مکمل شخص جس نے اپنا آپ تمہارے نام کر دیا ہے۔ جس کی آنکھوں میں تمہارے حوالے سے اتنے خواب سجے ہیں۔ جس کے دل میں تمہارے لئے نجانے کیا کچھ کرنے کی تمنا ہے۔ اور پھر بھی تمہیں تسلی نہیں ہو پاتی۔ زندگی بہت چھوٹی بہت مختصر ہوتی ہے۔ زینب! انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور پلک جھپکنے میں تمام ہوتی ہے۔ اتنی چھوٹی سی زندگی کے لئے خواہشات کا لامتناہی سلسلہ بیوقوفی نہیں تو اور کیا ہے۔''

''تم تم آمنہ! راضی ہو اس آدمی سے شادی کرنے پر؟ زینب کا دماغ فی الوقت محض اسی نکتے پر مرکوز تھا وہ جو ایک بیوی بھگت چکا ہے جو اس قدر شکی ہے۔'' آمنہ ہنس دی۔

''میری بات چھوڑو۔ یہ ذکر تو میں نے تمہیں سمجھانے کے لئے نکالا تھا۔ اپنا معاملہ تو میں نے خدا اور پھر اپنی اماں پر چھوڑا ہوا ہے۔ اسی لئے مجھے پورا یقین ہے کہ میرے ساتھ کچھ برا نہیں ہو گا۔ تم یہ بتاؤ عقل شریف میں کچھ آیا۔''

زینب بمشکل مسکرائی تھی۔ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''فارحہ پر نہیں خود پر رشک کرو زینب!'' آمنہ آہستگی سے بولی تھی ''اس خدا نے تمہیں بے حساب نعمتوں سے مالا مال کیا ہے۔ حسن کی حقیقی دولت اور بے لوث محبت کی سچی خوشی سے نوازا ہے۔



دن پر لگا کر اڑ رہے تھے۔ وقت اس قدر تیزی سے گزر رہا تھا کہ زینب کو کبھی کبھی گھبراہٹ محسوس ہونے لگتی تھی۔

اماں کی مصروفیات تو اس سے سوا تھیں۔ سارا سارا دن وہ کیا نکالتی اور کیا رکھتی تھیں، زینب کو کبھی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ کبھی وہ سلائی مشین پر جھکی نظر آتیں، کبھی اسے دروازہ لگانے کا کہہ کر بازار کو نکل کھڑی ہوتیں۔ زینب سے کسی بھی قسم کا صلاح مشورہ وہ غیر ضروری خیال کرتی تھیں ان

کے خیال میں یہ سراسران کا اپنا سردرد تھا۔ زینب کو پریشان ہونے یا انہیں پریشان کرنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔

''شادی سے کچھ دن پہلے ہی سارے انتظامات مکمل ہوں گے انشاء اللہ۔'' انہوں نے زینب سے کہا تھا ''خدا نے چاہا تو اپنی بساط سے بڑھ کر دوں گی۔ تم فکر مند مت ہونا۔''

زینب نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ خود وہ سارا سارا دن فارغ بیٹھی نجانے کیا کچھ سوچا کرتی تھی۔ کبھی جی چاہتا تو کام کر لیتی ورنہ یونہی اماں کے آسرے پر بیٹھی رہتی۔ نجانے کیسے دن تھے وہ۔ بوجھل بوجھل سے اداس اداس سے۔

پھر انہی دنوں فارحہ کی شادی کا بلاوا آ گیا۔ فارحہ کا بھائی ایک خوب صورت، چمکتا ہوا کارڈ اور ساتھ ہی فارحہ کا رقعہ دے گیا۔ اس میں زینب کو پورا ہفتہ گانوں میں آنے کی تاکید تھی۔ ساتھ ہی مایوں، مہندی کی تقریبات کا کارڈ بھی تھا۔

''شادی میں چلی جانا۔ یا زیادہ سے زیادہ مہندی میں۔''

اماں نے کارڈ دیکھ کر کہا تھا۔

''اگلے مہینے تمہاری اپنی شادی ہے۔ گھر سے زیادہ نکلنا اور ہار سنگھار کرنا مناسب نہیں۔ روپ نہیں چڑھتا لڑکی پر۔ پھر اتنی تقریبات میں شرکت کے لیے کپڑے کہاں سے لاؤ گی؟''

زینب بھی یہی سوچ کر خاموش ہو رہی۔

''اگر فارحہ سے پہلے میری شادی ہو جاتی تب تو میں ضرور ہفتہ بھر پہلے شرکت کرتی'' اس نے سوچا ''پہننے کے لیے کپڑے بھی ڈھیروں ہوتے اور آنے جانے کا مسئلہ بھی نہ ہوتا۔ احسن کے ساتھ مزے سے جایا کرتی۔''

اپنی سوچ پر اسے خود ہی بڑے زور کی ہنسی آئی۔ وہ بہت دیر تک اسی سوچ سے لطف لیتی رہی۔



فارحہ کی مہندی میں شرکت کرنے کے لیے اس نے اپنا سفید شیفون کا سوٹ منتخب کیا تھا۔ اور شادی کے لیے اپنا سرخ بناری غرارہ، جو دو سال قبل اپنی ماموں زاد کی شادی میں پہننے کے لیے بصد اصرار بنوایا تھا۔

''دیکھیں ناں اماں۔ کالا کالا سا ہو رہا ہے۔'' غرارہ اب اس کی نظروں میں پہلے جیسا مقام بنانے سے قاصر تھا ''صاف لگ رہا ہے برسوں پرانا ہے۔ پھر یہ ٹشو کا دوپٹہ۔ جگہ جگہ چر کے لگے ہیں۔''

''غرارہ اب تمہیں کالا لگے یا پیلا۔ پہننا یہی ہے۔ ایک دفعہ کا پہنا ہوا جوڑا ابھی نظروں میں نہیں سما رہا۔ پائی پائی کر کے بنوایا تھا یہ میں نے۔ وہ بھی تمہاری ضد سے مجبور ہو کر۔ اب کم از کم میں تمہارے جہیز کے لیے رکھے ہوئے جوڑوں میں سے کوئی جوڑا نکال کر دینے سے رہی جو کہ تمہاری منشاء ہے۔'' اماں نے بے حد صاف گوئی کا مظاہرہ کیا تھا۔

وہ زبان دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔ اماں نے دل کا چور خوب پکڑا تھا۔ اس کی نگاہ اس گہرے جامنی رنگ کے جوڑے پر تھی جس پر اماں نے شیشوں کی خوب صورت کڑھائی کروائی تھی۔

''ایک مرتبہ پہن کر رکھ دیتی اماں۔'' وہ منمنائی۔ ''کون سا میلا ہو جائے گا۔''

''نہیں۔'' اماں کا انداز دوٹوک تھا۔ وہ گہرہ سانس لے کر رہ گئی۔

پھر وہ دل پر جبر کر کے اپنے پرانے کپڑوں میں تقریبات میں شریک ہوئی۔

مہندی والے روز وہ آمنہ کو ساتھ لے کر آئی تھی۔ اکیلی کس طرح آتی۔ فارحہ اس سے ناراض تھی لیکن پھر اس کی مجبوری کو سمجھ گئی۔

''احمر بھی ہوں گے کل بارات میں۔'' اس نے شرارت سے زینب کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''دیکھوگی تو کف افسوس ملوگی قسم سے۔''

زینب نے اس کے بازو پر زور سے چٹکی کاٹی۔ وہ ''سی'' کر کے اسے گھورنے لگی۔

بڑے سے لاؤنج میں فارحہ کے جہیز کا سامان سجایا گیا تھا۔ عالی شان فرنیچر، قیمتی ترین، ایک سے ایک مہنگا جوڑا زینب غور غور سے ایک ایک چیز کو کئی کئی بار دیکھتی رہی۔ ہر شے وہی تھی۔ ویسے ہی تھی جیسا کہ زینب کے خوابوں میں تھی۔ اس کی تمام تمنائیں اس کے سامنے تھیں لیکن کسی اور کے لیے تھیں۔

''تمہارا سامان بہت اچھا ہے فارحہ!'' اس نے بڑے خلوص سے تعریف کی تھی۔

''چل ہٹ۔'' اس نے سر جھٹکا ''فیصل کی چوائس پر یہ چیزیں کہاں پوری اترتی ہیں۔ ان کے بیڈ روم میں ڈھائی لاکھ کا فرنیچر ہے۔ یہ سیٹ تو امی ابو نے یونہی خانہ پری کے طور پر دے دیا ہے۔ ڈال دوں گی وہاں کسی خالی کمرے میں اور کپڑے تو وہ ہوں گے جو کل بری میں آئیں گے۔ تم دیکھنا زینب! کام پر نظر نہیں ٹھہرے گی۔ میری پھوپھی کی چوائس تو بڑی شاندار ہے۔''

زینب نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سارے ساز و سامان کو دوبارہ دیکھا تھا۔ یہ چیزیں بھی فارحہ کے معیار پر پوری نہیں اتر رہی تھیں۔ وہ دل تھام کر رہ گئی۔

''کتنا قیمتی سامان تھا نا فارحہ کا۔'' اس نے واپسی پر آمنہ سے کہا تھا۔ ''اور فارحہ کہہ رہی تھی، کل بری میں اس سے بھی شاندار چیزیں آئیں گی۔''

''چیزوں سے کیا ہوتا ہے زینب!'' آمنہ نے کسی گہری سوچ سے باہر آکر کہا تھا ''اصل میں صرف ایک ہستی کو اچھا اور شاندار ہونا چاہیے باقی ہر شے ثانوی ہے۔''

''خیر اب ایسا بھی نہیں۔'' وہ بڑبڑا کر باہر دیکھنے لگی تھی۔ ''یہ آمنہ تو بالکل ہی عقل سے پیدل ہے۔''



فارحہ بیاہ کر لاہور چلی گئی۔ زینب اس کی شادی کے بعد کتنے ہی دن گم صم سی رہی تھی۔ بار بار اس کے ذہن میں فارحہ کا خوشی سے چمکتا چہرہ آ جاتا۔

''فارحہ کس قدر خوش تھی۔'' وہ سوچتی ''بقول اماں کے وہ چہرہ جو غازے سے نہیں اندرونی خوشی کے احساس سے چمک رہا تھا اور پھر کیوں خوش نہ ہوتی وہ کیا کمی تھی اسے جس کا احساس اسے ستاتا یا پریشان کرتا۔ اتنا سونا لائے تھے اس کے سسرال والے۔ پہلی ہو رہی تھی۔ پھر کپڑا ایک سے ایک کیا شاندار بری آئی تھی فارحہ کی۔ میری پلکیں تو جھپکنا بھول گئی تھیں۔ مٹھائیوں اور میووں کا ڈھیر لگا دیا تھا ان لوگوں نے اور عروسی لباس کی تو کیا ہی بات تھی۔ اسے پہن کر تو کوئی چمارن بھی پریوں کے دیس کی رانی لگنے لگے۔ فارحہ خوب صورت نظر آ رہی تھی تو کیا کمال کی بات تھی۔ کتنا شوق تھا مجھے، کس قدر جنون تھا، کیسی دیوانی تھی۔ میں ایسے خوب صورت کپڑوں کی ایسے بھاری گہنوں کی۔'' وہ گہری سانس بھر کر سوچتی۔

''زینب!'' اماں اس کے سر پر کھڑی اسے پکار رہی تھیں۔

''جی...... جی اماں؟'' وہ بڑبڑا اٹھی۔

''احسن کا فون آیا تھا۔ کہہ رہا تھا فرخندہ آج دوپہر آئے گی۔ اس کے ساتھ بازار چلی جانا۔''

''کون میں؟''

''ہاں تو اور کون۔'' اماں بھنائیں ''نجانے کن حواسوں میں رہتی ہو۔فرخندہ کے ساتھ جا کر اپنی پسند کی چار چیزیں لے کر آنا۔وہ لوگ بری تیار کر رہے ہیں۔تمہاری پسند کا خیال رکھنا چاہتے ہیں۔'' نجانے کیوں اس کا دل جل کر رہ گیا۔

''اونہہ میری پسند'' اس نے سر جھٹک دیا ''میری پسند کو تو وہ لوگ رہنے ہی دیں اماں تو بہتر ہے۔میں چیز پسند کروں ہزار کی اور وہ کہیں سو کی۔اچھا لگے گا؟''

اماں رک کر اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

''تو بیٹی! تم اپنی اوقات میں رہ کر شے پسند کرنا۔اپنی اوقات یاد رکھو گی تو کبھی بھی ہزار یا لاکھ کی بات نہیں کرو گی۔''

اماں کا جواب ان کی اندرونی کھولن کا مظہر تھا۔انہیں یقیناً زینب کی بات سخت بری لگی تھی۔

''ٹھیک ہے پھر۔مجھے اور میری اوقات کو ایک طرف پڑا رہنے دیں۔جا کر فون کر دیں انہیں میں نہیں جاؤں گی ساتھ۔جو خریدنا ہو خود پسند کر کے خرید یں۔''

وہ چپلیں پہنتی تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

''یہ اماں بھی بس میرا ہی دل جلانے کی قسم کھا کر بیٹھی ہیں، بات بے بات مجھے میری اوقات یاد دلاتی رہتی ہیں۔کون سا میں اپنے ہاتھوں سے اپنا نصیب لکھ کر لائی ہوں۔'' وہ کچن میں آ کر چیزوں کی اٹھا پٹخ کرتی رہی۔بڑبڑاتی رہی۔

''ایسا لگتا ہے میں سوتیلی ہوں اور وہ چند دن کا شناسا ان کا سگا ہو گیا ہے۔ہونہہ بیٹا بن کر بھی بہت چاند لگا دے گا۔''

نجانے اماں نے باہر سے اس کی بڑبڑاہٹ سنی یا نہیں۔لیکن اس دن فرخندہ باجی اسے لینے نہ آئیں۔وہ لاشعوری طور پر ان کی آمد کی منتظر رہی۔

''اماں نے نجانے کیا جواب دیا ہو گا انہیں۔''

رات جب غصہ پوری طور پر اتر گیا اس نے ٹھنڈے بستر پر لیٹ کر سیاہ آسمان کو تکتے ہوئے سوچا ''کہیں میرے غصے کی بابت نہ بتا دیا ہو۔کیا سوچیں گے وہ مجھے کیوں غصہ آ جاتا ہے، میں کیوں مکمل سمجھوتہ نہیں کر پاتی؟ کیا شے ہے جو مجھے اکساتی رہتی ہے۔؟''

وہ نیند نہ آنے تک پریشان، مضمحل سوچوں کا شکار رہی۔



دوسرے دن وہ چلا آیا۔ وہ اماں کی خفگی کے خیال سے اندر بیٹھی ایک دوپٹے کو کرن ٹانک رہی تھی۔ وہ بڑی خاموشی سے اندر آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''اوہ آپ!'' اسے مقابل پا کر وہ لحہ بھر کو سخت کنفیوز ہو گی۔ ''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام۔ کیا ہو رہا ہے؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

''کچھ بھی نہیں یہ ذرا سلائی وغیرہ کا کام۔'' اس نے دوپٹے کا گولہ سا بنا کر ایک کونے میں ٹھونس دیا ''آپ کب آئے؟''

''بس ابھی۔''

زینب نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ اماں نے یقیناً اس کے خیالات کی ترسیل کا کام سرانجام دے دیا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سا تناؤ تھا۔ وہ نچلا ہونٹ چباتا کسی سوچ میں گم تھا۔

''کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا ''پریشانی کس بات کی۔ پریشانی تو اسے ہوتی ہے جو کچھ چھپاتا ہے۔ پوشیدہ رکھتا ہے۔ خائف تو وہ ہو جس نے کسی بات کی پردہ پوشی کی ہو۔ میں نے تو تم سے کچھ نہیں چھپایا تھا زینب! جو ہوں، جیسا ہوں صاف صاف خود کو تمہارے سامنے رکھ دیا تھا۔''

''جی، جی۔''

''پھر؟ تمہارے رویہ کا یہ مدوجزر میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک فیصلہ کرو زینب پھر اس پر قائم رہنا بھی سیکھو۔ ابھی بھی وقت ہے تمہارے پاس۔''

اس کی خفگی سے زینب کو گھبراہٹ ہونے لگی۔

''آپ غلط سمجھ رہے ہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں۔ وہ کل میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی تو میں نے اماں سے کہا۔''

''اب کم از کم جھوٹ تو مت بولو'' وہ یکا یک ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔ ''غلطی کر کے اسے تسلیم کر لینا بھی بڑی بات ہے۔ اماں نے کل فون کر کے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ وہ سب کچھ جو تم نے کہا۔ جس کی بنا پر تم نے فرخندہ آپا کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔''

وہ نظریں جھکائے ہتھیلیاں آپس میں مسلتی رہی۔

''دوسروں کے روشن محل دیکھ کر اپنی جھونپڑی میں آگ نہیں لگا لیتے زینب!'' پھر وہ بڑی نرمی سے بولا ''دوسروں کی خوشیاں دیکھ کر ان پر خوش ہونا سیکھو۔ رنجیدہ ہو گی تو اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں بھی غارت کر لو گی۔''

''میں کس کی خوشیوں پر رنجیدہ ہوں؟'' اسے یہ بات سخت بری لگی ''آپ خدا جانے کیا سمجھ رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میں بالکل ٹھیک سمجھ رہا ہوں اور جو کہہ رہا ہوں درست کہہ رہا ہوں تم تجاہل عارفانہ سے کام لو تو اور بات ہے۔''

''اچھا بابا!'' اس نے رخ موڑ لیا۔ ''مجھے پریشان نہ کریں۔''

''تمہارا یہ رویہ مجھے پریشان کر رہا ہے زینب!'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی ''اس قدر بچگانہ سوچ کے ساتھ تم زندگی کو کیسے برت پاؤ گی۔''

زینب چند لمحے اسے دیکھتی رہی۔ وہ بے حد مضطرب اور الجھا الجھا لگ رہا تھا۔ زینب کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ واقعی وہ بے حد بچگانہ سوچ کی حامل تھی۔ یوں پل پل بدلتے خیالات کسی بالغ، باشعور انسان کے تو نہیں ہو سکتے تھے۔

''آئی ایم سوری احسن۔'' وہ بالآخر بولی تھی ''مجھے افسوس ہے کہ میں نے آپ کو دکھ دیا مجھے نجانے کیا ہو جاتا ہے، میں خود سمجھ نہیں پاتی کون سا نفسیاتی پرابلم ہے میرے ساتھ، کون سی تشنگی ہے میرے اندر۔''

وہ چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ احسن مزید پریشان ہو گیا۔

"زینب...... زینب...... پلیز! کیا حرکت ہے یہ؟ خاموش ہو جاؤ پلیز اب بس بھی کرو" وہ کرسی سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ "بتاؤ مجھے کیا مسئلہ ہے۔ بتاؤ، دیکھو میں نے وعدہ کیا تھا ناتم سے کہ تمہاری خوشیوں کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔ بس تھوڑا سا انتظار کرنا ہوگا۔ کچھ عرصہ میرا، میری مجبوریوں کا ساتھ دینا ہوگا اور تم نے وعدہ بھی کیا تھا پھر یہ سب کیا ہے؟" زینب دوپٹہ کے پلو سے آنسو صاف کرنے لگی۔

"اماں بھی مجھے سمجھ نہیں پاتیں، ناراض ہو جاتی ہے مجھ سے۔ اگر آپ نے بھی اماں والا رویہ اختیار کیا تو میں مرجاؤں گی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی تھی۔

"یا اللہ!" وہ بے بسی سے بولا "یعنی چت بھی تمہاری اور پٹ بھی۔"

"جی ہاں! بس جب مجھ پر یہ پاگل پن سوار ہو تو مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا کریں۔ کوئی مجھے نہیں سمجھ سکتا میں خود ہی سمجھاتی ہوں اپنے آپ کو۔"

"اچھا!" وہ مسکرا دیا "تو آج کیا بھوت جو سوار تھا کل سے؟"

"جی ہاں۔" وہ صاف گوئی سے بولی "اصل میں فارحہ کی شاندار چیزیں دیکھ کر میرے اندر کے خلا چیخنے لگے تھے۔ اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ پھر میں ٹھیک ہو جاتی ہوں۔"

"کیا چیزیں تھیں فارحہ کی؟" وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

"بس وہی کپڑے گہنے۔"

اسے اب واقعی ندامت ہو رہی تھی۔ کیا سوچتا ہوگا وہ اس کے بارے میں۔ کتنی بری نیت تھی اس کی۔ کس قدر مادہ پرست تھی وہ۔ دوسروں کی خوشیوں سے جلنے والی۔ حسد کرنے والی۔ سیاہ دل کی مالک۔

"آپ...... آپ دل پر نہ لیجئے گا۔" پھر وہ گھبرا کر بولی تھی۔ "میں کبھی کبھار یونہی پاگلوں کی سی باتیں سوچتی ہوں۔ لیکن یہ وقتی کیفیت ہوتی ہے۔ میں فارحہ سے جیلس نہیں ہوں۔ میں کسی سے بھی جیلس نہیں ہوتی وہ تو میری بہت ہی پیاری دوست ہے۔ بس کبھی کبھار ہی۔"

پھر اس نے احسن کی طرف بے بسی سے دیکھا۔ وہ اپنے جذبات کی ترجمانی سے قاصر تھی۔ بس فی الوقت وہ یہ چاہتی تھی کہ احسن اس سے بدگمان نہ ہو جائے۔

احسن نگاہوں میں نرمی اور ہمدردی کے جذبات لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"احسن، احسن میں۔"

"اٹس آل رائٹ زینب!" وہ آہستگی سے بولا۔

"شاید میں سمجھ رہا ہوں جو تم کہنا چاہتی ہو ساری عمر تمہارے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کیا ہے، چند لمحوں کی بات نہیں۔ میں اگر تمہیں سمجھنے کی کوشش نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔"

زینب نے تشکر بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ اس کے دل کا بوجھ احسن کی بات سن کر کچھ ہلکا ہوا تھا۔

"چائے بناؤں آپ کے لیے؟ یا...... یا...... کھانا کھائیں گے؟"

وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"نہ چائے، نہ کھانا ابھی چلتا ہوں۔ ایک ضروری کام ہے۔" بڑی آہستگی سے کہہ کر وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گیا تھا۔



چند دن بڑے دبے پاؤں نکلے تھے۔ کوئی بات خلاف معمول نہ ہوئی تھی۔ زینب ایک بار پھر ساری باتوں کو فراموش کر کے اپنی تیاریوں میں مگن ہو گئی تھی۔

اس روز وہ اماں کے ساتھ بڑے صندوق سے کچھ چیزیں نکلوا رہی تھی جب احسن آیا۔

''بڑی مصروفیت ہے ماں بیٹی کی۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا رہا تھا۔

زینب کو وہ عام دنوں کی نسبت زیادہ خوش اور تازہ دم نظر آیا۔

''آپ کہاں سے اتنے خوش خوش آ رہے ہیں؟''

اس نے قدرے تجسس سے پوچھا تھا۔

''بتاؤں گا اتنی جلدی بھی کیا ہے؟'' وہ ہنس دیا ''پہلے چائے کا، روٹی یا پانی کا تو پوچھو۔''

''بیٹھو بیٹا! پہلے آرام سے بیٹھ تو جاؤ۔ آنے والے چاہے ساری عمر کھڑا کھڑا باتیں کرتا رہے، یہ لڑکی کسی کو بیٹھنے کا نہیں کہے گی۔'' اماں نے اسے گھورا تھا۔

آج کل اماں اسے بات بے بات ٹوکتی اور ڈانٹتی تھیں۔ بے جا لاڈ پیار کرنے والی ماؤں کی طرح انہوں نے اتنے برس اس کے ناز نخرے اٹھانے میں گزار دیے تھے۔ اب آخر وقت گھبرا گھبرا کر اس کو ذرا ذرا سی بات پر ٹوکتی تھیں کہ کہیں ان کی تربیت پر کوئی حرف نہ آ جائے۔

زینب کا منہ پھول گیا۔ اس کے آتے ہی اماں اس کی سوتیلی ماں کا روپ دھار لیا کرتی تھیں احسن مسکراتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا۔

''میں دال بگھار لوں اور چند پھلکے اتار لوں۔''

زینب! تم جب تک بچے کو پانی پلاؤ۔ کیسا حبس ہے۔ نجانے کہاں سے تھکا ہارا لوٹا ہے۔''

اماں کہتی ہوئی کمرے سے نکلی تھیں۔ اماں کے جانے کے بعد وہ شرارتاً اسے دیکھنے لگا۔ زینب خاموش بیٹھی ہونٹ کاٹتی رہی۔ اس کے آتے ہی اماں سے جھاڑ پڑ گئی تھی۔ اسے غصہ آ گیا تھا۔

''لڑکی! اماں نے کچھ کہا ہے تم سے۔ پانی پلاؤ۔'' وہ یقیناً اسے مزید غصہ دلانے کے موڈ میں تھا۔

''کھانے کے ساتھ پانی بھی ہوگا۔ پی لیجئے گا۔'' وہ بھی اسے چڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''لڑکی بڑی بدتمیز ہو تم۔''

''ابھی بھی وقت ہے۔ سوچ لیجئے۔'' اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔

احسن کو ہنسی آ گئی۔

''میں تمہاری طرح عجلت پسند اور متلون مزاج نہیں ہوں۔'' پھر وہ قدرے سنجیدگی سے بولا ''ایک مرتبہ جو فیصلہ کرتا ہوں سوچ سمجھ کر پھر ساری عمر فیصلے پر قائم رہتا ہوں اور زندگی کوئی کھلونا نہیں ہے مس زینب شاہ! اس سے یوں بچوں کی طرح کھیلا نہیں کرتے۔ جب ایک فیصلہ کر لیتے ہیں، پھر وقت نہیں رہتا۔ سوچنے کا، غور کرنے کا، جانچنے کا وقت فیصلہ کرنے سے پہلے ہوتا ہے۔ کبھی ہاں، کبھی ناں یہ میرا دستور نہیں۔''

''آپ دانستہ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔'' وہ چپ کر بولی تھی ''میں نے تو یونہی مذاق میں ایک بات کہی تھی۔''

''میں تمہیں شرمندہ نہیں کر رہا۔ ایک پتے کی بات بتا رہا ہوں۔ تم اپنی سوچ پر قائم نہیں رہتیں۔ یہ غیر مستقل مزاجی تمہاری سب سے بڑی خامی ہے۔''

زینب نے خاموش رہنا بہتر سمجھا۔ چند لمحے وہ اسے، اس کے تاثرات کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر جیب سے ایک لفافہ نکال کر اس کے آگے ڈال دیا۔ زینب چونکی تھی۔

"یہ کیا ہے؟"

"کھول کر دیکھ لو۔"

زینب نے لفافے کے اندر جھانکا۔ ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے۔ وہ بری طرح سے حیران ہو گئی۔

"یہ..... یہ کیا ہے؟ کس لیے؟"

"یہ ڈیڑھ لاکھ روپے ہیں۔" وہ بڑا پرسکون تھا اور تمہارے لیے ہیں۔ کل فرخندہ آپا آئیں گی ان کے ساتھ جا کر شاپنگ کر لینا۔ ان پیسوں میں جتنے کپڑے، زیورات اور دوسری اشیاء آسکیں خرید لینا۔"

زینب ایک سناٹے میں رہ گئی۔ بہت دیر تک وہ کچھ بھی بولنے کے قابل نہ رہی تھی۔

"یہ روپے میں نے اپنا گھر خریدنے کے لیے پس انداز کیے تھے۔ سوچا تھا سال دو سال میں مزید رقم کا انتظام کر کے ایک چھوٹا سا گھر خرید لوں گا۔ کم از کم اپنی ملکیت تو ہو گی۔ پھر کرائے سے بھی جان چھوٹے گی۔ لیکن خیر زندگی میں دوسری بہت سی باتیں بھی اہمیت رکھتی ہیں میں نے تم سے وعدہ کیا ہے زینب تمہاری چھوٹی سے چھوٹی خوشی پوری کرنے کا تمہاری ہر خواہش کا پاس رکھنے کا۔ میں یہ دعوا نہیں کرتا کہ چاند، تارے آسمان سے توڑ لاؤں گا یا کہکشاں تمہارے قدموں تلے بچھا دوں گا..... لیکن..... جہاں تک میری رسائی ہوئی..... وہاں تک تمہاری خاطر ضرور جاؤں گا۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ان تھوڑے سے روپوں سے تم بہت قیمتی چیزیں خرید لوگی..... لیکن فی الوقت میری بساط یہی ہے جو کچھ پاس تھا، تمہارے آگے لا کر رکھ دیا ہے۔ اب کم از کم تمہیں اپنی سہیلیوں سے شرمندگی نہیں ہو گی۔ اتنا سامان تو آجائے گا نا ان پیسوں سے؟"

زینب کو اپنے گال گرم ہوتے محسوس ہوئے۔

"میں نے..... میں نے..... ایسا تو نہیں کہا تھا احسن۔"

"چلو۔" وہ مسکرا دیا "تمہاری نہیں اس میں میری ہی خوشی سمجھ لو۔ تم یہ روپے خرچ کرو گی تو مجھے خوشی ہو گی۔ اب یہ لفافہ اٹھا کر رکھ دو۔ اماں کو میرے جانے کے بعد بتانا ورنہ وہ مجھے اور تمہیں دونوں کو ڈانٹیں گی۔"

زینب نے جلدی سے لفافہ بستر کے نیچے کر دیا۔ اتنے سارے روپے یوں بیٹھے بٹھائے اس کے ہو گئے تھے۔

وہ اپنی پسند کی بہت ساری چیزیں خرید سکتی تھی۔ اس خیال سے اس کا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا اور اس کے چہرے کے بدلتے رنگ، اس کا جوش، اس کی مسکراہٹ احسن ایاز سے بہت کچھ کہہ رہی تھی۔



دوسرے دن وہ سویرے ہی اٹھ گئی تھی۔ آج اسے اپنی شاپنگ کے لیے جانا تھا۔ اس تصور نے رات کو کتنی ہی بار اٹھ کر گھڑی دیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ کتنا شوق تھا اسے اپنی شادی کی خریداری آپ کرنے کا۔ رات بھر اس نے کتنی ہی چیزوں کی لسٹ ذہن میں تیار کر لی تھی۔ کتنے ہی پرفیوم تھے جن کے نام سہیلیوں سے سن سن کر حافظے میں بٹھائے ہوئے تھے کہ شاید کبھی قسمت یاوری کرے اور وہ انہیں خرید سکے۔ کتنی طرح کی چیزیں تھیں۔ کیسا کیسا ساز و سامان سجا ہوتا تھا دکانوں پر وہ بازار جاتی تو دل مسوس کر رہ جاتی تھی۔ نجانے کب وہ بھی ان دکانوں میں جا کر وہ سامان خرید سکے گی۔

آج کا دن تو عید کا دن محسوس ہوتا تھا۔ اس کے پاس بہت سے ہزار ہزار کے نوٹ تھے اور ایک لمبی لسٹ تھی۔

بار ہا اس نے تصور میں احسن کی تصویر کو ہزار سلام کیے تھے۔ اس کی بے پناہ محبتوں پر اظہار تشکر کیا تھا۔ اس کے بے پایاں خلوص پر تہہ دل سے ممنون ہوئی تھی۔ کتنا اچھا تھا وہ اور کتنی قابل ستائش تھی اس کی محبت کیا دریا دل پایا تھا اس نے۔

''زینب! خیر ہے بیٹی؟'' اماں نے اسے نہا دھو کر تیار ہوتے دیکھا تو حیرت سے پوچھا ''یہ آج سورج کدھر سے نکل آیا ہے؟ سویرے اٹھ بھی گئی ہو۔ کنگھی چوٹی بھی کی ہے۔''

''اماں۔'' وہ جھینپ گئی ''فرخندہ آپا آئیں گی ان کے ساتھ بازار جانا ہے۔ کل احسن کہہ گئے تھے۔''

''اچھا!'' اماں کو مزید تعجب ہوا ''لیکن اس روز تو تم صاف انکاری ہو گئی تھیں۔ احسن نے کل مجھ سے مزید کوئی بات نہیں کی اس سلسلے میں۔ صرف تم سے ہی کہہ گیا؟ خیر وہ تو ایسی کوئی بات نہیں مجھ سے تو وہ پہلے ہی اجازت لے چکا تھا۔ لیکن یہ تمہارا دماغ کیسے ٹھکانے پر آ گیا؟ راضی ہو گئیں تم ''چند سو'' کی چیزیں خریدنے پر؟''

''ایسی بھی بات نہیں۔'' وہ برا مان گئی ''احسن کل مجھے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دے کر گئے ہیں''

''ہائیں!'' اماں کو سکتہ ہو گیا تھا ''کتنا؟ ڈیڑھ لاکھ؟''

''جی ہاں۔'' وہ مزید اترائی ''آپ نے تو اماں کبھی کہا مجھ سے کہ چل کر ایک آدھ جوڑا اپنی پسند کا بھی لے لو۔ کبھی پوچھا نہیں کہ ضرورت کی کیا کیا چیزیں چاہئیں۔ ہر چیز اپنی مرضی سے لائیں۔ وہی برسوں پرانے صدیوں پہلے کے جوڑے بکس سے نکال کر جہیز بنا ڈالا۔ احسن نے اتنا خیال رکھا میری پسند کا...... اپنی پس انداز کی ہوئی رقم لا کر مجھے دی ہے کہ میں اپنی پسند کی چیزیں خرید سکوں۔ حالانکہ یہ رقم انہوں نے گھر بنانے کے لیے جمع کی تھی۔ پھر بھی محض میری خواہش پوری کرنے کے لیے انہوں نے سارے پیسے مجھے لا دیے۔''

''اور چلی ہو تم غارت کرنے اس غریب کی برسوں کی کمائی۔'' اماں یکا یک آگ بگولہ ہو گئیں۔ ''ہائے زینب! کہاں گھاس چرنے گئی ہے تمہاری عقل کیا چھلنی لے کر پہنچ گئی تھیں عقل بٹتے وقت۔''

''اب...... اب اس میں بھی کوئی اعتراض ہے آپ کو۔'' وہ اماں کا شدید ردعمل دیکھ کر کچھ گھبرا سی گئی۔

''میں نے تھوڑا ہی کچھ کہا تھا ان سے وہ تو خود ہی دے گئے اپنی مرضی سے۔''

''ہاں یہ بے وقوفی میں نے ہی کی۔'' اماں نے سر پکڑ لیا۔ ''میں نے ہی اسے کہہ ڈالا وہ سب کچھ، جو اس روز تم بک رہی تھیں۔ وہ غریب شرمندہ ہو کر اپنی برسوں کی کمائی اٹھا لایا ارے ڈیڑھ لاکھ لے لیے تو نے اس بچے سے جو جہیز لے جا رہی ہے وہ ڈیڑھ سو کا بھی ہے؟ وہ کم و قیمت بے مصرف سامان۔''

''اماں...... اماں...... خدا کا واسطہ آپ کو ہر وقت کے طعنے نہ دیا کریں مجھے۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو کہاں تو جان چھڑکتی تھیں مجھ پر اور اب ذرا ذرا سی بات پر کوسنے بیٹھ جاتی ہیں۔ میں خود تو نہیں گئی تھی اس سے پیسے مانگنے وہ اپنی خوشی سے دے کر گیا ہے۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

''زینب! میری بچی!'' اماں ٹھنڈی سانس بھر کر اسے دیکھنے لگیں، ''میں خدانخواستہ کیوں کوسنے لگی تجھے زبان نہ جلے گی میری۔ میری جان۔ ادھر آ...... پاس آ میرے میری کم عقل بیٹی۔''

وہ آنسو پونچھتی ان کے قریب چلی آئی۔

''دیکھو میری بیٹی! اماں ہوں میں تمہاری۔ یہ یقین کر لو کہ جو کہوں گی، جو کروں گی، وہ تمہاری بہتری کے لیے ہو گا۔ میری عمر بھر کی کمائی ہو تم۔ میری تو سانس اٹکی ہے تم میں۔ میں برا سوچ سکتی ہوں تمہارا۔''

''چند دنوں میں سوتیلی ہو گئی ہوں میں۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ''اور...... اور...... وہ سب کچھ ہو گیا ہے آپ کا جسے کچھ عرصہ پہلے جانتی تک نہ تھیں آپ۔''

''نہ میری بچی نہ۔'' اماں نے اس کا سر سینے سے لگا لیا ''وہ مجھے عزیز ہے۔ بہت عزیز ہے...... مگر اس لیے کہ وہ تیرا ہی مستقبل ہے۔ اس

کے لیے دعائیں کرتی ہوں تو خیالوں میں تو ہوتی ہے۔ اتنی سی بات تیری سمجھ میں نہیں آتی؟"

"پھر کیوں بات بے بات ڈانٹتی ہیں۔ وہ آتے ہیں تو ایک دم سے رویہ بدل جاتا ہے آپ کا۔"

"صرف تیرے بھلے کی خاطر۔ صرف اس لیے کہ دوسرے گھر بھیجنے سے پہلے چند باتیں زندگی گزارنے کی سکھا سکوں تجھے۔" اماں آبدیدہ ہو گئیں۔ "کچھ گرہستی آ جائے تجھے، یہ خیال بہت دیر سے آیا ہے مجھے۔ عمر بھر ایسا رکھا تجھے جیسے مرغی انڈوں سے نکلے بچوں کو پروں تلے دبا کر رکھتی ہے۔ یہ خیال ہی نہ آیا کہ پرائے گھر بھی جائے گی۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ خود سے جدا بھی کرنا ہوگا۔ اب یہ خیال آیا ہے تو کیسی مضطرب ہو جاتی ہوں میں، ہر لمحہ گھبراتی ہوئی رہتی ہوں یہی سوچ تنگ کرتی رہتی ہے کہ کل کلاں کو کوئی یہ نہ کہہ دے کہ ماں نے بیٹی کو کچھ سکھایا نہیں۔ حسن، شکل وصورت تو خدا کی دین ہے، طریقہ، سلیقہ سکھانا تو ماں کا کام ہے میری بچی۔ بس یہی فکر کھائے جاتی ہے مجھے اسی الجھن میں تجھ سے بھی الجھ پڑتی ہوں اب عقل کسی دکان پر تو بکتی نہیں ورنہ خود کو بیچ کر بھی خرید لاتی تیرے لیے۔"

زینب نے بھیگی بھیگی پلکیں اٹھا کر قدرے خفگی سے ماں کو دیکھا۔

"اب ایسی بھی بے عقل نہیں ہوں، میں، آپ تو مجھے چند برس کی بچی خیال کرتی ہیں میں بڑی ہو گئی ہوں اماں!"

"کہاں ہوئی ہے بڑی۔" اماں بڑبڑائیں "قد نکل آنے سے آدمی بڑا نہیں بن جاتا۔ عقل، شعور، تجربہ، بہت سی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے اور تمہارے پاس تو کچھ نظر نہیں آتا رے بیٹا۔ اس سے روپے لیتے لاج نہ آئی تمہیں؟ اپنی اماں کی عزت کا خیال نہ آیا۔ کچھ تو بھرم رکھے انسان۔ اس نے دیے، تم نے منہ اٹھا کر لے لیے۔ کیا وقعت رہ گئی ہوگی اس کی نظروں میں تمہاری اور میری۔ ایسے بدنیت، بے لحاظ لوگ ہیں ہم۔ اسی عقل کی بات کرتی ہو؟"

"اماں! بری لانا تو دنیا کا رواج ہے میں نے نیا تو نہیں نکالا یہ دستور۔ بری تو ان لوگوں نے تیار کرنی ہی ہے۔ روپیہ بھی خرچ ہوتا ہے اس میں۔ وہی روپیہ اگر وہ مجھے دے گئے تو اس میں کیا برائی ہے؟ آخر میری شادی ہے اماں۔ میرے بھی کچھ ارمان ہیں، کچھ شوق ہیں۔ اگر میں چار چیزیں اپنی پسند سے خرید لوں گی تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟"

وہ ان سے علیحدہ ہو کر قدرے ناراضی سے بولی تھی۔ اماں بے بسی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"لیکن یہ روپے اس نے تمہاری خریداری کے لیے جمع نہیں کیے تھے زینب!" وہ زچ ہو گئی تھیں "ان سے گھر بنوانا چاہتا تھا وہ اور کس کا ہوگا وہ گھر؟ تمہارا ہوگا پاگل لڑکی تمہارا۔ چار فضول چیزیں خرید کر تمہارا شوق پورا ہو جائے گا اور چند دن گزریں گے ان چیزوں کا نام نشان نہ رہے گا۔"

"میں زیور خریدوں گی اماں۔" وہ اطمینان سے بولی۔ "سونا تو عورت کی شان ہے۔ ساری عمر کا ساتھی ہے۔ سیکیورٹی ہے عورت کی۔ کوئی فضول خرچی نہیں کروں گی۔"

"گھر تو ہر عورت کی اولین ترجیح ہوتا ہے بیٹی۔ ساری عمر کرائے کے گھر میں گزار کر بھی یہ بات تیری سمجھ میں نہ آ سکی؟" اماں جیسے ہار مان کر بولی تھیں۔

"شادی کے بعد میں سب سے پہلے اپنا گھر بنواؤں گی اماں!" وہ ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔ "بس اس مرتبہ مجھے اپنا شوق پورا کرنے دیں۔"

اماں نے پلکیں جھپکا کر آنکھوں کی نمی چھپائی تھی۔



جس قدر خوش وہ بازار گئی تھی۔ اتنی ہی اداس اور ناخوش لوٹی تھی۔ اتنی مہنگائی کا تو اس نے کبھی تصور ہی نہ کیا تھا۔ ہر شے کی قیمت آسمانوں سے باتیں کر رہی تھی۔ اس کے ہینڈ بیگ میں رکھا لفافہ اچانک ہی ہلکا اور بے قیمت ہو گیا تھا۔

اسے احساس ہوا تھا کہ جتنی چیزوں کا ارمان اس کے دل میں تھا، انہیں خریدنے کے لیے تو دس لاکھ بھی ناکافی تھے۔

جیولر کی دکان پر اسے جو سیٹ پسند آیا وہ پینتالیس ہزار کا تھا۔ زینب کا سانس اس کی قیمت سن کر ہی رکنے لگا تھا۔ بمشکل اس نے ایک نسبتاً ہلکا سیٹ اور چار چوڑیاں پسند کی تھی اور سخت کبیدہ خاطر ہو کر دکان سے نکلی تھی۔

فرخندہ آپا کا موڈ بھی آف تھا۔ ان کے رویے میں ایک تناؤ سا تھا۔

''پرسوں احسن نے مجھے بیس ہزار روپے دیے تھے کہ میں تمہیں شاپنگ کرالاؤں۔'' انہوں نے صبح اس سے کہا تھا ''اور آج وہ تمہیں اتنے پیسے دے گیا ہے۔ یہ دو دن کے اندر تم دونوں کے درمیان کیا صلاح مشورے ہو گئے؟''

زینب نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا۔ بلکہ اسے سخت غصہ آیا تھا۔ وہ کون ہوتی تھیں موڈ آف کرنے والی۔ احسن خواہ اسے کتنے ہی پیسے دیتا۔ یا ان دونوں کے درمیان کوئی صلاح مشورہ ہوا ہوتا۔ انہیں اس سے یوں استفسار کرنے کا حق کس نے دیا تھا؟ وہ احسن کی مالک مکان تھیں، پڑوسی تھیں اور ان کے درمیان ایک لحاظ اور مروت کا رشتہ تھا اور بس۔ وہ تو اس طرح منہ بنائے ہوئے تھیں جیسے وہ اس کی ساس ہوں۔

وہ ان سے بے پروا اپنی پسند کی اشیاء کی خریداری کرتی رہی۔ فرخندہ آپا البتہ اس سے یوں بے پروا نہ رہ سکی تھیں۔ ہر جگہ، ہر دکان پر اسے سمجھانے کی ایک آدھ کوشش انہوں نے ضرور کی تھی کئی دکانوں پر انہوں نے لڑ جھگڑ کر چیزوں کی تقریباً آدھی قیمت کروائی تھی ورنہ زینب میں بھاؤ تاؤ کرنے کا اتنا شعور تھا نہ حوصلہ۔

عروسی لباس اس نے بائیس ہزار کا پسند کیا تھا۔

''زینب! ان ناپائیدار چیزوں پر اتنے پیسے نہ اٹھاؤ۔'' فرخندہ آپا نے دبے لفظوں میں کہا تھا ''یہ لباس تو آدمی ایک آدھ مرتبہ ہی پہن پاتا ہے۔ کیا فائدہ یوں خون پسینے کی کمائی ضائع کرنے سے۔ یہ تو ان کے شوق ہیں جن کے پاس حرام کا روپیہ ہوتا ہے۔''

زینب کو ان کی بات سخت بری لگی۔ وہ ہر جگہ احسن کی کمائی کا ذکر یوں کر رہی تھیں جیسے وہ ہی احسن کی سب کچھ ہوں۔ حالانکہ چند روز بعد وہ اس کی بیوی بننے والی تھی۔ اس کی کمائی کی بلا شرکت غیرے حقدار ہونے والی تھی۔

اس نے وہی لباس خریدا۔ ہر چند کہ اس کی ضد اور پسند سے مجبور ہو کر فرخندہ آپا نے دکاندار سے نہایت لمبی چوڑی بحث کے بعد اس کی قیمت تقریباً آدھی کروائی تھی۔

وہ دونوں واپس ہوئیں تو زینب کے پاس نہایت قلیل رقم بچی تھی۔ وہ بھی فرخندہ آپا نے مزید کئی خرچے گنوا کر بچائے تھے ورنہ زینب کا ارادہ خالی ہاتھ لوٹنے کا لگتا تھا۔

''احسن کے پاس کچھ نہیں بچا ہے۔'' انہوں نے کہا تھا ''اور ابھی کرنے والے تقریباً سارے کام پڑے ہیں۔ یہاں سے کچھ بچا کر لے چلیں گے تو اس کا بوجھ ہلکا ہوگا۔''

بادل نخواستہ اس نے کئی چیزوں پر سے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس اسے اپنی پسند کا پرفیوم نہ خریدنے پر ہوا تھا۔

''کیا کرو گی اتنا مہنگا پرفیوم خرید کر۔'' فرخندہ آپا نے شیشی اس کے ہاتھ سے لے کر واپس رکھ دی تھی ''بعد میں احسن دلا دے گا۔''

وہ حسرت سے بار بار شیشی کو دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ اس کے کالج کی سب سے امیر لڑکی یہی خوشبو روزانہ خود پر انڈیل کر آتی تھی۔ زینب بار بار اس کے قریب سے گزرتی اور اس خوشبو کو اپنے اندر اتارتی۔ اس خوشبو کا نام اس نے کب سے یادداشت میں محفوظ کیا ہوا تھا اور آج بھی وہ نامراد ہی رہ گئی تھی۔ آج، جبکہ اس کے پاس اتنی رقم بھی تھی۔

''احسن خود ہی ساتھ آتے تو اچھا تھا۔'' یہ کفایت شعار بیگم نجانے کیوں میرے ساتھ کر دی ہیں۔ کھڑی ہو جاتی ہیں ہر جگہ بحث کرنے۔''
وہ واپس لوٹی تو خوش نہ تھی۔ جو چیزیں خرید کر لائی تھی ان کی خوشی رہ جانے والی چیزوں کے افسوس تلے پڑی کراہ رہی تھی۔
''ہائے۔ آج بھی نامراد ہی لوٹی، کیا کیا سامان خریدنا تھا اور اتنی سی رقم۔'' وہ مسلسل یہی سوچ رہی تھی۔ ادھر اماں نے سامان دیکھ کر سر پیٹ لیا تھا۔

''بس؟ یہی چیزیں؟ بس یہی کچھ خریدا؟''
''ہاں تو لاکھ روپے میں پوری مارکیٹ تو اٹھا کر لانے سے رہی۔'' وہ قدرے خفگی سے بولی تھی۔
''آپ کی بیٹی کی طبیعت میں تو بہت بچپنا ہے۔ اماں!''
فرخندہ آپا دبے لہجے میں بولی تھیں اماں ان سے نظریں چرا کر رہ گئیں۔



پورے محلے میں آج تک کسی لڑکی کی بری اتنی شاندار نہ آئی تھی۔ کسی کا دولہا اتنا سجیلا نہ تھا۔
شادی والے روز ہر کسی کے منہ سے یہی تعریفی کلمات ادا ہو رہے تھے۔ زینب پھولے نہ سما رہی تھی۔ اماں سے ضد کر کے وہ شہر کے ایک مہنگے بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آئی تھی۔ اس کا سجا سنورا روپ چاند کو مات دے رہا تھا۔ جو دیکھ رہا تھا بس ایک ٹک دیکھے ہی جاتا تھا۔
''زینب! میرے پاس تیری تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ قسم سے جی چاہتا ہے نظر نہ ہٹے احسن بھائی کا کیا حال ہوگا؟''
آمنہ کی تعریف پر وہ تفاخر سے مسکرا دی تھی اور کیوں نہ حسین نظر آتی وہ۔ مہنگا عروسی لباس، چمکتے زیورات اور ایک مہنگے پارلر کی تیاری۔ بھلا کس چیز کی کمی تھی۔ پھر حسن کی دولت سے وہ یوں بھی مالا مال تھی۔
''تمہاری بری کتنی اچھی آئی ہے۔ تم یونہی فارحہ پر رشک کر رہی تھیں۔'' آمنہ بڑی سادگی سے کہہ رہی تھی۔
زینب خاموش رہی۔ اس نے آمنہ سے ذکر کرنا مناسب نہ جانا کہ یہ سب اسی کی ضد کا کرشمہ تھا۔
فرخندہ آپا گذشتہ دنوں کی کشیدگی فراموش کر کے اس پر سے واری صدقے جا رہی تھیں۔ ہر نظر اسے سراہ رہی تھی۔
''کاش کہ فارحہ یہاں ہوتی۔ مجھے اس کی کمی بہت محسوس ہو رہی ہے۔'' زینب نے آمنہ سے کہا۔
''حالانکہ میں نے اسے کتنے دن پہلے خط لکھا تھا۔ پھر بھی وہ نہ آئی۔''
''شادی کے بعد زندگی بہت بدل جاتی ہے۔ مصروفیات اور ترجیحات میں فرق آجاتا ہے۔ تمہاری شادی ہو گئی ہے۔ اب تمہیں اس بات کا احساس ہوگا۔''
آمنہ نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔ زینب اسے دیکھ کر رہ گئی۔
''تم اتنی سمجھدار کیسے ہو آمنہ! تم بنا تجربے کے ہر بات کس طرح سمجھ لیتی ہو؟'' اسے کبھی کبھی آمنہ کی سمجھداری اور رسانیت پر رشک آتا تھا۔
''میں تمہارے لیے بھی دعا گو رہتی ہوں زینب!'' وہ مسکرا دی تھی۔
''خدا تمہیں بھی عقل سلیم عطا فرمائے اور تم زندگی کو بہترین طور پر برت سکو۔''
رخصتی کے وقت اماں کا برا حال تھا۔ وہ بار بار ہوش سے بیگانہ ہو رہی تھیں۔ زینب بھی ان سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ پھر پھولوں سے سجی ہوئی گاڑی اسے اس کی اصل منزل کی طرف لے آئی۔ اس کے اصل گھر تک فرخندہ آپا نے اس کی سسرال کا پورا پورا کردار ادا کیا تھا۔ کہیں

ساس بن کر تو کہیں نند بن کر انہوں نے اسے احساس نہ ہونے دیا تھا کہ وہ ایک خالی گھر میں آئی ہے۔ انہوں نے ایسے موقعوں پر کی جانے والی ہر رسم ادا کی تھی۔

''احسن میرا بھائی بھی ہے اور بیٹا بھی۔ میں نے ہمیشہ اسے سگے خونی رشتوں کی طرح چاہا ہے۔'' انہوں نے چمکتے چہرے کے ساتھ اسے بتایا تھا۔

''اسی لیے تم بھی مجھے بہت اپنی لگتی ہو۔ بہت عزیز ہو۔''

اسے ایک سجے ہوئے، مہکتے کمرے میں بٹھا کر وہ باہر چلی گئی تھی۔ زینب آنکھیں کھول کر زندگی کے اس نئے مقام کا جائزہ لینے لگی۔



بڑی آہستگی سے آ کر وہ اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

''السلام علیکم۔''

لہجے میں خوشی، ترنگ، تازگی اور شرارت کے تمام رنگ واضح تھے۔

زینب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرا دی۔

''وعلیکم السلام۔'' بہت دھیمے سے وہ بول سکی تھی۔

''مزاج بخیر ہیں؟'' اس کی ہر، ہر ادا سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔

بہت دیر سے زینب کے اعصاب پر سوار تھکن کے لبادے میں شگاف پڑنے لگے۔ اس کے اندر طمانیت اور سکون کی لہریں دوڑنے لگیں۔ میکے سے سسرال تک کا فاصلہ بظاہر کتنا ہی مختصر، ایک نظر نہ آنے والا تھکا دینے والا سفر ہے تھکن سے چور ہوتا جسم، چٹختے ہوئے اعصاب، منزل پر پہنچ کر کس قدر سکون کی کیفیت سے گزرتے ہیں۔ زینب کو یکا یک محسوس ہونے لگا۔ جیسے وہ ریلوے اسٹیشن کے ویٹنگ روم سے اٹھ کر اپنے گھر میں آ گئی ہو۔

یہ اس کا اپنا گھر تھا۔ وہ اس گھر کی مالکن تھی۔ بلا شرکت غیرے۔ کتنا جاندار، طمانیت بھرا احساس تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس بھر کر سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔

''زینی!'' احسن نے ہولے سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ''تھک گئی ہو جانو؟''

زینب نے یکا یک پٹ سے آنکھیں کھول دی تھیں۔ بظاہر ایک نامحسوس سی پیش قدمی اور انداز تخاطب کی حد درجہ تبدیلی۔ اس کے رگ و پے میں ایک کرنٹ سا دوڑا۔

''نہیں تو۔'' اس نے ہاتھ چھڑانے کی ہلکی سی کوشش کی تو احسن نے گرفت قدرے مضبوط کر لی۔

''چھوڑنے کے لیے نہیں تھاما ہے جناب عالی!'' وہ قدرے شوخی سے بولا تھا۔ ''اور پھر جب کسی کے لیے اتنا سجتے سنورتے ہیں تو پھر سارے گریز بے معنی لگتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں۔''

زینب بری طرح سے جھینپ گئی۔

''کتنے صادق تھے نا میرے جذبے زینب!'' وہ محبت سے بھرپور لہجے میں بولا۔ ''اب تو تمہیں یقین آ گیا ہو گا؟''

زینب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں بے پناہ والہانہ پن تھا۔

''یقین کا دن تو پہلے آ چکا ہے۔ جب آپ کے جذبوں سے ہار کر 'ہاں' کہی تھی۔'' وہ ہولے سے بولی۔

آج یقین کا دن تو نہیں۔ آج اعتراف کا دن ہے۔"

"پھر کرو اعتراف!" وہ کہنی کے سہارے نیم دراز ہو کر اس کے جھکے ہوئے چہرے کے مقابل آگیا۔

"بسا اوقات زبان کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔" وہ شرگیں لہجے میں بولی۔ "میرا یہاں آپ کے پاس ہونا ہی میرا اعتراف ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی؟ میں اگر تمہارے اس حسین روپ کی تعریف نہ کروں تو کیا تمہارے ساتھ زیادتی نہیں ہوگی؟ کیا تم کچھ سننے کی خواہش مند نہیں ہو؟ ہر چند کہ حسن تعریف کا محتاج نہیں ہوتا لیکن تعریف نہ کرنا بخل تو ہوتا ہے نا۔"

"آپ نہ ہوں گے بخیل، میں تو ہوں۔" وہ شرارت سے مسکرا دی۔

"اب اتنا بھی جھوٹ نہ بولو۔ مہا خرچ ہو" وہ اسے چڑانے لگا۔

زینب اسے گھورنے لگی۔

"اب طعنے بھی دیں گے؟"

"میری مجال ہے۔" اس نے کان پکڑ لیے۔ "یوں ہی زبان پھسل گئی تھی۔ یوں بھی یہ میرے نہیں فرخندہ آپا کے الفاظ ہیں۔"

"اف، فرخندہ آپا۔" زینب کا منہ بدمزہ ہوگیا۔

"آخر یہ فرخندہ آپا لگتی کیا ہیں آپ کی؟"

"ارے زینو! یہ بات پوچھنے کی نہیں ہے۔ چند روز میں تمہیں خود ہی اندازہ ہو جائے گا کہ کتنی پیاری چیز ہیں فرخندہ آپا۔ قسم سے، پوجنے کے لائق ہیں۔ میرے ماں باپ، بھائی، بہن سب کچھ وہی ہیں۔"

زینب اندر سے چیخ کر رہ گئی تھی۔ فرخندہ آپا کے خلاف کہنے والی بہت سی باتیں تھیں جو اس نے سوچ کر رکھی ہوئی تھیں سب کی سب اس کے اندر ہی کھولتی رہ گئیں۔ احسن کی بات کے بعد ان باتوں کی کوئی گنجائش ہی نہ رہی تھی۔

"خیر۔ فی الوقت اپنی بات کرو۔" اس نے ہاتھ بڑھا کر اسے خود سے قریب کر لیا۔ "فی الحال بیچ میں نہ کوئی تیسرا ہے نہ کسی تیسرے کی بات ہوگی۔"

احسن کی باتیں، بہت خوبصورت تھیں۔ لیکن زینب کی سوچ کہیں اٹکی رہ گئی تھی۔



ولیمے سے فارغ ہو کر وہ دو دن کے لیے اماں کے پاس آگئی تھی۔ خوشیوں سے گلنار ہوتے اس کے چہرے نے اماں سے بہت کچھ کہہ دیا تھا۔ "میری بچی! میں نے کہا تھا نہ تجھ سے۔ احسن تیرے لیے خوشیوں کا پیام بر بن کر آیا ہے" اسے خود سے لپٹا کر انہوں نے کہا تھا۔

"آپ سے کس نے کہا میں خوش ہوں؟" اس نے منہ بنایا۔

"تیرے چمکتے چہرے نے۔"

زینب ہنس دی۔ وہ واقعی خوش تھی، بے پناہ خوش۔ اس کی شادی کو محض چند روز ہوئے تھے، لیکن اسے احساس ہو چکا تھا کہ احسن اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتا ہے۔ وہ پوجنے کی حد تک اس کے عشق میں مبتلا ہو چکا تھا۔

صبح وہ سو کر اٹھتی تھی تو وہ پہلے سے اس کا منتظر ہوتا۔

"آپ کب سے جاگ رہے ہیں؟" وہ حیران ہو کر پوچھتی۔

"بہت دیر ہوئی۔" وہ مسکرا کر کہتا۔ "منہ اندھیرے باہر ایک کوئل کوکی تھی۔ اس کی مدھر آواز سے جاگا پھر سونے کو جی نہ چاہا۔"

"اور تب سے کیا کر رہے ہیں" وہ شوخی سے پوچھتی۔

"مجھے کیا کرنا تھا" وہ اس کے قریب ہو کر بالوں میں انگلیاں چلاتا۔ "نظریں مصروف عبادت تھیں۔ زینی! اتنا حسین روپ دیا ہے خدا نے تمہیں، تمہیں دیکھتے ہی وہ یاد آتا ہے۔"

ہر صبح کا آغاز اسی قدر خوبصورت ہوا کرتا تھا۔ بس لفظوں میں ردو بدل ہو جایا کرتی تھی اور ہر رات صبح سے زیادہ حسین لگا کرتی تھی۔ دنوں میں عجیب دھیمی سی خوشبو رچی ہوئی تھی اور راتوں کی خنک تازگی میں ایک سرمستی کی سی کیفیت تھی۔

زندگی اتنی پیاری ہوتی ہے؟ زینب کو تعجب ہوتا تھا۔ احسن کے والہانہ جذبات اور بے اختیارانہ اعترافات نے اس کے سارے وجود کو تفاخر اور سرخوشی کی سنہری چادر میں لپیٹ دیا تھا۔ اس کا وجود سنہری پھولوں کی مچلتی ڈال نظر آتا تھا۔

آمنہ کو اس کا علم ہوا تو وہ دوڑی چلی آئی تھی۔

"پہلے کون سا ہم روز ملا کرتے تھے۔ لیکن تم چلی گئیں زینب تو ایسا لگا زندگی خالی خالی سی ہو گئی ہے۔ تم میری زندگی میں اتنی اہمیت رکھتی ہو مجھے کبھی احساس ہی نہ ہوا تھا۔"

زینب اس کی حیرانی دیکھ کر ہنس دی۔

"شادی کے بعد پوچھوں گی اپنی اہمیت کا۔ دو روز میں بھول جاؤ گی مجھے۔"

"اچھا! تم مجھے بھول گئیں؟" آمنہ نے اسے گھورا۔

"میں تو خود کو بھول گئی ہوں آمنہ۔" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "سمندر کی منہ زور لہروں کو دیکھا ہے آمنہ؟ جب کسی شے کو اپنے اندر سمیٹ لیں تو پھر شے کا وجود نہیں رہتا۔ لہریں ہی لہریں نظر آتی ہیں۔ احسن کی محبت سمندر کی طرح وسیع اور منہ زور ہے۔"

"بہت چاہتے ہیں نا تمہیں؟"

آمنہ کے لہجے میں سوال کم، تصدیق زیادہ تھی اور ایک عجب سی حسرت تھی، جو کہیں چھپی ہوئی تھی مگر محسوس ہوتی تھی۔

"ہاں بہت! بے حساب!" زینب کو اس لمحے خود اپنے آپ پر رشک آیا۔ "سچ آمنہ! مجھے اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ شخص میرے لیے اتنا بے قرار ہے۔ ہائے وہ تو ایک پل کے لیے بھی مجھے خود سے دور نہیں ہونے دیتے۔ صبح جاگتی ہوں تو ان کو اپنی جانب تکتا ہوا پاتی ہوں۔ رات کس وقت سو جاتی ہوں، خود مجھے خبر نہیں ہوتی اور ان کی باتیں ختم ہونے کا نام نہیں لیتیں۔ اتنی منتیں کی ہیں تب کہیں جا کر دو دن یہاں رہنے کی اجازت ملی ہے۔" وہ بولتی ہی چلی گئی۔

"اماں اداس ہو گئی ہیں تمہارے بغیر۔" آمنہ نے شاید دانستہ موضوع تبدیل کر دیا تھا۔ "دو تین مرتبہ آئی تھی تمہاری غیر موجودگی میں۔ بے چاری اماں اکیلی بیٹھی تمہیں ہی یاد کرتی رہتی ہیں۔"

"ہاں!" وہ خود بھی اداس ہو گئی۔ "اماں کب رہی ہیں میرے بغیر۔ میں تو احسن کی سنگت میں سب ہی کچھ بھلا بیٹھی ہوں لیکن اماں......"

اس نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

"روز ملنے آیا کرو ان سے۔ کم از کم تمہارے انتظار میں ہی دن گزر جایا کرے ان کا۔"

"ہوں!" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

دو دن بعد وہ اسے لینے آ پہنچا تھا۔ زینب اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل اٹھی۔ اسی گھر میں، جہاں اسنے اتنے برس ہنسی خوشی گزارے تھے۔ یہ دو دن کاٹنا عذاب ہو گئے تھے۔ صبح سے شام کرنا مشکل ہوتا تھا۔ اور شام سے صبح تک کا انتظار کو فت سے بھرپور۔ کتنا بدل گئی تھی وہ چند ہی روز

میں۔

''جناب! آج شکل دکھا رہے ہیں۔'' وہ اسے دیکھ کر خفگی کا اظہار کیے بنا نہ رہ سکی۔ ''یا تو یہ حال تھا کہ مجھے دیکھے بنا آپ کے لیے سورج ہی نہ نکلتا تھا یا دو دن ہو گئے پلٹ کر حال تک نہ پوچھا۔''

وہ بشاشت سے مسکرا دیا۔ دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں ڈالے وہ بڑی شوخی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اب زیادہ اترائیں مت۔ ابھی ایسی بھی حالت نہیں ہوئی میری۔'' اس نے مسکراہٹ چھپانے کو منہ پھیرا۔

''اچھا! یار۔ میری حالت تو نجانے کب سے ایسی ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔ ''تم ساتھ تھیں تو مارے خوشی کے نیند نہ آتی تھی۔ یقین ہی نہیں آتا تھا کہ تم میرے اتنے قریب ہو۔ بار بار اٹھ کر دیکھتا تھا تمہیں کہ کہیں میں کوئی سپنا تو نہیں دیکھ رہا۔ سوچا تھا، تمہاری غیر موجودگی میں خوب جی بھر کر سولوں گا لیکن تم تو رہی سہی نیند بھی پلو میں باندھ کر لے آئیں۔ تمہاری قسم دو راتوں سے جاگ رہا ہوں۔''

زینب ایک ٹک اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اس کی آنکھوں کے گرد پڑے سیاہ حلقے اس کے لفظوں کی گواہی کے لیے کافی تھے۔

ایسا دیوانہ ہوا تھا وہ اس کا۔ اس کے گالوں پر سرخی کی ایک لہر دوڑ گئی۔

''گھر چلیں؟'' وہ بے قراری سے پوچھ رہا تھا۔

''ہاں۔ پہلے کھانا کھا لیں۔ اماں نے بڑے پیار سے مرغ پلاؤ اور کھیر بنائی ہے آپ کے لیے۔''

''یار! کتنا منع کرتا ہوں میں اماں کو۔'' وہ زچ ہوا۔

''یہ عمر ہے ان کی سارا سارا دن کچن میں گھسے رہنے کی۔''

''منع تو آپ مجھے بھی کرتے ہیں۔'' وہ شوخ ہوئی۔ ''میری عمر بھی نہیں ہے کچن میں گھسنے کی؟''

''تم تو ابھی نئی نویلی دلہن ہو نا۔ سوچتا ہوں کچھ دن آرام کر لو پھر یہ گھر کے کام دھندے ہی سنبھالنے ہیں۔'' وہ مسکرایا تھا۔

جب سے شادی ہوئی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ بھی زینب کو کچن میں نہ گھسنے دیا تھا۔ صبح اس کے جاگنے سے پیشتر ہی وہ چائے تیار کر لیتا تھا پھر قریبی دکان سے جا کر حلوہ پوری لے آتا تھا۔ دوپہر کا کھانا فرخندہ آپا لے آتی تھیں اور رات میں عموماً وہ لوگ باہر کھانا کھاتے یا پھر احسن کے کسی دوست کے گھر دعوت پر مدعو ہوتے تھے پھر رات سونے سے قبل وہ خود ہی اس کے لیے دودھ کا گلاس گرم کر کے لے آتا تھا۔ ان دنوں میں اس نے ایک مرتبہ بھی اسے کسی کام کے لیے نہ کہا تھا۔

اماں نے کھانا لگا دیا تو وہ دونوں باہر صحن میں آ گئے۔

''اماں! یہ تکلفات یوں ہی جاری رہے تو قسم سے میں آنا چھوڑ دوں گا۔'' اس نے دسترخوان پر ایک نگاہ ڈال کر خفگی کا اظہار کیا تھا۔

''کون سے تکلفات بیٹا؟'' اماں مسکرا دیں۔

''سادہ سا کھانا ہی تو ہے۔''

''یہ سادگی ہے؟'' اس نے احتجاج کیا۔ ''یہ مرغ پلاؤ، یہ رائتہ، سلاد، کباب، کھیر پوری شام کچن میں گزری ہوگی آپ کی۔''

''ہاں تو کیا ہے۔ اپنے بچوں کے لیے پکا کر ماؤں کو خوشی ہوتی ہے، تھکن نہیں۔'' اماں کے لہجے میں اطمینان ہی اطمینان تھا۔ ''اور پھر شادی کے بعد پہلی مرتبہ آئے ہو۔ کیا دال پکا کر رکھ لیتی؟''

''آپ کے ہاتھ کی دال میں بھی پوری دعوت کا مزہ ہے۔''

زینب خاموشی سے مسکراتے ہوئے ان دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

''اچھا میری بات سنیں اماں!'' وہ اچانک ہی سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔''

''کہاں؟'' اماں حیران رہ گئیں۔

''ہمارے گھر اور کہاں! آخر یہاں اکیلے رہ کر کیا کریں گی آپ۔ ہم دونوں کو آپ کی ضرورت ہے۔ بچوں کو ہمیشہ اپنے ماں باپ کی ضرورت رہتی ہے۔ ان کی دعاؤں کی، ان کے سائے کی، ان کی شفقت و محبت کی۔ آج سے آپ ہمارے ساتھ رہیں گی۔''

اماں بے حد اداسی سے سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی تھیں۔ زینب کے تو مارے خوشی کے آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اس لمحے اسے احسن پر بے پناہ پیار آیا تھا۔ اس نے زینب کے دل کی بات کہی تھی ورنہ وہ تو جھجک کے مارے کبھی اس سے یہ بات نہ کر پاتی۔

''دیکھو بیٹا!'' اماں بولی تھیں۔ ''جب زینب کے ابا کا انتقال ہوا، یہ بہت چھوٹی تھی اور میں اکیلی۔ تمہارے تینوں ماموں مجھے اپنے ساتھ رکھنے پر تیار تھے۔ لیکن میری انا اور غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا۔ ساری عمر تن تنہا گزار دی لیکن کسی دوسرے کی چوکھٹ پر سر نہ ٹیکا۔ اب کیا تم یہ چاہتے ہو کہ عمر بھر کی ریاضت کو یوں آخر میں خاک میں ملا دوں؟''

''اماں۔'' وہ دکھ سے بولا تھا۔ ''یہ کیا غیروں والی بات کی آپ نے۔ صرف زبان سے ہی بیٹا کہتی ہیں؟ دل سے نہیں سمجھتیں۔''

''میں کیا سمجھتی ہوں تمہیں۔ میرا خیال ہے مجھے زبان سے بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم دونوں کے سوا کون میرا اس دنیا میں جسے اپنا سمجھوں گی لیکن بیٹا! مجھ سے ایسی فرمائش نہ کرو جسے پورا کرنے کی ہمت نہ ہو مجھ میں۔ ساری عمر محض اپنی انا اور وقار کی حفاظت کرتے گزاری ہے۔ چند سال زندگی کے اور ہیں، انہیں بھی سر اٹھا کر کاٹ لینے دو اور پھر میں تم دونوں کے ساتھ رہوں یا علیحدہ میرے لب تمہارے لیے ہی دعا گو رہتے ہیں۔ میری ساری محبتیں تم دونوں کے لیے ہی ہیں۔''

''یوں اکیلے کیسے رہیں گی اماں آپ۔'' وہ ان کے لیے اسی طرح سے فکر مند تھا جس طرح سے زینب۔ ''گھبرا جائیں گی آپ۔''

''ارے بیٹا!'' اماں ہنس دیں۔ ''یہاں عمر گزر گئی اور پتا نہ چلا، اب تو دھوپ ڈھل گئی ہے، سایہ اتر آیا ہے۔ چند ساعتیں گزریں گی اور رات ہو گی۔ اب تو چل چلاؤ ہے، اب کیا گھبرانا۔''

''جیسے آپ کی خوشی اماں! لیکن اب کم از کم ایسی باتیں تو نہ کریں نا۔ دیکھیں زینب کیسے منہ لٹکا کر بیٹھی ہے۔''

''ارے بھئی، یہاں کھانا ٹھنڈا ہو چلا ہے، تم دونوں نے مجھے بھی باتوں میں الجھا لیا۔ اب شروع کرو۔'' اماں نے دفعتاً موضوع بدل کر ماحول میں پھیلی افسردگی دور کر دی۔

''لو احسن میاں، یہ کباب بھی کھا کر دیکھو۔ یہ میں نے ایک بہت مشہور خانساماں سے بنانا سیکھے تھے۔ اللہ بخشے تمہارے ابا کے بہت اچھے جاننے والے تھے۔ بہت کوشش کرتی ہوں لیکن ان جیسا ذائقہ پھر بھی نہیں آ پاتا۔''

''بہت شاندار۔'' احسن ایک ایک چیز کو سراہتا رہا۔

زینب خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ اماں کے فیصلے نے اسے اداس کر دیا تھا۔

کھانا کھا کر وہ دونوں جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اماں کو اچانک ہی کچھ یاد آیا تھا۔

''ارے بچی! میں تو بھول ہی گئی۔ تمہاری دوست کا خط آیا رکھا ہے۔ فارحہ کا۔''

''فارحہ کا خط ہے!'' وہ خوش ہو گئی۔ ''لائیں نا اماں جلدی سے۔ دو دن سے آئی ہوئی ہوں، آپ کو اب یاد آیا ہے۔''

''کہا ناں بھول گئی۔ ٹھہرو ایک گھڑی، لاتی ہوں۔''

اماں چند لمحوں میں خط نکال کر لے آئیں۔

''جس روز تمہارا ولیمہ تھا، اسی روز پہنچا تھا۔ میں کپڑوں کے نیچے رکھ کر بھول گئی۔ چلو اچھا ہوا عین وقت پر یاد آیا۔''

انہوں نے اسے لفافہ تھمایا۔ وہ اسے چاک کرنے لگی۔

''جاب عالی! گھر چل کر پڑھ لیجئے گا۔ میں یہاں بائیک پر ٹنگا ہوا ہوں۔'' احسن نے دہائی دی تھی۔

زینب نے مسکرا کر خط بیگ کی جیب میں ٹھونس لیا۔

''اچھا اماں! اللہ حافظ۔'' وہ اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔

''اللہ کی امان میں بیٹی۔'' اماں دیر تک دروازے میں کھڑی رہی تھیں۔



دونوں گھر پہنچے تو احسن کا کوئی دوست اسے ملنے آیا ہوا تھا۔

''تم اوپر چلو زینی! میں آتا ہوں تھوڑی دیر میں۔''

احسن نے اسے چابیاں تھمائیں۔

''جی اچھا!''

وہ سیڑھیاں چڑھتی اوپر چلی آئی۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے سب سے پہلے بیگ کی سائیڈ جیب سے فارحہ کا خط نکالا تھا۔

اس نے لکھا تھا۔

''پیاری زینب!''

نئی زندگی کے آغاز پر بہت سی دعائیں تمہارے نام۔

تمہاری شادی میں شریک نہ ہو سکی۔ مجھے پورا یقین ہے تم مجھ سے ناراض ہو گی لیکن میرا خیال بلکہ یقین ہے کہ وجہ جان کر تمہاری ناراضی دور ہو جائے گی۔ بات یہ ہے میری جان کہ تمہارا کارڈ مجھے ملا ہی نہ تھا۔ میں شادی کے ہفتہ بھر بعد ہی فیصل کے ساتھ ہنی مون کے لیے امریکہ چلی گئی تھی پورا مہینہ وہاں گزار کر لوٹی ہوں۔ پتا چلا تمہاری شادی کا کارڈ آیا رکھا ہے۔ خیر! بہت بہت مبارک ہو۔ نئی زندگی کی شروعات یقیناً بہت اچھی لگ رہی ہوں گی۔ احسن بھائی کیسے لگے؟ اب تو مجھے بھی ان کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر لینی چاہیے۔ آخر کو وہ میرے دولہا بھائی بن گئے ہیں۔ ان سے کہنا وہ بھی میرے بارے میں اپنے خیالات تبدیل کر لیں۔''

زینب کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ احسن کے ساتھ ہونے والی فارحہ کی تمام گفتگو اس کے ذہن میں گونج اٹھی تھی۔ کتنے سخت الفاظ استعمال کرتے تھے وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے۔ وہ پھر خط کی جانب متوجہ ہوئی۔

اس نے آگے لکھا تھا۔

''تم لوگ بھی یقیناً ہنی مون پر جانے والے ہو گے۔ دیسے سچ پوچھو تو ملک سے باہر ہنی مون منانے کا اپنا مزہ ہے۔ ماحول جتنا زیادہ اجنبی ہوتا ہے اتنا ہی دو افراد ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ میں تو زندگی کے ان دنوں کو کبھی نہ فراموش کر پاؤں گی۔ فیصل کی سنگت میں گزارے ہوئے یہ دن حقیقتاً ناقابل فراموش ہیں۔ فیصل نے مجھے اتنا گھمایا پھرایا کہ میں تھک کر چور ہو گئی اور شاپنگ کا تو الگ ہی مزہ رہا۔ ایسی شاندار اور کھلی شاپنگ کا تو میں نے کبھی تصور ہی نہ کیا تھا۔ واپسی پر کسی طور پیکنگ نہ ہوتی تھی۔ فیصل میرے پاگل پن پر ہنس رہے تھے۔ تمہارے لیے بھی میں نے بہت سے چیزیں خریدی ہیں۔ آخر کو تم میری اکلوتی دوست ہو اور تمہاری شادی کا تحفہ بھی ڈیو ہے مجھ پر۔

میری مانو اگر احسن بھائی کے خیالات اجازت دیتے ہوں تو تم دونوں بھی کہیں باہر گھومنے جاؤ۔ اپنا ملک تو آدمی گھوم ہی لیتا ہے۔ بندے کا ہنی مون تو ذرا زوردار قسم کا ہونا چاہیے۔

میں مہینہ دو مہینہ سسرال میں گزار لوں پھر چکر لگاؤں گی۔ تب تک تم لوگ بھی ہنی مون اور دعوتوں کا سلسلہ بھگتا چکے ہوں گے۔ فرصت سے

بیٹھ کر گپیں لڑائیں گے۔ میرے پاس تو باتوں کا زبردست اسٹاک جمع ہے۔ تم بھی بتانے والی ڈھیر ساری باتیں جمع رکھنا۔

احسن بھائی کو میرا بہت بہت سلام اور تمہیں بہت سا پیار۔

تمہاری فارحہ"

خط پورا پڑھ کر وہ اس کا کونا منہ میں دبائے کسی گہری سوچ میں گم ہو گئی تھی۔

اچانک ہی احسن نے آ کر اسے پیچھے سے بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

"کہاں گم ہیں جناب۔" وہ اس کے کان کے قریب منہ لا کر بولا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا بڑی بے تابی سے انتظار ہو رہا ہو گا۔ جلدی جلدی دوست کو نپٹا کر بھاگا۔ یہاں تو اپنی خبر نہیں ہے، ہمارا اپنا کیا ہونا ہے۔"

وہ مسکرا دی۔

"فارحہ کا خط پڑھ رہی تھی۔"

"اچھا! ایسا کیا لکھ بھیجا ہے اس نے۔ بڑی گہری سوچ میں گم تھیں۔"

"آپ کو سلام لکھا ہے۔"

"وعلیکم السلام۔" وہ بڑی ترنگ میں تھا۔

"اور لکھا ہے کہ پچھلی تلخیوں کو بھلا دیں۔" وہ مسکرائی۔ "آخر کو آپ اس کے دولہا بھائی اور وہ آپ کی سالی بن گئی ہے۔"

"چلیں جی بھلا دیا اور کچھ۔"

"اور...... اور...... پوچھا ہے کہ ہم لوگ ہنی مون کے لیے کہاں جا رہے ہیں۔" وہ بظاہر بڑے سادہ سے انداز میں بولی تھی۔ "وہ لوگ تو امریکہ سے ہو کر لوٹے ہیں حالانکہ فیصل بھائی کا بزنس لندن میں ہے۔"

اس کے گرد احسن کے بازوؤں کی گرفت قدرے ڈھیلی ہوتی گئی۔

"ہم لوگ کہاں جائیں گے احسن؟" وہ مڑ کر اس کے مقابل آ گئی۔

وہ کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا تھا۔ اس کا سوال سن کر چونک اٹھا۔ وہ اس پر نظر جمائے بڑی آس سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"ہنی مون کا ارادہ تو تھا میرا۔" وہ کچھ دیر تک سوچنے کے بعد الجھے الجھے سے انداز میں بولا "اور کچھ رقم پس انداز بھی کی ہوئی تھی میں نے لیکن تم تو جانتی ہو زینی! شادی پر سارے پیسے ہی خرچ ہو گئے۔ آفس سے بھی لون لیا ہوا ہے میں نے، مزید لون نہیں مل سکتا۔ ویسے تم بتاؤ کہاں جانا چاہتی ہو؟"

اس کا اترا ہوا منہ دیکھ کر احسن کا رنگ بدل گیا۔

"اداس کیوں ہوتی ہو جانو" اس نے اسے خود سے قریب کر لیا۔ "یہ کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں۔ آفس سے لون نہیں مل سکتا نہ سہی۔ کہیں اور سے تو مل سکتا ہے نا۔ شادی پر فرخندہ آپا نے مجھے پیش کش کی تھی کہ اگر ضرورت پڑے تو میں ان سے ادھار لے سکتا ہوں۔ تب تو ایسی کوئی خاص ضرورت نہیں پڑی کام چل ہی گیا لیکن اب میں ان سے بیس پچیس ہزار مانگ لیتا ہوں۔ اسلام آباد، مری وغیرہ گھوم آتے ہیں۔ سچ ہی تو ہے یہی کچھ دن تو ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے بعد میں تو ساری عمر کا کام ہی ہوتا ہے۔ کہاں موقع ملتا ہے گھومنے پھرنے کا۔"

زینب کی آنکھوں کی چمک لوٹ آئی۔ وہ مسکرا دی۔

"پھر کب چلیں گے؟"

"بس ہفتہ بھر میں۔ میں کل ہی فرخندہ آپا سے بات کر لیتا ہوں۔" وہ اس کی ٹھوڑی چھو کر بولا۔ "ان آنکھوں کی چمک لوٹانے کے لیے تو

میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔ اب جلدی سے ہنس کر دکھاؤ ورنہ......"

اس کی دھمکی میں بہت کچھ تھا۔ وہ واقعی جلدی سے ہنس دی۔



اگلے دن سے روٹین لائف شروع ہو گئی تھی۔

احسن صبح ہی صبح اٹھ کر کپڑے استری کرنے لگا تھا۔ زینب کی آنکھ کھلی تو مقابل دیوار پر لگی گھڑی سات بجا رہی تھی۔

"آپ اتنے سویرے سویرے کپڑے کیوں استری کر رہے ہیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"مزدور آدمی ہیں بھئی۔" وہ بشاشت سے مسکرا دیا۔ "بہت دن آرام کر لیا۔ اب کام پر بھی جانا ہے۔"

"لیکن آپ نے پندرہ دن کی چھٹی لی تھی نا۔ ابھی تو صرف ہفتہ ہی گزرا ہے شادی کو۔" اس کی نیند اڑ گئی۔

"ہاں، لیکن اب پروگرام بھی تو بن گیا ہے گھومنے کا۔ یہ ہفتہ حاضری لگوا کر اگلے پورے ہفتے کی چھٹی لے لوں گا۔ اب پورا مہینہ تو چھٹی نہیں کر سکتے نا جانم۔"

"اچھا۔" وہ جلدی سے بستر سے نکل آئی۔ "ناشتہ بنا دوں آپ کے لیے۔"

"اگر جناب عالی کو زحمت نہ ہو تو۔" وہ اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔" وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

یوں بھی گھومنے کی بات سن کر اس کا موڈ بے حد خوشگوار ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے شہر کے علاوہ کبھی کوئی دوسرا شہر بھی نہ دیکھا تھا۔ اس نے اپنے محلے کے علاوہ شہر کا کوئی دوسرا محلہ بھی مشکل سے دیکھا تھا۔ بھلا اماں کے ساتھ وہ جا بھی کہاں سکتی تھی؟ گھر سے نکل کر اسکول، کالج، وہاں سے پھر گھر۔ بے حد محدود دنیا رہی تھی اس کی۔ ایسے میں مری، سوات کا تصور اس کے لیے سوئٹزرلینڈ سے کم نہ تھا۔ اس کا تو دل ہی اور طرح سے دھڑک رہا تھا۔

چائے کا پانی رکھ کر اس نے آملیٹ تیار کیا، سلائس سینکے، ایک انڈا بوائل کر کے بھی رکھا پھر چیزیں ٹرے میں سجا کر کمرے میں لے آئی۔

احسن نہا کر نکل چکا تھا۔ آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔

"ناشتہ حاضر ہے جناب۔" وہ ٹرے میز پر رکھ کر مؤدبانہ انداز میں بولی۔ "تشریف لے آئیے عالی جاہ۔"

"اور کیا کیا حاضر ہے؟" وہ شرارت سے اس کا عکس آئینے میں دیکھ کر مسکرایا۔ "عالی جاہ ناشتے سے زیادہ کنیز میں دلچسپی رکھتے ہیں۔"

"کنیز؟ کون کنیز؟ یہاں تو ملکہ عالیہ خود ناشتہ لے کر آئی ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"اوہ! سوری ملکہ عالیہ۔ عالی جاہ آپ کا ہی ذکر کر رہے تھے۔" وہ جلدی سے بولا۔

پھر وہ دونوں ہی ہنس دیے۔

وہ ناشتہ کرنے کے لیے بیٹھا تو زینب اس کے لیے چائے بنانے لگی۔

"تم نہیں کرو گی ناشتہ؟" اس نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا۔

"بعد میں۔ ابھی صرف چائے پیوں گی۔ ابھی تو میں نے دانت بھی صاف نہیں کیے۔" وہ چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

خلاف معمول وہ چند لقمے لے کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ حالانکہ روزانہ وہ ڈٹ کر ناشتہ کیا کرتا تھا۔

"کیا ہوا؟" زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ٹھیک سے ناشتہ کریں نا۔"

''بس چلتا ہوں۔ دیر ہو گئی ہے، اپنا خیال رکھنا۔''

کھڑے کھڑے چائے کے دو تین گھونٹ بھر کر اس نے کپ ٹرے میں رکھا اور اس کا گال پیار سے چھو کر باہر نکل گیا۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے سیڑھیوں تک گئی تھی۔

''کب تک لوٹیں گے؟''

''چار پانچ بجے تک۔'' اس نے عجلت میں جواب دیا تھا۔

وہ چند لمحے وہیں سیڑھیوں پر کھڑی رہی۔ اسی اثناء میں اس کی نگاہ سامنے والی چھت پر چلی گئی۔ ایک قدرے سانولی لیکن بے حد پرکشش لڑکی کھڑی اسے عجیب سے انداز میں دیکھ رہی تھی۔

زینب کو اپنی جانب متوجہ پا کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔

''نہ دعا نہ سلام۔'' اس نے کاندھے اچکا دیے۔

''عجیب پڑوسی ہیں۔''

اندر آ کر وہ کچھ دیر کے لیے پھر سو گئی تھی۔

آنکھ کھلی تو گیارہ بج رہے تھے۔ وہ کچھ دیر سستی سے لیٹی رہی پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی نہا دھو کر کاٹن کا ایک خوبصورت سا لباس زیب تن کر کے وہ کچھ دیر آئینے کے سامنے کھڑی رہی پھر جب ہر پہلو سے خود کو سراہ چکی تو ناشتے کی میز پر آ بیٹھی۔

''ہائے!''

اچانک ہی اماں بے طرح یاد آئی تھیں۔ اس نے کب خود سے کبھی چائے گرم کر کے پی تھی۔ اماں اس کی مندی مندی آنکھوں کے پوری طرح کھلنے کا انتظار کیے بغیر ہی چائے کا گرم گرم کپ تھما دیا کرتی تھیں۔ سردیوں میں تو اس لاڈ کا اپنا الگ ہی مزہ تھا۔

وہ کچھ دیر تک اماں کا لاڈ پیار یاد کرتی رہی۔ ایک گرم آنسو ہتھیلی کی پشت پر ٹپکا تو وہ چونک اٹھی۔ آنکھیں پونچھ کر وہ ٹھنڈی پڑی چیزیں ہی کھانے لگی۔ یکایک اس کے ہاتھ رک گئے۔ اس پر انکشاف ہوا کہ احسن ٹھیک سے ناشتا کیوں نہ کر سکا تھا! ناشتا انتہائی بدمزہ تھا، سلائس پوری طرح سے سنکے ہوئے نہ تھے اور آملیٹ میں نمک کڑواہٹ کی حد تک زیادہ تھا۔ جو انڈہ اس نے بوائل کیا تھا اس کی زردی پتھر کی مانند سخت تھی اور احسن اسے بتا چکا تھا کہ وہ صرف ہاف بوائل انڈہ پسند کرتا ہے۔

''انڈے کے ساتھ بہت سوچ سمجھ کر برتاؤ کرتے ہیں۔'' اسے بار ہا دہرایا ہوا جملہ یاد آیا۔ اماں اسے اکثر سمجھایا کرتی تھیں۔

''نمک ذرا ہاتھ روک کر ڈالا کرو۔ اس میں نمک فوراً کھلتا ہے۔''

لیکن اس نے کب اماں کے ایسے چھوٹے چھوٹے جملے پلو سے باندھے تھے۔ وہ تو اچھی بھلی ٹھیک ٹھاک نصیحتیں بھی ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرتی تھی۔



بے حد خجالت سے وہ بھی بدذائقہ ناشتہ کرتی رہی۔

واحد چیز چائے تھی جو ذرا ڈھنگ سے بنی ہوئی تھی ورنہ تو ہر شے اس کے پھوہڑ پن کی نمائندہ تھی۔

''کیا سوچتے ہوں گے احسن بھی۔'' اسے حد درجہ شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ ''پہلی مرتبہ کچھ بنا کر پیش کیا اور وہ بھی ایسا بدمزہ..... چلو، ابھی تو ابتدا ہے۔ آہستہ آہستہ پرفیکٹ ہو جاؤں گی آج تو دوپہر کا کھانا بھی بنانا ہے۔''

دل ہی دل میں پروگرام سیٹ کرتی وہ میز سے اٹھی تھی۔

کیسٹ پلیئر میں نیرہ نور کے گانوں کی کیسٹ لگا کر وہ باہر صحن میں چلی آئی۔ موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ پچھلے دنوں پڑنے والی بے تحاشا گرمی کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ ہوا میں ہلکی سی نمی برسات کی آمد کا مژدہ سنا رہی تھی۔ سفید سفید بادلوں کے ٹکڑے بھی ادھر سے ادھر تیرتے دکھائی دیتے تھے۔ دل پہلے ہی خوشیوں سے بھرا ہوا تھا اس پر موسم کے سہانے پن نے چار چاند کا کام کیا۔

وہ صحن میں رکھے گملوں کی ترتیب بدلتے ہوئے ہولے ہولے گنگنانے لگی۔

"گھٹا گھنگھور، مور مچائے شور میرے سجن آ جا رے۔"

"زینب!" پیچھے سے آنے والی آواز پر بری طرح سے اُچھلی تھی۔

"اوہ، آپ!" سامنے فرخندہ آپا کو دیکھ کر اس کی جان میں جان آئی۔ "السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام" انہوں نے قریب آ کر اسے خود سے لگایا۔ "کیسی ہو گڑیا؟"

"بالکل ٹھیک، فرسٹ کلاس۔" وہ تازگی سے مسکرا دی۔

"احسن کہاں ہے؟"

"جی وہ آفس گئے ہیں" وہ بکھرے بالوں کا جوڑا بنانے لگی۔

"آفس؟" انہیں تعجب ہوا تھا۔ "لیکن اس نے تو پندرہ دن کی چھٹی لی تھی۔ ابھی تو ہفتہ ہی ہوا ہے۔"

"وہ اصل میں ہمارا پروگرام بن گیا ہے مری وغیرہ جانے کا۔ شاید اگلے ہفتے چلے جائیں۔ اس لئے انہوں نے سوچا، یہ ہفتہ حاضری لگوا کر اگلے ہفتے کی چھٹی لے لیں۔"

"اچھا۔" وہ کچھ سوچنے لگیں۔ "اندر بیٹھ سکتے ہیں ہم لوگ؟"

"اوہ!" اس پر سے منوں پانی گزر رہا تھا۔ "آیئے، آیئے نا۔ مجھے تو دھیان ہی نہیں رہا۔" وہ ان کو لے کر اندر چلی آئی۔

"بیٹھیں نا آپ، چائے لاؤں آپ کے لیے۔!" وہ بے حد شائستگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی تھی۔

فرخندہ آپا نے ایک نظر کمرے کی حالت زار پر ڈالی تھی۔

بستر کی چادر آدھی بستر پر تھی، آدھی فرش پر لٹک رہی تھی۔ رات کو اوڑھی جانے والی چادریں اسی طرح سے پھیلی ہوئی تھیں۔ یوں جیسے کوئی بڑی احتیاط سے اسے ان کے اندر سے نکال کر گیا ہو مبادا ان کی پھولی ہوئی شیپ خراب ہو جائے۔

تپائی پر ناشتے کے جھوٹے برتن جوں کے توں پڑے تھے اور ان پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ رات اس نے جو کپڑے تبدیل کیے تھے، وہ بھی اب تک کونے میں پڑی کرسی پر ہی محفوظ تھے۔

ایک ہی نگاہ طائرانہ میں فرخندہ آپا کا جائزہ مکمل ہو گیا تھا۔ پھر وہ ذرا سی چادر ہٹا کر بستر کے کونے پر ٹک گئیں۔

"کھانا کھا لیا تم نے؟"

"کھانا؟ نہیں۔ ابھی تو ناشتہ کیا ہے۔" وہ بمشکل مسکرائی تھی۔ "میں چائے بنا لاتی ہوں آپ کے لیے۔"

وہ اٹھنے لگی تھی۔

"ارے نہیں۔" انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر پھر سے بٹھا دیا۔ "بیٹھو تم۔ میں تو یوں ہی ذرا تمہیں دیکھنے چلی آئی تھی اور ویسے بھی دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا ہے۔ تم نے کچھ پکایا ہے؟"

اس نے بڑی معصومیت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"اچھا چلو، کوئی بات نہیں۔" وہ مسکرائیں۔

"ابھی ہفتہ بھر تو گزرا ہے شادی کو۔ کہاں روٹی ہانڈی کے چکروں میں پڑو گی۔ میں کھانا پکا چکی ہوں۔ نیچے آ کر میرے ساتھ ہی کھا لینا۔"

"جی اچھا!" اس نے جلدی سے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔

"اور رات کو بھی کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔ آج رات کو میری طرف سے دعوت ہے تمہاری اور احسن کی۔" وہ مسکرائیں۔ "اصل میں یہی کہنے آئی تھی میں۔ تم بھی سوچتی ہو گی اتنے دن ہو گئے فرخندہ آپا نے تو اپنے ہاں بلایا ہی نہیں۔ دراصل میں چاہتی تھی کچھ دن تم دونوں آرام سکون سے رہ لو، ڈسٹرب نہ کروں میں تمہیں۔ اس لیے اتنے دنوں میں ایک آدھ بار ہی اوپر آئی ہوں میں۔ حالانکہ توصیف کتنی مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ میں نے تمہیں پوچھا ہی نہیں۔ کہہ رہے تھے، نئی دلہن کیا سوچتی ہو گی۔ میں نے کہا، رہنے دیں آپ۔ ان معاملات کو عورتیں زیادہ بہتر سمجھتی ہیں۔ ہر روز جا کر انہیں ڈسٹرب کروں، اچھا نہیں لگتا۔ ویسے دو دن سے تو تم بھی گئی ہوئی تھی۔ اپنی اماں کی طرف؟"

"جی...... جی......" "بس ذرا اداس ہو گئی ہیں۔"

"خیر، وہ ایک فطری بات ہے۔ دس بیٹیاں ہوں، ماں تو تب بھی ایک کے جانے پر دنوں اداس رہتی ہے۔ تم تو ان کی اکلوتی اولاد ہو۔ بہلتے بہلتے ہی جی بہلے گا ان کا۔ اچھا میں چلوں!" انہیں کچھ دھیان آیا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"شام کے کھانے کا بھی دیکھوں کچھ۔ کوئی خاص ڈش پسند ہو تو بتاؤ مجھے۔ تمہارے لیے بنا کر خوشی ہو گی مجھے۔"

"کچھ بھی بنا لیں۔" وہ تکلف سے مسکرا دی۔

"مجھے تو سب ہی کچھ پسند ہے۔"

"ایک بج رہا ہے۔ تم بھی میرے ساتھ ہی چلو۔ کھانا کھا کر آ جانا۔"

"ابھی تو بالکل بھوک نہیں۔ ناشتہ ہی اتنی دیر سے کیا تھا پھر ذرا صفائی وغیرہ بھی کرنی ہے۔" اس نے معذرت کی۔

"اچھا چلو تمہاری مرضی ہے۔ جس وقت بھوک لگے بلا تکلف چلی آنا یا ادھر کی کھڑکی کھول کر آواز لگا دینا، میں خود دے جاؤں گی۔ آج کڑھی چاول پکائے ہیں میں نے۔ کڑھی پسند ہے تمہیں؟"

"جی۔" اس نے نیم دلی سے سر ہلایا۔

ان کے جانے کے بعد وہ پھر اندر چلی آئی۔ دیوار پر لگی گھڑی ڈیڑھ بجا رہی تھی۔ اس نے ایک نگاہ بکھرے ہوئے گھر پر ڈالی۔ اسے یاد آیا۔ شادی سے پہلے جب وہ اماں کے ساتھ یہاں آئی تھی ہر شے بڑی نک سک سے درست تھی۔ کہیں ایک فالتو تنکا بھی نظر نہ آیا تھا۔

"ظاہر ہے۔ بے ترتیبی بھی وہیں ہوتی ہے جہاں ایک سے دو بندے ہوں۔" اس نے خود کو تسلی دی تھی۔ "گھر میں کوئی رہتا ہی نہ ہو تو بکھراوا کرے گا کون؟"



شام کو وہ دونوں قدرے دیر سے سو کر اٹھے تھے۔ زینب اٹھ کر باہر آئی تو مغرب کی اذانیں ہو رہی تھیں۔ وہ اندر چلی آئی۔

"احسن!" لائٹ آن کرتے ہوئے وہ بولی۔ "اٹھ بھی جائیں، سوا سات بج رہے ہیں فرخندہ آپا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

احسن نے کروٹ بدل کر آنکھیں کھول دیں۔

"جھوٹی! یہ بولو کہ بھوک بہت لگی ہے ورنہ تمہیں فرخندہ آپا کا اس قدر خیال کب سے ہونے لگا۔"

زینب کو ہنسی آ گئی اور یہ سچ ہی تھا۔ وہ پورا دن تقریباً بھوکی ہی رہی تھی۔ صفائی وغیرہ سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ احسن آ گیا تھا پھر دونوں ہی

نے نیچے جا کر کھانا کھانے کا خیال ملتوی کر دیا تھا۔

''مجھے تو ایسی کوئی خاص بھوک نہیں۔'' احسن نے کہا تھا۔ ''آفس میں بسکٹ وغیرہ کھا لیے تھے تم اگر جانا چاہو تو.....''

''نہیں۔'' اس نے بھی فوراً ہی انکار کر دیا تھا۔

احسن کے پاس سے اٹھ کر اس کا کہیں بھی جانے کو دل نہ چاہتا تھا اور پھر محض کھانے کے خیال سے نیچے جانا اسے بُرا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کی فرخندہ آپا سے کون سی ایسی برسوں کی شناسائی تھی۔ شام کو دعوت میں تو جانا ہی تھا۔

''شام تک بھوکی رہوگی؟'' احسن نے پوچھا تھا۔

''ناشتہ کیا تھا میں نے۔''

''مزہ آیا؟''

اس کے معصومیت سے پوچھنے پر وہ خفت سے ہنس دی۔

''سوری احسن۔ نمک کچھ زیادہ ہو گیا تھا؟'' وہ شرمندگی سے بولی تھی۔

''تم خود اتنی میٹھی ہو کہ ہر طرح کے نمک کا اثر از خود زائل ہو جاتا ہے۔'' وہ لگاوٹ سے بولا تھا۔

''اچھا جناب۔ مسکہ نہیں۔'' وہ اٹھ کر اسے چڑانے کو باہر بھاگ گئی تھی۔

احسن کو چائے بنا کر دینے کے بعد وہ تیار ہونے لگی۔ اس نے وہی پرپل شیشوں کے کام والا سوٹ منتخب کیا تھا جو وہ شادی سے قبل پہننے کے لیے بے تاب رہا کرتی تھی۔ ہاتھ، پیروں پر بڑی محنت سے نیل پالش لگا کر انہیں سنوارا۔ لمبے سیاہ بالوں کو دیر تک برش کیا پھر لباس تبدیل کر کے چہرے پر بڑی نفاست سے میک اپ کیا۔

احسن نہا کر نکلا تو وہ تیار ہو چکی تھی۔

''واؤ۔'' وہ بہت دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ ''کون ہو تم؟''

بہت دیر بعد وہ بولا تھا۔

''کیا مطلب؟'' وہ ٹھٹکی۔ ''پہچان نہیں پا رہے کیا؟''

''او، تم واقعی زینب ہو؟ ٹھہرو میں ذرا چھو کر دیکھوں مجھے تو تم ایک سراب نظر آتی ہو۔ اے حسین پری۔''

وہ اس کے قریب آنے لگا۔ زینب نے ہنستے ہوئے اسے پرے دھکیل دیا۔

دونوں نیچے آئے تو فرخندہ آپا برتن ٹیبل پر لگا چکی تھیں۔ کچن سے چاولوں کی بڑی عمدہ خوشبو اٹھ رہی تھی۔

''چلو، میں بس آواز دینے ہی والی تھی۔'' انہیں دیکھ کر وہ خوشگواری سے بولی تھی۔

''السلام علیکم۔'' احسن نے بڑی محبت سے انہیں قریب جا کر سلام کیا۔

''وعلیکم السلام۔'' انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔

''میرا ہیرو بھائی تو شادی کرتے ہی بھول گیا بہن کو۔ ہفتہ ہو گیا ہے شکل دکھائے ہوئے۔'' احسن شرمندہ ہو گیا۔ یہ حقیقت تھی کہ وہ شادی کے بعد ان سے ملنے نیچے نہیں آیا تھا۔ ورنہ تقریباً روز ہی سلام دعا کرنے آیا کرتا تھا۔

''چلو۔ یہ دن ہی ایسے ہوتے ہیں۔ خدا تمہاری خوشیاں سلامت رکھے۔'' انہوں نے اس کا شانہ تھپکا۔

زینب کو وہ عجیب۔ میسنی سی خاتون معلوم ہوئیں۔ بات جتا بھی دیتی تھیں پھر لیپا پوتی بھی کرتی جاتی تھیں۔ دوپہر کو بھی ان کا رویہ کچھ ایسا ہی تھا پھر احسن ان کے آگے کچھ زیادہ ہی مودب بن رہا تھا۔ ایک ناگواری کی لہر اس نے اپنے پورے وجود میں دوڑتی ہوئی محسوس کی۔

توصیف بھائی اسے قدرے بہتر لگے۔ وہ ایک سنجیدہ، بردبار، لیے دیے رہنے والے شخص تھے۔

"تم لوگ بیٹھو۔ میں کھانا نکالتی ہوں۔ چاول دم پر رکھے ہیں۔ گرم گرم کھانے کا مزہ ہی اور ہے۔"

"زینو! آپا کے ساتھ ہیلپ کراؤ"

احسن نے اسے صوفے پر براجمان ہوتے دیکھ کر آہستگی سے کہا تھا۔ بادل نخواستہ اٹھ کر وہ کچن میں چلی آئی۔

"لائیں آپا! کچھ میرے کرنے کے لائق ہو تو۔"

"ارے نہیں بیٹا! تم بیٹھو اندر چل کر۔ سب ہی کچھ تیار ہے۔ اب تو صرف نکال کر ٹیبل پر ہی رکھنا ہے۔"

زینب کو ایک مرتبہ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اسے جتا رہی ہوں۔ وہ اوپری تھی۔ چاہتی تو پیچھے آ کر ان کا ہاتھ بٹا سکتی تھی۔

"لائیے نا۔ میں رکھتی ہوں۔" اس نے مجبوراً شائستگی کا مظاہرہ کیا تھا۔

کھانا واقعی بے حد لذیذ بنا ہوا تھا۔ زینب کو اماں کے ہاتھ کا ذائقہ یاد آ گیا۔ خوش رنگ سالن کھلے کھلے بھاپ نکلتے چاول، نہایت نفاست سے سجی ہوئی سلاد، خوش ذائقہ میٹھا۔ زینب ان کے ہاتھ کے سواد اور سلیقے کی معترف ہو گئی تھی۔

"زینب! بیٹا اور لو نا۔ یہ کھیر لو۔"

"کھیر پکانے میں آپا لاثانی ہیں۔" احسن بولا تھا۔

"ان جیسی کھیر کوئی دوسری عورت نہیں بنا سکتی۔ کیوں توصیف بھائی؟"

"بھئی یہ تم بھائی بہن کا معاملہ ہے۔ مجھے بیچ میں نہ ڈالو" وہ سنجیدگی سے بولے۔

سب لوگ ہی ہنس پڑے تھے۔

"زینو! فرخندہ آپا کو ہر طرح کا کھانا بنانا آتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی اسی خوبی نے مجھے ان سے اتنا قریب کیا ہے۔ تم بھی روز ان سے ایک کلاس لیا کرو۔"

زینب کو الجھن ہونے لگی۔ احسن کی تعریفوں نے اسے زچ کر دیا تھا۔ آخر اس قدر مدح سرائی کا بھی کیا جواز تھا؟

کھانے کے بعد چائے کا سلسلہ چلا پھر فرخندہ آپا نے اسے ایک خوبصورت سوٹ اور ہزار روپے دیے۔

"یہ لو، بہو ہو تم میری بیٹی اور بھابھی بھی۔ بڑے چاؤ سے تمہارے لیے خریدا تھا۔ یہ سوٹ میں نے۔"

سوٹ واقعی دیدہ زیب تھا۔ زینب خوش ہو گئی۔

"زینو تم چلو، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔"

احسن نے اسے اوپر بھیج دیا تھا۔

وہ بھی جانتی تھی کہ احسن نے فرخندہ آپا سے رقم کی بات کرنی تھی۔ اس لیے سعادت مندی سے سر ہلا کر وہ اوپر چلی آئی۔ لباس وہ فی الحال تبدیل کرنا نہ چاہتی تھی۔ اتنی محنت سے وہ تیار ہوئی تھی۔ تعریفوں کی صورت میں کچھ قیمت بھی وصول کرنی تھی۔

کیسٹ پلیئر آن کر کے وہ ہنی مون کے بارے میں سوچنے لگی۔ کتنا خوش کن تصور تھا۔ احسن کی ہمراہی اور ایک خوش گوار سفر۔ جس کی یادیں تصویروں کی صورت میں ساری عمر کے لیے اس کے پاس محفوظ رہتیں۔

"ویسے سچ پوچھو تو ملک سے باہر ہنی مون منانے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ ماحول جتنا زیادہ اجنبی ہوتا ہے، اتنا ہی دو افراد ایک دوسرے سے قریب ہوتے جاتے ہیں۔"

اس کے ذہن میں فارحہ کے تحریر کردہ الفاظ آئے تو وہ مسکرا دی۔

"ہم دونوں ایک دوسرے کے اتنے قریب آ چکے ہیں فارحہ کہ اب درمیان میں کوئی خلا نہیں ہے۔ اب یہ ساتھ امر رہے گا۔ ہماری محبتوں کیلیے ہر جگہ یکساں ہے۔"

احسن بڑی آہستگی سے آکر اس کے پاس بیٹھا تو وہ چونک اٹھی۔

''آگئے آپ!'' وہ بھرپور انداز میں مسکرائی تھی۔ ''پتا ہے میں کہاں پہنچی ہوئی تھی؟''

''کہاں؟'' اس نے زینب کی آنکھوں میں جھانکا۔

''فارحہ کے پاس۔!'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''خیالوں ہی خیالوں میں اس سے باتیں کر رہی تھی۔ پتا ہے احسن! فارحہ کا کیا خیال ہے؟''

''کیا!'' وہ خاموش خاموش سا تھا۔

''یہ کہ انسان کو اپنا ہنی مون ملک سے باہر منانا چاہیے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنسی۔ ''محترمہ فارحہ جب سے مسز فارحہ فیصل بنی ہیں ان کے خیالات میں حیرت انگیز تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ویسے ٹھیک ہی تو ہے وقت اور ماحول انسان کو کچھ سے کچھ بنا دیتے ہیں۔ ہم تو اپنے ملک کو پورا دیکھ لیں، ہمارے لیے یہی بہت ہے۔''

دفعتاً اس نے احسن کے رویے کو محسوس کیا تھا۔ وہ ایکدم سنجیدہ ہو گئی۔

''کیا بات ہے۔ آپ اتنے چپ چپ کیوں ہیں؟''

''زینو! وہ۔ آپا کہہ رہی ہیں فی الحال ان کے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔'' اس نے ٹھہر ٹھہر کر کہا تھا۔

وہ کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہو گئی۔

''لیکن۔'' پھر وہ بولی تھی۔ ''آپ تو کہہ رہے تھے کچھ روز قبل انہوں نے خود یہ پیشکش کی تھی۔''

''ہاں، دراصل آپا بہت صاف گو خاتون ہیں۔ دل میں بات نہیں رکھتیں۔ وہ بولیں، احسن! اگر تمہیں کسی شدید ضرورت کے تحت رقم چاہیے ہوتی تو میں ضرور تمہیں یہ پیسے دے دیتی لیکن بیٹا! فضول خرچیوں کی میرے نزدیک کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر ابھی تم لوگوں کا ہاتھ تنگ ہے تو کیا ضرورت ہے ہنی مون جیسی بے کار اور فرسودہ رسموں کو پورا کرنے کی۔ گھومنا پھرنا تو ساری عمر کا شغل ہے۔ آج نہ سہی، چند سال بعد سہی۔ مری، سوات کہیں بھاگے تو نہیں جا رہے جن کو دیکھنے کے لیے آدمی کسی کا قرض دار ہو جائے۔''

اس نے رک کر زینب کے رنگ بدلتے چہرے کو دیکھا تھا۔

''تو پھر!'' اس نے بڑی بے بسی سے پوچھا تھا۔

''پھر، پھر زینب...... کیا خیال ہے۔ ہم کچھ دن بعد چلے چلیں گے۔'' اس نے جیسے ڈرتے ڈرتے پوچھا تھا۔

زینب سر جھٹک کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔

''دیکھو نا جانو! سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ ''آپا کے انکار کے بعد اب میں دوبارہ ان سے پیسے مانگنے کی جرات نہیں کر سکتا۔ مزید ایسا کوئی شخص میری نظر میں ہے نہیں جو مجھے اتنی رقم ادھار دے دے۔''

''تو میں نے کب کہا۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔

''ایسا تو کچھ نہیں کہا میں نے۔''

''تو یہ موڈ کیوں آف کر لیا ہے۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''نہیں تو۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

آنکھوں میں نجانے کیوں اتنا پانی جمع ہونے کے لیے بے قرار تھا۔ وہ پلکیں جھپک جھپک کر خود کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگی۔

''بے وقوف لڑکی!'' احسن ہنس دیا۔ ''اتنا دل پر لینے کی کیا بات ہے یار! دیکھو، ادھر دیکھو میری طرف۔'' اس نے اس کا چہرہ ذرا سا اوپر کیا۔ زینب نے بمشکل نظریں اٹھائی تھیں۔

''دیکھو زینو! میں وعدہ کرتا ہوں تم سے۔ چند ماہ صبر کرلو پھر جہاں کہو گی وہاں لے کر چلوں گا تمہیں۔''

''چند ماہ بعد ایسی کون سی تبدیلی آجائے گی۔'' اس نے قدرے خفگی سے کہا تھا۔

''وہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔ بس کہا ہے نا، چلیں گے اور ضرور چلیں گے۔ اب مسکرا دو، پلیز۔''

اس کا دل بالکل بجھ کر رہ گیا تھا۔ ایک ہی دن میں کتنے خواب بن لیے تھے اس نے۔ کیا کیا سوچ لیا تھا۔ یہاں تو وہ بات ہی نہ رہی تھی۔

وہ اداسی سے، ہولے سے مسکرا دی۔

''ایسے نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''یہ زبردستی والی مسکراہٹ نہیں چاہیے۔ وہی شگفتہ شگفتہ، دلفریب ہنسی جس نے پہلی مرتبہ ہی اپنا اسیر بنالیا تھا۔ وہی ہنسی چاہیے۔''

''پہلی مرتبہ۔'' وہ مصنوعی خفگی سے بولی تھی۔

''مجھے کیا خبر کب کی بات کر رہے ہیں۔''

''پہلی مرتبہ......'' ''تمہیں یاد نہیں۔'' وہ اشتیاق سے بولا۔ ''مجھے تو ایک ایک لمحہ، ہر ملاقات کا ایک ایک نشان یاد ہے۔ زینو! یاد ہے وہ ملاقات جو باسط بھائی کی دکان پر ہوئی تھی؟''

زینب کو سب کچھ اچھی طرح سے یاد تھا۔ کون سی ایسی بہت پرانی بات تھی، لیکن کچھ سننے کے اشتیاق میں اس نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''باسط بھائی کی دکان پر؟''

''ہاں۔'' اس کی آنکھوں میں عجب خوبصورت جگنو چمکنے لگے تھے۔ ''اس روز میں ایک ضروری کام سے وہاں گیا تھا۔ ایک ضروری کال کرنی تھی مجھے۔ باہر سے تمہاری دوست فارحہ کی آواز آئی۔ وہ باسط بھائی کو پکار رہی تھی پھر ایک مدھر ہنسی کی جھنکار سنائی دی۔ جیسے، جیسے کسی پہاڑی مقام پر بنے مندر میں نقرئی گھنٹیاں بج اٹھی ہوں۔ کبھی سنی ہے یہ آواز زینو؟''

''اوں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''سنو گی؟'' وہ شرارتی ہوا۔ ''گدگدی کروں؟''

''خبردار۔'' وہ اٹھ کر بھاگی تھی۔

احسن نے ہنستے ہوئے اس کی کلائی تھام لی۔ اس کی بھی بے ساختہ ہنسی چھوٹ گئی۔

''دیکھیں احسن پلیز، آپ کو اللہ کی قسم ہے۔''

وہ ہنس ہنس کر اسے دونوں ہاتھوں سے روک رہی تھی۔

''بس، یہی آواز سننا چاہ رہا تھا میں۔'' احسن نے اسے تھام لیا۔ ''یہی ہے وہ دلفریب، مدھر جھنکار۔ سنی زینب تم نے۔''

زینب خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔ ہنس ہنس کر اس کی پلکیں گیلی ہو گئی تھیں۔

''اس ہنسی کی تازگی برقرار رکھنے کیلئے میں کچھ بھی کرسکتا ہوں زینو!'' وہ دھیمے سے بولا۔ ''میں نے وعدہ کیا ہے نا تمہاری ہر خوشی کو پورا کرنے کا، ہر خواہش مکمل کرنے کا، تم اداس مت ہوا کرو زینو! تکلیف ہوتی ہے مجھے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں اپنا وعدہ مکمل کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔''



شکوہ تو اس کے دل کی تہوں میں کہیں پڑا رہ ہی گیا تھا، تاہم احسن نے اگلے چند دنوں میں ہر ممکن طور پر اس کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ وہ اسے ہر شام اماں سے ملوانے لے جاتا۔ وہاں سے واپسی پر کسی تفریحی مقام پر چند گھنٹے گزار کر وہ اسے کسی اچھی سی جگہ پر رات کا کھانا کھلاتا۔ گجرے دلواتا اور بائیک پوری اسپیڈ سے سیاہ سڑکوں پر دوڑاتے ہوئے گھر لے آتا۔

زینب کا دل بہل گیا تھا۔ البتہ فرخندہ آپا کے لیے اس کے دل میں بے حد کدورت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ اب تقریباً روز ہی اس کی خیریت دریافت کرنے آتی تھیں۔ زینب اس سے کھنچی کھنچی رہتی۔ اسے ایسا لگتا تھا جیسے انہوں نے احسن کو محض اس کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ اس کا خیال تھا وہ اس سے دل ہی دل میں ایسے خائف ہیں جیسے ایک ساس اپنی بہو سے ہوتی ہے۔

بہر حال۔ وہ اپنی نئی زندگی سے بے حد مطمئن اور بہت خوش تھی۔ احسن کا پیار ایک سمندر کی مانند اسے اپنی موجوں میں بہا کر لے گیا تھا۔ تفاخر اور اپنے ہونے کا بھرپور احساس ہمہ وقت دھنک رنگوں کی طرح اس پر بکھرا رہتا تھا۔

اس روز چھٹی تھی۔ دوپہر کی بھرپور نیند کے بعد وہ دونوں باہر صحن میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ تب ہی زینب کی نگاہ سامنے والے گھر کی چھت پر گئی۔

وہی سانولی، پرکشش لڑکی ریلنگ کے پاس کھڑی تھی۔ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اس کی نگاہوں میں ایک عجب سوچ کا عالم تھا۔

''احسن!'' اس نے احسن کو مخاطب کیا۔ ''یہ آپ کی پشت کی طرف جو گھر ہے۔ کن لوگوں کا ہے؟''

''کیوں؟'' وہ چائے کا گھونٹ بھرتے بھرتے رہ گیا۔

''ایک لڑکی کھڑی ہے وہاں چھت پر، خوبصورت سی۔ پہلے بھی ایک آدھ دفعہ میں نے اسے یہاں کھڑے دیکھا ہے۔ اس کا انداز عجیب سا ہوتا ہے۔''

احسن آہستگی سے مسکرا دیا۔

''ابھی کھڑی ہے؟''

''اچھا!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''چلو ہم بھی اندر چلتے ہیں۔''

وہ دونوں اٹھ کر اندر چلے آئے۔

زینب کچن میں آ کر چائے کے برتن دھونے لگی۔ ایک پھانس سی اس کی سوچ میں اٹک گئی تھی۔ احسن نے جس طرح اس لڑکی کے متعلق استفسار کیا اور پھر بات کو بدل دیا تھا۔ اس سے زینب کو عجیب طرح کے احساس نے آگھیرا تھا۔

''کیا وہ اس لڑکی کو جانتا تھا؟ اس کی موجودگی کا سن کر وہ اندر کیوں چلا آیا تھا؟ اس نے زینب کے استفسار پر لاعلمی کا اظہار کیوں نہ کیا تھا؟ وہ عجب انداز میں مسکرایا کیوں تھا؟

بہت سے سوالات اس کے اندر ہلچل مچانے لگے۔ احسن باہر کسی گانے کی دھن پر سیٹی بجانے کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر ٹہل رہا تھا۔

زینب نے اس سے پھر کوئی سوال نہ کیا لیکن اس کے اندر بہت سے سوالات تھے۔



بہت دن بعد وہ اماں کے ہاں رہنے آئی تھی۔

''اماں کو بھول گئی میری بیٹی۔ ایسی خوشیوں میں گھری ہے۔ دیکھا میں نہ کہتی تھی۔!'' اماں پھر بھی بہت خوش تھیں۔

زینب اتنی خوش ہے اپنے گھر میں کہ اس کا کہیں جانے کو جی نہیں کرتا۔ اپنے میکے بھی نہیں۔ اس تصور نے انہیں بے حد طمانیت بخشی تھی۔

پورا دن اماں کے ساتھ گزار کر وہ رات کو آمنہ کی طرف چلی آئی۔ آمنہ البتہ اس سے بے حد خفا تھی۔

''تم نے تو حد ہی کر دی ہے زینب! ایسا لگتا ہے پیاہ کر نجانے کہاں گئی ہو۔ کوسوں دور کسی جگہ اور اماں سے تو پھر بھی آ کر مل جاتی ہو۔ میں یہاں پڑوس میں ہوں مجھ سے ملنا گوارا نہیں کرتیں؟''

''ان سارے شکووں، شکایتوں کا ایک جواب ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی تھی۔ ''تمہاری اپنی شادی۔ جب گزرو گی اس تجربے سے تو بہت سے دور کھل جائیں گے آگہی کے۔''

''چل شکر الحمدللہ! تم پر بھی کم از کم آگہی کے کچھ در تو کھلے۔''

''کچھ نہیں بہت سارے۔!'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''سچ آمنہ!''

پھر وہ سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ سچی خوشیاں کیا ہوتی ہیں۔ ذرا ذرا سی، چھوٹی چھوٹی باتوں سے مسرتیں کیسے کشید کی جاتی ہیں۔ احسن نے سب کچھ سکھا دیا ہے مجھے۔ میں گھر کے کاموں سے نابلد تھی۔ تصور سے ہی جی گھبراتا تھا۔ صبح سویرے اٹھنا، ناشتہ تیار کرنا، شوہر کے کپڑے تیار کرنا پھر سارا دن پورے گھر کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں الجھے رہنا۔ قسم سے رونا آتا تھا۔ سوچتی تھی اگر اسی کا نام شادی ہے تو ایسی شادی کو دس کوس دور سے ہی سلام! اگر ذمہ داریوں کے اسی عظیم الشان بوجھ کو شادی کہتے ہیں تو اس سے بہتر کوئی چھوٹی موٹی جاب کر لینا ہے۔ جہاں مصروفیت بھی ہو اور جی بھی بہلا رہے۔''

وہ ہنس دی۔

''لیکن آمنہ! قسم خدا کی۔ اس مصروفیت کا، ان ذمہ داریوں کا اپنا ہی مزہ ہے۔ سارا دن خوب صورت سوچوں میں گھرے، مسکراتے، گنگناتے گزر جاتا ہے۔ نہ اپنی خبر ہوتی ہے، نہ کاموں کا پتا چلتا ہے پھر اپنے شوہر کے چھوٹے چھوٹے کاموں کا جو لطف ہے اس کا تو میں نے کبھی تصور ہی نہ کیا تھا۔ احسن کے کپڑے دھونے میں جو خوشی مجھے ملتی ہے، وہ حیران کن ہے۔ احسن کے لیے کھانا تیار کر کے ان کا انتظار کرنے کا اپنا ہی ایک مزہ ہے۔ ان کے کہنے سے پہلے ہی چائے کا کپ انہیں پکڑا دینا...... اف آمنہ! زندگی اتنی خوبصورت ہو گئی ہے۔ میرے تصورات سے کہیں بڑھ کر۔''

آمنہ مسکراتے ہوئے اس کا چمکتا چہرہ دیکھتی رہی۔

''آمنہ...... ! آمنہ...... ! تم بھی جلدی سے شادی کر لو۔'' وہ بے حد جذباتی ہو رہی تھی۔

آمنہ ہنس دی۔

''کس سے کر لوں؟ شادی کرنے کے لیے ایک عدد بندے کا ہونا اشد ضروری ہے میری جان۔!''

''ہوں۔'' وہ کچھ سوچنے لگی۔ ''یہ مسئلہ تو ہے۔''

''تمہیں تو خدا نے اتنا خوش قسمت بنایا ہے زینب! کہ رشک آتا ہے تم پر۔ دعا کرتی ہوں کہ تمہاری یہ خوشیاں سلامت رہیں۔ امر ہو جائیں۔ تم ہمیشہ ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہو۔''

''خدا ہر کسی کی قسمت میں خوشیاں لکھتا ہے آمنہ۔!'' اس نے آمنہ کا ہاتھ ہولے سے دبایا ''کسی کو جلد ملتی ہیں، کسی کو بدیر۔ کبھی کبھی انتظار بھی کرنا پڑتا ہے۔ تو کیا ہوا۔ خوشیوں کے انتظار کی کسک بھی اچھی لگتی ہے۔ ہے نا؟''

آمنہ بھرپور انداز میں مسکرا دی۔

''شادی ہو جانے سے کیا عقل بھی آ جاتی ہے زینب؟'' وہ شرارتاً بولی تھی۔ ''تو اتنی عقل مند کب سے ہو گئی؟''

"ارے کیا کیا اعجاز ہیں اس رشتے کے۔ سب کھلے گا تم پر بھی۔!"

دونوں کھلکھلا کر ہنس دی تھیں۔



اماں کے ہاں سے واپسی رات کو ہوئی تھی۔ احسن تیزی سے بائیک سیاہ تارکول کی سڑک پر دوڑا رہا تھا۔

"کیا بات ہے جناب!" وہ اس کے کان کے قریب منہ لا کر چیخی۔ "ساتھ جیتے جیتے اکتا گئے؟ ساتھ مرنا چاہ رہے ہیں؟" اس نے شرارتاً رفتار مزید بڑھا دی تھی۔

"کوئی خطا ہوئی ہے مجھ سے؟" اس نے گھبرا کر اس کا کاندھا مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"خطا نہیں خطائیں۔" وہ چیخا۔ "ایک تو اتنے دن بعد گھر جا رہی ہو اس پر دور دور ہو کر بیٹھی ہو۔"

"اس جرم کی سزا، سزائے موت ہے کیا؟" وہ ہنس دی۔

"اس جرم کی سزا بہت سی سزائیں ہیں، تم گھر تو چلو۔" وہ اس سے زیادہ شوخ ہو رہا تھا۔

"پلیز احسن! آہستہ چلائیں نا۔" وہ سنجیدہ ہوئی تھی۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

"زینو! اصل میں مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ تمہیں گھر چھوڑ کر کچھ دیر کو آصف کی طرف جاؤں گا۔ اس لیے چاہتا ہوں ذرا جلدی پہنچ جائیں۔"

اس نے اپنی تیز رفتاری کی وضاحت کر دی۔ زینب خاموش ہو کر گزرتے مناظر دیکھنے لگی گھر کے سامنے بائیک روک کر وہ اس کے اترنے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے احتیاط سے اتر کر کیریئر پر لگا بیگ اتارا تھا۔

"کب تک آئیں گے؟"

"گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ لگے گا۔"

"ہائیں۔" وہ گھبرا گئی۔ "میں کیا کروں تب تک؟"

"فرخندہ آپا تمہیں بہت یاد کر رہی تھیں۔ تم ان کے پاس بیٹھو۔ میں تو ساڑھے نو بجے تک آتا ہوں۔"

وہ بدمزہ ہو گئی۔ بھلا وہ فرخندہ آپا کے پاس بیٹھ کر کیا کیا کرتی۔ ان دونوں کے مابین محض عمروں کا ہی نہیں خیالات کا بھی بہت فرق تھا۔ وہ ان کی کمپنی میں خود کو بہت بے آرام محسوس کرتی تھی، اس سے تو بہتر تھا وہ اکیلی بیٹھ کر احسن کا انتظار کر لیتی۔ لیکن اس کے کچھ بولنے سے پیشتر ہی وہ بائیک اڑا کر لے گیا تھا۔ گھر کی چابی بھی ساتھ لے گیا۔

وہ فرخندہ آپا کے پورشن میں چلی آئی۔

"السلام علیکم آپا۔!"

فرخندہ آپا ٹی وی لگائے بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"ارے، میری زینب آئی ہے بھئی میکے سے۔ آؤ، ادھر آؤ۔ میں پیار کروں تمہیں۔!"

ان کے والہانہ استقبال سے اس کا دل قدرے صاف ہوا۔ وہ ان کے گلے لگ گئی۔

"کیا کر رہی ہیں اکیلے اکیلے۔" وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"ہم نے کیا کرنا ہے بیٹا!" وہ قدرے اداسی سے مسکرائیں۔ "بیٹھے ہیں فارغ۔ صوفیہ چائے بنا رہی ہے۔ بتاؤ! مہمان، میزبان کو بیٹھا

کر خود کچن میں گھس جائے چائے بنانے، اچھا لگتا ہے؟ لیکن یہ لڑکی سنتی کب ہے۔"

"صوفیہ؟"

"ہاں، سامنے رہتی ہے۔ بیگ صاحب کی بیٹی لیکن تم کہاں واقف ہو گی ابھی۔ احسن تو خیر بخوبی واقف ہے ان لوگوں سے۔ ٹھہرو! ملواتی ہوں۔ صوفیہ، صوفیہ بیٹی!"

کچن میں سے جو لڑکی برآمد ہوئی تھی، زینب کے لیے اس کا چہرہ اجنبی نہ تھا۔ یہ وہی چھت والی لڑکی تھی جسے وہ کئی مرتبہ دیکھ چکی تھی۔

"السلام علیکم۔" وہ قریب آکر دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

"وعلیکم السلام۔" زینب نے کھڑے ہو کر اس سے ہاتھ ملایا۔

ساتھ ساتھ اس کا بھرپور جائزہ بھی لیا۔ بڑی جاندار شخصیت کی مالک تھی وہ۔ رنگت سانولی لیکن حد درجہ پرکشش تھی۔ سیاہ بھوزا آنکھیں، جن پر گھنی پلکوں کی باڑ تھی۔ کمر سے نیچے آتی بل کھاتی، ناگن سی چوٹی، متناسب جسم، سنجیدگی اور متانت کی ایک گہری چھاپ اس کی شخصیت کا خاصہ تھی۔

"لو بھی صوفیہ آج مل لو تم بھی۔" فرخندہ آپا کہہ رہی تھیں۔ "بہت شوق تھا نہ تمہیں زینب سے ملنے کا۔"

"مجھ سے ملنے کا؟" زینب مسکرا دی۔ "لیکن یہ کب جانتی ہیں مجھے؟"

"اس نے اپنی چھت سے بارہا دیکھا ہے تمہیں۔ دو تین مرتبہ ملنے بھی آئی لیکن تم اپنے میکے گئی ہوئی تھیں۔ پوچھ رہی تھی، احسن بھائی کی بیگم دور سے جس قدر خوبصورت نظر آتی ہیں کیا قریب سے بھی ویسی ہی ہیں؟"

فرخندہ آپا زور سے ہنس دیں۔

"میں نے کہا، دور سے تو مجھے خبر نہیں کیسی نظر آتی ہے، ہاں قریب سے دیکھا ہے میں نے۔ شوکیس میں سجی گڑیا لگتی ہے۔ سفید موم سے بنی۔!"

زینب کے گال تپ گئے۔ اتنی زیادہ تعریف وہ بھی منہ پر۔ وہ شرما سی گئی۔

"بہت پیاری ہیں آپ، واقعی۔!" صوفیہ کہہ رہی تھی۔

''شکریہ! ویسے یقین جانیں تو میں آپ کے بارے میں یہی سوچ رہی تھی۔''

''بھئی۔ بچیاں تم دونوں ہی پیاری ہو اور مجھے تو کچھ زیادہ ہی اچھی لگتی ہو۔'' فرخندہ آپا کھڑی ہوئی تھیں۔

''تم لوگ بیٹھ کر باتیں کرو۔ چائے میں نکال لاتی ہوں۔''

دونوں وہیں صوفے پر بیٹھ گئیں۔

صوفیہ کوئی بات کرنے کے بجائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھا کر نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ نچلے ہونٹ کا کونا دانتوں سے کاٹتے ہوئے وہ کسی اضطراب کا شکار لگتی تھی۔

زینب بھی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

فرخندہ آپا بھی ٹرے اٹھا کر چلی آئیں۔

''لو بتاؤ! یہاں تو پہلے سے زیادہ خاموشی ہو گئی۔ ارے بھئی کوئی بات وات کرو۔ کچھ پوچھو ایک دوسرے سے، کچھ بتاؤ! تم دونوں سے زیادہ تو میں بول رہی ہوں۔ بچیاں تو بات کرتی، ہنستی مسکراتی اچھی لگتی ہیں۔''

وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرا دی تھیں۔

''دل لگ گیا ہے آپا کا یہاں؟'' صوفیہ نے رسماً پوچھا تھا۔

''ہاں، بالکل۔!'' وہ مسکرا اٹھی تھی۔

''دل تو اس کا ایسا لگا ہے کہ یہ بیچی میرے پاس نہیں آتی۔'' فرخندہ آپا ہنسیں۔ ''دونوں میاں بیوی دنیا بھلا کر بس ایک دوسرے کے ہو بیٹھے ہیں۔ کیوں زینب؟''

زینب شگفتگی سے مسکرا دی۔ صوفیہ خاموشی سے چائے بنانے لگی تھی۔

''السلام علیکم!'' دفعتاً احسن کی آواز پر وہ تینوں چونکی تھیں۔

''آ سکتا ہوں جی؟'' وہ دروازے پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔

''آؤ بھئی! تم کب سے مہمان ہو گئے۔'' فرخندہ آپا نے اسے آواز دی۔

اور زینب نے واضح طور پر چائے بناتی صوفیہ کے وجود میں لرزش محسوس کی تھی۔ اس کے لرزتے ہاتھ اور بوجھل پلکیں اس کے بھید کھول رہی تھیں۔ زینب ایک لڑکی تھی اور بخوبی سمجھ سکتی تھی کہ کسی مرد کی آمد پر اگر کوئی لڑکی مضطرب ہو جائے، پلکیں نہ اٹھا سکے، ہونٹ کچلنے لگے تو ان سب باتوں کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔

''آپا! میں چلتی ہوں۔'' وہ یک بیک اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''بیٹھو صوفیہ، چائے تو پی لو۔''

''پھر سہی۔'' وہ تیزی سے باہر نکل گئی تھی۔

زینب نے احسن کو دیکھا۔ باہر نکلتی صوفیہ کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھوں میں سوچ کے کئی رنگ تھے۔ وہ اس کے وجود سے بے خبر نہ تھا۔



وہ زیادہ دیر وہاں نہ بیٹھ سکی تھی۔ جیسے صوفیہ اپنا تمام اضطراب اس کے اندر انڈیل گئی تھی۔

نیند آنے کا بہانہ کر کے وہ جلد ہی اٹھ آئی۔ ہر چند کہ نیند آنکھوں سے بہت دور جا چکی تھی۔ احسن دوسرے دن کے لیے اپنے کپڑے منتخب

کررہا تھا۔ وہ بستر پر بیٹھ کر بغور اسے دیکھ رہی تھی شرٹ اور پینٹ ہینگر کر کے وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔

''مزاج بخیر جناب عالی؟'' وہ اس کے قریب آ بیٹھا تھا۔ ''کیا سوچا جا رہا ہے؟''

''احسن!''

''جی احسن کی جان۔''

''ایک بات پوچھوں۔ سچ سچ بتائیں گے۔''

''سوفیصد نہیں دوسو فیصد سچ بتاؤں گا۔ پوچھ کر تو دیکھ۔'' وہ زینب کے بال انگلی کے گرد لپیٹنے لگا تھا۔

''یہ جو لڑکی ہے۔ صوفیہ! آپ جانتے ہیں اسے؟''

وہ پوری طرح سے اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''ہاں۔'' پھر وہ بولا۔ ''جانتا ہوں۔''



زینب چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر رہ گئی تھی۔

احسن کے انداز کا دھیما پن اسے ایک خاموش اعتراف کی مانند لگ رہا تھا۔ جیسے وہ اسے کچھ بتانا بھی چاہتا ہو اور شرمندہ بھی ہو۔

اسے لگا، اس کا سانس رک رہا ہے۔ وہ اسے کیا بتانے جا رہا تھا؟ کسی گذشتہ عشق کی داستان، کسی خاموش رومان کا قصہ یا محض ایک چند روزہ دل لگی کی کہانی کچھ بھی ہوتا، اس کا نقصان ہونا تھا۔ اس کا اعتبار، فکر و غرور، اپنی ذات کا مان، چپ چاپ رخصت ہو جاتا۔ وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ پاتی لیکن خود آپ اپنی نظروں میں ضرور بے وقعت ہو کر رہ جاتی۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو ایک دیوی کا درجہ دے چکی تھی، محض ایک خوب صورت سی مورتی بن کر رہ جاتی۔

چند ہی دنوں میں بہت مان ہو چلا تھا اپنی ذات کا، اسے احسن کی بے تابیاں، بے قراریاں اسے ایک عجب غرور کے جذبے میں مبتلا کر چکی تھیں۔ بھلا کتنی عورتیں ہوتی ہیں ایسی جنہیں اس قدر بے لوث محبت نصیب ہوتی ہے۔ جنہیں اتنے ارمانوں سے چاہا جاتا تھا، جنہیں اتنی منتوں مرادوں کے بعد حاصل کیا جاتا ہے۔ وہ یقیناً خاص تھی۔ اس میں ایسی ہی کوئی بات تھی کہ اس طرح چاہے جانا اس کا حق بن گیا تھا۔

احسن ایاز کی طرح وہ خود بھی اپنے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اب اگر اسے پتا چلتا کہ چاہتے رہنا احسن کی عادت ہے تو اسے شدید قسم کا صدمہ ہوتا۔ صوفیہ اور وہ برابر برابر کھڑی ہوتیں۔ کتنا تکلیف دہ احساس تھا یہ اس کے لیے۔ احسن کو شاید اس کے اندر ہونے والی توڑ پھوڑ کا احساس ہی نہ تھا۔ وہ سیدھا لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ شاید وہ لفظ منتخب کر رہا تھا۔ جو وہ زینب سے کہنا چاہتا تھا۔ جب تک اس کے لفظ ترتیب پاتے، زینب کی آدھی جان نکل چکی تھی۔ ''زینی۔'' بالآخر وہ بولا تھا۔ ''مجھے کسی کی ذات پر پڑے پردے ہٹانے کا، یونہی بے وجہ کسی کو بے نقاب کرنے کا قطعی کوئی شوق نہیں، ورنہ یہ بات جو آج تمہیں بتا رہا ہوں، پہلے دن ہی بتا دیتا۔ یہ بھی صرف اس لیے کہ کہیں تم میری جانب سے بدگمان نہ ہو جاؤ۔ تمہارے دل میں میل نہ آ جائے۔ صرف اس لیے تمہیں پوری بات، پوری سچائی سے بتا رہا ہوں۔''

اس نے زینب کی جانب کروٹ لی۔ زینب پوری آنکھیں وا کیے، ایک ایک لفظ بغور سن رہی تھی۔

''صوفیہ کو میں گذشتہ سات سالوں سے جانتا ہوں۔ پہلے میرا ان کے ہاں بہت آنا جانا تھا۔ اصل میں جن دنوں میں یہاں فرخندہ آپا کے پاس شفٹ ہوا، میرے حالات کچھ زیادہ اچھے نہ تھے۔ مجھے ان دنوں اکثر و بیشتر پیسوں کی اشد ضرورت رہتی تھی۔ صوفیہ میٹرک کا اگزام دے رہی تھی۔ فرخندہ آپا نے میرے پاس اس کی ٹیوشن رکھوا دی۔ یوں بیگ صاحب کے پاس میرا آنا جانا ہو گیا۔!!''

زینب کے اندر سفید برف گرنے لگی۔ اتنا ہی سن کر اسے پورا یقین ہو چلا تھا کہ احسن اور صوفیہ کے درمیان کوئی ایسی راہ ضرور ہموار ہوئی تھی جو آج بھی صوفیہ کی یادوں میں روشن تھی اس کے اندر کوئی شے آہستہ آہستہ پگھلنے لگی۔ احسن چند لمحوں کے لیے خاموش رہ کر پھر بولا تھا۔

''صوفیہ کے نمبر میٹرک میں بہت اچھے آئے تھے میں نے محنت بھی بہت کی تھی اس پر آدھی آدھی رات تک جاگ کر میں اسے اگلے پیپر کی تیاری کراتا رہتا تھا۔ پڑھنے میں اچھی تھی، محنت بھی خوب ہوئی تو اچھے نمبر لے آئی۔ بس پھر بیگ صاحب نے مجھے مستقل طور پر اسے پڑھانے کے لیے کہا اور میں نے بھی انکار نہ کیا۔ تین سال تک میں نے اسے پڑھایا۔ اسے میڈیکل میں جانے کا شوق تھا۔ اس کے والد کی بھی یہی خواہش تھی۔ میں اپنے طور پر یہی کوشش کرتا رہا کہ اسے اس قابل بنادوں کہ وہ عمدگی کے ساتھ پیپرز دے اور اتنے نمبر حاصل کر سکے۔ اس دوران مجھے علم ہی نہ ہو سکا کہ کب صوفیہ کے دل میں چپکے سے کچھ نرم و نازک جذبے پرورش پا گئے۔ اس نے پڑھائی سے زیادہ دھیان مجھ پر دینا شروع کر دیا۔ اپنے روشن مستقبل کے بجائے وہ اپنی تنہائیوں میں مجھے سوچنے لگی۔ بخدا زینب مجھے علم نہ ہوا۔ میری لگن اور میرے خلوص میں اس طرح کے کسی جذبے کا کوئی حصہ نہ تھا۔ میں نے ہمیشہ اپنے اور اس کے درمیان استاد اور شاگرد کا رشتہ سمجھا اور قائم رکھا۔ میرے رویے کا ہی کمال تھا کہ اس کے گھر والے مجھ پر اس حد تک اعتبار کرتے کہ میں اسے رات گئے تک پڑھاتا رہتا اور کوئی شخص آکر ہمیں ڈسٹرب نہ کرتا۔ ایک دن اسے پڑھاتے ہوئے اس کی کتاب میں رکھا ہوا خط میرے ہاتھ لگ گیا جو اس نے میرے تصور کو مخاطب کر کے لکھا تھا۔ جس دن مجھے اس لڑکی کے جذبوں کا علم ہوا، اس سے اگلے روز سے میں نے اسے پڑھانے سے معذرت کر لی۔ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کرتا ناہی..... لیکن بچپن سے ملی محرومیوں نے اور ستم کش حالات نے مجھے وقت سے پہلے ہی بہت کچھ سکھا دیا تھا۔ مجھے احساس تھا کہ مجھ پر بے پناہ اعتبار کیا گیا ہے اور مجھے ہر حال میں اس اعتبار کا مان رکھنا ہے۔ میں جانتا تھا کہ میں اپنے دامن پر کسی قسم کا دھبہ اپنے کیریئر پر کوئی بدنامی کا داغ مول لینے کے قابل نہیں ہوں اور پھر سب سے بڑی، سب سے سچی بات یہ تھی کہ میرے دل میں اس لڑکی کے لیے کوئی جذبہ تھا ہی نہیں۔ میں نے کبھی اسے اس نظر سے دیکھا ہی نہ تھا۔''

اس نے ایک گہری سانس بھر کر بات کا سلسلہ منقطع کیا تھا۔

''پھر؟'' زینب کا دل کسی انجانی قید سے آزاد ہو کر ہواؤں کی جانب چلا تھا ''کیا ردعمل تھا صوفیہ کا؟''

احسن نے مسکرا کر اس کی سمت دیکھا۔

''مجھے کبھی کبھی اس لڑکی پر ترس آتا ہے زینی..... اور جب سے تم مجھے ملی ہو تب سے اسکے جذبوں کی سچائیاں مزید واضح ہوئی ہیں مجھ پر۔ محبت کا روگ کیسے لگتا ہے، انسان کتنا مجبور ہو جاتا ہے، میں نے جانا ہے اور یہ لڑکی ایک طویل عرصے سے مجھ سے محبت کرنے کا تاوان بھر رہی ہے جس محبت کے جواب میں محبت نہ ملے، وہ تاوان بن کر ہی تو رہ جاتی ہے۔ بے وجہ ہی دل و جان کا نقصان کیے جاؤ۔ اور یہ مسلسل اپنا نقصان کیے جاتی ہے۔ میرے دھیان میں کھو کر پڑھائی نہ کر سکی۔ انٹر کے بعد تعلیم کا سلسلہ ہی منقطع کر دیا۔ کتنے رشتے آئے اسکے، میری چاہ میں سب کو ٹھکراتی گئی۔''

''آپ کو یہ کیسے پتا؟'' اس کے اندر کی شکی عورت بیدار ہوئی تھی۔

احسن ہنس دیا۔

''ملتا تھا نا چھپ چھپ کر اس سے تفصیل سے بتاتی تھی ہر بات۔''

زینب نے زور سے اس کے بازو پر چٹکی بھری تھی۔

''بتائیں سچ سچ ورنہ۔''

''ارے بابا!'' وہ زچ ہوا ''اچھا سنو خط لکھتی رہی ہے مجھے، پچھلے تین چار سالوں سے حالانکہ میں نے کبھی اس کے کسی خط کے جواب میں کسی بھی طرح کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔''

''کیا لکھتی رہی وہ اتنے سال تک آپ کو؟'' زینب کو بے حد حیرانی ہوئی۔

''محبت نامے!'' وہ ہنس دیا'' کیا کچھ لکھا جاسکتا ہے محبت ناموں میں؟ اشعار، غزلیں، قسمیں، وعدے وغیرہ وغیرہ...... پڑے ہیں کچھ خط ابھی تک میرے پاس دیکھ لینا۔''

''اتنے عرصے تک وہ بے وجہ ہی خط لکھتی رہی؟ کبھی تو کوئی جواب وغیرہ ملا ہوگا اسے۔ کسی طرح کی حوصلہ افزائی کے اتنی بڑی حرکت کس طرح سے کرسکتی ہے؟ وہاں ایسی آگ لگی ہے کہ سب کچھ جل کر خاک ہوا اور یہاں ہلکی سی تپش بھی نہیں بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟''

''ایک ہلکی سی آنچ آتی تھی...... تمہاری قسم کھا کر کہتا ہوں...... اتنے عرصے بعد محض ایک ہلکی سی آنچ آئی تھی۔ محض چند ماہ پیشتر اس رات کے بعد دن طلوع ہوا! وہ میری زندگی کا سب سے روشن دن بن گیا زینو اس دن میں نے تمہیں دیکھا اور پھر تم ہی تم یاد رہ گئیں۔ باقی سب بھول گیا۔ ہاں! اگر تم مجھے نہ ملتیں تو شاید بہت ممکن تھا کہ میں فرخندہ آپا سے صوفیہ کی بات کرتا۔''

''فرخندہ آپا جانتی ہیں یہ سب کچھ؟'' اس نے نجانے کس خیال کے تحت پوچھا تھا۔

''ہاں اندازہ تو ہے انہیں۔ اسی لیے انہوں نے کتنی ہی بار مجھ سے صوفیہ کی حمایت کی۔ میں ہر مرتبہ انکار کرتا گیا۔ شاید اس لیے کہ مجھے تم سے ملنا تھا۔''

وہ بڑی محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بولا تھا۔ زینب مسکرا دی۔ اب اسے اطمینان ہوا تھا۔ سوچ میں اٹکی پھانس نکل چکی تھی اور اب سکون ہی سکون تھا۔

احسن سو گیا تو وہ کافی دیر تک صوفیہ کے متعلق سوچتی رہی۔

''بھلا اس طرح بھی کوئی کسی کو چاہ سکتا ہے۔ صلے کی تمنا کے بغیر۔ ایسی سچی چاہت پھر بھی بے چاری کی خالی ہاتھ ہی رہی...... اچھی بھلی خوب صورت لڑکی اور ایسے والہانہ جذبات دل میں لیے ہوئے...... پھر بھی متاثر نہ کر پائے۔ بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔''

اس نے ایک نگاہ سوئے ہوئے احسن پر ڈالی۔

''اور ایسا بلند کردار، مضبوط سوچ کا مالک تجھ پر ایسا مرتا زینب کہ بالکل تیرے قدموں میں جھک گیا۔ تجھے پانے کے لیے یوں مضطرب ہوا کہ اپنی موجوں میں بہانے لگا۔ تجھے۔ ایسا کیا ہے تجھ میں؟'' صوفیہ کا پرکشش سراپا تصور میں در آیا تو وہ آئینہ دیکھنے کے لیے بے چین ہو اٹھی۔ اپنی ذات کے غرور میں اضافہ ہو چلا تھا۔



اگلے روز احسن کے جانے کے بعد اس نے سب سے پہلے احسن کی الماری کی تلاشی لی تھی۔ وہ خانہ جہاں وہ اپنی کتابیں، فائلیں اور ضروری کاغذات وغیرہ رکھتا تھا۔ تھوڑی سی تلاشی کے بعد ہی اس کے ہاتھ صوفیہ کے خطوط لگ گئے تھے۔ وہ تعداد میں بے شمار تھے۔ نجانے اس لڑکی نے اپنی کتنی راتیں سیاہ کی تھیں۔ خطوط کی تعداد اور طوالت سے صوفیہ کے رتجگوں کا اندازہ ہوتا تھا۔

زینب جو انہیں پڑھنے بیٹھی تھی تو اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ وہاں تو بے قراریوں کا جہاں آیا تھا۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی ایک پوری دنیا تھی۔ ان خطوط میں کہیں بھی، کسی بھی منظر میں کوئی نچلا پن کوئی گھٹیا بات نہ تھی۔ بس نثری شاعری کا ایک دیوان تھا۔ اپنے احساسات کا خوب صورت اظہار تھا، زینب حقیقتاً متاثر ہوئی تھی۔ ایک اطمینان اسے یہ بھی حاصل ہوا تھا کہ وہ تمام خطوط احسن کو ہر لحاظ سے بے گناہ ثابت کرتے تھے۔ صوفیہ کے بے شمار اعترافات تھے جس سے احسن کی بے نیازی اور بے پروائی ثابت ہوتی تھی۔ اس کی لاتعلقی اور بے حسی کے شکوے کئی جگہوں پر درج تھے۔

اسکا دل خوشی سے بھر گیا۔ جس مرد کا ساتھ پانے کی کسی نے ہر ممکن سعی کی تھی وہ مضبوط مرد اسکا تھا اس کے ہمراہ تھا۔ زندگی بھر کا ساتھی تھا۔



اس روز صبح سے ہی اس کا من اداس اداس سا تھا۔ نجانے کیا بات تھی۔ نہ اس کا ناشتہ کرنے کو جی چاہا تھا نہ اس نے کسی کام کو ہاتھ لگایا تھا۔ کسلمندی سے کافی دیر بستر میں پڑی رہی پھر گیارہ بج گئے تو وہ چائے کا ایک کپ بنا کر برآمدے میں آ بیٹھی۔

چائے کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ بھرتی وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں تھی جب فرخندہ آپا چلی آئیں۔

''زینی..... بیٹا کیا کر رہی ہو؟'' وہ آہستگی سے اس کے قریب آ کر بیٹھ گئی تھیں۔ زینب بری طرح چونکی تھی۔

''اوہ..... آپ ہیں، السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' وہ بے حد مضطرب اور متذبذب دکھائی دیں ''وہ..... زینب بیٹا..... کپڑے وغیرہ چینج کر لو۔ تمہارے کپڑے ملگجے ہو رہے ہیں۔ میں کوئی جوڑا نکال دیتی ہوں۔''

زینب حیرانی سے ان کی صورت دیکھنے لگی۔ یہ آج انہیں کیا ہو گیا ہے۔ اس طرح کی باتیں انہوں نے پہلے تو کبھی نہ کی تھیں۔

''لیکن کیوں؟'' میں گھر میں ہی ہوں۔ شام کو نہا کر کپڑے بدلوں گی۔ ابھی تو کتنا کام پڑا ہے۔''

''احسن کا فون آیا ہے۔ وہ لینے آ رہا ہے تمہیں۔''

انہوں نے نظریں چرائی تھیں ''تمہارے میکے جانا ہے میں بھی چل رہی ہوں۔''

زینب کے احساسات اچانک بیدار ہو گئے۔ کوئی غیر معمولی بات تھی۔ فرخندہ آپا کے انداز بے حد اجنبی تھے۔ ان کی آنکھوں سے جھانکتی بے چینی اور گھبراہٹ کچھ الگ ہی کہانی کہہ رہی تھی۔

''میرے گھر؟ کیوں؟'' اس کے ہاتھ پاؤں یکا یک سرد پڑ گئے تھے ''کیوں آیا؟ کیا بات ہے؟ سب خیریت ہے نا؟''

''خیریت نہیں ہے۔'' وہ آہستگی سے بولیں۔

''تمہارے بڑے ماموں کا فون آیا ہے احسن کے آفس میں اماں..... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ انہیں اسپتال لے کے گئے ہیں۔''

''اماں۔'' اس نے چیخ ماری ''کیا ہوا ہے اماں کو۔ میری اماں کو کیا ہوا ہے آپا..... کیوں لے کر گئے ہیں انہیں اسپتال۔''

وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ فرخندہ آپا اسے سنبھالنے کی کوشش کرنے لگیں۔ لیکن وہ کسی طور ان کے قابو میں نہ آ رہی تھی۔ خود اس کے اپنے حواس اس کے قابو سے باہر ہو گئے تھے۔ اس کی پیاری عزیز از جان ماں نجانے اکیلے میں کن مراحل سے گزری تھی کون اسے اسپتال لے گیا تھا نجانے کتنی دیر وہ تنہا پڑی اسے یاد کرتی رہی ہوں گی..... سوچ سوچ کر وہ بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ آنسو تھمنے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔

تھوڑی دیر میں احسن بھی آ گیا تھا۔ وہ جس صدمے سے گزرا تھا وہ اس کے چہرے پر تحریر تھا۔

''احسن..... احسن..... میری اماں کو کیا ہوا ہے؟''

وہ اس کا بازو جھنجھوڑنے لگی ''بتاؤ نا احسن وہ ٹھیک ہیں نا۔''

''صبر زینو! صبر!'' احسن نے اسے خود سے لگا لیا ''صبر سے کام لو۔ جانے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔''

اس کے چند لفظوں نے اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ ایک چیخ مار کر وہ اس کے بازوؤں میں جھول گئی تھی اس کی پیاری ماں ہمیشہ کے لیے اسے چھوڑ گئی تھی۔



پھر کتنے دن ملول اور اداس گزرے تھے۔ اسے ان دنوں کی تعداد بھی یاد نہ تھی۔ بس اتنا جانتی تھی کہ وہ خوش ہونا بھول گئی تھی۔ اس کا اندر بالکل خالی، بالکل بے رنگ ہو گیا تھا۔ کسی بھی بات پر کوئی رنگ ابھرتا ہی نہ تھا۔

کتنے ہی لوگ اس کی دل جوئی میں ہر وقت مصروف رہتے تھے۔ احسن، فرخندہ آپا کتنی ہی مرتبہ تو صوفیہ بھی بیٹھ کر گئی تھی۔ آمنہ کتنے ہی

چکر لگا گئی تھی۔ اس کا دل اداس ہی رہتا تھا۔

اماں کے جانے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ اماں اس کے لیے کیا تھیں۔ وہ ایسا مہربان سائبان تھیں جس نے کبھی حالات کی تیز دھوپ اس پر نہ پڑنے دی تھی۔ وقت کا ہر وار خود پر سہہ کر انہوں نے اس کی حفاظت کی تھی۔

آمنہ کہتی تھی۔

''زینب! اماں تجھے شہزادیوں کی طرح رکھتی ہیں۔''

اور وہ ہنس کر خود پر مغرور ہو جایا کرتی تھی۔

اماں کی ہر ہر مہربانی اور عنایت کو اس نے ہمیشہ اپنا حق سمجھا تھا۔ خود اس نے کبھی یہ خیال ہی نہ کیا تھا۔ اماں کے کتنے حق اس پر لاگو ہوتے ہیں۔ اس نے تو ہمیشہ اپنے حقوق کا خیال کیا تھا۔ فرائض کا احساس تو اسے ہو ہی نہیں پایا تھا نہ ہی کبھی اماں نے اسے احساس ہی دلایا تھا۔ وہ جیسے از خود اپنے تمام حقوق سے دستبردار ہو گئی تھیں اور اب زینب کو ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔ اپنی تمام کوتاہیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ اپنی غفلتوں پر آنسو بہا رہی تھی۔

''ہائے میں نے ساری زندگی میں بمشکل انہیں چند گلاس پانی ہی پلایا ہوگا۔''

کاش میں اماں کی تھوڑی خدمت کر لیتی انہیں یہ احساس تو دلا دیتی کہ ان کی ایک بیٹی بھی ہے بیٹی! جسے رحمت کہا جاتا ہے۔''

''ہائے اماں! ساری عمر تم نے مجھے وان کر دی اور آخر وقت ہی تمہارے پاس نہ تھی...... چند گھونٹ پانی کے بعد بھی حلق سے نہ اتار سکی۔''

''جانے اماں! تم نے مجھے بخشا بھی ہوگا کہ......''

احسن اسے ہر وقت سمجھاتا رہتا تھا۔

''زینو! اماں کی روح بے قرار رہتی ہوگی۔ پیچھے کوئی پیارا یوں دن رات آنسو بہاتا، فریادیں کرتا ہو تو جانے والوں کو قرار نہیں آتا۔ صبر سے کام لو۔ ان کے لیے دعائیں کیا کرو۔ پڑھا کرو بخشا کرو انہیں زندگی میں کی جانے والی کوتاہیوں اور غفلتوں کا ازالہ بعد میں بھی ممکن ہے۔ جتنی دعائیں کر سکتی ہو مغفرت کی کرو۔''

پھر آہستہ آہستہ وہ سنبھلتی گئی۔ زخموں پر وقت کی دھول پڑتی گئی۔ چند ماہ میں وہ نارمل ہو چکی تھی۔



زندگی بڑی سیدھی سادی سی ڈگر پر رواں تھی۔ وہ اپنے حالات میں مگن ہو چکی تھی۔ احسن کے ساتھ اپنے حالات میں مگن ہو چکی تھی۔ احسن کے ساتھ بڑی مطمئن اور پرسکون زندگی گزر رہی تھی جب اس کے حال کی پرسکون جھیل میں اچانک ہی کنکر آ کر گرا تھا۔

اس روز وہ روزمرہ کے کاموں سے فارغ ہو کر چند لمحوں کے لیے لیٹی تھی۔ سردیوں کا چل چلاؤ تھا۔ موسم میں پھیلی ہلکی سی تپش جسم کو بہت بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا نہانے کا ارادہ تھا۔ مگر لیٹ کر اسے اتنا سکون محسوس ہوا کہ وہ چند لمحوں میں غافل ہو گئی۔

کسی نے بے حد آہستگی سے اس کا شانہ ہلایا۔ زینب چونک کر بیٹھ گئی۔ پھر سامنے کھڑی ہوئی ہستی کو دیکھ کر مارے خودی کے اس کی چیخ ہی نکل گئی تھی۔

''ارے...... فارحہ تم!'' وہ اُٹھ کر اس سے لپٹ گئی ''یوں اچانک...... بنا کسی اطلاع کے۔''

''بس سوچا سرپرائز دوں تمہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی' محض اس سرپرائز کے لیے کتنی مشکلوں سے گھر ڈھونڈا ہے تمہارا۔ میرا

ڈرائیور بھی زچ ہو گیا تھا کہہ رہا تھا بی بی جی کون رہتا ہے آپ کا ان تنگ تنگ گلیوں میں......"

زینب کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا تھا۔

"کہاں اللہ میاں جی کے پچھواڑے گھر لیا ہے زینب۔ سچ بہت مشکل ایڈریس ہے۔"

"اچھا تم بیٹھو تو سہی۔ ساری باتیں کھڑے کھڑے کرلو گی۔" اس نے مسکرا کر اسے بیڈ کی جانب دھکیلا۔

"اور یہ جسم کہاں چلا ہے تمہارا؟" فارحہ بغور اس کا جائزہ لے رہی تھی "پریگنینٹ ہو؟"

"ہائیں۔" زینب کو دھچکا لگا تھا "میں تمہیں پریگنینٹ لگ رہی ہوں؟ میں کیا اتنی موٹی ہوگئی ہوں؟ سچ بتاؤ فارحہ قسم کھاؤ۔"

"ہائے گاڈ زینب! میں تو یہ سمجھی۔ دیکھو نا پیٹ کتنا نکل آیا ہے۔ تمہارا۔ کولہے پھیل رہے ہیں اور کوئی کیا سمجھے گا؟" وہ بے تکلفی سے ہنستے ہوئے بستر پر بیٹھ رہی تھی "لگتا ہے بالکل توجہ دینا چھوڑ رکھا ہے خود پر۔ مجھے دیکھو، پابندی سے سلمنگ سینٹر جاتی ہوں، میٹھا بالکل چھوڑ رکھا ہے، کھانے سے زیادہ جوسز وغیرہ پر گزارا کرتی ہوں۔ یاد ہے تمہیں، شادی سے قبل کتنی موٹی ہوگئی تھی میں؟"

"ہاں ہاں۔" زینب نے غیر حاضر دماغی سے سر ہلایا۔ "کافی کنٹرول کر لیا ہے تم نے تو۔"

اصل میں اس کا دماغ فی الوقت کسی اور نہج پر کام کر رہا تھا۔ احسن گھر پر نہیں تھا اور وہ سوچ رہی تھی کہ فارحہ کی تواضع کیسے اور کس چیز سے کرے کھانے میں اس نے سبزی بنائی ہوئی تھی۔ مہینے کا آخر تھا اور فریج میں گوشت کا نام و نشان تک نہ تھا۔

"پہلے تو یہ بتاؤ کتنی دیر کے لیے آئی ہو؟ نیچے ڈرائیور موجود ہے یا چلا گیا ہے؟" اس نے استفسار کیا۔

"میں تو دیر تک کے لیے آئی ہوں۔ ڈرائیور کو میں نے بھیج دیا ہے، رات کو ہی آئے گا۔" وہ ٹیک لگاتے ہوئے بے پروائی سے بولی تھی۔

"نیچے گیٹ کھلا تھا؟" زینب کو اپنی بے خبری کا احساس ہوا۔

"ہاں.....کوئی خاتون کھڑی تھیں گیٹ پر۔ ان سے ہی پوچھ کر تو بے دھڑک چلی آئی اوپر بائی دا وے ہیں کون موصوفہ؟ پورا انٹرویو لے کر چھوڑا ہے مجھے جیسے چہرے سے میں ڈاکوؤں کی رانی معلوم ہوتی ہوں۔"

وہ ہنسی۔

"ہاں۔ کچھ ایسی ہی ہیں یہ۔" زینب قدرے بدمزگی سے بولی۔ "مالک مکان ہیں۔"

"خدارا یہ علاقہ تو بدلو زینب۔" فارحہ کو پھر یاد آیا تھا "اس سے بہتر علاقے میں تو تمہارا میکہ تھا اوہ ہاں یاد آیا۔" پھر وہ دفعتاً بولی "اماں کا سنا تھا میں نے۔ بھائی بتا رہا تھا۔ سچ زینب! دو دن روتی رہی ہوں۔ بہت افسوس ہوا۔ کاش کہ میں یہاں ہوتی۔"

"بس فارحہ۔" اس نے ٹھنڈی آہ بھری "اللہ میاں نے زیادہ امتحان نہیں لیا ان کا۔ تن تنہا عمر بسر کرنا ایک امتحان ہی تو ہے۔ پاس کوئی چاہنے والا نہیں، صبح سے شام تک کوئی پوچھنے والا نہیں میں بھی روز کہاں جا پاتی تھی۔ گھبرا گئی تھیں اماں ایک دن خاموشی سے چلی گئیں۔"

اس کی پلکوں پر پھر آنسو۔ چمکنے لگے۔

"خدا تمہیں صبر عطا فرمائے۔" فارحہ نے خلوص سے اس کا ہاتھ تھپکا۔

"اچھا تم ذرا بیٹھو۔ میں آتی ہوں۔"

وہ فارحہ سے معذرت کر کے کمرے سے نکل آئی۔

اس کو کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ شادی کے بعد اتنے عرصے میں ایسا کوئی وقت آیا ہی نہ تھا۔ اس نے بے وجہ ہی فریج کھول کر جھانکا خالی فریج اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ وہ کچن میں چلی آئی۔ چنگیر میں چند روٹیاں اور پاس پڑی ہانڈی میں آلو کا سالن۔

سب ہی کچھ اس کے علم میں تھا پھر بھی وہ نجانے کیا دیکھتی پھر رہی تھی۔

''فارحہ! تم ذرا یہ میرا البم دیکھو۔ میں تمہارے کھانے پینے کا کچھ بندوبست کرتی ہوں۔'' وہ فارحہ کو اپنی شادی کا البم تھما کر بولی تھی۔

''ہاں، کھانا تو میں ضرور کھاؤں گی۔ صبح کا ناشتہ چھوڑا ہوا ہے ناں۔ اس وقت بڑی بھوک لگتی ہے۔ لیکن دیکھو، زیادہ تکلفات میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی پکا ہے لے آؤ۔ ہائے! زینب کتنی پیاری لگ رہی ہو۔''

گفتگو کے دوران ہی اس نے البم کھول کر چیخ ماری تھی پھر وہ تصویروں میں محو ہوگئی۔

زینب چپ چاپ کمرے سے نکل آئی۔ اس نے نیچے کا رخ کیا تھا۔ یہ وقت فرخندہ آپا سے مدد طلب کرنے کا تھا۔

فرخندہ آپا آرام کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکی تھیں۔ باہر کا گیٹ بند کر کے انہوں نے تالا ڈال دیا تھا۔ کتنی ہی بار وہ زینب کو گیٹ بند رکھنے کی تاکید کر چکی تھیں۔ آفس جاتے ہوئے احسن بھی تاکید کرنا نہ بھولتا تھا۔ لیکن وہ اپنی بے پرواہ اور بے نیاز طبیعت سے مجبور تھی۔ ہر مرتبہ آپا اور احسن کو گیٹ کھلا ہی ملتا تھا۔

دزدیدہ نظروں سے ماحول کا جائزہ لیتی وہ فرخندہ آپا کے کمرے میں چلی آئی۔ ہلکا سا پنکھا چلائے، موٹا کھیس اوڑھے وہ بے خبر سو رہی تھی۔

''آپا..... آپا'' زینب نے انہیں ہولے سے پکارا۔

چند لمحوں میں انہوں نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ ماتھے پر رکھا بازو ہٹا کر انہوں نے زینب کو دیکھا پھر اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

''کیا بات ہے زینب خیر تو ہے؟'' انہوں نے قدرے تشویش سے پوچھا تھا۔

''جی ہاں۔ سب خیر ہے۔'' وہ ان کے قریب بیٹھ گئی ''وہ آپا میری دوست آئی ہے لاہور سے۔''

''ہاں۔ جانتی ہوں۔'' انہوں نے سر ہلایا۔ ''ابھی مجھ سے ہی تمہارا پوچھ کر گئی ہے اوپر۔ بیٹا! تم احسن کے جانے کے بعد دروازے وغیرہ بند کیوں نہیں رکھتیں۔ خدا نہ کرے کوئی برا وقت ہو لیکن احتیاطاً اچھی چیز ہے۔ مجھ بوڑھی جان کو تو کوئی مار کر پھینک بھی جائے تو کچھ نہیں۔ تمہارے لیے ہی ڈرتی ہوں۔ جوان جہاں لڑکی بذات خود ایک بڑا خزانہ ہے۔ اپنی حفاظت آپ کرنا سیکھو بچی۔''

''جی، جی۔'' اس نے جلدی سے سر ہلایا۔

وقت پہلے ہی تنگ تھا۔ آپا تقریر کرنے بیٹھ گئی تھیں۔ ان کی وقت بے وقت کی ناصحانہ گفتگو سے وہ بے حد خائف رہا کرتی تھی۔ اسی لیے کم آتی جاتی تھی۔

''آپا! کیا پکایا ہے آپ نے؟'' ہاتھ آپس میں مسلتے ہوئے وہ عجلت میں بولی تھی ''میں نے تو صرف آلو کا سالن بنا رکھا ہے۔ گوشت وغیرہ بھی نہیں ہے اور فارحہ دوپہر کا کھانا یہیں کھائے گی شادی کے بعد پہلی مرتبہ ملے ہیں ہم دونوں مجھے تو سخت شرم محسوس ہو رہی ہے۔ اس کی تواضع کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ فریج بھائیں بھائیں کر رہا ہے۔''

فرخندہ آپا دھیرے سے ہنس دیں۔

''اچھا چلو فکر مندمت ہو، ہو ہی جائے گا، کچھ نہ کچھ۔'' وہ بستر سے اترتے ہوئے بولیں ''فریزر میں دو تین طرح کے کباب بنا کر رکھتی ہوں میں ایسے ہی کسی آڑے وقت کے لیے دودھ بچتا ہے تو کوئی میٹھا بنا لیتی ہوں۔ احسن تو جب آتا ہے کھیر کی فرمائش کرتا ہے۔ چلو، وہی دیتی ہوں تمہیں۔''

وہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتی ان کے پیچھے ہولی۔

آپا نے ڈیپ فریزر سے چپلی کباب، شامی کباب اور مکس سبزیوں کے کباب نکال کر پلاسٹک کی تھیلی میں ڈال کر اس کے حوالے کیے۔

''دوپہر کو قیمہ کریلے کا سالن بنایا ہے وہ بھی لے جاؤ'' وہ کچن کی جانب بڑھیں ''میں شام کو کچھ اور بنا لوں گی۔ فریج سے کھیر کا ڈونگا نکال لو..... پیپسی کی لیٹر بوتل پڑی ہے، وہ بھی لے جاؤ۔''

"شکریہ آپا...... بہت بہت شکریہ۔" وہ تہہ دل سے ان کی مشکور ہوئی تھی۔

"ہنرمندی اسی میں ہے کہ آڑے وقت کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کر رکھ دیا جائے۔ اسی کو سلیقہ کہتے ہیں میں تو سارا دن تقریباً فارغ ہی ہوتی ہوں۔ یہی چھوٹے چھوٹے کام کرتے دن نکال لیتی ہوں۔ خدا کا شکر ہے مجھے کبھی کسی مہمان کی بے وقت آمد پر اس طرح سے پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔"

وہ اسے جتانے کے موڈ میں تھیں۔ زینب چپ چاپ ٹرے اٹھائے نکلتی چلی گئی۔ فی الوقت ان کا احسان ماننے میں ہی بھلائی تھی۔

"میرے اور آپ کے شوہر کی تنخواہ میں بہت فرق ہے آپا" سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔

"سلیقہ مندی دکھانے اور جتانے کے لیے بھی رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ طرح طرح کے کباب اور میٹھے ہواؤں سے تو بنتے نہیں ہیں۔ پیسہ چاہیے ہوتا ہے فریزر بھرا رکھنے کے لیے۔"

حقیقت تو یہ تھی کہ انہوں نے مدد کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا جی بھی دل بھر کر جلایا تھا۔

کمرے کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے کن انکھیوں سے دیکھا۔ فارحہ اب تک البم دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے جانے اور آنے سے قطعاً بے خبر رہی تھی۔

کھانا نکالنے کا کام بے حد آسان رہا تھا۔ اسے محض کباب تلنے پڑے تھے۔ روٹیاں اس نے پہلے ہی بنائی ہوئی تھیں۔ اس نے کھانا فارحہ کے آگے چنا تو چند لمحوں کے لیے وہ حیران رہ گئی۔

"یہ اتنی چیزیں؟ تمہیں پتا تھا مجھے آج آنا ہے؟"

"دل کو دل کی خبر ہوتی ہے چندا۔" وہ مسکرا دی" ویسے یہ سب کچھ فریز تھا۔ نکال کر تل لیا ہے اور بس۔"

"واؤ! اتنی سلیقہ مند ہوگئی ہو تم؟" فارحہ نے کباب توڑ کر چکھا" ہوں، مزیدار، ذائقہ بھی آگیا ہے۔ ہاتھ میں یاد ہے زینب! شادی سے پہلے تم چائے تک کتنی بری بناتی تھیں۔"

زینب کھلکھلا کر ہنس دی۔

"یاد ہے۔"

"ویسے متوسط طبقے میں شادی کا یہ فائدہ ہے۔ لڑکی سر سے پاؤں تک ایک ایک انچ سلیقہ بانو ہو جاتی ہے۔ مجھے دیکھو، جو کچھ آتا تھا وہ بھی بھول گئی ہوں۔ اب تو کبھی فیصل کسی چیز کی فرمائش کر دیں تو کچن تک جاتے ڈر لگتا ہے۔ خدا جانے کیا بنا کر رکھ دوں۔ چپکے سے خانساماں کو ہی کہہ آتی ہوں نام اپنا ہو جاتا ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسی۔

زینب کو عجیب سی سبکی کا احساس ہوا۔ نجانے فارحہ انجانے میں، اپنی رو میں بہتے ہوئے اس طرح کی گفتگو کر رہی تھی یا اسے بھی فرخندہ آپا کی طرح باتوں ہی باتوں میں "مطلب کی بات" جتانے کا مرض لاحق ہو گیا تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے خاموش بیٹھی رہ گئی۔

"تم کھانا کھا چکی ہو؟" فارحہ کو اچانک ہی خیال آیا تھا۔

"آں...... نہیں تو" وہ چونک اٹھی۔

"پھر کھاؤ نا میں اکیلے اکیلے صاف کر رہی تھی۔

"اتنا مزیدار بنا ہوا ہے سب کچھ...... میری ڈائٹنگ کا ستیاناس ہو کر رہ گیا۔ ورنہ عام طور پر میں یوں ہاتھ روک کے بغیر نہیں کھاتی۔ شامی کباب تو غضب کے ہیں۔" اس نے چٹخارہ بھرا" اور یہ کریلے! مزہ آگیا۔ مجھے بھی ترکیب بتاؤ نا زینب! میں بھی تو کچھ امپریس کروں فیصل کو۔ احسن بھائی تو والا و شیدا ہو چکے ہوں گے تمہارے۔ کہتے ہیں مرد کے دل کا راستہ گھڑنے میں کچھ زیادہ ہوشیار نہیں ہو گئے ہیں؟ دل پہلے آتا ہے یا معدہ؟

ہمیں خبر بھی کیا ہے۔ سائنس وغیرہ تو کبھی پڑھی نہیں جو چاہے بے وقوف بنا ڈالے۔'' وہ پھر ہنسی تھی۔

زینب اس کا بغور جائزہ لینے پر مجبور ہوئی تھی۔ زرد رنگ کا دیدہ زیب لباس زیب تن کیے وہ حقیقتاً بے حد نکھری نکھری اور شگفتہ دکھائی دے رہی تھی۔ بے پروائی کا رنگ پہلے بھی اس کی شخصیت کا خاصا تھا مگر اب تو یہ رنگ آس پاس کی ہر شے سے زیادہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ وہ بہت پُراعتماد، بے خوف اور متاثر کن شخصیت نظر آ رہی تھی۔ یہ وہی فارحہ تھی جسے زینب کی ہمراہی میں کوئی توجہ سے نہ دیکھتا تھا۔ زینب ہر جگہ اس پر چھا جاتی تھی۔ آج اسی فارحہ کے مقابل بیٹھے ہوئے وہ خود کو کمتر محسوس کرنے لگی۔ اسے اپنی شخصیت مجروح اور دبی ہوئی لگ رہی تھی۔

''پیسہ انسان کو کس قدر جلد بدل دیتا ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں فارحہ کی متاثر کن شخصیت کا اعتراف کرتے ہوئے سوچا۔

''اوہ..... سوسوری زینب۔'' فارحہ اسے بے حد خاموش محسوس کر کے بولی تھی۔ ''بولتی تو میں پہلے بھی بہت زیادہ تھی، اب تو میرے بریک، بالکل ہی فیل ہو گئے ہیں۔ بولنا شروع کرتی ہوں تو بس بولتی ہی چلی جاتی ہوں فیصل کہتے ہیں، فارحہ! چند دنوں میں بھول جاؤں گا کہ بات کیسے کرتے ہیں منہ سے آواز کیسے نکلتی ہے، میں محض منہ کھول پاتا ہوں اور تم کوئی اور بات شروع کر دیتی ہو۔''

وہ ہنس ہنس کر دوہری ہونے لگی۔ زینب بھی تقلید میں پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گئی۔ ان دونوں کی شادی ساتھ ساتھ ہوئی تھی۔ لیکن خوشی اور تفاخر کا جو بھرپور احساس فارحہ کے ہر ہر انداز سے جھلک رہا تھا وہ زینب کے انداز میں مفقود تھا۔

پھر جتنی دیر وہ بیٹھی رہی مسلسل وہی بولتی رہی۔ زینب خاموش بیٹھی اس کے لفظ لفظ پر غور کرتی رہی تھی۔

''دیکھو زینب۔'' رات جب اس کا ڈرائیور اسے لینے آ پہنچا تب وہ جاتے جاتے بطورِ خاص بولی تھی۔

''کچھ اپنے اوپر دھیان دو۔ یار! احسن کا خزانہ خدا نے چھپر پھاڑ کر دیا پھر بھی اسے سنبھال سنبھال کر رکھتے ہیں۔ پائی پائی کا دھیان رکھتے ہیں ورنہ بہت جلد انسان کنگال ہو جاتا ہے اور علم بھی نہیں ہو پاتا تھوڑی ڈائیٹ کا خیال رکھو اور جوسز وغیرہ ضرور لو۔ تمہاری رنگت بھی کچھ مدھم لگ رہی ہے اور ہاں پلیز! گھر بدل لو کرائے پر ہی رہنا ہے تو انسان ذرا ڈھنگ کی جگہ کا انتخاب کر لے۔''

زینب اسے چھوڑنے نیچے تک گئی تھی۔ واپسی پر سیڑھیاں عبور کرتے ہوئے اس کے قدم بھاری ہو رہے تھے۔



چند دن طبیعت بہت مضمحل رہی تھی۔ دماغ میں رہ رہ کر فارحہ کی باتیں گونجتی تھیں۔ شادی کے بعد سے اس کی طبیعت میں جس فخر و غرور کا اضافہ ہوا تھا وہ اب دن بدن کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس دن احسن اسے ضد کر کے اپنے ایک دوست کے گھر لے گیا تھا۔ چند دن سے نمودار ہونے والے چڑچڑے پن کو اس نے اماں کی یاد تصور کر لیا تھا اور ہر ممکن طریقے سے اس کی دل جوئی میں لگا ہوا تھا۔

واپسی قدرے تاخیر سے ہوئی تھی۔ دونوں اپنی دھن میں باتیں کرتے جا رہے تھے جب بائیک کسی شرابی کی طرح سے لہرانے لگی۔ احسن نے بڑی مہارت سے بائیک کو کنٹرول کیا تھا۔

''کیا ہوا ہے؟'' زینب اتر کر پوچھنے لگی۔

''ٹائر پنکچر ہو گیا ہے۔'' وہ بغور سڑک کا جائزہ لے رہا تھا ''کسی منچلے نے اسپیڈ بریکر کے قریب کیلیں بکھیری ہوئی ہیں۔''

''اب کیا کریں؟'' وہ پریشان ہوئی۔

''کرنا کیا ہے جانم! واک کیجئے۔'' وہ خوشدلی سے بولا ''یہی کوئی پچاس گز کے فاصلے پر گھر ہے۔ دو گلیوں کا راستہ ہے۔''

''میری تو ہیل بھی اتنی اونچی ہے۔'' وہ روتے ہوئے بولی ''چلا جائے گا؟''

''کوشش کرو۔ اب تمہاری ہیل پہن کر اپنے جوتے تو تمہیں دینے سے رہا۔'' وہ ہنسا۔ ''مجھے بھی تو دھکیلنی ہے یہ گاڑی۔''

دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

''ویسے فارحہ کہہ رہی تھی، میں موٹی ہو گئی ہوں......واک تو روز کرنی چاہیے۔'' وہ آہستہ آہستہ بولنے لگی۔

''کیا واقعی موٹی ہو گئی ہوں احسن؟''

''ہائے۔'' اس نے مصنوعی آہ بھری تھی ''جس اندھے کی آنکھوں پر محبت کی عینک لگی ہو، اس سے ایسے سوال نہیں کرنے چاہئیں زینب خاتون! تمہیں دیکھتا ہوں تو بس تم ہی تم نظر آتی ہو......تمہارا طول و عرض نظر نہیں آتا۔''

''ہونہہ......یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ بری طرح سے چڑ گئی ''بلکہ سب سے زیادہ تو آپ کو احساس ہونا چاہیے اس بات کا کہ بقول آپ کے سب سے زیادہ غور سے آپ مجھے دیکھتے ہیں۔''

''کبھی تم نے محبت کی ہوتی بلکہ میری طرح طوفان میل جیسا برق رفتار عشق کیا ہوتا تو تمہیں میرا نقطہ نظر صحیح طور پر سمجھ میں آتا۔''

''بس رہنے دیں۔'' وہ برا مان گئی ''آپ فی الوقت مذاق کے موڈ میں ہیں۔''

''تمہاری جان کی قسم زینو۔'' وہ رومینٹک ہونے لگا ''مجھے صرف تمہاری ذات کا احساس رہتا ہے۔ میرا عشق افلاطونی حدوں کو چھونے لگا ہے۔''

''ہاں......گھر تک پہنچتے پہنچتے افلاطون کو بھی بھول جائیں گے اور ارسطو بھی۔'' وہ ہنس پڑی تھی۔ پھر کچھ فاصلہ دونوں نے بنا بات کیے طے کیا تھا۔ احسن دھیرے دھیرے کچھ گنگنانے لگا تھا۔ زینب کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ وہ بڑے دھیان سے گلیوں کا جائزہ لے رہی تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟ یوں گرد و پیش میں منہمک ہو جیسے کوئی بلدیاتی رپورٹ مرتب کرنی ہو تمہیں۔'' احسن نے اسے چھیڑا۔ زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی ہر ہر ادا کا دھیان رکھتا تھا۔

''میں سوچ رہی تھی احسن! یہ علاقہ کتنا پسماندہ نظر آتا ہے۔'' اس نے اچانک ہی محسوس کیا تھا کہ دل کی بات کہہ دینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ احسن کا موڈ بھی بہت اچھا تھا اور ماحول اپنی تمام تر خامیوں کے ساتھ بہت واضح ہو رہا تھا۔

''ہاں......غریب لوگ بستے ہیں یہاں، بے چارے سے۔ کوئی پوچھنے والا ہی نہیں ہے شامت کے ماروں کا۔''

''میرا دل چاہتا ہے احسن۔ ہم کسی صاف سے علاقے میں گھر لے لیں۔'' اس نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا۔

''ہاں۔ کیوں نہیں۔'' وہ فوراً ہی بولا ''دعا کرو خدا سے جب بھی اپنا گھر لیا، کسی اچھے سے، صاف ستھرے علاقے میں ہی لیں گے۔ کرائے کے گھروں کا کیا ہے۔ ایک شے جب اپنی ہی نہیں ہے تو پھر کہیں بھی رہو کیا فرق پڑتا ہے۔''

زینب خاموش ہو گئی۔ احسن کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ پھر کچھ کہنے کی ہمت نہ کر سکی تھی۔ گھر پہنچنے تک پھر اس نے احسن سے کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ بھی کسی نغمے کی دھن گنگناتے ہوئے رستہ طے کرتا رہا تھا۔

گھر پہنچ کر اس نے لباس تبدیل کیا پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر کولڈ کریم چہرے پر ملنے لگی۔ احسن اگلے روز کا لباس منتخب کر رہا تھا۔

''یار......یہ میرا ایک بٹن تو ٹانک دو۔'' اس نے شرٹ اسے دکھائی۔

''اچھا......رکھ دیں۔ ذرا سا مساج کر لوں۔''

''اوہ۔'' وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا ''کیسی تیاریاں ہیں عالی جناب؟ کیا ارادے ہیں؟ تیر و خنجر چمکائے جا رہے ہیں۔ تیغ کو آب دی جا رہی ہے ہوں؟''

''پیچھے ہٹیں ناں پلیز۔'' وہ منمنائی۔

''لاؤ میں کر دوں مساج......بہت بہترین مساج کرنا آتا ہے مجھے۔ چہرہ چاند کی طرح چمک اٹھے گا۔'' اس نے فراخدلانہ پیش کش کی

تھی۔

''بہت شکریہ۔ اپنے منہ کو چمکا لیں تھوڑا۔'' وہ ہنسنے لگی تھی۔

''ارے اس منہ کو تو ایسے ہی شرف قبولیت بخش دیا گیا ہے اسے کیا چمکانا۔ اسے تو ایسا ہی رکھنا ہے ریکارڈ کے طور پر۔''

زینب اب آئینے سے قریب ہو کر بغور اپنا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ ایک ایک نقش کا بغور جائزہ لے کر اس نے آئینے میں نظر آتے احسن کے عکس کو دیکھا۔

وہ نگاہوں میں شرارت بھرے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

''احسن۔'' وہ قدرے جھینپ گئی ''ایک بات تو بتائیں۔ میری رنگت کملا گئی ہے، میرا رنگ پھیکا پڑ گیا ہے؟''

''کہنے والی کی ایسی کی تیسی۔'' وہ اسے چمکارنے کے سے انداز میں بولا ''چاند سورج شرما جائیں جو میری زینب کا یہ چمکتا چہرہ دیکھیں تو۔ ہائی داوے، یہ ارشاد بھی محترمہ فارحہ فیصل کا ہے؟''

''ہاں...... وہی کہہ رہی تھی۔'' اس نے اعتراف کیا۔

''اچھا۔'' وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولا ''اور کیا کیا ارشادات ہوئے۔ تفصیل سے بتاؤ مجھے۔'' وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے سامنے آ بیٹھی۔

''احسن! ہم یہ گھر تبدیل نہیں کر سکتے؟ سچ! مجھے کتنی شرم محسوس ہوئی جب فارحہ نے ایسے کہا کہ اس کا ڈرائیور پوچھ رہا تھا، اتنے گندے علاقے میں کون رہتا ہے۔''

چند لمحوں کے لیے وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ زینب بھی نگاہوں میں آس بھر کر اسے دیکھنے لگی کہ شاید وہ کہہ ہی دے کہ ہم اگلے ماہ ہی گھر تبدیل کر لیں گے۔

''اور بالفرض وہ نیا علاقہ بھی تمہاری دوست کے معیار پر پورا نہ اترا تو؟'' وہ سنجیدگی سے پوچھنے لگا ''پھر ہم کہاں جائیں گے؟''

''کیوں نہیں، ہم سوچ سمجھ کر انتخاب کریں گے علاقے کا صاف ستھرا، خوب صورت ایریا ہو۔ ترتیب سے بنگلوز بنے ہوئے ہوں، چوڑی کشادہ سڑکیں ہوں جینے کا لطف آ جائے۔ میں تو روز واک کے لیے نکلا کروں گی شام میں۔ سچ احسن! یہاں تو گیٹ پر کھڑے ہوئے شرم آتی ہے، اتنا گندا علاقہ، ایسے گندے سندے لوگ۔''

اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

وہ اس طرح مسکرا دیا جیسے کسی بچے کی بات پر مسکراتے ہیں۔

''زینو۔'' پھر وہ بولا ''ہماری شادی کو کتنے مہینے گزر گئے ہیں۔ تمہیں آج تک یہ علاقہ اور اس کے لوگ گندے نہیں لگے۔ آج تمہیں اچانک ہی یہ سب کچھ گندا لگنے لگا کہ تمہاری دوست کے ڈرائیور کو یہ علاقہ پسند نہیں آیا۔ تمہاری یہ بچگانہ سوچ کب بدلے گی یار؟ کب بڑی ہو گی؟ پختہ سوچ کی مالک بنو انسان کو اتنی نازک ذہنیت کا مالک نہیں ہونا چاہیے کہ ہر دوسرے شخص کی سوچ اس پر غالب آ جائے اسے شکست دے ڈالے مضبوط ذہن، مضبوط سوچ کی مالک بنو۔''

زینب منہ بنائے اس کی بات سنتی رہی۔

''مجھے اس علاقے میں رہتے ہوئے سات آٹھ سال ہو گئے ہیں میں یہاں کے ہر فرد کو جانتا ہوں، یہاں کے سب لوگ مجھے جانتے ہیں، میری عزت کرتے ہیں میرا میرے گھر کا خیال رکھتے ہیں، تمہیں چھوڑ کر جاتا ہوں تو یہ فکر نہیں ستاتی کہ پیچھے سارا دن تم اکیلی رہو گی۔ اطمینان رہتا ہے۔ سبھی لوگ بہت اچھے شریف اور نیک ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تمہیں ان لوگوں میں کیا گندا پن نظر آ گیا۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا...... میرا یہ مطلب نہیں تھا احسن۔'' وہ شرمندگی سے منمنائی تھی ''میں تو صرف یہ کہہ رہی تھی کہ انسان کو ہمیشہ اچھے سے اچھے، بہتر سے بہتر کی کوشش کرتے رہنی چاہیے۔ یہاں کے لوگ اچھے ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باقی ہر جگہ کے لوگ خراب ہوں گے۔ نظر باز ہوں گے کیا کسی اچھے علاقے کی رہائش کی خواہش دل میں رکھنا کوئی گناہ ہے؟''

''میں نے کب کہا؟ میرے تو اپنے ذہن میں نجانے کب سے ایک چھوٹے سے، خوب صورت سے بنگلے کا خواب روشن ہے جو ایک پیاری سی، پرسکون سی جگہ پر ہو۔ میرے ذہن میں تو اس جگہ کا اس گھر کا ایک ایک نقش تیار ہے جو ہمارا اپنا ہوگا۔ جہاں میں اور تم رہا کریں گے تمہیں شاید یاد ہو شادی سے پہلے بھی میں نے تم سے اس کا ذکر کیا تھا کہ میں اپنا گھر بنانا چاہتا ہوں۔

خیر۔'' اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''جو رقم جمع شدہ تھی وہ تو شادی پر خرچ ہوگئی۔ اب پھر سے شروعات کرنی ہیں...... لیکن تھوڑا صبر سے کام لینا پڑے گا زینو، ہتھیلی پر سرسوں نہیں جمتی میں تمہارا ہر خواب پورا کروں گا لیکن میرے قدم سست رفتار ہیں۔ تمہیں میرے ساتھ ساتھ چلنا ہے...... دوڑنے کی کوشش کروگی تو دونوں بھٹک جائیں گے۔''

زینب کسی سوچ میں گم ہوگئی تھی۔ اپنے خواب اسے ایک لامتناہی فاصلے پر نظر آ رہے تھے۔ وہاں تک پہنچنا ناممکنات میں سے لگتا تھا۔ اپنا گھر بنانا کس قدر مشکل کام ہے۔ یہ خواہش رکھنا کیسا مہنگا سودا ہے۔ اسے پوری طرح سے علم تھا۔ انسان کی پوری عمر اس ایک کام کے لیے کافی ہے۔

''کیا سوچنے لگیں؟'' احسن نے موڈ تبدیل کر کے شرارت سے اس کا سر ہلایا ''کہیں اپنے نئے گھر کی سیٹنگ کے بارے میں تو نہیں سوچ رہیں؟''

''انسان کے ہاتھ خالی ہوں اور دل میں اپنے ایک اچھے سے گھر کا ارمان بھی ہو تو پھر وہ گھر بن جانے کے بعد اس گھر کی سیٹنگ آدمی خود نہیں سوچتا اس کے بچے سوچتے ہیں۔''

وہ قدرے سنجیدگی سے بولی تھی۔

''بچے؟'' وہ شوخی سے بولا ''ہاں اس پہلو پر بھی تو غور کرنا ہے۔ چلو، گھر سے پہلے بچوں کے متعلق سوچتے ہیں...... ویسے یہ کام نسبتاً آسان بھی ہے۔ ہوں؟''

زینب بری طرح سے جھینپ گئی۔



آمنہ آئی تھی۔ کتنے دن بعد وہ آمنہ سے ملی تھی۔ زینب کو بے انتہا خوشی کا احساس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ کسی بہت اپنے، بہت عزیز سے ملی تھی۔

''میں بہت دیر کے لیے نہیں آئی ہوں۔'' آمنہ نے اسے کچن کا رخ کرتے دیکھ کر کہا ''بس چائے پلا دو اچھی سی۔ بھائی تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔''

زینب نے اسے بری طرح سے گھورا۔

''زیادہ مہمان بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ بھائی تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔'' اس نے آمنہ کی نقل اتاری۔ ''جب خبر تھی کہ میرے پاس آ رہی ہو تو اتنی جلدی بلانے کی کیا ضرورت تھی؟ کتنی ڈھیروں ڈھیر باتیں ہیں تم سے کرنے والی...... اماں کیا گئیں، ہمارا ساتھ بھی چھوٹ گیا۔'' وہ اداس ہوگئی۔

''پھر آؤں گی کسی روز آرام سے۔'' آمنہ نے معذرت کی تھی ''فی الوقت تو ایک کام سے آئی ہوں۔''

''کام؟'' زینب نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''ہاں.....وہ کارڈ دینا تھا تمہیں..... دو تین جگہوں پر اور بھی دینا ہے.....امی کا تو تمہیں پتہ ہے نا، طبیعت ٹھیک نہیں رہتی ان کی، سو اپنی شادی کے کارڈ بانٹنے کا کام مجھے ہی سرانجام دینا پڑ رہا ہے۔'' اس نے گفتگو کے دوران بیگ میں سے کارڈ نکال کر اس کی سمت بڑھایا تھا۔

زینب چند لمحوں کے لیے متعجب نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔ آمنہ کے رویے میں کوئی غیر معمولی پن نہ تھا حد درجہ سنجیدگی اور متانت چہرے پر سجائے وہ اس کے کارڈ تھامنے کی منتظر تھی۔

''تمہاری شادی کا کارڈ؟ تمہاری شادی ہو رہی ہے؟'' زینب کو اپنی حیرت کو ٹھکانے لگانے کے لیے خود استفسار کرنا پڑا تھا۔

''ہاں.....تو اور کیا۔'' وہ دھیمے سے مسکرا دی ''کیا میری شادی نہیں ہو سکتی؟''

''تو تم اتنے اطمینان اور آرام سے اور دھیمے پن سے بتا رہی ہو جیسے یہ روزمرہ کا کوئی عام سا واقعہ ہو جیسے اتوار کے روز کسی جگہ سستا بازار لگ رہا ہو۔''

آمنہ کو ہنسی آگئی۔

''پھر اور کیسے بتاؤں؟ مجھے تو شاید کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں آتا۔ بس نارمل لیتی ہوں ہر بات تم ہی بتاؤ کیا طریقہ ہے یہ بات بتانے کا؟''

زینب کو اس کی سادگی پر پیار آ گیا۔ وہ واقعی بہت سادہ طبیعت اور صابر و شاکر رہنے والی لڑکی تھی۔

''اچھا بابا رہنے دو مبارک باد قبول کرو اور یہ بتاؤ کہ موصوف کون ہیں، کیا نام ہے، کیا کرتے ہیں، کہاں رہتے ہیں.....بس چپ چاپ کارڈ دے رہی ہو جیسے اس پر سارے کوائف درج ہوں گے۔''

''انوار نام ہے، پوسٹ آفس میں ہیڈ کلرک ہیں..... رہتے کہاں ہیں، مجھے بھی علم نہیں۔ امی کو خبر ہو گی یا بھائی کو۔''

زینب کو یہ سب کچھ جان کر کچھ زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی پھر بھی اس نے اپنے تاثرات سے اس بات کا اظہار نہیں کیا۔ اس کا ہاتھ تمام کر مسکرا دی۔

''چلو جو نام ہو، جیسا کام ہو..... خدا تمہارے حق میں بہتر کرے۔ ویسے ہیں کیسے؟ دیکھا ہے؟'' اس نے قدرے شرارت سے پوچھا تھا۔

''ہوں.....ایک مرتبہ آئے تھے ہمارے گھر یونہی سرسری سا دیکھا ہے پہلی بیوی مر چکی ہے، اس سے ایک چھوٹی سی بیٹی بھی ہے..... خیر تم شادی پر ضرور آنا۔ خود دیکھ لینا۔''

زینب چند لمحوں کے لیے سن ہو کر رہ گئی تھی۔

اس سے کچھ بھی کہا نہ جا سکا بس وہ بے معنی نگاہوں سے آمنہ کو دیکھ کر رہ گئی تھی۔

''اچھا زینب! میں چلوں۔'' آمنہ کھڑی ہو گئی ''بھائی نیچے کھڑا ہو گا۔ اسے بس ذرا آگے اپنے دوست کو کارڈ دے کر آنا تھا۔''

''آمنہ! چائے تو پی لو میں بناتی ہوں۔'' وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی تھی۔

''میں لگاؤں گی چکر چند روز میں پھر چائے ہی نہیں کھانا بھی کھاؤں گی آج اجازت دو۔'' وہ اس کا ہاتھ ہولے سے دبا کر باہر نکل گئی۔

زینب کسی سوچ میں گم کھڑی رہ گئی تھی۔ وہ آمنہ کو رخصت کرنے کے لیے سیڑھیوں تک بھی نہ جا سکی تھی۔ اسے حقیقتاً افسوس ہوا تھا۔ سانولی سلونی پرکشش سی آمنہ یقیناً اس سلوک کی مستحق نہ تھی جو اس کے ساتھ کیا گیا تھا۔ یہ آمنہ کی والدہ کی جلد بازی کا کمال تھا۔

''یہ مائیں بھی کبھی کبھار کتنا ظلم کر جاتی ہیں اپنی اولاد کے ساتھ۔''

شام کو احسن آیا تو وہ بھری بیٹھی تھی۔

''کیا انہیں احساس نہیں ہوتا کہ یہ اپنے ظالم فیصلوں کے بھاری قدموں تلے اپنی معصوم بیٹیوں کے نرم و نازک خواب، خوب صورت احساسات چکنا چور کر رہی ہیں۔''

''مائیں کبھی اپنی اولاد کا برا نہیں چاہ سکتیں مجھے اتنی خبر ہے۔'' وہ اطمینان سے اخبار پڑھ رہا تھا۔ ''ان کی دور رس نگاہ جو دیکھتی ہیں، وہ نا تجربہ کار اولاد نہیں دیکھ سکتی۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہوگا۔''

''ہاں درست فرمایا۔'' وہ جل ہی تو گئی ''ایک پختہ عمر رنڈوے ایک معمولی ملازم، ایک بیٹی کے باپ سے انہوں نے اپنی نازک، کومل سی لڑکی کا رشتہ طے کیا ہے...... تو بہت دور اندیشی کا ثبوت دیا ہے۔ اس سے اچھا رشتہ تو پھر آمنہ کو مل ہی نہیں سکتا تھا...... ہے نا؟''

''دیکھو یار'' اس نے اخبار ایک طرف رکھ دیا ''تم کم از کم یہ دعویٰ نہیں کر سکتیں کہ تمہارے دل میں اس کی ماں سے زیادہ درد ہے آمنہ کا۔ وہ اس کی ماں ہے ماں، آمنہ کو اگر پھانس بھی چبھے گی نا تو اس کی ماں کو زیادہ تکلیف ہوگی۔ وہ اگر چاہے بھی تو بیٹی کا برا نہیں چاہ سکتی۔ اس نے کچھ سوچ کر ہی اتنا بڑا فیصلہ کیا ہوگا۔ یا پھر وہ بے حد مجبور ہوگی۔''

''ایسا بھی کیا حالات کے آگے جھکنا۔ اس سے تو بہتر تھا، آمنہ ساری عمر کنواری رہ لیتی۔'' وہ شدید تاسف سے سر ہلا کر کہہ رہی تھی۔

''ایک حقیقت اور بھی ہوتی ہے محترمہ تقدیر کہتے ہیں جسے۔'' وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا ''یہ فیصلہ آمنہ کی ماں کا نہیں، آمنہ کے خدا کا ہے، زندگی، موت، شادی، اولاد، سب چیزیں انسان اپنی پیشانی پر لکھوا کر لایا ہوتا ہے۔ اس تحریر سے فرار ممکن نہیں۔ خدا کی رضا جان کر صبر شکر سے کام لینا ہی عقل مندی ہے۔ خدا بھی خوش ہوتا ہے اور قلب بھی مطمئن رہتا ہے اور پھر تم خواہ مخواہ فکر میں دبلی ہو رہی ہو آمنہ کی ماں راضی، وہ کیا نام بتایا انوار راضی پھر تمہاری ناراضی کا بیچ میں کیا دخل؟ میاں بی بی راضی ہیں تم بے وجہ ناراض قاضی کا رول ادا کرنے پر تلی ہوئی ہو۔'' وہ اسے خفگی سے گھور کر رہ گئی۔

''ایک یہی خامی ہے تم میں اپنی اور میری فکر چھوڑ کر سارے جہاں کی فکریں مول لے لیتی ہو۔ چلو، یہاں آؤ۔ ذرا میرا سر دبا دو۔'' وہ شرارت سے بولا تھا۔

''مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' وہ بمشکل مسکراہٹ چھپا کر کمرے سے نکل گئی تھی۔



آمنہ کہہ کر تو گئی تھی مگر پھر زینب انتظار کرتی ہی رہ گئی اور اس کی شادی کا دن آن پہنچا۔

تیار ہوتے وقت زینب کے دل میں خوشی کا کوئی خاص جذبہ نہ تھا۔ وہ بس رسم دنیا نبھانے کی خاطر جا رہی تھی۔ ورنہ اس کا دل ہی نہ چاہتا تھا ایسی شادی میں شریک ہونے کو۔

آمنہ نے اس سے کچھ بھی نہ کہا تھا لیکن مجبوری کی داستان اس کے چہرے پر رقم تھی۔ زینب جانتی تھی کہ صابر و شاکر آمنہ کو کبھی بھی اور کسی سے بھی شکووں شکایتوں کی عادت نہ رہی تھی۔ وہ ہر حال، ہر موسم میں قانع رہنے والے لوگوں میں سے تھی اور آج بھی اس نے بنا اپنی اداسیوں کا اظہار کیے، چپ چاپ سر جھکائے رخصت ہو جانا تھا۔ کسی کو خبر بھی نہ ہوتی کہ اس کے دل میں کون سے جذبے ماتم کر رہے ہیں...... کیسی کیسی خوش آئند سوچیں سوگ منا رہی ہیں۔ آمنہ آج سپاٹ چہرے اور خشک آنکھوں کے ساتھ اس شخص کے ساتھ ساتھ چل پڑتی جو اس کی تمناؤں کا حل ہرگز نہ تھا۔

آنکھوں میں کاجل لگاتے لگاتے زینب کی آنکھیں بھر آئیں۔ آمنہ اسے عزیز تھی۔ اس کا دل اس کے دکھ پر پانی ہو رہا تھا۔ اسے یکدم

احساس ہوا کہ وہ کتنی اچھی قسمت لکھوا کر لائی تھی۔ خدا نے اسے ہر شے سے نوازا تھا۔ حسن، چاہت، محنت، اچھا پسندیدہ ساتھی زندگی میں کسی کی کمی نہ تھی۔ خود اس کی اپنی بنائی ہوئی جھوٹی محرومیاں تھیں۔

وہ ایک گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔ احسن نے اندر جھانکا تھا۔ ''رخصتی کے بعد اطمینان سے چلنے کا ارادہ ہے کیا؟''

''چلیے۔'' وہ گہرا سانس بھر کر باہر نکل آئی تھی۔

آمنہ دلہن بن کر بہت پیاری لگ رہی تھی۔ اس کا لباس بہت قیمتی نہ تھا اور میک اپ بھی برائے نام ہی تھا پھر بھی اس پر روپ بہت آیا تھا۔ اس کے تمام نرم و نازک تصورات اور خوب صورت خیالات آج اس کے چہرے سے چھلکنے لگے تھے۔ چہرے پر ہلکی سی، پیاری سی مسکراہٹ سجائے وہ کسی گڑیا کی طرح ساکت بیٹھی تھی۔

زینب کو اس سے مل کر قدرے اطمینان ہوا۔ وہ آمنہ کے جس سپاٹ اور تاثر سے عاری چہرے کا تصور لے کر گئی تھی وہ آمنہ کو دیکھ کر باطل ثابت ہو گیا تھا۔

آمنہ مطمئن بھی نظر آئی تھی اور خوش بھی تھی۔ زینب کو دیکھ کر وہ بڑی خوش گواریت سے مسکرائی تھی۔

زینب مطمئن ہو گئی تھی اور پھر آمنہ کے شوہر کو دیکھ کر اس کا اطمینان گہرا اور مستحکم ہو گیا۔ وہ درمیانی عمر کا ایک باوقار مرد تھا۔ بہت اچھا نہ تھا۔ لیکن آمنہ کے ساتھ بیٹھا بہت مختلف بھی نہ لگتا تھا۔ اس کی بیٹی بہت ہی چھوٹی اور پیاری تھی اور آمنہ سے جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ دو تین مرتبہ اس نے آمنہ کو امی کہہ کر پکارا تھا۔ اور آمنہ مسکرا دی تھی۔

زینب کا موڈ جاتے ہوئے جتنا خراب تھا واپسی پر احسن کے پیچھے بائیک پر سوار ہو کر رہی تھی۔

''جب وہ مجھے کارڈ دینے آئی تھی بے حد افسردہ معلوم ہوتی تھی...... لیکن آج خوش تھی۔ ویسے بھی وہ ہر طرح کے حالات سے سمجھوتہ کر لینے والی لڑکی ہے۔''

''لڑکیاں بے چاریاں ایسی ہی ہوتی ہیں...... سیدھی سادی اور معصوم۔'' احسن نے اسے چھیڑا۔ ''بہت جلد سمجھوتا کر لیتی ہیں۔ یاد نہیں'' شادی سے پہلے تمہاری اپنی آنکھوں میں کیسے کیسے خواب سجے تھے...... پھر کیا ہوا؟ تم نے بھی مجھ سے سمجھوتا کر لیا۔''

''جی نہیں۔ میں سیدھی سادی اور معصوم ہرگز نہیں ہوں۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں بولی۔ ''اپنے تمام خواب ادھار دیے ہیں...... لوٹانا ہوں گے مع سود کے۔''

''اوہو...... ہوں۔'' وہ فکر مند ہوا۔

پھر دونوں ہی ہنس دیے۔ گھر کے سامنے زینب اتری تو دیکھا، صوفیہ اپنے کمرے کی کھلی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ اس کے چہرے پر چھایا حزن و ملال کا تاثر زینب نے اتنے فاصلے سے بھی واضح طور پر دیکھ لیا تھا۔ سکون و اطمینان اور فخر و غرور کی ایک لہر سی اسکے وجود کے اندر ابھری۔

صوفیہ نے جس شخص کی خاطر جوگ لیا ہے، افسردہ اور اداس کھڑی ہے، وہ بھرپور، محبتوں سے لبریز شخص اس کے ہمراہ تھا۔ عمر بھر کے لئے اس کا اپنا تھا۔ اس کے تمام جذبے زینب کے لئے تھے۔ فخر سے گردن تانے کھٹ کھٹ کرتی وہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔



اس روز چھٹی تھی۔ وہ دونوں ہی قدرے تاخیر سے سو کر اٹھے تھے۔ الجھے الجھے بالوں کو ہاتھ سے سمیٹتی وہ کچن کا رخ کر رہی تھی۔ جب برآمدے کا دروازہ بجا۔ یہ یقیناً فرخندہ آپا تھیں۔ زینب کو قدرے کوفت ہوئی۔

گھر بکھرا ہوا ہوتا تو فرخندہ آپا کا چھاپا اسے بے حد ناگوار گزرتا تھا۔ وہ کچھ نہ کہتی تھیں۔ لیکن ہر ہر شے کا جائزہ لیتی ان کی نگاہیں بہت کچھ

کہہ جاتی تھیں۔ کئی مرتبہ تو زینب نے انہیں چیزوں پر انگلی پھیر کر مٹی کی موجودگی یا غیر موجودگی کا احساس کرتے بھی دیکھا تھا۔ نجانے وہ یہاں ایک تفتیشی افسر کی مانند کیوں آتی تھیں۔ ان کے دل میں زینب کے لئے کون سا جذبہ تھا۔ یہ اس کا گھر تھا، وہ یہاں جس طرح چاہے رہتی۔ انہیں ہر شے پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کا حق کس نے دیا تھا؟ دستک دوبارہ ہوئی تو بادل نخواستہ بڑھ کر اس نے دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم آپا۔''

''وعلیکم السلام..... ابھی سو کر اٹھی ہو؟'' ان کے لہجے میں حیرت اور نگاہ سامنے لگی گھڑی پر تھی۔

''جی۔'' وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شرمندہ ہوئی۔ ''چھٹی کا دن ہے نا..... احسن تو ابھی بھی سو رہے ہیں۔''

''ہاں چھٹی کا دن تو ہوتا ہی مردوں کے لئے ہے، سارا ہفتہ ڈیوٹی پر بھی تو وہی جاتے ہیں عورتوں کے تو وہی روز کے دھندے چھٹی والے دن بھی ہوتے ہیں..... خیر بتانے آئی تھی، تمہاری دوست فارحہ کا فون آیا تھا۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں دوبارہ کرے گی فون۔''

''فارحہ کا فون تھا؟'' اسے حیرت ہوئی۔

پھر اسے یاد آیا۔ فارحہ کو اس نے احسن کے آفس اور فرخندہ آپا کا نمبر دیا تھا۔

''اچھا..... چلیں میں چلتی ہوں۔'' بالوں کا جوڑا بنا کر، دوپٹہ اوڑھ کر وہ ان کے ہمراہ نیچے چلی آئی۔

''ان کا نمبر تمہارے پاس ہو تو تم کر لو۔'' فرخندہ آپا نے پیش کش کی۔

''کسی زمانے میں یاد تھا..... اب تو بھول گئی نمبر بھی۔''

وہ مسکرا دی۔ ''میں انتظار کر لیتی ہوں۔'' اسے نمبر یاد تھا لیکن وہ کال کر کے ان کا احسان لینا نہ چاہتی تھی۔ صبح اٹھتے ہی ناصحانہ گفتگو نے اس کا موڈ آف کر دیا تھا۔

چند لمحوں میں ہی بیل گنگنا اٹھی۔ زینب نے اٹھ کر ریسیور اٹھایا دوسری جانب فارحہ ہی تھی۔

''ہیلو..... ہاں بھئی کہاں گم ہو؟'' وہ زینب کی آواز پہچان کر بولی۔ ''کتنے دن سے منتظر ہوں تمہاری کہ شاید تم خود ہی ملنے آ جاؤ..... مگر نہیں بھئی باقاعدہ دعوت کی ضرورت ہے محترمہ زینب احسن ایاز کو، ہاں؟''

''نہیں، نہیں..... ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ دھیرے سے ہنس دی۔ ''وہ دراصل آمنہ کی شادی تھی۔ کچھ مصروفیت رہی..... ورنہ میں تو سوچ ہی رہی تھی۔''

''اچھا..... شادی ہو گئی آمنہ کی؟ چلو، اچھا ہوا۔ یہ قصہ بھی پاک ہوا خیر اب بتاؤ کیا ارادے ہیں؟ آج کوئی خاص مصروفیت تو نہیں ہے؟''

''آج؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ''نہیں مصروفیت تو کچھ خاص نہیں ہے، چھٹی کا دن ہے۔''

''بس تو پھر میں ڈرائیور بھیج رہی ہوں۔ آ جاؤ۔'' اس کا انداز قطعی تھا۔

''ابھی۔ فوراً؟'' اس نے احسن سے سرے سے کوئی تذکرہ ہی نہ کیا تھا، گھبرا کر بولی۔ ''میں نے تو احسن سے پوچھا نہیں۔''

''ہائیں؟'' فارحہ بھنا گئی۔ ''بھلا اس میں اجازت طلب بات کون سی ہے؟ مجھ سے ملنے ہی تو آ رہی ہو، بتا دو۔ میں پھر لاہور چلی جاؤں گی ایک آدھ روز میں پتا نہیں نصیب میں پھر کب ملنا ہو۔ ہو سکتا ہے اسی سال مستقلاً لندن شفٹ ہو جائیں ہم لوگ..... سن رہی ہو نا؟''

''ہاں ہاں۔''

''بس تیار ہو جاؤ آدھے گھنٹے میں۔ میرا ڈرائیور آ رہا ہے۔''

اس نے کھٹ سے فون بند کر دیا۔ زینب بے بسی سے ریسیور کو دیکھ کر رہ گئی چھٹی کا دن تھا، احسن سارا دن گھر پر ہی رہتا تھا۔ وہ کہیں جانے

کا نام لیتی تو بات اگلے روز پر ٹالنے کی کوشش کرتا تھا۔ یہ دن وہ خاص الخاص زینب کے ساتھ ہی گزارنے کا متمنی رہتا تھا۔

''یار پورے چھ دنوں کے بعد یہ ایک قیمتی دن آتا ہے۔ پورے چھ دن! کیسے گزرتے ہیں، تم شاید اندازہ نہ کر سکو۔ اس دن تو کہیں جانے کا نام نہ لیا کرو۔ آدمی گھر پر ہی نہ ہو تو ورکنگ ڈے اور ہولی ڈے میں کیا فرق رہ جائے گا؟ تمہیں جہاں جانا ہے، کل شام لے جاؤں گا پرامس۔''

وہ ہمیشہ یہی بات کیا کرتا تھا۔ خود زینب بھی اس بات کا احساس کرتی تھی۔ اس دن ہر مصروفیت بالائے طاق رکھ کر وہ فارغ فارغ سی اس کے آس پاس پھرا کرتی۔

اب اچانک ہی فارحہ کے فون نے اسے کوفت میں مبتلا کر دیا۔ ابھی تو وہ سو کر ہی اٹھی تھی۔ آدھے گھنٹے کے شارٹ نوٹس پر اب بھلا کس طرح سارے کام سے فارغ ہو کر تیار ہو پاتی؟ لیکن فارحہ بھی اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ شادی نے اس کی طبیعت پر کوئی خاص اثر نہ چھوڑا تھا۔ وہی ضدی پن، وہی تحکم سے بھرپور انداز!

وہ سوچتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔ احسن ٹی وی آن کئے لیٹا تھا۔ اسے دیکھ کر قدرے سیدھا ہوا۔

''کہاں گم ہیں عالی جناب؟ منہ دھوئے بغیر ہی محلے کی سیریں ہو رہی ہیں۔ خالص عورتوں والا کام۔'' زینب مسکرا دی۔ پھر کچھ کہے بنا اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔ احسن نے اطمینان سے اپنے پیر اس کی گود میں رکھ دیے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے یہ اس کا خاص انداز ہوا کرتا تھا۔

''چائے بنا دوں؟''

''اوں ہوں۔ بنا دینا۔ جلدی کیا ہے؟'' وہ میچ کی جھلکیوں میں گم تھا۔

''وہ......احسن! بات سنیں نا۔'' اسے عجیب سے جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

چونکہ وہ ہر ہر بات میں اس کے جذبات کا بھرپور خیال رکھتا تھا، زینب بھی اس کے نازک احساسات کا پاس رکھنے کی ہر ممکن کوشش کیا کرتی تھی۔ پورے دن کے لئے اسے اکیلے چھوڑ کر جانے کا خیال اسے خود تکلیف دے رہا تھا۔

''ہاں۔ کہو؟'' اس نے ریموٹ سے آواز کم کی' کوئی خاص بات؟''

''فارحہ کا فون تھا۔ اس نے آج مجھے انوائیٹ کیا ہے اپنے گھر میرا مطلب ہے پورے دن کے لئے۔ پھر وہ چلی جائے گی لاہور اپنے سسرال۔''

''اچھا۔'' وہ قدرے سوچ میں پڑا' تو......شام کو چلی جانا یار! میں کیا سارا دن مکھیاں ماروں گا؟''

''اس نے تو ڈرائیور بھی بھیج دیا ہے۔ بس پہنچتا ہوگا۔'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔ احسن نے بدمزگی سے منہ بنایا تھا۔

''ڈرائیور کی بھیج ضروری تھی؟ میں چھوڑ آتا۔'' اس کا موڈ قدرے خراب ہوا تھا۔

''میں نے تو نہیں کہا تھا۔ اس نے خود ہی۔''

شو مارنی ضروری سمجھی۔'' احسن نے اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ ''خیر! جانا چاہتی ہو تو ضرور جاؤ۔''

''اور آپ؟''

''میری بھی دعوت ہے؟'' اس نے انجان بن کر پوچھا۔

''میرا مطلب ہے......سارا دن میں نے تو کھانا بھی نہیں بنایا۔'' وہ سخت الجھن کا شکار تھی۔ احسن نے چند لمحے بغور اسے دیکھا۔ الجھی الجھی، بکھری بکھری، ڈری ڈری، وہ عجب کشمکش کا شکار تھی محض اس کی ناراضگی کے خیال سے؟

وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔

''ارے بابا جاؤ جا کر تیار ہو جاؤ۔ میری فکر چھوڑو۔ میں کوئی دودھ پیتا بچہ تو نہیں ہوں۔''

''اکیلے رہ لیں گے؟'' اس نے بھولپن سے پوچھا۔ وہ ہنس دیا۔

''ڈر تو لگے گا...... خیر، رہ لوں گا۔ ارے محترمہ فکر اندیش! جایئے تیار ہو جائیں۔ میں سب کچھ کر لوں گا۔'' زینب بے ساختہ مسکرا دی۔ احسن کے انداز نے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا تھا۔

''شکریہ احسن! آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔'' کچھ دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد وہ بڑی محبت سے بولی تھی۔

''دیکھو...... مجھے مجبور نہ کرو کہ میں اپنا فیصلہ یکدم بدل لوں۔'' وہ مسکرایا۔ ''یوں بے ایمان نہ کرو۔''

وہ ہنستی ہوئی اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔

فارحہ بھی آخر اس کی ہی دوست تھی۔ سوا بارہ بجے وہ اسے ناشتے کی میز پر ملی۔ بھاپ اڑتی، گرم گرم چائے کی پیالی سامنے رکھے وہ ہاتھ میں تھامے ٹوسٹ کا آخری نوالہ لے رہی تھی۔

''ادھر ہی آجاؤ زین۔'' وہ نوالہ منہ میں رکھ کر ہاتھ جھاڑنے لگی۔ ''میں چائے منگواتی ہوں۔'' زینب اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''محترمہ ابھی ناشتے سے بھی فارغ نہیں ہوئیں اور مجھے بلوانے کی اس قدر جلدی تھی۔'' وہ قدرے خفگی سے بولی۔ ''قسم سے احسن کو ایک پیالی چائے بھی بنا کر نہ دے سکی اس قدر عجلت میں تیار ہو کر آئی ہوں۔'' فارحہ مسکرا دی۔

''تو بابا دے دیتیں بنا کر چائے کی پیالی اپنے ''سرتاج'' کو۔ اب میں نے یہ تو منع نہیں کیا۔''

''کیسے دیتی؟ تمہارا ڈرائیور جو سر پر سوار ہو گیا تھا۔''

''تو کھڑا رہتا ڈرائیور۔ تمہیں اس کا اتنا احترام کرنے کو کس نے کہا تھا؟'' فارحہ نے خالی کپ میں چائے ڈال کر اس کے آگے سرکائی ''اور سرتاج اتنے نازک ہیں کیا؟ چائے کا ایک کپ بنا کر نہیں پی سکتے؟ منہ تک بھی تم ہی لے جاتی ہوگی کپ۔''

''ارے نہیں۔ احسن تو قسم سے بہت اچھے ہیں۔ آئیڈیل شوہر ہیں۔ چائے کیا وہ تو کھانا تک بنانے پر راضی تھے بلکہ بنائیں گے۔'' زینب نے فوراً وکالت کی۔

''اوہ...... ہسبنڈ کم کک۔'' فارحہ ہنسی۔ ''چلو پھر تو بہت اچھا ہے۔ بیوی کو آرام رہتا ہے...... فیصل تو مجھ سے ذرا سے کم ہی ہیں پھوہڑ پن میں...... بھولپن سے پوچھتے ہیں، یہ ٹوٹ تو نہیں جائے گا۔ ڈال دوں؟''

وہ اپنی ہی بات پر بے تحاشا ہنسی تھی۔ زینب بھی مسکرا دی۔

''اور دیکھو ایک بات گرہ سے باندھ لو۔ یہ شوہروں کو زیادہ سر پر چڑھاؤ تو بہت جلد تگنی کا ناچ نچانے لگتے ہیں۔ احسن سے پوچھا نہیں، احسن سے اجازت نہیں لی، احسن مائنڈ نہ کر جائیں فولش! ایسی باتیں ابھی سے کرو گی تو احسن گیس کا غبارہ بن جائیں گے جو اوپر ہی اوپر جاتا ہے۔ ارے بھئی، میں کہتی ہوں ضرورت ہی کیا ہے اتنی ناز برداریوں کی۔ بس اطلاع دو کہ میں فلاں جگہ جا رہی ہوں، فلاں وقت لوٹوں گی اور بس! شروع سے ہی یہ رویہ رکھو تو آگے تکلیف نہیں ہوگی۔ ان شوہروں کو اس اطاعت گزاری کی عادت اگر پڑ جائے تو پھر ساری عمر بندریا بنائے رکھتے ہیں بیوی کو۔ ڈگڈگی پر نچاتے رہتے ہیں اور شروع میں تو عورت کو بندریا بننا بھی اچھا لگتا ہے، سمجھتی ہے میرا شوہر بہت پیار کرنے اور خیال رکھنے والا ہے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے اسے گلے میں بندھی ڈور چبھنے لگتی ہے، تکلیف دیتی ہے۔ شادی سے پہلے کی آزادی یاد آتی ہے۔ اور شوہر کا لونگ اور کیئرنگ ہونا دنیا کا سب سے بڑا مذاق لگتا ہے ایسے ہونقوں کی طرح کیا دیکھ رہی ہو؟ کچھ عقل شریف میں سما بھی رہا ہے یا نہیں؟''

''نہیں فارحہ! تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' اس نے فارحہ کو سمجھانے والے انداز میں کہا۔ ''احسن ایسے نہیں ہیں، وہ تو میرا بڑا خیال کرتے ہیں۔ ہر بات میں میری ہی خوشی کو مقدم جانتے ہیں وہ اجازت لینے والی بات تو میں نے یونہی کہہ دی تھی ورنہ مجھے ان کی جانب سے کھلی آزادی ہے۔ کوئی روک ٹوک نہیں۔''

''ارے بابا! میں تو نہیں کہتی کہ احسن بھائی ایسے ہیں۔ میں تو عام سی بات کر رہی ہوں۔ سارے شوہروں میں ہمارے اپنے شوہر بھی تو آ ہی جاتے ہیں۔''

وہ بات ختم کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''چلو...... میرے کمرے میں چلتے ہیں...... میں ماسی حفیظاں سے کھانے کا کہتی ہوں کیا پکواؤں تمہارے لئے؟ چلو، میں خود ہی مینو تیار کرتی ہوں آج کا تم میرے کمرے میں چلو۔''

فارحہ اتنا زیادہ بولنے لگی تھی کہ اپنے سوالوں کے جواب بھی وہ خود ہی دے لیا کرتی تھی۔ سامنے والا منہ کھول کر رہ جاتا تھا۔

''فیصل بھائی ٹھیک ہی تو کہتے ہیں۔'' اس کے کمرے کی سمت جاتے ہوئے زینب نے سوچا۔ ''اگر وہ بولنا بھول رہے ہیں تو حق بجانب ہیں۔'' اسے اپنی سوچ پر ہنسی آ گئی۔



فارحہ کا کمرہ وہی تھا جو شادی سے قبل اس کے زیر استعمال تھا۔ وہاں چند چیزوں کا اضافہ ضرور ہوا تھا لیکن سیٹنگ وہی پرانی تھی۔

زینب بیڈ پر بیٹھ کر کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ ہر جانب فارحہ کے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل اور کارپٹ پر جا بجا چھوٹے اور بڑے ڈبوں کا ڈھیر تھا۔ شاید فارحہ نے حال ہی میں شاپنگ کی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر فارحہ کی شادی کی تصویر تھی جس میں وہ فیصل کے ساتھ بیٹھی تھی۔

زینب تصویر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ کسی بہت ماہر فوٹو گرافر نے فارحہ کے عام سے خدوخال والے چہرے ایک حور کا سا روپ بخش دیا تھا۔ وہ اپنی شادی والے روز یقیناً اتنی حسین نظر نہ آئی تھی، تصویر میں تو وہ کوئی دوسری ہی لڑکی لگ رہی تھی۔

زینب چند لمحے تصویر کا جائزہ لیتی رہی۔ اسے اپنی تصویریں یاد آ گئیں۔ احسن کے دوست نے عام سے کیمرے سے عام سی تصویریں اتاری تھیں، جن میں اسے صحیح طرح سے فوکس بھی نہیں کیا تھا۔ ان تصویروں کو دیکھ کر کسی کو گمان بھی نہ گزرتا کہ وہ اپنی شادی والے دن کس قدر حسین لگتی تھی۔

''سب پیسے کا کھیل ہے۔!'' اس نے گہرا سانس بھر کر تصویر واپس جگہ پر رکھ دی۔ ''حسن، جوانی، بے فکری، شوخی، شرارت، ذہنی سکون ونشاط۔ ہر شے محض پیسے کی بدولت ہے۔ یہ دنیا آخر اتنی بڑی حقیقت کو تسلیم کر کیوں نہیں لیتی! تمام فلاسفر، سارے عالم آخر ایک غلط بات کو صحیح بنا دینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں کہ دنیا محبت ہے، انسان محبت ہے، زندگی محبت ہے۔ اصل شے عزت ہے، وقار ہے، دولت تو ہاتھ کا میل ہے۔ ہونہہ! جن کے پاس دولت نہیں ہوتی شاید وہی دل جلے ایسی کہاوتیں گھڑ لیتے ہیں۔''

''ویسے کام وہی جو انسان اپنے ہاتھ سے کرے۔'' فارحہ ناک چڑھائے تیز تیز بولتے کمرے میں داخل ہوئی۔ ''ان ماسیوں کے بھروسے پر رہو تو کام بھی ڈھنگ سے نہ ہو اور خون بھی جلتا ہے۔ امی نے ہی سر چڑھا رکھا ہے اس حفیظاں کو۔ میں تو ایسا ٹائٹ رکھوں کہ عقل آ جائے محترمہ کو۔''

زینب نے سوالیہ نگاہیں اس پر ٹکائی اس کی تقریر ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی کہ شاید کوئی سرا ہاتھ لگے۔

''محترمہ! اتنی دال چڑھا کر بیٹھی ہیں جیسے اس کی سسرالیوں نے آنا ہے۔'' اس نے ہاتھوں کے اشارے سے دال کی مبالغہ آمیز مقدار بنائی۔ ''حالانکہ میں نے بتایا بھی تھا کہ میری فرینڈ نے آنا ہے۔ خیر، بریانی اور کھڑے مسالہ کا قیمہ بنا کر آئی ہوں۔ دیکھو، اب کیا تیر مارتی ہیں محترمہ۔ میرا کک تو ایسے ایسے شاندار کھانے بناتا ہے کہ آدمی اپنی انگلیاں تک کھا جائے۔ کبھی لاہور آؤ تو تمہیں ایسا چائنیز کھانا کھلاؤں گی جو تم نے زندگی میں نہیں کھایا ہوگا۔ چائنیز ڈشز تو بہت اسپیشل قسم کی بناتا ہے۔''

''فارحہ کی ساری گفتگو اس کے شوہر، کک اور ڈرائیور تک محدود ہو کر رہ گئی ہے شاید۔'' زینب نے سوچا مگر کہنے کی ہمت نہ کر سکی۔

''تمہاری تصویر بہت اچھی آئی ہے فارحہ۔'' اس نے فارحہ کے لحظہ بھر کو خاموش ہونے پر کہا۔ ''باقی کی تصویریں بھی دکھاؤ نا۔ البم کہاں ہے تمہارا۔؟''

''البم۔؟'' اس نے سوچا۔ شادی کا البم تو نہیں لائی، ہاں ہنی مون کی تصویریں لائی ہوں۔ ٹھہرو، دکھاتی ہوں۔ دراصل امی، ابو اور بہن بھائیوں کے لئے اتنے گفٹس لئے تھے میں نے کہ تین اٹیچی کیس تو ان ہی سے بھر گئے۔ البم وغیرہ کی جگہ ہی نہ تھی پھر فیصل بھی جھنجلا گئے تھے میرا سامان دیکھ کر۔'' وہ ہنسی۔ ''آخر کو ساری پیکنگ انہوں نے ہی کی تھی۔''

زینب اس کی تصویریں دیکھنے لگی۔ ایک چنگاری سی جو کہیں دب گئی تھی پھر سلگ اٹھی۔ اس کے ہنی مون کا پروگرام کیسا ملیا میٹ ہوا تھا۔ اسے پھر یاد آ گیا۔ وہ تصویریں دیکھتی گئی اور ہر تصویر حسرت بنتی گئی۔ کیسی کیسی حسین جگہیں تھیں، جہاں ان دونوں نے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر یادگار تصویریں بنوائی تھیں۔ فارحہ کس قدر خوش نظر آ رہی تھی۔ ہر تصویر میں اس کے لب مسکرا رہے تھے۔ وہ اداس سی ہو گئی۔

''تم لوگ کہاں گئے تھے؟'' فارحہ نے تصویریں سمیٹ کر لفافے میں ڈالتے ہوئے یوں ہی سرسری انداز میں پوچھا تھا۔ ''کہیں مری، کاغان ہو کر آئے ہوں گے، کیوں۔؟''

''نہیں، کہاں جا سکے۔!'' اس نے شکایتی انداز میں سر کو جنبش دی تھی۔ ''احسن نے بات ٹال دی پھر کبھی ذکر ہی نہیں کیا۔''

''رئیلی۔؟'' فارحہ کو حیرت ہوئی۔ ''یار! شادی اور ہنی مون تو ایسے لازم و ملزوم لگتے ہیں کہ مجھے تعجب ہوتا ہے ان جوڑوں پر جو شادی کر کے بھی گھر ہی بیٹھے رہتے ہیں۔ یہ شروع کے چار دن ہی تو ہوتے ہیں ہنسی خوشی گزارنے کے، ایک دوسرے کو سمجھنے کے پھر کہاں ٹائم ملتا ہے۔'' اس نے سانس بھری۔

''احسن نے ٹھیک طرح سے پلاننگ ہی نہیں کی تھی۔ سارے پیسے شادی میں لگا دیے اور وہ ہیں نا میری ساس، فرخندہ آپا۔'' اس کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔ ''وہ نصیحتوں کی پوٹلی، کچھ انہوں نے کان بھر دیے احسن کے۔''

''تمہاری ساس۔؟'' فارحہ نے تعجب سے اس کی صورت دیکھی۔ ''اچھا، وہ تمہاری مالک مکان۔ ان کا اتنا عمل دخل ہے تمہاری پرسنل لائف میں؟ کیوں بھئی۔؟''

زینب کا دل پہلے ہی ان کی جانب سے میلا تھا۔ فارحہ کے جملے نے جیسے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ اس نے ان کی کافی برائیاں کیں۔ احسن کے خیالات پر ان کا کتنا کنٹرول تھا یہ بھی بتایا۔

"یار! دیکھو سیدھی سی بات ہے۔ میں نے تو کبھی اپنی سگی ساس کو اتنی لفٹ نہیں کرائی کہ وہ مجھے صحیح اور غلط میں فرق بتاتی پھریں۔" بھئی میرا اپنا پوائنٹ آف ویو ہے کہ میں کس چیز کو ٹھیک سمجھتی ہوں، کس کو غلط۔ یہ بات میں نے شروع دن سے ہی فیصل سے بھی کلیئر کر رکھی ہے۔ تم ان کی اتنی پروا ہی کیوں کرتی ہو جو تمہارا دل جلے۔ جو چاہتی ہو، کرو۔ جیسے رہنا چاہتی ہو، رہو۔ وہ نصیحتیں کرنے کی کوشش کریں تو انہیں صاف صاف کہہ دو کہ اپنے گھر میں تم اپنی مرضی سے رہو گی۔ ایک آدھ مرتبہ زبانی جھڑپ ہی ہو گی پھر وہ راہ راست پر آجائیں گے۔ احسن بھائی بھی ذرا محتاط ہو جائیں گے۔" وہی دوٹوک انداز تھا فارحہ کا، جس پر زینب کو بار بار رشک آتا تھا۔

"تم جانتی ہو، میں ایسا کر ہی نہیں سکتی۔" اس نے مایوسی سے سر ہلایا۔

"پھر بھگتو۔" اس نے کاندھے اچکا دیے۔ "اور پھر تمہیں کرنا ہی کیا ہے۔ کرایے کا گھر ہے، تبدیل کر لو۔ تمہاری جان اس ایریا سے بھی چھوٹے گی اور فرخندہ آپا کے غیر متوقع چھاپوں سے بھی۔ یہ مشورہ تو میں تمہیں پہلے بھی دے چکی ہوں۔"

"گھر تبدیل کرنے کی بات کی تھی میں نے احسن سے۔" زینب آہستگی سے بولی۔ "لیکن انہوں نے تو......"

"بیک جنبش "سر" رد کر دیا تمہارا کہا۔؟" فارحہ نے استہزائیہ انداز میں اس کی بات کاٹتے ہوئے اسے بغور دیکھا۔

"وہ کہتے ہیں فارحہ! گھر انسان کا اپنا ہو تو وہ اس کے گرد و پیش کے حسن کے متعلق احساس بھی ہو۔ کرایے کے گھر کا کیا ہے، کہیں بھی ہو۔ انہوں نے کہا، جب بھی اپنا گھر لیں گے، اچھے سے علاقے میں لیں گے۔"

"یا خدا۔!" فارحہ نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ "زینب! میری جان! کتنی کم عقل ہو تم۔ یہ بندہ اول روز سے تمہیں اپنے اشاروں پر چلا رہا ہے۔ اور تم آنکھیں بند کیے چل رہی ہو پھر بھی یہی تکرار ہے کہ احسن مجھے بہت چاہتے ہیں، احسن میرا بہت خیال رکھتے ہیں، احسن میری ہر بات مانتے ہیں۔ مجھے کوئی سی ایک بات بتا دو جو اس شخص نے تمہارے کہنے پر بلا چوں و چراں مان لی ہو؟ دیکھو زین، یہ جو شوہر ہوتے ہیں نا یہ بہت جلیبی ٹائپ ہوتے ہیں بلکہ پیاز کہو تو زیادہ مناسب ہو گا۔ اتنی اتنی تہیں ہوتی ہیں ان کی کہ اندر کی بات پتا چل کر نہیں دیتی۔ سب سے بڑی ٹرک تو یہی ہوتی ہے ان کی کہ اپنی منواتے جاتے ہیں اور "تمہاری ہی مانتا ہوں۔" کا راگ الاپتے رہتے ہیں تمہیں میرا بہترین مشورہ ہے۔ یہی وقت ہے اپنی اہمیت جاننے کا۔ یہ اندازہ لگانے کا کہ اس آدمی کو تمہارا کتنا خیال ہے۔ اڑ جاؤ اپنے مطالبے پر، منوا کر چھوڑو۔"

"لیکن فارحہ! ایسے تو دلوں میں فاصلے پیدا ہوتے ہیں۔" وہ کچھ ڈر کر بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے بے فکری سے ہاتھ ہلایا۔ "یہ میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے۔ ابھی صدیوں کے فاصلے پر کھڑے ہیں تو اگلے ہی پل ندی کنارے کا سا ساتھ ہوتا ہے بلکہ مزہ ہی اس تغیر میں ہے۔ ایک دوسرے کی چاپلوسی کرتے کرتے تو اکتاہٹ ہونے لگتی ہے۔ تمہیں نہیں ہوتی؟"

اس نے اچانک پوچھا تھا۔ زینب اسے دیکھ کر رہ گئی۔



اس کی واپسی مغرب کے وقت ہوئی تھی۔ فارحہ اسے خود چھوڑنے آئی تھی۔ زینب اسے ہاتھ ہلا کر گھر میں داخل ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے اسے سخت بدمزگی کا شکار ہونا پڑا۔ ہاتھ میں تسبیح تھامے فرخندہ آپا سامنے ہی کھڑی تھیں۔ اپنے برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑی وہ شاید اسی کی منتظر تھیں۔ اسے دیکھ کر انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے قریب بلایا اور خود دعا کے انداز میں ہاتھ چہرے پر پھیرنے لگیں۔

"السلام علیکم۔" وہ ان کے قریب پہنچ کر قدرے ٹھٹکتے ہوئے اور بیزار سے انداز میں گویا ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔" انہوں نے اس کی پیشانی اور گریبان پر پھونک ماری۔ "عین مغرب کے وقت نکلی تھیں گھر سے؟ تھوڑا جلدی نکل آتیں یا

پھر اور ٹھہر کر آنا تھا۔"

"جی بس وہ......" اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ گڑبڑا کر رہ گئی۔

"مجھے چابی دے گیا ہے۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں سوال دیکھ کر اسے روکنے کا مقصد بیان کیا۔ "یہ لیتی جاؤ۔"

"اوہ!" اس پر اوس سی گری۔ "احسن گھر پر نہیں ہیں؟ کہاں گئے ہیں۔؟"

"کیا معلوم، کسی دوست کے ہاں ہی گیا ہوگا۔" اس غریب کا اور ہے کون شہر میں۔ ویسے زینب بیٹا تمہاری طبیعت کا بچپنا کسی طور جاتا معلوم تو نہیں ہوتا۔ روٹی ہانڈی کیے بغیر پورے دن کے لئے غائب ہو جانا شادی شدہ عورت کو تو زیب نہیں دیتا۔"

"آپا!" وہ قدرے تلخی سے بولی تھی۔ "دیکھیے، یہ ہم میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے اور پھر میں احسن سے ہی اجازت لے کر گئی تھی۔ یا آپ سمجھتی ہیں کہ کہیں آنے جانے کے لئے مجھے آپ کی اجازت درکار ہے؟"

فرخندہ آپا کے لئے اس کا لہجہ اور بات دونوں ہی غیر متوقع تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے شپٹائے ہوئے انداز میں اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"زینب!" پھر وہ بولی تھیں۔ "بیٹا! میں تمہارے بھلے کے لئے ایک بات کہہ رہی تھی۔ خدانخواستہ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تمہاری ذاتی زندگی میں مداخلت کروں۔"

"آپ کر رہی ہیں بلکہ اکثر و بیشتر کرتی رہتی ہیں۔" وہ انہیں نرم پڑتا دیکھ کر مزید جارح ہوئی۔ "ہر چند کہ صبح و شام مجھے نصیحتیں کرتے رہنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ صرف ہماری مالک مکان ہیں کوئی خدائی فوجدار نہیں۔"

"زینب!"

اچانک ہی اس کی پشت پر احسن کی غصیلی، تنبیہہ سے بھری آواز ابھری تھی۔ زینب چند لمحوں کے لئے سن ہو کر رہ گئی۔ اسے احسن کی یوں اچانک آمد کا خیال تک نہ تھا۔ وہ پلٹ کر تیزی سے اپنی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ احسن کی طرف اس نے دیکھا تک نہ تھا۔

اوپر پہنچ کر اس نے تالا کھولا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ چند لمحوں میں اس کے سر پر موجود تھا۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی زینب۔؟" وہ آتے ہوئے بولا تھا۔ "کیا وہاں سے کوئی نشہ کر کے آئی ہو جس نے تمہیں چھوٹے بڑے کی تمیز اور بات کرنے کا سلیقہ بھلا دیا۔؟"

چند لمحوں کے لئے وہ اسے بے یقینی سے دیکھتی رہ گئی۔

"اور آپ؟ یہ کس طرح سے بات کر رہے ہیں مجھ سے۔ اس عورت کے لئے جو آپ کی کچھ نہیں لگتی، آپ اپنی بیوی سے............"

"مت کہو کہ وہ میری کچھ نہیں لگتیں۔" احسن نے سخت لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے اول روز تمہیں جتا دیا تھا کہ میں انہیں بہت کچھ سمجھتا ہوں۔ رشتے رگوں میں دوڑتے خون کا نام نہیں ہوتے زینب! دلوں کے جذبات سے بنتے ہیں اور میرے دل میں ان کا بہت احترام ہے۔ وہ میری بڑی بہن کی طرح ہیں اور یہ تمہیں اچانک کیا ہوا؟ ایسی بھی کیا بات ہو گئی تھی جس کے لئے تم نے مجھے یوں ذلیل اور بے مایہ کر کے رکھ دیا؟ اور! کیا سوچتی ہوں گی فرخندہ آپا۔"

وہ شدید تاسف کا شکار تھا۔

"سوچتی رہیں وہ۔" وہ غصہ سے پھٹ گئی۔ "ان کے سوچنے کی بہت پرواہ ہے آپ کو اور میں...... میرا کچھ خیال نہیں؟ رتی برابر پرواہ نہیں تمہیں میرے جذبات کی۔ انہیں کا راگ الاپ رہے ہیں جب سے۔ مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ انہوں نے کس طرح میرے دل کو ٹھیس پہنچائی ہے۔"

"اس لئے کہ میں تمہیں بھی سمجھتا ہوں اور انہیں بھی جانتا ہوں۔" اس نے سلگتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا۔ "واقف ہوں تمہاری پل میں تولہ پل میں ماشہ والی کیفیت سے۔"

''اوہ!'' اسے شدید صدمہ ہوا۔ ''تو فرخندہ آپا ہی آپ کی سب کچھ ہیں۔ ان کے سامنے کسی کی کوئی اہمیت نہیں آپ کے نزدیک۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا زینب۔'' وہ گہرا سانس بھر کر قدرے نرم پڑا۔ ''تم جانتی ہو میرے لئے تم جو کچھ ہو......''

''رہنے دیجئے۔'' اس نے تیزی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ''میں سمجھ چکی ہوں اپنی اہمیت، اپنا مقام، مزید کچھ جاننے کی تمنا نہیں۔''

اپنے کپڑے اٹھا کر وہ باتھ روم میں بند ہوگئی پھر رات کو اس سے کوئی بات کئے بنا وہ دوسری جانب کروٹ لے کر سوگئی تھی۔



''زینی......اوزینو......'' احسن نے بڑی آہستگی سے اس کے بالوں میں انگلیاں چلا کر اسے جگایا تھا۔ زینب کی آنکھ کھل گئی لیکن وہ سوتی بنی رہی۔

''کہتے ہیں، میاں بیوی کو اپنے تمام جھگڑوں کا تصفیہ رات سونے سے قبل ہی کر لینا چاہیے تاکہ نیا سورج ایک ہنستی مسکراتی صبح کی نوید لئے طلوع ہو، دیکھو، ہم دونوں نے کتنی بڑی حماقت کر ڈالی۔ ابھی تو زندگی کا آغاز ہوا ہے اور ہم نے ایک رات ایک دوسرے سے خفا رہ کر برباد بھی کر دی۔ کس قدر قیمتی ہیں یہ لمحات زینو، جو ایک دوجے کی ہمراہی میں بیت رہے ہیں، انہیں مزید ضائع نہ کرو۔ اٹھو بھی یار۔''

وہ اس کے قریب بیٹھا آہستہ آہستہ بول رہا تھا۔

زینب کے دل میں رات کی باتوں کا غبار بدستور اٹر رہا تھا۔ کوئی ایک ذرہ بھی نہ بیٹھا تھا بدگمانی کی دھول کا۔ اس نے ناراضی سے اس کا ہاتھ اپنے پرے سے جھٹک دیا اور سر تک چادر لپیٹ کر لیٹی رہی۔

''زینو! اٹھو نا یار، پلیز۔!'' اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔ ''میں مانتا ہوں، میں رات کچھ زیادتی کر گیا تمہارے ساتھ لیکن رات کی باتیں رات کے ساتھ چلی جانے دو۔ دیکھو، میں تمہارے لئے چائے بنا کر لایا ہوں۔ مسکرا کر شکریہ ادا کرو میرا۔'' اس نے ٹون بدل کر شوخی سے کہا۔ ''اٹھ جاؤ نا جانو۔''

''مجھے تنگ نہ کریں احسن پلیز۔'' وہ جھنجلا کر بولی۔ ''سر میں سخت درد ہے میرے۔ سونے دیجئے۔''

''سوتی رہنا سارا دن گھوڑے بیچ کر۔ ابھی میں آفس جا رہا ہوں۔ رخ روشن کے دیدار سے میری نظروں کو سیراب تو کر دو۔ یوں ہی پیاسا چلا جاؤں گا تو کیا خوشی ملے گی تمہیں......؟''

''میرے چہرے میں ایسی کوئی خاص بات نہیں ان کا چہرہ دیکھیں جن سے دلی جذبات وابستہ ہیں آپ کے۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

احسن اس کی بات پر خاموش ہو کر رہ گیا۔ تھوڑی دیر وہ وہیں بیٹھا غالباً کچھ سوچتا رہا پھر اٹھ گیا۔

''میں جا رہا ہوں زینی! دروازہ بند کر لینا۔'' آہستگی سے کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا تھا۔ وہ اس کے جاتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ نیند تو رات کو ہی مشکل سے آئی تھی۔ اس وقت سر بھاری تھا لیکن اس سے سویا نہ گیا۔ عجیب سی کسک محسوس ہو رہی تھی۔ کسی خلش کا احساس ستا رہا تھا۔ شادی کے بعد سے اب تک ایسا نہ ہوا تھا کہ صبح وہ یوں اسے دیکھے بنا آفس چلا جاتا۔

بے دلی سے اٹھ کر وہ کچن تک آئی۔ احسن ناشتے کی ٹرے چھوئے بغیر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ ہر شے جوں کی توں موجود تھی۔ سنکے ہوئے سلائس، فرائی انڈہ اور چائے کا کپ۔ اس نے چائے اٹھا کر پینا چاہی لیکن گھونٹ حلق سے اتارنا دشوار ہو گیا۔ اس کے بھوکے چلے جانے کا خیال ستانے لگا۔ کپ واپس وہیں رکھ کر وہ کمرے میں چلی آئی۔ ہر جانب خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ یوں تو روز ہی یہی خاموشی ہوتی تھی۔ لیکن یوں ویرانی کا سا احساس نہ ہوتا تھا۔ اس کا دل بھر آیا پھر اماں یاد آگئیں۔ وہ وہیں بیٹھ کر خاموشی سے آنسو بہانے لگی۔

''زینب میری بچی۔!'' اچانک ہی فرخندہ آپا اندر داخل ہوئی تھیں۔ اسے روتا دیکھ کر وہ بے اختیار آگے بڑھ آئیں اور خود سے لپٹا لیا۔

''چچ چچ چچ...... ذرا سی بات اور ایسا فسانہ بن گئی۔ مجھ بدبخت کو کیا خبر تھی ورنہ ایسی بات منہ سے نہ نکالتی۔ جو دو دلوں میں ایسا فرق پیدا کر دے۔ زینی! بچی! معاف کر دو مجھے۔ میری وجہ سے تمہاری میاں کے ساتھ جھڑپ ہو گئی۔ کیسا احساس ندامت ہے۔ ڈوبی جاتی ہوں۔'' وہ دکھ سے بولی تھیں۔

زینب خاموشی سے آنسو پونچھنے لگی۔

''میرا کچھ کہنا تمہیں برا لگتا ہے تو آئندہ کبھی کچھ نہیں کہوں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔ میں تو...... میں تو...... تمہیں بہت اپنا جان کر سمجھاتی تھی۔ اولاد سے محروم ہی ہوں۔ تم دونوں ایسے لگنے لگے ہو جیسے خدا نے بیٹھے بٹھائے بیٹے سے بھی نواز دیا اور بیٹی سے بھی۔ اسی بھروسے سے وہ کچھ کہہ گئی جو تمہارے دل کو ٹھیس پہنچا گیا۔ معاف کرنا بیٹی، مجھ عقل کی اندھی نے یہ نہ سوچا کہ تمہارے لئے تو میں اس اہمیت کی حامل کبھی نہیں ہو سکتی، جس اہمیت کے حامل تم دونوں ہو میرے نزدیک۔ تمہارے لئے تو میں مالک مکان ہوں، اور بس۔''

ان کی آواز بھرا گئی تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی تھیں بچی! تمہاری زندگی میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہمارا کوئی ایسا تعلق ہے کہ میں تمہیں نصیحت ہی کر سکوں۔ کل شاید میں کچھ زیادہ ہی کہہ گئی تھی۔ دراصل جب شام پانچ بجے احسن نے مجھ سے کھانا مانگا اور مجھے علم ہوا کہ وہ سارا دن بھوکا رہا ہے تو مجھے کچھ غصہ آ گیا تھا۔ اسی لیے زبان سے وہ سب کچھ نکل گیا۔ بھول گئی کہ مجھے تم سے باز پرس کا کوئی اختیار نہیں۔ کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔؟''

وہ اتنا کچھ کہہ چکی تھیں کہ مزید کسی صفائی اور وضاحت کی ضرورت نہ رہی تھی پھر اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ آئندہ کے لیے انہوں نے احتیاط کا دامن تھام لینا تھا۔

''بس بھی کیجئے آپا۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''کیوں اتنا شرمندہ کر رہی ہیں مجھے۔؟''

''شرمندہ تو میں ہوں زینب! کل ساری رات جاگ کر، رو کر گزاری ہے۔'' وہ دکھ سے بولیں۔

''نہیں آپا، اب ایسا بھی کیا ہو گیا۔ ایسے چھوٹے موٹے اختلافات تو ہو ہی جاتے ہیں جہاں چند انسان بستے ہیں۔ جو آپ نے محسوس کیا، کہہ دیا۔ جو میرے جی میں آیا، میں نے کہہ ڈالا بس اب جانے دیجئے۔''

''جیتی رہو۔'' وہ گہرا سانس بھر کر کھڑی ہو گئیں۔

''چلتی ہوں۔''

''بیٹھیں آپا! چائے بناتی ہوں۔'' وہ بھی ان کی ہمراہی میں کھڑی ہو گئی۔

''بس بیٹی! چلوں گی، نیچے بھی گھر اکیلا ہے پھر ابھی کھانا بنانا ہے، صفائی کرنی ہے۔ میں تو کچن سمیٹ کر پہلے تم سے ملنے چلی آئی تھی۔ دل ایسا بے قرار ہو رہا تھا۔ رہا نہیں گیا۔'' وہ انہیں چھوڑنے سیڑھیوں تک آئی۔ فرخندہ آپا بھی کچھ بھی کہے بنا سیڑھیاں اتر گئی تھیں۔

''ہونہہ، بیٹا اور بیٹی سمجھتی ہیں۔ ہر ماہ کرایہ تو بڑی باقاعدگی سے لیتی ہیں۔ اپنی اولاد سے بھی کوئی کرایہ لیتا ہے۔''

وہ سر جھٹک کر گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی تھی۔

شام کو احسن کی آمد سے قبل اس نے نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیا تھا۔ وہ بھی مزید لڑائی نہ چاہتی تھی اور پھر فرخندہ آپا اس کے نزدیک واقعی کوئی اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ وہ ان کی وجہ سے کیوں اپنے شوہر سے دور رہتی۔

احسن آیا تو وہ دروازہ کھولتے ہوئے ہولے سے مسکرا دی تھی۔

''السلام علیکم۔'' آہستگی سے اسے سلام کیا۔

''والسلام، مزاج بخیر۔؟'' وہ بھی مسکرادیا۔ ''کوئی ٹھنڈا شربت بنا کر پیا؟ مزاج کی گرمی کچھ دور ہوئی؟ افاقہ ہوا۔؟''

''احسن!'' وہ اسے گھورنے لگی۔

''جی جناب! مجرم حاضر ہے، جو چاہے سزا سنا دیں، منظور ہوگی۔ بس دوری کی سزا نہ ہو، جو پھانسی سے بھی بری ہے۔''

وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''سوچ لیں۔ سزا کوئی سی بھی ہو سکتی ہے۔'' وہ اسے دھمکانے والے انداز میں بولی تھی۔

''جیب پر جتنا بھی بوجھ ہو، برداشت ہے۔ دل کا بوجھ برداشت نہ ہوگا۔'' وہ مسکرایا۔

''ٹھیک ہے۔ تو آج رات کا کھانا ہم باہر کھائیں گے۔''

''منظور۔'' وہ ہنسا۔ ''یہ سزا تو مجرم پہلے ہی اپنے واسطے تجویز کر چکا تھا۔''

''ہوں۔'' وہ سوچ میں پڑی۔ ''مابدولت کچھ شاپنگ بھی کریں گے۔ سردی کا اختتام ہے۔ لان کے کچھ سوٹ سیل میں سے لیے جائیں گے۔''

''مابدولت سوچ لیں۔ مہینے کا بھی اختتام ہے۔'' اس نے دہائی دی تھی۔ ''ایسا نہ ہو کہ مجرم کنگال ہو جائے اور پیٹرول تک کے پیسے نہ بچیں۔''

''میں کچھ نہیں جانتی۔'' اس نے بے رخی سے سر ہلایا۔ ''کوئی رعایت نہیں ہو سکتی۔''

''حکم حاکم۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''چلیے جناب! تیار ہو جائیں۔''

وہ شام بے حد خوشگوار گزری تھی۔ احسن نے اسے اچھا سا کھانا کھلانے کے ساتھ ساتھ کافی ساری شاپنگ بھی کرائی تھی اور اس کی پسندیدہ جگہوں پر گھمایا پھرایا بھی تھا۔ زینب کا موڈ بہت اچھا تھا، ہر چند کہ وہ بری طرح سے تھک گئی تھی۔ سارے پیکٹ بستر پر گراتے ہوئے وہ خود بھی وہیں گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔ جوتے اتارتے ہوئے احسن نے مڑ کر دیکھا اور مسکرا دیا۔

''بس، اتنی سی شاپنگ نے اتنا تھکا ڈالا۔ جو میں بہت امیر ہوتا تب کیا ہوتا۔؟''

''تب؟'' اس نے سوچا۔ ''تب میں روز شاپنگ پر جاتی اور روز تھکتی۔''

''توبہ توبہ، تم عورتوں کو شاپنگ کے علاوہ بھی کچھ سوجھتا ہے؟ پیسے خرچ کر کے آخر کون سی تسکین حاصل ہوتی ہے۔؟''

''پیسے خرچ ہوتے ہیں تو ضرورت کی چیز بھی تو ملتی ہے آدمی آخر کماتا ہی کیوں ہے۔''

''آدمی اسی لیے کماتا ہے۔'' اس نے حسرت سے سانس بھر کر کہا۔ ''کہ اس کی بیوی آخر مہینے میں جا کر ڈھیر ساری ضرورت کی چیزیں خرید لائے۔'' زینب کو ہنسی آ گئی۔

''تو آپ بھی کچھ لے لیتے اپنے لیے۔ میں نے منع تو نہیں کیا تھا۔'' پھر وہ سنجیدہ ہو گئی۔ ''ہائے احسن سچ، آپ نے تو اپنے لیے کچھ بھی نہیں خریدا، سارے پیسے مجھ پر ہی خرچ کر ڈالے، کوئی اچھی سی شرٹ ہی لے لیتے۔ گنتی کی چند شرٹیں ہیں آپ کے پاس۔''

''ارے ہم درویش لوگ ہیں۔ کام چلا لیتے ہیں جب تک چلے۔ بس آپ خوش رہیں اور ہمیں کیا چاہیے۔''

''سچ احسن! بہت محبت کرتے ہیں آپ مجھ سے۔؟'' وہ ہتھیلیوں کے پیالے میں چہرہ لے کر اسے دیکھنے لگی۔

''یہ بھی کوئی سو گز کے فاصلے سے پوچھنے والی بات ہے؟'' وہ شرارتی ہوا۔ ''بہت چالاک ہو تم زینب خاتون۔''

''مذاق نہ کریں۔ صحیح صحیح جواب دیں میری بات کا۔ دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے کرتے ہیں آپ۔؟''

''تمہارے دل سے رات والی بدگمانی شاید اب تک نہیں گئی'' وہ سنجیدہ ہو کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ ''زینو! میری جان! دیکھو۔ جب سے

شعور کی دنیا میں قدم رکھا ہے، کسی اپنے کو نہیں دیکھا۔ کسی سچے رشتے کو نہیں پایا۔ ایک سرائے کی سی مانند تھی دنیا میرے لیے۔ تم ملی ہو تو میں نے جانا ہے رشتہ کیا ہوتا ہے، محبت کیسے کرتے ہیں، گھر کیسے بنتا ہے۔ ایک چھوٹے سے مکان میں ایک پوری دنیا کیسے آباد ہو جاتی ہے پھر بھی تمہیں یہ پوچھنے کی ضرورت باقی رہتی ہے کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ محبت کس سے کرتا ہوں؟ ظاہر ہے، تم سے کرتا ہوں۔ تم ہی میری دنیا ہو، میری زندگی ہو، تم میری بیوی، میرا سب کچھ۔''

زینب مطمئن ہو کر مسکرا دی۔

''اچھا، تو سنیں! ایک فرمائش ہے میری آپ سے۔ اسی محبت کے بھروسے جو آپ مجھ سے کرتے ہیں۔''

''ہوں، کہو۔'' وہ بغور اسے دیکھنے لگا۔

''ہم جلد یہ گھر تبدیل کر لیں گے۔'' وہ آخر کہہ ہی گئی۔ ''میرا یہاں جی نہیں لگتا احسن۔'' وہ چند لمحوں کے لیے گم صم سا ہو گیا تھا۔

''کیا سوچنے لگے ہیں؟ کوئی بہت بڑی فرمائش تو نہیں۔ دنیا جہاں سے انوکھی تو کوئی بات نہیں، آخر اتنا عرصہ ہو گیا آپ کو یہاں رہتے ہوئے، اب تو کوئی تبدیلی، کوئی ترقی ہونی چاہیے۔'' احسن دانتوں سے نچلے لب کو کاٹنے لگا تھا۔

''اچھا چلیں بھی اب۔'' زینب نے اسے ٹہوکا دیا۔ ''کپڑے چینج کر لیں۔ دس بج رہے ہیں۔ صبح آفس جانے کے لیے اٹھنا ہے، چھٹی نہیں ہے جناب کی۔'' وہ خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔



اگلا روز اس کے لیے اہم تھا۔ دوپہر میں اچانک ہی آمنہ چلی آئی تھی۔ اس کی عزیز از جان دوست، زینب بڑی گرم جوشی سے ملی۔ آمنہ سے مل کر اسے نجانے کیوں اماں کی یاد آ جاتی تھی۔ شاید آمنہ سے اس کے میکے کی یادیں وابستہ تھیں۔

''کیسی ہو آمنہ۔'' پھر اس نے بغور آمنہ کا جائزہ لیا۔ ''دبلی ہو رہی ہو اور رنگت بالکل زرد ہو رہی ہے، کیا بات ہے۔ خوش تو ہو نا اپنے گھر میں۔؟'' اس نے قدرے تشویش سے پوچھا تھا۔ آمنہ خوش دلی سے ہنس دی۔

''بہت خوش ہوں، بالکل مطمئن۔ تم اپنی سناؤ۔''

''راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔'' وہ شوخی سے مسکرائی۔ ''ویسے یہ داستان امیر حمزہ تو تم کئی مرتبہ سن چکی ہو۔ آج تو تمہاری باری ہے، اپنی کہو۔ اپنے میاں صاحب کی شان میں کوئی قصیدہ پڑھو۔ عادت کے، مزاج کے کیسے ہیں؟''

''بہت اچھا۔'' آمنہ کے چہرے پر وہی مطمئن مسکراہٹ رقصاں تھی۔ ''انور عادت کے، مزاج کے بہت اچھے اور سلجھے ہوئے انسان ہیں۔ بہت نرمی اور ٹھہراؤ ہے ان کے اندر۔ بہت اچھی گزر رہی ہے۔''

''اور وہ، ان کی بیٹی۔؟''

''کنزی! ارے وہ تو بہت ہی پیاری بچی ہے۔ قانع اور صابر و شاکر۔ بالکل اپنے باپ کی طرح مجھ سے بہت اٹیچ ہو گئی ہے تھوڑے سے ہی دنوں میں۔ بہت عزیز ہو گئی مجھے اور انوار تو اسے بہت چاہتے ہیں، دیوانوں کی طرح۔''

زینب نے اس کے چہرے پر اور لہجے میں کچھ کھوجنا چاہا مگر ناکام رہی۔

''ایک بات بتاؤ آمنہ۔'' پھر اس نے پوچھ ہی لیا۔

''تمہیں کبھی کبھی اس سے جیلسی نہیں فیل ہوتی۔؟''

''کنزی سے۔؟'' آمنہ حیران رہ گئی پھر دوسرے ہی لمحے ہنس دی۔ ''ارے نہیں زینب! بالکل نہیں۔ وہ تو ایک معصوم سی، فرشتہ صفت بچی

ہے، بن ماں کی بچی۔ اسے میری جیلسی کی نہیں، میری توجہ اور پیار کی ضرورت ہے۔ انوار کے پاس کہاں اتنا ٹائم ہوتا ہے کہ وہ اسے بھرپور توجہ دے سکیں جس کی وہ اس عمر میں متقاضی ہے۔ صبح جاب، شام کو ٹیوشن وغیرہ دیتے ہیں۔ انہیں تو بالکل وقت نہیں ملتا۔ اماں اس کی ہے نہیں۔ میرے سوا کون ہے اس کی دیکھ بھال کرنے والا، اسے چاہنے والا۔''

''لیکن آمنہ! میں نے تو سنا ہے، سوتیلی ماؤں کے دل ایسی بچیوں کے حق میں پتھر جیسے ہوتے ہیں۔'' وہ متجسس لہجے میں بولی۔ ''تمہیں اس سے اتنی محبت کیسے ہوگئی۔؟''

''پتا نہیں۔ شاید ایسی ماؤں کے سینے میں دل ہوتے ہی نہیں جو عورت بچے سے محبت نہ کر سکے زینب! سمجھو خدا نے اسے دل دیا ہی نہیں۔ دل، گوشت کے اس ٹکڑے کا نام نہیں ہے جو سینے میں مسلسل حرکت کرتا رہتا ہے۔ دل تو نرم احساسات، نازک جذبات کے مجموعے کا نام ہے زینب، اسے کوئی پتھر کیسے کر سکتا ہے؟ دل میں تو ہر لمحے خدا بستا ہے، خدا سے چوری چھپے کسی سے نفرت کیسے کی جا سکتی ہے؟ وہ بھی کسی معصوم بچے سے۔''

''تمہیں کیا کہوں آمنہ! تم تو دنیا سے نرالی ہو ورنہ ایسی ماؤں کے ظلم وستم کے قصے کس نے نہیں سن رکھے ہوتے۔ دراصل بات ہوتی ہے جذبہ رقابت کی، جو عورت سوتیلی اولاد سے محسوس کرتی ہے۔ اسے اپنے شوہر کے قریب کوئی غیر وجود کھٹکتا ہے۔ شوہر پر تو کسی دوسرے کا حق برداشت ہو ہی نہیں سکتا نا۔'' اپنی بات مکمل کرتے کرتے اس کے ذہن میں فرخندہ آپا در آئیں۔ اسے کچھ ہی عرصے میں وہ کتنی بری لگنے لگی تھیں۔ محض اس لیے نا کہ وہ احسن پر اپنا حق جتاتی تھیں۔

''میں نے انوار سے شادی سے قبل ہی یہ تسلیم کر لیا تھا کہ کنزیٰ کا حق ہر حال میں مجھ سے زیادہ رہے گا۔ مجھ سے بھی زیادہ اور میری اولاد سے بھی زیادہ۔''

آمنہ نرمی سے مسکرا دی۔ ''ہر انسان اپنا محتسب آپ ہوتا ہے زینب! اور ہر کسی کو ہونا چاہیے لوگوں سے شکایت کم سے کم ہوتی ہے اور زندگی آسان ہو جاتی ہے۔ ذہن پریشانیوں سے بچا رہتا ہے۔''

''تم تو مجھے ولی لگتی ہو آمنہ۔'' زینب نے برا سا منہ بنایا۔ ''تمہارے جیسا تو کوئی بن ہی نہیں سکتا۔'' آمنہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ، کیا کھاؤ گی؟ میں نے ابھی تک کھانا نہیں بنایا ہے۔ بس اب کچن کا رخ کرنے ہی والی تھی۔ اب جو تم کھانا چاہو گی وہی بنا لوں گی۔''

''دال چاول بنالو زینب۔ ہری چٹنی کے ساتھ اور اچار بھی ہو تو بہت اچھا ہے۔''

''دال؟'' زینب نے منہ بنایا۔ ''پہلی مرتبہ کھانا کھاؤ گی تم میرے گھر، کچھ ہوش کے ناخن لو۔ اچھا، ایسا کرتی ہوں، قورمہ بنا لیتی ہوں۔'' وہ سوچتے ہوئے بولی۔

''خدارا نہیں۔'' آمنہ نے ہاتھ جوڑے۔ ''سچ زینب! اس حال میں گوشت کا ذکر تک اچھا نہیں لگتا، میں نے بنا کسی تکلف کے وہی ڈش بتائی ہے جو کھانے کو میرا دل چاہتا ہے۔ آج کل دال اور اچار چٹنی کے سوا مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔''

''اس حال میں؟ آج کل۔؟'' زینب کو اس کے کچھ لفظ معنی خیز معلوم ہوئے۔

''اوہ!'' پھر اس نے آمنہ کو غور سے دیکھا۔ ''تو یہ معاملہ ہے۔''

''ہوں۔'' وہ ہنس دی۔ ''اس زرد رنگ کا یہی راز ہے۔ اب تو مطمئن ہو۔؟''

''بالکل۔'' زینب ہنس دی۔

پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ اسے ایک عجب سا احساس ہوا تھا۔ شاید آمنہ نے بھی اس کی کیفیت کو بھانپ لیا تھا تب ہی پوچھنے لگی۔

''زینب! تمہاری شادی کو سال ہونے والا ہے نا۔''

''ہاں، ہونے والا ہے لیکن ایسی کوئی بات فی الحال نہیں ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی تھی۔

''چلو! خدا بہتر کرے گا۔ اچھا ہے کچھ دن فارغ رہ کر گزار لو پھر یہ فرصتیں کہاں ملتی ہیں۔''

آمنہ نے ہنس کر کہا تھا۔ زینب بھی مسکرا دی لیکن اس کا دماغ الجھ گیا تھا۔



شام کو احسن سے اس نے اپنی تشویش کا اظہار کیا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور پھر ہنستا ہی چلا گیا۔

''لیجئے۔'' وہ بھنا گئی۔ ''گویا میں نے کوئی پر لطف لطیفہ سنایا ہو۔''

''پر لطف لطیفہ۔'' وہ مزید ہنسنے لگا۔

''آخر اس میں ہنسنے والی بات بھی کیا ہے احسن۔؟'' وہ برا مان گئی۔ ''کسی بات کو تو سیریس لے لیا کریں۔''

''اچھا بھئی، ہو گئے سیریس لیکن تم یہ بتاؤ کہ اس میں بھلا پریشانی والی کیا بات ہے؟ کیا آزادی کے یہ چند دن برے معلوم ہو رہے ہیں۔؟''

''آزادی۔؟'' اسے حیرت ہوئی۔ ''بچے کیا قید ہوتے ہیں؟ زنجیر ہوتے ہیں پیروں کی؟ آپ کو بچے اچھے نہیں لگتے احسن۔؟''

احسن قدرے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا پھر مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

''مجھ سے زیادہ کس کو اچھے لگیں گے بچے زینب! محبتوں کا، رشتوں کا ترسا ہوا انسان ہوں۔ میں تو دعا کرتا ہوں اللہ مجھے دس بارہ بچے دے۔''

''ہائیں۔'' وہ گھبرا گئی۔ ''نہیں بھئی، بس دو، تین کافی ہیں، مجھ سے نہیں سنبھالے جائیں گے اتنے بچے۔''

''اسی خیال کے تحت تو کہہ رہا تھا۔'' وہ ہنس دیا۔

''ابھی تو تم نے خود کو ہی بمشکل سنبھالا ہے۔ میرا مطلب ہے مشکل سے ہوش سنبھالا ہے۔''

''کیوں؟'' اس نے خفگی سے اسے گھورا۔ ''ایسی بھی کیا بات ہے۔؟''

''بچے سنبھالنا بہت مشکل کام ہے جانم! خود کو بھول جاتی ہے عورت۔''

''اور وہ جو اتنے اتنے بچے سنبھالتی ہیں عورتیں، وہ کیا بہت خاص الخاص ہوتی ہیں۔؟'' وہ نا اہلی کے اس سرٹیفکیٹ پر جل کر رہ گئی۔

احسن مزے مزے سے منہ بنانے لگا۔ اسے زینب کو چڑا کر مزہ آ رہا تھا۔

''میں آپ کو بہت غیر ذمہ دار لگتی ہوں؟ بدسلیقہ؟'' اسے مزید غصہ آیا۔

''کسی عورت کے سلیقے کو جانچنا ہو تو اس کی الماری، اس کا پرسنل باتھ روم اور اس کا کچن بغور دیکھنا چاہیے۔ میں نہیں سیانے کہتے ہیں۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''الماری تمہاری ایسی کنڈیشن میں رہتی ہے کہ ایک کپڑا باہر نکالو تو دس کپڑے زمین بوس ہو جاتے ہیں۔ کچن تمہارا بس گزارے لائق ہی ہوتا ہے۔ رہ گیا باتھ روم تو وہ تو ہمیشہ تمہاری توجہ کا طالب بنا دہائیاں دیتا رہتا ہے۔''

''میں کوئی جمعدارنی تو نہیں ہوں۔'' وہ جی بھر کر شرمندہ ہوئی۔ پھر روہانسی ہو کر کہنے لگی۔ ''ہر وقت جھاڑ و سنبھالے کیا باتھ روم میں گھسی رہوں۔''

''میں تھوڑا ہی کچھ کہتا ہوں۔'' احسن نے اسے چمکارا۔ ''میں تو سیانوں کی بات بتا رہا تھا۔ اب ان سے کوئی پوچھے، عورت کو اور کوئی کام

نہیں جو وہ جھاڑو سنبھالے باتھ روم میں گھسی رہے۔ عورت، عورت ہے، جمعدارنی تو نہیں۔ وہ بھی میری زینب جیسی۔"

"اماں نے کبھی مجھ سے کوئی کام نہیں کروایا۔" وہ بولنے لگی۔ "میں تو بس کالج جاتی تھی یا گھر میں ہوتی تو بستر میں گھسی کہانیاں پڑھتی رہتی تھی۔ اماں بہت عزیز رکھتی تھیں مجھے، سارے کام خود ہی کر لیتی تھیں اور یہ کچن اور باتھ روم کے کام تو میں نے کبھی نہیں کیے۔ توبہ! گندی گندی نالیاں دیکھ کر متلی ہو جاتی ہے۔"

"وہ اماں کا گھر تھا زینب! یہ گھر تمہارا ہے۔" وہ قدرے سنجیدگی اور نرمی سے بولا۔ "اسے سجانا، سنوارنا، صاف ستھرا رکھنا تمہارا کام ہے۔ گھر، عورت کی پہچان ہے زینو۔"

زینب خاموش ہو کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔ اسے اپنے ہاتھوں کی خوبصورتی بہت عزیز تھی۔ انکا بڑا دھیان رکھتی تھی وہ، اسی لیے اسے کچن کے کاموں سے ہمیشہ سے ہی چڑ رہی تھی لیکن آج احسن کی بات نے اسے احساس دلایا تھا کہ وہ اس کے ہاتھوں کو کم اور گھر کو زیادہ غور سے دیکھتا تھا۔

"بات بھی کہاں سے کہاں نکل گئی۔" اس کی خاموشی کو محسوس کر کے احسن بولا تھا۔ "تم چاہو تو کسی ڈاکٹر سے ٹائم لے لوں۔؟"

"نہیں نہیں۔ میں نے تو یوں ہی ایک بات کہی تھی۔" اس نے جلدی سے کہا۔

اسے احساس ہوا تھا کہ احسن کو گھریلو معاملات میں اس سے کئی شکایات تھیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ ایک اچھی بیوی اور ایک اچھی گرہستن ثابت نہیں ہو رہی ہے۔ ایسے میں بچے کی ذمہ داری وہ غیر ضروری اور اضافی خیال کرتا تھا۔ ہر چند کہ اسے بچے بے حد پسند تھے۔

احسن کے سو جانے کے بعد بھی وہ دیر تک اس موضوع پر سوچتی رہی۔



اگلے روز وہ احسن کے جاگنے سے قبل ہی بیدار ہو گئی۔ ہر چند کہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوا کرتا تھا۔ اکثر و بیشتر احسن اس کے اٹھنے سے پہلے ہی چائے بنا لیا کرتا تھا۔

کچن میں آ کر اس نے چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور آٹے کے پیڑے بنانے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ احسن کو آملیٹ اور پراٹھے کا ناشتہ بے حد مرغوب ہے اور وہ محض اس کی نیند خراب ہونے کے خیال سے سلائس اور فرائی انڈہ سے ناشتہ کر کے چلا جاتا تھا۔

بڑی محنت اور لگن سے اس نے پراٹھے تیار کیے، آملیٹ بنایا، چائے تھرموس میں نکالی۔ اتنی دیر میں وہ اٹھ کر چلا آیا تھا۔ دروازے پر کھڑے ہو کر بڑی معنی خیز نظروں سے اس نے ساری تیاریوں کا معائنہ کیا۔

"خیریت؟" پھر وہ بولا۔ "طبیعت ٹھیک ہے۔؟"

"باتیں نہ بنائیں، منہ دھو کر آ جائیں۔ ناشتہ تیار ہے۔" آٹے والے ہاتھ سے بالوں کو سمیٹتے ہوئے اس نے مصروفیت کے عالم میں کہا۔

"میں جاگ گیا ہوں۔؟" وہ معصومیت سے سوچنے لگا۔ "کہیں یہ کوئی خواب تو نہیں۔" زینب نے آگے بڑھ کر اتنی زور سے اس کے بازو پر چٹکی بھری کہ وہ چلا اٹھا۔

"بس! آ گیا یقین۔ اب جائیں جلدی سے منہ دھوئیں۔ ٹھنڈے ہو جائیں گے پراٹھے۔ بس پانچ منٹ ہیں آپ کے پاس۔"

وہ مسکراتا ہوا بیسن کی طرف بڑھ گیا۔ ناشتے کے دوران اس نے کتنی ہی بار اس کے پراٹھوں کی تہوں پر چائے کی خوشبو کی تعریف کی۔ زینب کا سیروں خون بڑھ گیا۔

"سچ یار! مزہ آ گیا ناشتے کا۔ ایسا ناشتہ تو آدمی زندگی میں بس ایک آدھ بار ہی کرتا ہے۔"

"آپ چاہیں تو ایسا ناشتہ ہر روز کر سکتے ہیں۔"

زینب نے فراخدلانہ پیش کش کی۔ "جلدی اٹھنا کچھ ایسا زیادہ مشکل بھی نہیں۔ اب میں روز آپ کو ناشتہ بنا کر دوں گی۔ ٹھیک۔"

"نہیں یار۔" وہ بشاشت سے مسکرایا۔ "اچھی چیز کو کم ہونا چاہیے ورنہ اس کا لطف جاتا رہتا ہے۔ ایسا ناشتہ ہفتے میں بس ایک آدھ بار ہی مل جائے تو پورا ہفتہ زبان کا ذائقہ ہی کچھ اور ہو۔"

وہ اٹھ کر تیار ہونے چل دیا۔ زینب برتن سمیٹنے لگی۔ احسن کے آفس چلے جانے کے بعد اس نے دل ہی دل میں دن بھر کے کاموں کی فہرست تیار کی۔

کل رات احسن نے مذاق ہی مذاق میں جو شکایت کی تھی اس پر اس نے بڑی سنجیدگی سے غور کیا تھا۔ وہ واقعی گھر کی جانب اتنی توجہ نہ دیتی تھی جتنی کہ دینے کا حق تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ شادی سے پہلے جب وہ احسن کے گھر آئی تھی تو پورا گھر احسن کی صفائی پسند طبیعت کا مظہر تھا۔ ہر شے نکھری ہوئی لگ رہی تھی۔ بستروں کی چادروں سے لے کر گھر کے فرش تک ہر شے جگمگا رہی تھی۔ اس وقت تو اس نے ساری صفائی کو فرخندہ آپا کے ہنر مند ہاتھوں کا کمال جانا تھا لیکن بعد میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے احساس ہوا تھا کہ احسن خود بہت نفاست پسند طبیعت کا مالک تھا۔ وہ اپنے کام کے دوران صفائی ستھرائی کا بڑا خیال رکھتا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے کبھی زینب کو کسی معاملے میں نہ ٹوکا تھا۔ وہ جس طرح کا بھی کام کرتی، احسن کو شکایت نہ ہوتی تھی۔ کل نجانے کس خیال کے تحت اس کے لبوں پر وہ چند جملے چلے آئے تھے جن میں شکایت بھی تھی اور طعنہ بھی تھا اور زینب نے تہیہ کیا تھا کہ وہ آئندہ اسے کبھی وہ لفظ دہرانے کا موقع نہ دے گی بلکہ اپنے بارے میں اس کے خیالات ہی بدل ڈالے گی۔

اس نے سب سے پہلے اپنی اور احسن کی الماری صاف کی۔ سارے کپڑے استری کر کے ہینگروں میں ڈالے۔ غیر ضروری اشیاء ڈسٹ بن کی نذر کیں۔ ضروری کاغذات فائلوں میں لگائے۔ جوتے جھاڑ کر ترتیب سے رکھے۔

پھر وہ کچن کی جانب متوجہ ہوئی۔ برتن دھو کر الماری میں بند کیے اور پورا کچن دیواروں سمیت دھو ڈالا۔ سنک کو رگڑ رگڑ کر چمکایا۔ چولہے صاف کیے۔ جب وہ کچن سے نکل رہی تھی تو اس کی جگمگاہٹ دیکھ کر اس کا اپنا دل خوشی سے بھر گیا۔ اسے یاد آیا شادی سے قبل کچن بالکل ایسا ہی تھا۔ بعد میں زینب کی بے مہری اور بے توجہی نے اسے وہ کالک زدہ روپ عطا کر ڈالا تھا۔

دل ہی دل میں شرمندہ ہوتی وہ باتھ روم کی جانب بڑھ گئی۔ یہ کام ہر چند کہ بہت مشکل تھا اور اس کی نرم و نازک طبیعت سے میل نہ کھاتا تھا پھر بھی دل پر جبر کر کے اس نے اچھی طرح سے صفائی کی۔

ٹائلٹ بول، ٹائلز، واش بیسن اور آخر میں آئینہ۔ ہر چیز کو رگڑ رگڑ کر چمکا دیا۔ سوڈے اور صابن سے اس کے نرم ہاتھوں پر خراشیں پڑ گئیں اور ان میں جلن ہونے لگی۔ گیلی گیلی چپلوں سے اسے گھن آنے لگی۔ لیکن اس نے کمروں اور پھر صحن تک کی صفائی کر ڈالی۔ سارے گملوں کو ترتیب سے لگا کر صحن دھو دیا۔ سیڑھیاں نیچے تک صاف کر آئی۔ پھر اپنے کپڑے لے کر باتھ روم میں گھس گئی۔

جس وقت وہ نہا کر نکلی۔ اس کا جوڑ جوڑ دہائیاں دے رہا تھا۔ اس نے اپنی ہمت سے زیادہ کام کیا تھا۔ اور اب اس میں اتنا بھی حوصلہ نہ تھا کہ ایک روٹی ہی بنا کر کھا لے، وہ چادر اوڑھ کر لیٹ گئی اور چند لمحوں میں غافل ہو گئی۔ اس کی آنکھ کھلی تو عصر کا وقت تنگ ہو رہا تھا۔ چند لمحوں تک بے سدھ لیٹی وہ جسم میں ہوتی تبدیلیوں کو محسوس کرتی رہی۔ اس کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور جسم حد درجہ گرم تھا۔ کاندھوں کی حالت قابل رحم تھی۔ گردن نادیدہ بوجھ سے ڈھلکی جا رہی تھی۔

وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھی تو اسے احساس ہوا، اس کی آنکھ کال بیل کی آواز سے کھلی تھی یقیناً احسن کی واپسی ہو چکی تھی اور وہ نجانے کب سے بیل دے رہا تھا۔ وہ جلدی سے اٹھ کر باہر کی طرف بڑھ گئی۔

"کمال کرتی ہو یار! کیا گھوڑے، گدھے، اونٹ، ہاتھی سب بیچ ڈالے تھے؟" پندرہ منٹ ہو گئے ہیں مجھے نیچے کھڑے ہوئے۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا۔ پھر سوچا شاید تم باتھ روم میں ہو!"

"میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں!"

وہ کمرے میں آ کر پلنگ پر بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"خیریت!" وہ چونکا پھر اس کے ماتھے کو چھو کر دیکھا۔

"اوہ تمہیں تو ٹمپریچر ہے زینو! کوئی دوائی لی؟"

"نہیں۔ میں تو بس سو گئی تھی!" اس نے دونوں کنپٹیاں دبائیں "تھکن ہی اتنی ہو گئی تھی۔"

"تھکن؟" وہ حیران ہوا۔

پھر اس نے کمرے کا جائزہ لیا۔ جالے اتارے گئے تھے۔ چھت اور دیواریں صاف تھیں۔ بستروں کی چادریں تبدیل کی گئی تھیں۔ فرش حد درجہ صاف نظر آتا تھا۔

"اوہ تو صفائیاں ہوئی ہیں۔ کس خوشی میں؟" وہ مسکرایا۔

"بس یونہی!" وہ واپس لیٹ گئی "اور میں نے کچھ پکایا بھی نہیں ہے!"

"خیر، وہ تو کوئی مسئلہ ہے۔ میں قریبی دکان سے کچھ لے آتا ہوں۔ بلکہ تمہاری دوائی بھی لانی ہے۔ لیکن یہ اتنی صفائیاں۔ خیر تو ہے!"

اس نے باہر نکل کر پورے گھر کا جائزہ لیا۔ کچن دیکھا، باتھ روم میں جھانکا۔

"واہ بھئی، بڑا روپ دیا ہے۔"

زینب نے دیکھا۔ اسکا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ اسے حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔ پل بھر میں اسکی ساری تھکن رفع ہو گئی۔ کاندھوں کا درد غائب ہو گیا۔

"واہ بھئی۔" وہ ہنستے ہوئے بولا تھا "صفائی ہو تو ایسی، جس کے بعد انسان دو دن تک بستر سے نہ اٹھ سکے۔ ٹمپریچر ہو جائے!"

"میں نے کبھی اتنا کام کیا جو نہیں؟" وہ اترائی۔

"میں نے تو اب بھی نہیں کہا تھا جانو۔" وہ بڑی محبت سے بولا "یہ سب تو تم نے اپنی خوشی سے کیا ہے۔"

"آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟"

"گھر کا چپہ چپہ تمہارے وجود کی گواہی دے رہا ہے۔ مجھے خوشی نہ ہوگی؟" وہ اس کے قریب بیٹھ گیا "اور اس محنت کا کچھ انعام دیا جائے تمہیں تو کیسا رہے؟"

"آپ کی تعریف ہی میرا انعام ہے!" اس نے جھینپ کر کہا تھا۔

"نہیں بھئی، زیادتی ہو گی۔"

پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لفافہ نکالا اور اس کے سامنے رکھ دیا۔ زینب نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"اپنا ہنی مون جو کہیں کھو گیا تھا!"

زینب کی آنکھوں میں الجھن ابھری تو وہ ہنس دیا۔

"بونس ملا ہے آج۔ پورے پچیس ہزار ہیں۔ گن لو، کافی ہوں گے نا اپنے ہنی مون کے لیے۔"

زینب کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو بھر آئے۔

"سچ احسن؟"

"سچ جانم!"

وہ ہنس پڑی۔ وہ تو یہی سمجھی تھی کہ احسن نے اسے پیار سے ٹال دیا ہے اور اب کبھی وہ یہ ذکر دوبارہ نہ دہرائے گا۔ لیکن وہ اپنی زبان کا پابند نکلا تھا۔

''میں نے وعدہ کیا تھا نا تم سے۔ اسی خیال کے تحت کہ جب بھی بونس ملا، میں ضرور تمہاری خواہش پوری کروں گا۔ یہ ضرور ہے کہ میرے اندازے سے کچھ زیادہ ہی لیٹ ہوگئی کمپنی لیکن وہ کہتے ہیں نا، دیر آیا درست آیا۔ خوش ہو نا؟''

''بہت۔ اتنی!'' اس نے بازو پھیلا کر دکھائے۔ ''بلکہ اس سے بھی زیادہ!''

وہ ہنس دیا۔

''اچھا میں کھانا لاتا ہوں اور تمہاری دوا۔''

''صرف کھانا لے آئیں۔ دوا کی اب ضرورت نہیں۔'' وہ شوخی سے بولی۔ ''میرا بخار بھی اتر چکا ہے اور میرے سر میں درد بھی نہیں ہے!''

احسن نے اس کا ماتھا چھوا اور ہنس دیا۔

''تو ثابت یہ ہوا کہ تھکن کا بخار خوشی کی گولی سے منٹوں میں غائب ہو جاتا ہے!''

''جی ہاں!'' اس نے سر ہلایا ''لیکن ڈوز ذرا ہائی پاور کا ہونا چاہیے!'' دونوں ہی بے ساختہ ہنس دیے تھے۔



''میں اندر آسکتی ہوں؟''

وہ خوشی خوشی اپنے کپڑوں کا انتخاب کر رہی تھی۔ آواز پر چونک کر پلٹی کھلے دروازے سے صوفیہ اندر جھانک رہی تھی۔

''اوہ تم!'' وہ مسکرائی ''اندر آجاؤ۔ باہر کیوں کھڑی ہو۔''

وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اندر آگئی۔

''زینے کا دروازہ کھلا تھا۔ بیل دینے کا مجھے دھیان نہیں رہا۔''

''بیٹھو تو سہی۔ آ بھی گئیں تو کیا ہوا۔ میں تم سے پردہ تو نہیں کرتی اور پھر میں بھی اکیلی ہی ہوتی ہوں۔''

زینب مسکرائی ''احسن تو اس وقت آفس میں ہوتے ہیں۔''

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش بیٹھی رہی۔ زینب کے سامنے آکر ایسا ہوتا تھا۔

''کہیں جا رہی ہیں آپ؟'' وہ سوٹ کیس اور اس کے کپڑوں کو دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''ہاں!'' وہ اطمینان سے کپڑے ایک طرف کر کے اس کے سامنے بیٹھ گئی ''شادی کے بعد ہم لوگ کہیں گھومنے نہ جا سکے تھے۔ اب جا رہے ہیں!''

''اوہ!'' صوفیہ یک لخت مرجھا سی گئی ''کتنے دنوں کے لیے؟''

''یہی کوئی دس پندرہ دن، جتنے دن کی چھٹی منظور ہو جائے!''

زینب نے اس کے چہرے پر لہراتے سایوں کا بغور مشاہدہ کیا۔ یہ لڑکی شاید احسن کی اس سے شادی کو اب تک ذہنی طور پر قبول نہ کر سکی تھی۔ زینب کو پہلے اس پر ترس آیا کرتا تھا۔ آج نجانے کیوں غصہ آگیا۔

''کسی کام سے آنا ہوا؟'' وہ رکھائی سے پوچھ بیٹھی۔

''جی؟'' وہ کسی خیال سے چونکی تھی ''نن۔ نہیں۔ میں فارغ تھی سو چلی آئی۔ شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے!''

''جی نہیں، آپ نے نہیں، میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے!'' وہ طنز سے مسکرادی۔

''جی؟'' صوفیہ کے چہرے پر حیرانی لہرائی ''میں سمجھی نہیں؟''

''کچھ نہیں!'' پھر زینب کو اپنے خراب رویے کا احساس ہوا۔ وہ سنبھل گئی ''چائے بناؤں تمہارے لیے یا کچھ ٹھنڈا پیو گی؟''

''اس وقت تو کچھ نہیں!'' وہ کھڑی ہو گئی ''آپ اطمینان سے اپنی پیکنگ کریں۔ میں پھر کسی دن آؤں گی۔''

''ارے بیٹھو بھئی، پیکنگ تو میں رات کو بھی کر سکتی ہوں۔ یہ ایسا کون سا لمبا چوڑا کام ہے۔''

زینب اسے روکتی ہی رہ گئی۔ لیکن وہ پھر رکی نہیں۔ معذرت کر کے چلی گئی۔

''عجیب لڑکی ہے!'' وہ سوچنے لگی تھی ''ہمیشہ اسی طرح آتی ہے۔ چھلاوے کی طرح۔ نجانے یہ مجھ سے ہی ملنے آتی ہے۔ یا''

وہ اس سے آگے نہ سوچ پائی تھی۔ اسے بڑی زور کا چکر آ گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کسی غیر مرئی چیز کو تھامنا چاہا پھر فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

عجیب سی کیفیت تھی۔ دل اندر ہی اندر ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے سیاہ دھبے سے ناچنے لگے تھے۔

ایسے میں فرخندہ آپا رحمت کا فرشتہ بن کر نازل ہوئیں۔

''زینب ارے!'' وہ چونک اٹھیں ''کیا ہوا بھئی؟ ارے زینب! خیریت تو ہے؟'' انہوں نے اسے سہارا دے کر بٹھایا۔ پانی کا گلاس بھر کر لائیں۔

''یہ لو پانی پیو!'' زینب نے دو گھونٹ لیے تو اسے قے ہو گئی۔

''اوہ تو یہ معاملہ ہے۔'' فرخندہ آپا فکر مند ہوئیں ''تم لیٹ جاؤ بیٹی۔ بلڈ پریشر لو ہو جاتا ہے ایسے میں۔ ابھی ٹھیک ہو جائے گا!''

''ہائے۔'' وہ کراہنے لگی ''یہ مجھے کیا ہو گیا آپا! یوں اچانک جیسے جسم میں جان ہی نہیں!''

''خیر ہے بیٹی۔ اللہ کا فضل ہوا ہے۔ کب سے ایسی طبیعت ہے؟'' وہ پوچھنے لگیں۔

تب زینب کی سمجھ میں ان کا مطلب آ گیا۔ اسے عجیب سی جھینپ محسوس ہوئی۔

''مجھے تو آج پہلی مرتبہ ہی۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں ہوا!!''

''چلو احسن آئے تو ڈاکٹر کے پاس چلی جانا۔ بلکہ میں تمہیں یہی کہنے آئی تھی۔ احسن کا فون تھا، وہ ذرا لیٹ ہو جائے گا۔ میں لے چلوں ڈاکٹر کے پاس؟ یہیں گلی کے کونے پر کلینک ہے؟'' زینب نے چند لمحے تامل کیا پھر تیار ہو گئی۔ اس کی طبیعت عجیب ہو رہی تھی اور احسن کا بھروسہ نہ تھا وہ کتنی دیر سے آتا۔

چادر اوڑھ کر وہ فرخندہ آپا کے ساتھ چل پڑی۔

لیڈی ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کیا اور کچھ ٹیسٹ لکھ دیے۔

''یونہی تسلی کے لیے ٹیسٹ وغیرہ کرا لیں۔ ویسے سب ٹھیک ہے!'' اس نے کہا تھا۔

''کوئی دوائی وغیرہ؟'' فرخندہ آپ پوچھنے لگیں۔

''نہیں کوئی دوائی نہیں۔ ڈائیٹ وغیرہ اچھی لیں اور آرام کریں۔ کوئی ٹینشن وغیرہ نہ لیں۔ زیادہ ہیوی کام سے پرہیز کریں۔''

اس نے کافی ساری ہدایات اسے ذہن نشین کرا دیں۔ واپسی پر فرخندہ آپا نے اس کے لیے پھل وغیرہ خرید لیے۔ وہ منع کرتی رہ گئی۔

''آپا! احسن خود لے آئیں گے۔ آپ کیوں زحمت کرتی ہیں؟''

''لو اس میں زحمت کی کیا بات؟ بیٹی جیسی ہو میرے لیے۔ احسن تو دیر سے آئے گا۔ میں تمہیں جوس وغیرہ نکال دوں گی۔''

گھر آ کر انہوں نے بصد اصرار سے جوس پلایا۔ پھل کاٹ کر اس کے پاس رکھے اور بیٹھی اس سے باتیں کرتی رہیں۔

''اس حال میں جی بہت گھبراتا ہے۔ اکیلی عورت تو بہت پریشان ہوتی ہے۔ خیر تم بالکل فکر مت کرنا۔ میں ہوں نا یہاں۔ دھیان رکھوں گی تمہارا۔ خدا تمہاری گود ہری کرے ساتھ خیریت کے۔ سمجھو گھر میں رونق ہی رونق ہو گی۔''

وہ اس قدر خوش نظر آ رہی تھیں کہ زینب کو حیرت ہونے لگی۔

''کب سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ خدا میرے احسن کو بیٹا دے۔ اس نے میری دعا قبول کی یا خدا تیرا شکر ہے!''

وہ بڑی لگن سے کبھی اس سے، کبھی خود سے، کبھی خدا سے مخاطب تھیں۔ زینب نے انہیں اتنا خوش کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ واقعی احسن کو بے حد چاہتی تھیں۔ اسے یقین آ گیا۔ احسن آیا تو ایک غیر متوقع سچویشن دیکھ کر گھبرا سا گیا۔ پھر جب اسے صورت حال کا علم ہوا اس کے چہرے پر روشنیاں جل اٹھیں۔

لیکن فرخندہ آپا کی موجودگی کی وجہ سے وہ کچھ اظہار نہ کر سکا۔

زینب فرخندہ آپا کے جلد چلے جانے کا انتظار کرنے لگی۔ لیکن وہ اپنی دھن میں احسن کو نجانے کیا کیا ہدایت دیے جا رہی تھیں۔

''ہم لوگ تو ویسے بھی گھومنے جا رہے ہیں آپا!''

احسن انہیں خوشی خوشی بتانے لگا، ''اس کا دل تو ویسے ہی لگا رہے گا دس پندرہ دن!''

''ہائیں!'' وہ اچھل پڑیں ''باؤلے ہوئے ہو۔ اس حال میں بچی کی شامت بلوائی ہے؟ خبردار جو اسے گھر سے نکالا۔ پہلی پہلی مرتبہ بڑی احتیاط کی ضرورت ہوتی ہے۔''

زینب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ ایک مرتبہ پھر رنگ میں بھنگ ڈالنے لگی تھیں۔

''کیا مطلب آپا؟'' احسن تشویش سے پوچھنے لگا۔

''کیا اس میں کچھ غلط بھی ہو سکتا ہے؟ کوئی خطرے کی بات ہے؟''

''بیٹا! اس حال میں ڈاکٹر سفر سے، تکان سے منع کرتے ہیں اور پھر ہم نے تو یہی سنا ہے بزرگوں سے کہ لڑکی کو اپنے گھر میں رہنا چاہیے۔ کبھی مجبوراً نکلنا پڑ جائے تو اور بات ہے۔ ویسے تم لوگ چاہو تو ڈاکٹر سے مشورہ کر لو!''

احسن گہری سوچ میں پڑ گیا تھا۔

فرخندہ آپا چلی گئیں تو وہ اس کے قریب آ بیٹھا لیکن اس کے تیور بگڑ چکے تھے۔

''بس اب آپ ان کے کہنے پر بنا بنایا پروگرام نہ بگاڑ دیجیے گا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''یار زینی آپا ٹھیک تو کہہ رہی ہیں۔ ٹرین کا سفر تو ویسے بھی تمہارے لیے ٹھیک نہیں پھر گھومنا پھرنا تو انسان کو جسمانی طور پر تھکا دیتا ہے۔''

اس نے رسانیت سے سمجھایا۔ زینب کا منہ پھول گیا۔ ساری خوشی غارت ہو کر رہ گئی تھی۔

''اس مصیبت کو بھی اس وقت نازل ہونا تھا!'' وہ بگڑ کر بولی۔

''زینو!'' احسن کو اس کی بات بہت بری لگی ''یار! کچھ ہوش کے ناخن لو۔ جو منہ میں آتا ہے، بولتی چلی جاتی ہو۔ پتا ہے کتنی خراب بات کی ہے اس وقت!''

''پتا ہے مجھے۔ میرے نصیب میں تو کوئی خوشی ہے ہی نہیں۔'' وہ منہ چھپا کر رونے لگی۔ ''کتنی محنت سے پیکنگ کی تھی۔ کپڑوں کا انتخاب کیا تھا۔''

''ارے یار..... تھوڑے دنوں کی بات ہے۔ پھر چلے چلیں گے۔ دو نہیں تین بن کر!'' اس نے قدرے شوخی سے اس کا موڈ ٹھیک کرنا چاہا۔

"جی ہاں! میرا دماغ خراب ہے جو میں وہاں جا کر پوتڑے دھوتی رہوں!" احسن کو ہنسی آ گئی۔

"اور یہ فرخندہ آپا یہ تو قاتل ہیں میری خوشیوں کی۔ مجال ہے جو یہ میری کوئی سی خوشی سلامت رہنے دیں۔ اسی وقت چھری چلا دیتی ہیں۔"

"یا خدا!" احسن نے سر تھام لیا "اب ان کا کیا قصور؟ انہوں نے تمہارے بھلے کی ایک بات کی ہے!"

"مجھے نہیں چاہئیں ان کی ہمدردیاں۔" وہ زور سے بولی "اپنے پاس رکھیں۔"

احسن نے مناسب جانا کہ وہ کچھ دیر کو اس کے پاس سے اٹھ جائے۔



چند روز ایسے ہی بددلی سے گزر گئے۔

اس کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں تھی اور موڈ بھی خراب تھا۔ وہ منہ سر لپیٹے سارا سارا دن پڑی رہتی۔ فرخندہ آپا روز آتیں۔ اس کے مختلف کام نپٹا دیتیں۔ اسے کھانا، دودھ، جوس وغیرہ بضد اصرار پلاتیں لیکن وہ ان سے زیادہ کلام نہ کیا کرتی تھی۔ بس ضرورت کی کوئی بات کر لیتی تھی وہ بھی تیوری پر بل ڈال کر۔

ان کو اس بات کی چنداں خبر نہ تھی کہ وہ ایسا ناراضی میں اور کسی خفگی کے تحت کرتی ہے۔ انہوں نے اس کو بھی اس کی طبیعت کی خرابی پر محمول کیا تھا۔ احسن اس کا بہت زیادہ خیال رکھ رہا تھا۔ وہ آفس سے جلد آ جاتا تھا اور ہر ممکن طریقے سے اس کا دل بہلانے کی کوششیں کیا کرتا۔ لیکن فی الحال وہ اسے بھی زیادہ لفٹ نہ کرا رہی تھی۔ اسے نہ صرف فرخندہ آپا سے بلکہ احسن سے بھی سخت شکایت تھی۔ وہ فرخندہ آپا کی ہر بات کو اب تک ایمان کا درجہ دیتا تھا۔

اور زینب اس کے نزدیک کم عقل اور بے وقوف تھی۔

کتنے خواب بن ڈالے تھے اس کی آنکھوں نے محض دو دن میں اور محض دو دنوں میں ہی خواب جیسے کوئی نوچ کر لے گیا تھا۔ اسے تو دل ہی دل میں اس آنے والے وجود سے بھی چڑ سی ہو گئی تھی۔

سارا دن دل خراب رہتا۔ رات کئی کئی مرتبہ آنکھ کھل جاتی اور یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی اس کے سینے پر بیٹھا اس کا گلا دبائے جاتا ہے۔ ابھی تو مشکل آسان ہونے میں مہینوں باقی تھے اور وہ ابھی سے اکتا گئی تھی۔

"زینب!" ایک دن فرخندہ آپا ایک لفافہ اٹھائے چلی آئیں "یہ خط آیا ہے تمہارا لندن سے سائن کر دو۔"

"لندن سے؟" وہ غائب دماغی سے بولی پھر چونک اٹھی "ضرور فارحہ کا ہوگا!" کتنے دن بعد کوئی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی سائن کیے اور پین اور رسید فرخندہ آپا کو تھما کر لفافہ چاک کرنے لگی۔

ایک خط اور کئی تصویریں اس کے تکیے پر بکھر گئی تھیں۔ اس نے خط کھولا۔ لکھا تھا۔

"پیاری زینب"

سدا خوش رہو۔

امید کرتی ہوں خیریت سے ہو گی۔

میں لندن آ چکی ہوں اور اپنا فلیٹ سیٹ کرنے کے بعد سب سے پہلا کام یہی کر رہی ہوں۔ یعنی تمہیں خط لکھنے کا۔ تم بھی سوچ رہی ہو گی کہ میں نجانے کہاں غائب ہو گئی ہوں۔

دراصل نئی نئی جگہ کا چارم اتنا تھا کہ کتنے ہی دنوں تو میں امی، ابو سے فون پر بات تک نہ کر سکی۔ سارا سارا دن گھر کی سیٹنگ کرتی اور شام کو

میں اور فیصل گھومنے نکل جاتے۔

چند ہی دنوں میں لندن گھما ڈالا ہے فیصل نے مجھے۔ بہت اچھا شہر ہے۔ مجھے بہت پسند آیا یا شاید نئی جگہ کی بات ہے۔ ویسے اگلے ماہ ہم لوگ پورا یورپ گھومنے جارہے ہیں۔ اتنی ایکسائٹمنٹ ہے مجھے، رات کو نیند نہیں آتی!

اگلا خط تمہیں ٹور سے واپس آکر لکھوں گی۔ اپنی اور اپنے فلیٹ کی تصویریں بھیج رہی ہوں ہے تو چھوٹا سا فلیٹ لیکن میں نے اسے بڑے چاؤ سے سنوارا ہے۔ تصویریں دیکھو اور میرے ذوق کی داد دو۔ اور وہاں! تمہارا ایڈریس اگر تبدیل ہو جائے (جس کی امید اب مجھے باقی نہیں رہی) تو میرے میکے اطلاع کر دینا میں اکثر وہاں فون کرتی ہوں۔

اور تم کیسی ہو؟ کیا پروگریس ہے؟ احسن بھائی کا کیا حال ہے؟ تفصیلی لکھو۔ میرے گھومنے کے لیے جانے سے پہلے تمہارا خط آجانا چاہیے۔

تمہاری دوست فارحہ فیصل۔

وہ خط رکھ کر تصویریں دیکھنے لگی۔ فارحہ کی صورت سے زیادہ غور اس نے فارحہ کے گھر اور اس کی چیزوں پر کیا۔

واقعی فارحہ نے بڑی محنت سے اپنا چھوٹا سا گھر ترتیب دیا تھا۔ بہت خوب صورت چیزیں اسے سنوارنے میں استعمال کی تھیں۔

زینب ایک گہرا سانس بھر کر اپنا کمرہ دیکھنے لگی۔ اس کے دل میں بھی کیسا شوق بیدار ہوا تھا ایک خوب صورت سے گھر کا۔ جو کسی اچھی ہی، صاف ستھری سی جگہ پر ہوتا۔ جس کے کمروں کی آرائش وسجاوٹ پر اس کی احسن سے گھنٹوں بحث ہوتی۔

لیکن قسمت!

”سچ ہی تو کہہ رہی تھی فارحہ۔“ اسے فارحہ کی ایک گزری ہوئی بات یاد آئی ”احسن نے تو کبھی بھی میری کسی بھی خواہش کا احترام نہیں کیا۔ جو بھی میں نے کہا، ٹال دیا۔ وقت کی گرد کے نیچے میری ہر خواہش کو دباتا جاتا ہے یہ شخص۔“

پھر اس کے دل میں نئے سرے سے ایک عزم بیدار ہوا تھا۔



''بس اب تمہاری نہیں چلنی احسن صاحب! اب تمہیں میری بات ماننی ہوگی۔ میں بھی دیکھتی ہوں تمہیں میرا کتنا خیال ہے؟''

وہ بے چینی سے وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگی۔ اسے احسن کا شدت سے انتظار تھا۔ ہنی مون کا پروگرام تو ملیا میٹ ہو ہی گیا تھا لیکن اب اسے اپنا دوسرا خواب پورا کرنا تھا۔ وہ ہر حال میں یہ گھر بدلنا چاہتی تھی۔ اسے اس جگہ سے بھی جان چھڑانی تھی فرخندہ آپا سے بھی اور فارحہ کے طعنوں سے بھی!

احسن آیا تو وہ غیر معمولی حد تک خاموش تھی۔ اس کے گرم جوشی سے کیے گئے سلام اور مزاج پرسی کا جواب بھی محض اس نے سر ہلا کر دے دیا تھا۔

وہ اس کے رویے کو طبیعت کے مضمحل پن پر محمول کرتا ہوا، کپڑے تبدیل کرنے چلا گیا پھر خود ہی جا کر کچن سے کھانا نکال کر لے آیا۔

''کھانا کھا لیا ہے زینو تم نے؟'' دستر خوان کی تہیں کھولتے ہوئے وہ مگن سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ دھیمے سے بولی۔

''آ جاؤ پھر جلدی سے۔ یہاں تو بھوک سے آنتیں بل کھا رہی ہیں۔''

''آپ کھائیں، مجھے بھوک نہیں۔'' اس کا رویہ حد درجہ خشک تھا۔

اب کے اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ ملگجے سے لباس میں ملبوس، الجھے الجھے بالوں کے ساتھ وہ بے حد اداس نظر آ رہی تھی۔ وہ کھانا وہیں چھوڑ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''کیا بات ہے زینو؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔ کھانا کیوں نہیں کھایا اب تک؟'' وہ بے حد فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ میری طبیعت کو کیا ہونا ہے۔ بس بھوک نہیں ہے'' وہ چڑے چڑے سے انداز میں گویا ہوئی۔

احسن نے ایک گہری سانس بھری تھی۔

''دیکھو زینب!'' پھر وہ بولا۔ ''تم جانتی ہو نا اس حالت میں بھوکا رہنا کس قدر ضرر رساں ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا تھا نا اس بات کا خیال رکھنے کے لیے اور پھر فرخندہ آپا جو دن رات تمہیں سمجھاتی رہتی ہیں۔''

''فرخندہ آپا، فرخندہ آپا، فرخندہ آپا۔'' وہ چیخ پڑی۔

''بس اسی نام کی تسبیح کرتے رہا کریں ہر وقت آپ! چڑ ہو گئی ہے مجھے اس نام سے ہی۔ گھوم پھر کر بات میں بس ان کی بات، بس ان ہی کا ذکر، ان کی نصیحتیں یوں ہی دماغ تھکا دینے کو کافی ہیں۔ آپ مزید نشر مکرر نہ کیا کریں۔''

''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' پھر وہ بولا۔ ''کیا پھر جھگڑ بیٹھی ہو ان سے؟''

''میرا دماغ ابھی اتنا خراب نہیں ہوا کہ ہر وقت کسی نہ کسی سے جھگڑتی ہی رہوں۔'' وہ جیسے برا مان کر بولی تھی۔

''یا خدا'' وہ جیسے چکرا سا گیا۔ ''زینب! معاملہ کیا ہے؟ کیوں ہمہ وقت الجھی الجھی سے، خفا خفا سی رہتی ہو۔ کس سے شکایت ہے تمہیں؟ مجھ سے؟ فرخندہ آپا سے؟ یا کسی اور سے؟''

''اپنی قسمت سے ہی شکایت ہے۔'' اس کی آواز بھر آ گئی۔ ''کسی اور سے کیا ہونی ہے۔'' وہ چند لمحے خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''کیا ہوا ہے تمہاری قسمت کو؟'' پھر اس نے مدھم لہجے میں پوچھا تھا۔ ''کیا چاہتی ہو؟ بولو۔''

زینب خاموشی سے دوسری جانب کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ فی الوقت وہ اس سے کچھ بات کرنا نہ چاہتی تھی۔ احسن گہری سانس لے کر کمرے سے نکل گیا۔ میز پر کھانا جوں کا توں رکھا رہ گیا تھا۔



شام تک یونہی گھر میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ احسن ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا تھا جب کہ وہ لیٹے لیٹے سو گئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ مسجد سے مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اٹھ کر باہر چلی آئی۔ احسن نیم غنودگی کے سے عالم میں ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ زینب چپ چاپ کچن میں چلی آئی۔ تھوڑے سے برتن دھو کر جگہوں پر رکھے اور چائے بنا کر لے آئی۔

''احسن! چائے پی لیں۔'' اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

''تم نے کیوں بنائی۔'' پھر وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا ''میں آپ بنا لیتا۔ بے وجہ تکلیف کی۔''

''تھک جاتی ہوں لیٹے لیٹے۔'' وہ بھی اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''ہر وقت لیٹے رہنا زیادہ تکلیف دہ ہے اور پھر میں بیمار تو نہیں ہوں۔''

احسن اسے دیکھنے لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہو؟''

''ہر وقت جس طرح خود سے اور مجھ سے الجھتی رہتی ہو اگر بیمار نہیں ہو تو بھی ہو جاؤ گی۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں خوش رکھوں، خوش دیکھوں لیکن تم تو جیسے ایک حالت اضطراب میں رہتی ہو ہمہ وقت۔ مسئلہ کیا ہے زینب؟''

''مسئلہ کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ بولی۔ ''بس مجھے اپنے گھریلو معاملات میں ہر لحہ فرخندہ آپا کی موجودگی پسند نہیں۔ ہر عورت کی طرح میری بھی یہی خواہش ہے کہ میرا اپنا چھوٹا سا گھر مکمل طور پر میری مملکت ہو۔

جسے میں اپنے ہاتھوں سے سنواروں، سجاؤں۔ جس کا تنکا تنکا میری خواہش کے مطابق ترتیب دیا گیا ہو۔ ایسا گھر جو میری پسند کا ہو۔ بلا شرکت غیرے میرا ہو۔''

احسن خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اس کا چہرہ بالکل سپاٹ اور تاثرات سے عاری تھا۔

''احسن!'' پھر وہ بولی۔ ''یہ گھر میری پسند کے مطابق نہیں ہے۔ یہ جگہ، علاقہ کچھ بھی میری پسند کے مطابق نہیں اور پھر مجھے ایسا لگتا ہے کہ مجھ سے زیادہ یہاں فرخندہ آپا کی مرضی چلتی ہے۔ میں مطمئن نہیں ہوں۔ میں یہ گھر تبدیل کر لینا چاہتی ہوں جلد سے جلد۔ بس یہی ایک مسئلہ ہے میرے ساتھ۔ اگر آپ مجھے خوش رکھنا چاہتے ہیں، خوش دیکھنا چاہتے ہیں تو آپ کو اسے حل کرنا ہوگا۔''

''دیکھو زینب۔'' وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگا۔ ''فرخندہ آپا سے تمہاری لاکھ نہ بنتی ہو لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ ہم دونوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہیں۔ ہر تکلیف اور مشکل میں جھٹ ان کا نام ذہن میں آتا ہے۔ ذرا سی بات پر دوڑی چلی آتی ہیں۔ جیسے ہم سے ان کا بہت قریبی رشتہ بنتا ہو۔ آج کل کے مطلب پرست دور میں ایسی بے غرض اور بے لوث ہستی سے یوں بے وجہ ہی دل میلا کر لینا مناسب نہیں ہے۔''

''اچھے اور بے غرض لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔'' وہ قطعی انداز میں بولی تھی۔ ''یہاں فرخندہ آپا ہیں، کہیں کوئی دوسرا ہوگا۔ اب فرخندہ آپا اس دنیا کی واحد اچھی خاتون تو نہیں ہیں۔'' وہ قدرے طنز سے بولی تھی۔

''اور پھر کیا ہم فی الوقت ایک مہنگا گھر افورڈ کر سکتے ہیں؟'' وہ قدرے تامل سے بولا تھا۔

''ہاں کیوں نہیں۔'' وہ فوراً چہک کر بولی۔ ''کیوں نہیں کر سکتے۔ ہر ماہ اچھی خاصی بچت کر لیتی ہوں میں۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ وہ پیسے نہیں بچا کریں گے، تو نہ سہی۔ لائف اسٹائل تو تھوڑا بہتر ہو جائے گا نا؟''

احسن خاموش ہو گیا۔ اس کے انداز میں ہار مان لینے والی کیفیت تھی۔ زینب چائے کے برتن اٹھا کر خوش خوش کچن میں چلی آئی۔ اس نے ایک بہت بڑا معرکہ سر کیا تھا۔ احسن سے یہ بات منوانا اس کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ کہ یہ گھر، یہ علاقہ اور فرخندہ آپا، ہر شے اسے بہت عزیز تھی اور ان میں سے کوئی ایک شے بھی زینب کو پسند نہ تھی۔

ہر چند کہ احسن بے حد خاموش سا تھا اور زینب کو اس کے رویے کی تبدیلی کا واضح احساس ہو رہا تھا لیکن اسے اس بات کی چنداں

پروانہ تھی۔ اسے مکمل یقین تھا کہ احسن اس سے ناراض رہ نہیں سکتا تھا۔ اس کی یہ کیفیت عارضی ثابت ہوتی۔ اس کی زندگی میں زینب سے زیادہ اہم شے اور کچھ نہ تھی اور وہ اس بات کا اظہار کئی مرتبہ کر چکا تھا۔

وہ مطمئن مطمئن سی آ کر لیٹ گئی تھی۔ احسن نجانے کتنا وقت گزرنے کے بعد کمرے میں آیا تھا۔ بستر کے دوسری جانب آ کر وہ لیٹا تو زینب نے آہستگی سے اس کی جانب کروٹ لے لی۔

''احسن!'' اس نے دھیمے سے اسے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' وہ چونک اٹھا۔ ''تم جاگ رہی ہو اب تک؟''

''نیند نہیں آ رہی۔ کب سے میں اپنے نئے گھر کو تصور میں سجا رہی ہوں، سنوار رہی ہوں'' وہ ہولے سے ہنس دی تھی۔ ''احسن! یہ کتنا خوبصورت خواب ہے جو انسان جاگتے میں دیکھتا ہے۔ ہے نا؟''

جواباً وہ خاموش رہا تھا۔

''احسن!'' وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی تھی۔ ''ہم دونوں مل کر اس کی اچھی سی سیٹنگ کریں گے۔ اس میں ڈرائنگ روم بھی ہوگا اور ڈائننگ بھی اور ایک یا دو بیڈ روم۔ ایک چھوٹا سا، ہرا بھرا لان جس کی سرسبز گھاس پر میں روز ٹہلوں گی۔ جس میں ہر رنگ کا گلاب ہوگا اور..... اور موتیا، اور چنبیلی بھی اور رات کی رانی کا پودا تو میں ضرور لگاؤں گی۔ اپنا گھر شام ہوتے ہی مہک اٹھے گا۔ ہے نا؟''

دوسری جانب ہنوز خاموشی چھائی رہی تھی۔

''بے شک بہت زیادہ کرائے کا گھر نہ لیجیے گا۔ بس اچھا، صاف ستھرا علاقہ ہو اور چھوٹا سا مگر اچھی طرز پر بنا ہوا گھر ہو۔'' وہ مصالحانہ انداز میں بولی تھی۔

دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے تھے۔



وہ احسن کی خاموشی سے پریشان ضرور ہوئی تھی، لیکن اس نے ہار نہیں مانی تھی۔ اسے فارحہ کی بات یاد تھی اور وہ احسن کے دل میں اپنی اہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ لگانے کے لیے یہ بات ہر صورت منوانا چاہتی تھی۔

اور پھر اسے انتظار نہ کرنا پڑا تھا۔ وہ اسی شام مسکراتا ہوا چلا آیا تھا۔

''کیا کھلاؤ گی؟ ایک اچھی سی خبر ہے تمہیں سنانے کے لیے۔'' وہ اندر آتے ہی بولا تھا۔

''اچھا!'' وہ بھی خوش گواریت سے مسکرائی۔

''سنائیں پھر۔ واقعی اچھی خبر ہوئی تو جو کہیں گے وہ کھلاؤں گی۔''

''جیب میں رقم ہے؟'' وہ شرارتی ہوا۔ ''یا ایسے ہی مجھے بہلا رہی ہو؟''

''نہ ہوئی تو میں اپنے شوہر سے لے لوں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ وہ ہنس دیا۔

''انکریمنٹ لگا ہے تنخواہ میں اور وہ بھی پورے اٹھارہ سو روپوں کا۔ کیسا؟''

''ہائے سچ۔'' وہ چیخ مار کر رہ گئی۔ ''سچ احسن!''

''ہاں، میں تمہاری طرح جھوٹا تھوڑا ہی ہوں اور میں ایک اسٹیٹ ایجنٹ سے مل کر اور تمہاری پسند کا ایک گھر دیکھ کر آ رہا ہوں۔ اب بتاؤ، کیا کھلاؤ گی؟''

زینب کی آنکھوں میں خوشی کے مارے آنسو آ گئے۔

''ہائے احسن، کتنے اچھے ہیں آپ۔ میری...... میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے، میں ہنسوں کہ روؤں۔''

''تم صرف ہنستی رہو جانو!'' وہ محبت سے بولا۔ ''تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔ اچھا چلو تیار ہو جاؤ۔ تمہیں گھر دکھا کر لاتا ہوں اور کھانا بھی ہم باہر کھائیں گے۔''

''آپ بہت اچھے ہیں احسن۔'' وہ جذباتیت سے بولی تھی۔

''تمہارے لیے میں اس سے بھی زیادہ اچھا ہونا چاہتا ہوں زینو'' وہ قدرے سنجیدہ ہوا۔ ''پھر بھی نجانے کیوں کہیں نہ کہیں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے مجھ سے۔ چلو۔'' پھر وہ سانس بھر کر بولا۔ ''جلدی کرو۔ وہ ایجنٹ نہ اٹھ جائے۔''



بڑے دنوں کے بعد وہ نیچے آئی تھی۔ ویسے بھی آج کل وہ سیڑھیاں کم ہی چڑھتی اترتی تھی اور پھر یوں بھی فرخندہ آپا سے اسے جو شدید قسم کی چڑ اچانک ہی ہوئی تھی، اس نے بھی اسے کم کم آنے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

فرخندہ آپا کچن میں مصروف تھیں۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔

''ارے زینب! آؤ آؤ۔ کیسی طبیعت ہے اب تمہاری۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں آپا۔'' وہ مسکرائی۔ ''اب تو کچھ غیر معمولی پن کا احساس تک نہیں ہوتا۔ بالکل سیٹ ہو گئی ہے طبیعت۔''

''چلو، شکر ہے خدا کا۔'' وہ اسے لے کر لاؤنج میں چلی آئیں۔ ''بیٹھو۔ اب آئی ہو تو کھانا کھا کر ہی جانا، کوفتے بنا رہی ہوں۔ نرگس کوفتے احسن کو تو بہت پسند ہیں۔ تمہیں کیسے لگتے ہیں؟''

''اچھے لگتے ہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ''مگر مشکل سے بنتے ہیں اس لیے میں نے کبھی بنائے نہیں۔''

''ارے کوئی ایسی مشکل نہیں ہوتی۔ کرتے کرتے ہی عادت ہوتی ہے۔ ابھی صوفیہ آئی ہوئی تھی۔ کھڑے کھڑے سارا کام نپٹا گئی۔ میں اندر صفائی کر رہی تھی، اس نے دو منٹ میں قیمہ پیس کر کوفتے بنا ڈالے۔ میں کچن میں آئی تو وہ آدھا کام مکمل کر چکی تھی۔ انسان کرنا چاہے تو ہر کام آسان ہے اور پھر یہ تن آسانی کی عادت لڑکیوں میں تو بالکل نہیں جچتی۔''

زینب پہلو بدل کر رہ گئی۔ فرخندہ آپا بے چاری اپنی عادت سے مجبور تھیں۔

''چلیں۔'' وہ سانس بھر کر بولی۔ ''آج آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گی کھانا۔ یوں بھی چند دنوں کا ساتھ اور ہے پھر تو آپ کی باتیں ہی یاد آیا کریں گی۔''

''کیا مطلب؟'' فرخندہ آپا چونک کر اس کی صورت دیکھنے لگیں۔ ''میں سمجھی نہیں۔''

''ہم لوگ یہاں سے شفٹ ہو رہے ہیں آپا۔'' وہ مسکرائی۔ ''یہی بتانے آئی تھی میں۔ کل میں اور احسن جا کر گھر پسند کر آئے ہیں۔''

فرخندہ آپا چند لمحوں کے لیے سکتے کے سے عالم میں رہ گئیں۔ زینب کو از حد خوشی ہوئی۔ کب سے وہ اپنی دل جلانے والی باتوں سے زینب کا دل جلاتی آرہی تھیں۔ اسے ایسا لگا جیسے آج اس نے یہ خبر سنا کر گزشتہ ساری باتوں کا بدلہ لے لیا ہو۔ وہ مطمئن مطمئن سی بیٹھی رہی۔

''لیکن کیوں؟'' پھر وہ اپنی کیفیت کے حصار سے باہر آ کر بولی تھیں۔ ''زینب بیٹا! یہاں خدانخواستہ کوئی تکلیف تھی تمہیں؟ کوئی شکایت تھی؟''

''نہیں آپا۔'' وہ ناک چڑھا کر بولی۔ ''کسی سے شکایت کیا ہونی ہے۔ بس یہ ایریا مجھے پسند نہیں اور پھر آپ نے گھر کی تعمیر بھی نجانے کس

طرز پر کی ہے۔ عجیب گھٹا گھٹا سا گھر لگتا ہے۔ چلیں جب تک احسن اکیلے تھے تب تک تو بات اور تھی لیکن اب میں ہوں، کچھ دن بعد ایک اور وجود ہو گا۔ تو ہمیں چھوٹا پڑے گا۔ ہم تو چار کمروں والا گھر دیکھ کر آئے ہیں۔ بہت ہوادار اور روشن۔ کچن بھی کشادہ ہے۔ بہت اچھی طرح سے سیٹ ہو سکتا ہے۔ یہاں تو میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون سی چیز کہاں رکھوں۔ سچ، پریشان ہو گئی تھی میں۔‘‘

فرخندہ آپا خاموشی سے سنتی رہیں۔

’’بڑا گھر سنبھالنا بھی تو مشکل ہو گا زینب! پھر وہ بولیں۔ ’’ابھی تو تم اتنا کام کر بھی نہیں سکو گی۔ گھر کی سیٹنگ کچھ آسان کام تو نہیں ہے۔ اس حال میں کیسے کرو گی اتنا کچھ۔ کم از کم اپنے فارغ ہونے کا انتظار ہی کر لیتیں۔‘‘

’’ارے آپا، ہو جاتا ہے سب کچھ خود ہی خود۔‘‘ وہ ہنس دی۔ ’’میں نہیں کروں گی کچھ بھی۔ احسن چھٹی لے لیں گے دو تین روز کی۔‘‘

’’میں تو اتنا خوش تھی کہ چند دنوں کی بات ہے گھر میں رونق ہو جائے گی۔ بچے کا وجود تو سونے گھر میں روشنی اور خوشیاں بکھیر دیتا ہے۔‘‘ وہ حسرت سے کہنے لگیں۔ ’’کیا خبر تھی کہ سونے پن میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ تم دونوں کے جانے کا خیال ہی اس قدر تکلیف دے رہا ہے۔ ہائے! کیا تھا زینب جو کچھ عرصہ اور رہ لیتے۔ کم سے کم میں اس ننھے مہمان کو یہاں چلتا پھرتا تو دیکھ لیتی۔ کس قدر شوق تھا مجھے احسن کے بچے کھلانے کا۔‘‘

’’کون سا ہم ملک سے باہر جا رہے ہیں آپا۔‘‘ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ’’یہیں اسی شہر میں رہیں گے۔ جب جی چاہے اس ننھے مہمان سے ملنے چلی آئیے گا۔ ہم لوگ بھی آیا کریں گے۔‘‘

فرخندہ آپا تصویر حسرت بنی بیٹھی تھیں۔ زینب کو انہیں دیکھ دیکھ کر ہنسی آ رہی تھی۔ اتنا غم زدہ چہرہ اسے رخصت کرتے سمے اماں کا بھی نہیں تھا۔

’’احسن کو یہاں رہتے دس سال ہو گئے ہیں۔‘‘ وہ پھر بولیں۔ ’’اب تو یہ احساس بھی مٹ گیا تھا کہ وہ کوئی اور ہے، کہیں اور سے آیا ہے۔ وہ تو اس گھر کا ایک حصہ لگنے لگا تھا۔‘‘

’’گھر کا حصہ نہیں، آپ کو اپنی جاگیر لگنے لگا تھا۔‘‘

اس نے تپ کر سوچا تھا۔ ’’اسی لیے لے جا رہی ہوں میں اسے یہاں سے کہ کم از کم آپ کی یہ غلط فہمی تو دور ہو۔ ہماری زندگیوں کو اپنے اصولوں پر چلانے کی خواہش مند تھیں آپ، ہونہہ۔‘‘

’’چلیں آپا! کھانا نکالتے ہیں۔‘‘ وہ مسکرا کر بولی۔

’’بہت بھوک لگی ہے اور آپ تو اس قدر غم زدہ ہو رہی ہیں جیسے ہم اس دنیا سے جا رہے ہوں۔‘‘

’’خدانخواستہ۔‘‘ وہ دھیرے سے بولیں۔ ’’کیسی باتیں کرتی ہو بیٹی۔‘‘

’’ارے آپا، ہم گئے تو نئے لوگ آ جائیں گے۔ گھر خالی تھوڑا ہی رہے گا۔ کرائے دار تو آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔‘‘



بڑی شدت سے وہ اگلے مہینے پہلی تاریخ کی منتظر تھی۔ پہلی تاریخ کو انہیں یہاں سے شفٹ کر جانا تھا۔ وہ نئے گھر میں جاتی، اس کی سیٹنگ کرتی، آس پڑوس میں ملنے جاتی۔ کتنی ہی خوش آئند باتیں تھیں۔ زینب کا بس نہ چلتا تھا کس طرح وہ درمیان کے یہ سات آٹھ روز غائب کر دیتی۔

جب سے وہ احسن کے ساتھ جا کر گھر دیکھ کر آئی تھی، تصور میں صبح شام اس کے کمروں اور برآمدے میں پھرا کرتی۔ وہ عین اس کی پسند کے مطابق تھا۔ صاف ستھرا علاقہ، جہاں بڑے بڑے بنگلے بنے ہوئے تھے، چوڑی چوڑی کشادہ سڑکیں دیکھ کر اس کا جی خواہ مخواہ ہی ان پر چہل قدمی کے لیے مچل اٹھا تھا اور گھر۔ اس کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ ایک بڑے سے بنگلے کا وہ ایک چھوٹا سا حصہ تھا پھر بھی اسے کشادہ محسوس ہوا تھا۔ کم از کم

فرخندہ آپا کے ڈربے سے تو بہتر تھا۔ اس نے احسن سے کہا تھا۔

موزائیک فرش، بڑی بڑی کھڑکیاں، خوبصورت دروازے، ڈرائنگ ڈائننگ میں شیشے کی الماریاں، کچن میں خوبصورت کیبنٹس، زینب تو خوشی سے ناچ اٹھی تھی اور پھر چھوٹا سا گھاس کا قطعہ بھی تھا جسے اس نے ازخود لان کا نام دے ڈالا تھا۔ ہر چند کہ ان کی آمدورفت کے لیے دروازہ مرکزی سڑک کے بجائے ذیلی سڑک پر کھلتا تھا پھر بھی وہ مطمئن تھی۔ کم ازکم اس تنگ سی گلی سے تو جان چھوٹی تھی۔ کرایہ ان دونوں کی توقع سے کہیں زیادہ تھا کہ کہیں احسن تذبذب کا شکار نہ ہو جائے۔

''اب تو آپ کی تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے۔'' اس نے واپسی میں احسن سے کہا تھا۔ ''اب ہم آرام سے اتنا کرایہ افورڈ کر سکتے ہیں اور پھر گھومنے تو جا نہ سکے۔ وہ پیسے پڑے ہیں نا۔ ان سے ایڈوانس کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔''

اس کا بے پرواسا انداز دیکھ کر احسن خاموش ہو گیا تھا۔ آگے آگے جو جو مسائل درپیش ہونے تھے اسے ان کی چنداں خبر تھی نہ پروا۔ اسے یہ احساس نہ تھا کہ اس گھر کے حساب سے ان کا سامان انتہائی مختصر اور ناکافی تھا۔ ڈرائنگ روم کے لیے ایک چھوٹا سا سنگل صوفہ اور ڈائننگ کے لیے ایک چھوٹی گول میز اور پھر شفٹنگ کے لیے بھی پیسوں کی ضرورت پڑنی تھی جو فی الحال ایک بے حد اضافی خرچہ تھا لیکن چونکہ وہ خوش تھی، اس لیے وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا تھا۔ اس کی خوشی کے آگے وہ ہمیشہ ہی ہار مان جاتا تھا۔

اس روز وہ دونوں بیٹھے شام کی چائے پی رہے تھے جب فرخندہ آپا چلی آئیں۔

''زینب! آپا کے لیے بھی چائے لے آؤ۔'' احسن نے اس سے کہا۔

وہ سر ہلا کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔

''سنا ہے، گھر چھوڑ رہے ہو۔'' فرخندہ آپا احسن سے مخاطب تھیں۔ ''بتانے بھی نہ آئے۔ بڑے مصروف ہو گئے ہو۔'' زینب کو کچن میں باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ وہ نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئی۔

''بس آپا۔'' احسن شرمندگی سے ہنس دیا۔ ''کبھی آفس سے دیر ہو جاتی ہے، تو کبھی کچھ اور کام پڑ جاتا ہے پھر اس کی طبیعت کے خیال سے بھی کہیں آنا جانا چھوڑا ہوا ہے۔ ویسے زینب بتا رہی تھی، آپ بہت اداس ہو رہی تھیں۔''

''نہ ہوں اداس؟'' وہ بولی۔ ''مجھے تو یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے میرا اپنا بیٹا مجھے چھوڑ چلا ہو۔'' ان کی آواز گلوگیر ہو گئی۔

''ہونہہ ڈرامہ۔'' زینب نے جل کر سوچا۔

''آپا، آپا! اداس نہ ہو۔ ہم لوگ روز ملنے آیا کریں گے آپ سے۔'' احسن بڑی محبتوں سے بولا تھا۔

فرخندہ آپا بے ساختہ ہی ہنس دیں۔

''یہ بھی خوب کہی۔'' پھر وہ بولیں۔ ''ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے تو ہفتوں بعد شکل دکھاتے ہو، وہاں جا کر پھر روز ملو گے خیر! بیٹا، جہاں تم دونوں کی خوشی ہو، آرام ہو، وہاں رہو۔ بس ہنستے ہوئے، خوش باش آباد رہو۔ میرا کیا ہے، جی کرے گا تو خود ہی چلی آؤں گی۔ بڑا ارمان ہے مجھے تمہارا بچہ کھلانے کا۔ دادی کہلواؤں گی اس سے۔''

احسن ہنس دیا۔ زینب طنز سے مسکرا دی۔ فرخندہ آپا کے مکھن لگانے کے کمال کی تو وہ بڑی معترف تھی۔ احسن کو یوں ہی تو نہیں انہوں نے مٹھی میں لیا ہوا تھا۔

''ویسے بیٹا! زینب کو چیزوں وغیرہ کو نہیں ہاتھ لگانے دینا۔ کچھ اٹھا کر یہاں رکھ رہی ہے تو کچھ یہاں سے اٹھا کر وہاں لے جا رہی ہے۔ اکیلے گھر میں جا رہی ہے، مجھے تو فکر ہو گی۔ یہاں کم ازکم میں دن بھر میں ایک آدھ مرتبہ حال احوال پوچھ جاتی تھی۔ وہاں کون پوچھے گا نئی جگہ پر۔ تم صبح کے گئے شام کو لوٹتے ہو۔ وہ بھی کبھی کبھار دیر ہو جاتی ہے۔''

''بس اسی بات کی تشویش ہے مجھے۔'' احسن فکر مندی سے بولا تھا۔ ''یہی سوچ رہا ہوں مسلسل۔ یہاں تو کسی بات کی فکر نہ تھی مجھے۔ اطمینان رہتا تھا کہ آپ اس کے پاس ہوں گی۔''

زینب جلدی سے چائے کا کپ لیے کچن سے نکل آئی۔

''عورتیں رہتی ہی ہیں اکیلی بھی۔'' وہ فرخندہ آپا کو کپ پکڑاتے ہوئے بولی تھی۔ ''ہر کسی کو ایسا آسرا نہیں ہوتا۔ بعض کے شوہر تو بیرون ملک جاتے ہیں تو وہ بھی گزارتی ہی ہیں زندگی۔ آپ دونوں تو ضرورت سے زیادہ فکر اندیش ہیں۔''

''فکر کرنی پڑتی ہے بیٹا!'' فرخندہ آپا اداسی سے مسکرا دیں۔ ''ابھی ناسمجھ ہو تم، ناتجربہ کار ہو۔ عمر ہو گی تو ان باتوں کو بھی سمجھنے لگو گی۔''

وہی رٹے رٹائے نصیحت آموز جملے جن سے اسے ازلی چڑ تھی۔ وہ زبردستی مسکرا کر رہ گئی۔ فرخندہ آپا کی آمد اسے زہر لگ رہی تھی۔ ایک مرتبہ پھر وہ احسن کو بہکانے چلی آئی تھیں۔

''شیطان صفت خاتون۔'' اس نے سوچا تھا۔ ''ذرا موقع لگے اور یہ لگیں الٹی الٹی باتوں کا وہم دل میں ڈالنے بابا، ان سے تو دوری ہی بھلی۔ بعد میں بھی نہ ہی ملیں تو اچھا ہے۔ جب آئیں گی کوئی نیا ہی شوشہ چھوڑ کر جائیں گی۔''

''یہ فرخندہ آپا کو کوئی اچھی، خوش آئند بات نہیں سوجھتی۔'' ان کے چلے جانے کے بعد وہ احسن سے اظہار خیال کیے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ ''جب بات کرتی ہیں کسی ممکنہ خطرے کی بات کرتی ہیں۔ کوئی ڈرانے والی بات، کوئی دلوں میں خوف جگانے والی بات۔ عجیب خاتون ہیں۔''

''اب چھوڑو بھی یار۔'' وہ بیزاری سے بولا۔ ''اب جاتے جاتے تو ان کے گناہ معاف کر دو تمہیں تو نجانے کیسا بیر ہوا ہے ان سے۔''

زینب اسے خفگی سے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اب تک ان کے خلاف بات نہ سنتا تھا۔



پھر وہ دن بھی آ گیا جس کا وہ شدتوں سے انتظار کر رہی تھی۔ احسن سامان وغیرہ بھیجنے میں لگا ہوا تھا۔

اپنے چند دوست اس نے اس مقصد کے لیے بلوا لیے تھے۔

زینب فرخندہ آپا کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی۔ یوں بھی وہ چیزیں وغیرہ اٹھوانے رکھوانے میں ان کی کوئی مدد نہ کر سکتی تھی۔ اسے تو بس سارا کام ہو جانے کے بعد احسن کے پیچھے بیٹھ کر آرام سے چلے جانا تھا۔

بڑے خوشگوار موڈ میں، نکھری نکھری بیٹھی وہ فرخندہ آپا سے باتیں کر رہی تھی۔ جب اپنی اداس آنکھوں میں مزید اداسی بھرے صوفیہ چلی آئی۔

''السلام علیکم۔'' وہ بولی تھی۔ ''اچھا ہوا آپ یہیں مل گئیں۔ میں آپ سے ملنے کا سوچ کر ہی آئی تھی۔ آپ لوگ جا رہے ہیں یہاں سے۔''

''ہاں۔'' وہ اطمینان سے مسکرائی۔ ''ہم لوگ یہاں سے جا رہے ہیں۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں، میں چلی جاتی پھر نجانے کب ملنا ہوتا۔''

''کیوں جا رہے ہیں آپ لوگ۔'' اس کی آنکھوں میں واضح نمی تھی۔ ''کتنا اچھا لگتا تھا آپ لوگوں کا یہاں رہنا۔ آپ...... آپ آئی تھیں تو کتنی خوشی ہوئی تھی کہ اتنی پیاری سی، گڑیا سی لڑکی اب یہاں رہا کرے گی، ہم سے ملے گی، ہم روز اسے دیکھا کریں گے۔''

زینب مسکرا دی۔

''ہم جائیں گے تو دوسرے لوگ آ جائیں گے صوفیہ! جگہیں خالی تھوڑا ہی رہتی ہیں۔''

''دوسرے لوگ؟'' وہ اداسی سے بولی۔ ''آپ لوگوں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا زینب!'' پھر اس نے اپنی کیفیات کو چھپانے کے لیے سر جھکا لیا تھا۔ زینب بغور اسے دیکھتی رہی۔ وہ بہت ملول اور بے حد اُداس تھی۔ اگر اسے ذرا سا بھی چھیڑا جاتا تو شاید وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔

ایک گہری سانس بھر کر وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ عجب لڑکی تھی۔ عجب اس کے جذبات تھے۔ ایک شادی شدہ مرد سے وہ نجانے کون کون سے خیالات اور تصورات آباد کیے بیٹھی تھی۔

''ہم لوگ اگر یہاں سے نہ بھی جاتے تو تمہیں تو جانا ہی پڑتا صوفیہ!'' وہ کچھ دیر بعد تسلی دینے والے انداز میں بولی تھی۔ ''آخر کو ایک دن تمہاری شادی ہونی ہے۔ دوسرے گھر جانا ہے۔ تم بھی یہاں ہمیشہ تو نہیں رہو گی۔''

صوفیہ نے جھکا ہوا سر اٹھا کر اسے دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔

''زینب جی! بیس سال بعد بھی آنا ہوا تو دیکھیے گا۔ میں یہیں ملوں گی۔''

زینب اتنی حیرت انگیز بات سن کر اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔



نئے گھر میں آ کر اسے حیرت کا جھٹکا اس وقت لگا تھا جب اس نے ڈرائنگ روم میں نئے پردے، نیا صوفہ سیٹ اور ڈائننگ روم میں چھوٹی سی مگر خوبصورت ڈیزائن کی ڈائننگ ٹیبل دیکھی۔ اس کے لیے یہ بڑا زبردست، خوشگوار سرپرائز تھا۔

''احسن...... احسن...... یہ سب کیا ہے؟'' وہ گھر میں گھوم پھر کر دیکھتی رہی۔ خوش ہوتی رہی۔ ''کتنا اچھا لگ رہا ہے نا گھر اس سامان سے۔ کہاں سے لے آئے آپ یہ سب کچھ۔ اتنے پیسے کہاں سے آئے؟''

''جب گھر بڑا لیا ہے تو پھر اس میں کچھ رکھنا بھی تو تھا نا۔'' وہ بولا۔ ''تمہیں تو شاید احساس نہ تھا اس بات کا۔''

''احساس کیوں نہ تھا۔'' وہ خفا ہو کر بولی۔ ''اتنی پاگل تو نہیں ہوں میں، لیکن میں نے سوچا تھا آہستہ آہستہ سب کچھ ہو جائے گا لیکن آپ بتائیں تو سہی یہ فرنیچر کہاں سے آیا؟''

احسن نے اسے گھورا۔

''لیکن اتنی رقم کہاں سے آئی۔ آپ کے پاس تو پیسے کم پڑ رہے تھے۔ کہاں سے یہ سب کچھ خرید لیا ہے۔ یہ نئے پردے ہی بہت مہنگے معلوم ہو رہے ہیں۔'' وہ حیران تھی۔ وہ دھیمے سے مسکرا دیا۔

''فرخندہ آپا نے تحفتاً یہ پردے لگوا کر دیے ہیں۔ باقی رہا فرنیچر تو اس کے لیے بھی ان ہی سے ادھار رقم لی ہے میں نے۔''

''اوہ۔'' زینب لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ ''مجھ سے تو ایسا کوئی ذکر نہیں کیا انہوں نے کتنی دیر بیٹھی رہی میں ان کے پاس۔''

''بہت ظرف والی ہیں میری آپا۔ اپنا اور دوسرے کا بھرم رکھنے والی۔ تم نے ہی ہمیشہ انہیں سمجھنے میں غلطی کی ہے زینو۔''

زینب ہونٹ چبا کر رہ گئی۔

''اچھا۔ اب اٹھو اور کچن میں جاؤ۔ چولہوں کی فٹنگ ہو گئی ہے۔ چیزیں جگہوں پر ہیں۔ اچھی سی چائے بنا کر پلاؤ۔ تھکن سے برا حال ہے۔''

''اچھا اور آپ جب تک کیا کریں گے؟'' وہ مسکرائی تھی۔

''ٹی وی دیکھوں گا۔'' وہ ٹانگیں پھیلا کر بیٹھ گیا۔

وہ مسکراتے ہوئے کچن میں چلی آئی تھی۔



زندگی میں بڑی خوش گوار یت کا احساس در آیا تھا۔

نئی نئی محسیں لگی تھی اور نئی نئی شامیں۔ اپنے پاس تھوڑی سی رقم جو اس نے شادی کے وقت سے بچا کر رکھی ہوئی تھی اس سے وہ احسن کے ساتھ جا کر کتنی ہی چھوٹی چھوٹی چیزیں خرید لائی تھی کچھ نئے برتن جو اس نے اب تک ڈبوں میں بند کر کے رکھے ہوئے تھے، نکال کر کچن میں رکھ دیے تھے۔ غرض ہر شے اسے نئی نئی اور خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ احسن اسے لاکھ کام کرنے سے منع کرتا لیکن ہر روز آفس سے واپسی پر اسے کوئی نہ کوئی تبدیلی ضرور دکھائی دیتی تھی۔ وہ زینب سے الجھتا پھر اس کی ایک خوبصورت مسکراہٹ اسے خاموش ہو جانے پر مجبور کر دیا کرتی تھی۔

اس روز بھی وہ ایک بڑی پینٹنگ ایک دیوار سے اتار کر دوسری پر لگا رہی تھی جب ڈور بیل گنگنا اٹھی۔

بڑی آہستگی سے کرسی سے اتر کر وہ گیٹ تک آئی۔ باہر کھڑی پیاری سی لڑکی اس کے لیے بے حد نامانوس اور اجنبی تھی۔

''السلام علیکم۔'' وہ گیٹ کھلنے پر شگفتگی سے مسکرائی تھی۔ ''مجھے رملی کہتے ہیں۔ میں برابر والے پورشن میں رہتی ہوں۔''

''اوہ۔'' زینب بھی بھرپور انداز میں مسکرا کر ایک طرف ہوئی۔ ''آئیں اندر آئیں نا۔'' وہ مسکراتی ہوئی چلی آئی۔ زینب اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔

''بیٹھیں۔'' وہ اس کے مقابل بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔ ''بھئی یہ بیٹھیں وٹھیں نہیں چلے گا۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولی تھی۔ ''اور زیادہ سے زیادہ کتنے دن چلے گا؟ کچھ ہی دنوں میں ہم دونوں خود بخود آپ جناب کا تکلف ترک کر دیں گے۔ تو زیادہ بہتر یہی ہے کہ شروع دن سے ہی صحیح انداز اختیار کر لیں۔ ٹھیک ہے نا۔''

''ہوں۔'' زینب نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''رنگ و روغن کا کام تو کئی دن سے ہو رہا تھا۔'' وہ ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگی۔ ''ویسے شفٹ کب ہوئے تم لوگ؟''

''ہفتہ بھر ہوا ہے۔ میں ذرا گھر کی سیٹنگ میں مصروف تھی اسی لیے پڑوس میں تانک جھانک کی فرصت نہیں ملی۔ ویسے تم کہاں رہتی ہو؟''

''یہیں۔ برابر والے پورشن میں۔'' اس نے ہاتھ سے اشارہ بھی کیا۔ ''اس بنگلو کے مالک نے چار پورشن بنا رکھے ہیں گراؤنڈ فلور کے، چاروں کرائے پر اٹھا رکھے ہیں۔ ادھر رائٹ سائیڈ پر میں ہوں۔ لیفٹ والے حصے میں ایک بنگالی جوڑا مقیم ہے اور پیچھے سب سے بڑے پورشن میں ایک کرسچن فیملی رہتی ہے۔ دونوں فیملیز انتہائی بور ہیں۔ گھر ملنے چلے جاؤ تو چائے تک نہیں ملتی۔ وہ بنگالی عورت تو بس ٹکر ٹکر صورت ہی دیکھتی رہتی ہے اور رہا وہ کرسچن گھرانا تو ان کے ہاں تو جب جاؤ ان کی بوڑھی ماں گلے میں صلیب لٹکائے بیٹھی ملتی ہے۔ باقی کوئی بندہ گھر میں موجود نہیں ہوتا۔''

زینب کو ہنسی آ گئی۔

''اچھا۔ تم بیٹھو، میں چائے بناتی ہوں ورنہ میرے بارے میں بھی تمہاری رائے مشکوک ہو جائے گی۔''

''ارے نہیں یار۔'' وہ مسکرا دی۔ ''تمہیں تو میں نے پہلی نگاہ میں ہی پاس کر دیا ہے۔ ایسی موہنی صورت تو میں بغیر چائے کے بھی روز دیکھنے آ سکتی ہوں۔ بائی دا وے تمہارا نام کیا ہے؟''

''زینب۔'' وہ مسکرا دی۔ ''زینب شاہ!''

''گڈ پیارا نام ہے۔ لگتی بھی شاہوں کے خاندان سے ہو۔ بڑے دنوں کے بعد میں نے بہت حسین چہرہ دیکھا ہے ورنہ اب تو ایسا لگتا ہے کہ حسن مٹ چلا ہو دنیا سے۔''

وہ تعریف کے معاملے میں کچھ زیادہ ہی صاف گو تھی۔

''خیر، اتنے مبالغے سے تو کام نہ لو۔'' زینب شرما گئی۔ ''میں ایسی بھی حسین نہیں۔''

''وقت ہوا تو تفصیل سے تمہارا نقشہ کھینچوں گی تمہارے سامنے پھر خود انصاف سے کام لے کر بتانا کہ خدا نے کتنا نوازا ہے تمہیں۔ اچھا،

چلو چائے بناتے ہیں۔"

پھر وہ فوراً ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ زینب نے اس کی تقلید میں کھڑے ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کاٹن کا مگر بے حد قیمتی لباس پہنا ہوا تھا۔ دائیں کلائی میں ایک بیش قیمت کنگن تھا۔ کانوں میں شاید ہیرے کے ٹاپس پہنے ہوئے تھے۔

وہ بڑی تیاری کے ساتھ آئی تھی۔ میک اپ بھی خاصا گہرا کیا ہوا تھا۔

زینب اس کو لے کر کچن میں چلی آئی۔ وہ ساتھ ساتھ گھر کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔ زینب ماچس سے چولہا جلانے لگی۔

"ابھی سامان رہتا ہے تمہارا یہاں لانے کیلئے؟" وہ جائزہ لیتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"سامان؟" زینب اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ "کیا سامان؟"

"میرا مطلب ہے جہاں سے تم لوگوں نے شفٹ کیا ہے، وہاں ابھی تمہارا کچھ سامان باقی ہے؟"

"نہیں تو۔" زینب ابھی بھی نہ سمجھ پائی تھی۔

"اچھا۔" اس نے کاندھے اچکائے۔ "سامان کچھ کم نہیں ہے تم لوگوں کا؟ گھر تو بالکل خالی لگ رہا ہے۔ بیڈ روم تو بالکل بھی سیٹ نہیں۔ کچن بھی ادھورا محسوس ہو رہا ہے۔"

زینب کو سبکی محسوس ہوئی مگر وہ نارمل سے انداز میں بولی۔

"دراصل وہ گھر کافی چھوٹا سا تھا۔ ادھر تو یہ سامان ہی بہت زیادہ معلوم ہوتا تھا۔ کچن بھی بس اتنا بڑا تھا کہ ایک آدمی بمشکل سا سکے۔ اب یہاں آئے ہیں تو آہستہ آہستہ سامان لیتے جائیں گے۔"

"ہوں۔" اس نے مطمئن ہو کر سر ہلایا۔ "شوہر تمہارے یہیں ہوتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ملک میں ہی ہیں؟"

"ہاں، ہاں۔" وہ جلدی سے بولی۔ "تو اور کیا۔"

"میرے شوہر تو بیرون ملک ہوتے ہیں۔ ہر چھ ماہ بعد آتے ہیں۔" رملی بولی تھی۔ "اسی لئے میں نے پوچھا۔"

"اور بچے وغیرہ؟"

"بچے نہیں ہیں۔" وہ بے پروائی سے بولی۔

"اکیلی رہتی ہو؟" زینب کو حیرت ہونے لگی۔

"نہیں۔ ایک عورت رکھی ہوئی ہے۔ سارا کام بھی کرتی ہے۔ رات کو بھی میرے پاس ہی ہوتی ہے۔"

اب زینب کو اس کے گھر گھر پھرنے کے شوق کے پیچھے چھپی محرومی کا اندازہ ہوا۔ تب ہی اسے سارے لوگوں سے کمپنی نہ ملنے کی شکایت تھی۔ اس قدر اکیلے پن کی ماری عورت کو کوئی کہاں تک کمپنی دے سکتا تھا۔

"ویسے میرے بھائی وغیرہ یہیں شہر میں ہی ہیں۔ آتے جاتے رہتے ہیں۔ اکیلے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ میں بھی کبھی کبھار دل بہلانے کو کوئی جاب وغیرہ کر لیتی ہوں۔ زندگی کا احساس رہتا ہے۔ مرد نہیں ہوتا عورت اندر سے ورنہ گھر میں بند رہ کر تو دم گھٹنے کا سا احساس ہونے لگتا ہے۔ تم نے کبھی جاب نہیں کی؟"

"نہیں۔" زینب نے چائے کا کپ اس کے آگے رکھا۔ "پڑھائی سے فارغ بھی نہ ہو پائی تھی کہ اماں نے شادی کر دی۔ شادی کے بعد ابھی دم نہ لیا تھا کہ یہ مصروفیت ہو گئی۔" اس کا اشارہ اپنی پریگنینسی کی جانب تھا۔

"جاب" کس وقت کرتی میں۔

"ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے نئی نئی شادی ہے۔ میری شادی کو سات سال ہو گئے ہیں۔"

''کچھ ہمیں ہی شوق نہ تھا، کچھ قدرت نے بھی ساتھ دیا۔'' وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑی۔

''شوق نہ تھا؟ کیوں؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''بس یار! پاؤں کی زنجیر ہوتے ہیں یہ چیاؤں میاؤں کرتے بچے۔ آدمی گھر تک سے نہیں نکل سکتا۔ مجھے تو دنیا سر کر ڈالنے کا شوق ہے۔ خیر بہت وقت لے لیا آج تمہارا۔ ابھی تو وقت پڑا ہے باتیں کہنے اور سننے کے لئے۔ اب میں چلتی ہوں۔''

''آجایا کرو۔ میں تو اکیلی بھی ہوتی ہوں اور فارغ بھی۔'' زینب نے پرخلوص آفر کی تھی۔

''ضرور آؤں گی بھی۔ عرصے بعد تو۔ کوئی ڈھنگ کی صورت نصیب ہوئی ہے۔'' وہ ہنس دی تھی۔

زینب اس کے جانے کے بعد بھی دیر تک اس کے متعلق سوچتی رہی۔



''آج اپنی پڑوسن آئی تھی ملنے۔'' احسن کے ساتھ شام کی چائے پیتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ ''رملی نام ہے یہاں برابر والے پورشن میں رہتی ہے۔''

''اچھا۔ پھر ہوگئی ہوگی دانت کاٹے کی دوست۔'' وہ مسکرایا۔

''نہیں ہوئی تو ہو جائے گی۔'' اس نے سر ہلا دیا۔

''مجھے تو بڑی اچھی لگی ہے وہ۔ بہت بے تکلفانہ انداز ہے۔ دیکھنے میں بھی اچھی، پیاری سی لڑکی ہے لیکن بے چاری بڑی اکیلی ہے۔ شوہر ملک سے باہر ہوتا ہے اور بچے وغیرہ ہیں نہیں۔ ایک عورت کو ساتھ رکھا ہوا ہے اس نے۔''

''چلو۔ تم دونوں مل کر ایک دوسرے کا اکیلا پن شیئر کر لینا۔'' احسن مسکرایا۔

''پتا ہے احسن! وہ سمجھ رہی تھی ابھی ہماری شفٹنگ کمپلیٹ نہیں ہوئی، اس لئے کہ اسے گھر خالی خالی لگ رہا تھا۔''

اس بات پر احسن کو بھی ہنسی آگئی تھی۔ دونوں دیر تک ہنستے رہے۔

''ویسے بڑی ٹیپ ٹاپ سے آئی تھی۔'' اس نے رملی کے متعلق معلومات فراہم کرنا جاری رکھا۔ ''بے حد قیمتی لباس، بڑا اچھا سا میک اپ، جیولری تو بڑی شاندار پہنی ہوئی تھی۔''

''شوہر تو اس کا یہاں ہے نہیں، اتنا تیار کس کے لئے ہوتی ہے؟'' احسن نے تبصرہ کیا۔

وہ بری طرح سے چڑ گئی۔

''یہ بھی خوب رہی۔ اب غریب کا شوہر باہر ہے تو اسے ڈھنگ سے رہنے کا بھی حق نہیں ہے کیا؟ آپ مرد لوگ تو بس عورت کی تاک میں رہتے ہیں کہ کب کہاں کس بات کو پکڑیں۔''

''بھئی ڈھنگ سے رہنے کا طریقہ کار تو بہت سادہ ہے۔ جس عورت کو بے وجہ تیار رہنے کا شوق ہو، اسے ہم مرد لوگ واقعی اچھا نہیں سمجھتے۔''

''اس لئے کہ آپ لوگوں کے دل میں چور ہوتا ہے۔'' وہ تپ گئی۔

''ہاں، ٹھیک ہے پھر کوئی چوروں کو راستہ کیوں دکھائے۔'' وہ اسے جان بوجھ کر تنگ کرنے لگا۔ ''ہمیں نظر آئی تو ہم تو ضرور نظر بھر کر دیکھیں گے۔ ہماری اپنی بیگم جو سر جھاڑ منہ پہاڑ بنی پھرتی ہیں۔'' وہ خفگی سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی پھر دفعتاً اسے کچھ خیال آیا تھا۔

''اچھا، بات سنیں۔ وہ کوئی کیمرہ وغیرہ دستیاب ہو سکتا ہے۔ کسی دوست سے ادھار لے لیں۔''

''خیریت؟'' اسکے کان کھڑے ہوئے۔

''مجھے تصویریں اتارنی ہیں نا گھر کی۔ فارحہ کو بھیجوں گی۔''

نہ جانے کیوں وہ ہنسا اور پھر ہنستا چلا گیا۔ زینب حیرانی سے اسے ہنستے ہوئے دیکھتی رہی۔

''کیا ہوا؟'' پھر اس نے پوچھا تھا۔ ''اس میں آخر اتنا ہنسنے والی بات کون سی ہے؟''

''بس! فارحہ کو تصویریں بھیجنے کے لئے اتنا کچھ کرنا پڑا تمہیں۔ ہیں نا'' وہ اسے چھیڑنے لگا۔ ''گھر بدلنا پڑا، اسے سیٹ کرنا پڑا۔ یار زینو! وہ ایک مثال ہے نا۔ کوا چلا ہنس کی چال تو اپنی بھی بھول گیا۔ کہیں وہ تم پر صادق نہ آئے۔''

زینب قریب رکھا کشن اٹھا کر اس کے سر پر مار بیٹھی۔



دوسرے دن وہ واقعی کیمرہ لے آیا تھا۔ زینب نے بہت ساری تصویریں اتروائی تھیں اور اس سے اگلے روز دھلوا بھی لی تھیں۔ کچھ وہ تیار بھی بہت ہوئی تھی، کچھ ان بے فکر دنوں کی شگفتگی تھی۔ اس کی تصاویر بہت اچھی آئی تھیں۔ وہ انہیں دیکھتے ہی فارحہ کو خط لکھنے بیٹھ گئی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

پیاری فارحہ!

ہمیشہ خوش رہو۔

امید کرتی ہوں خیریت سے ہوگی۔

تمہارا خط ملنے کے کافی عرصے بعد جواب دے رہی ہوں۔ وجہ میری بے تحاشہ مصروفیت رہی۔ دراصل ہم لوگ گھر تبدیل کر رہے تھے۔ کام بہت زیادہ تھا پھر نئے گھر کی سیٹنگ کا کام کتنا مشکل ہوتا ہے۔

ہمارا یہ گھر بہت اچھے پوش علاقے میں ہے اور بہت خوبصورت طرز پر بنا ہوا ہے۔ تمہارے لندن کے فلیٹ سے بھی اچھا۔ یقین نہ آئے تو تصاویر دیکھ لو۔ ساتھ بھیج رہی ہوں۔

تمہارے لئے ایک اور اچھی خبر بھی ہے۔ تم خالہ بننے والی ہو۔ تمہاری کیا پروگریس ہے۔ مجھے لکھو۔

نئے گھر کا ایڈریس بھیج رہی ہوں۔ جلد جواب دینا۔

تمہاری دوست زینب

فارحہ کو خط پوسٹ کروا کر وہ بہت ہلکی پھلکی ہوگئی تھی۔ اسکے ذہن سے بڑا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ اسے ایسا لگتا تھا کہ اس نے ایک جہان سر کر لیا ہو۔ گھر ہمیشہ ہی سے اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل رہا تھا اور اسکے پرانے گھر کے متعلق فارحہ کا رویہ بڑا تکلیف دہ تھا یا شدید اسے محسوس ہوا تھا۔ کچھ بھی تھا، بہر حال اب وہ مطمئن تھی۔ احسن سے شکایات بھی ختم ہو چکی تھیں۔ اب اسے اپنی زندگی اچھی اور دلکش لگنے لگی تھی اور پھر اب زندگی میں کوئی فرخندہ آپا بھی نہ تھیں۔ وہ ہر جانب سے فارغ اور مطمئن ہو کر آنے والے دنوں کے متعلق سوچنے لگی تھی۔



چند روز بعد اسے فراغت میں رملی کا خیال آیا تھا اکیلے پن کے احساس سے اس کا دل بھی گھبرا رہا تھا۔ اس نے رملی کے گھر جانے کے لئے ایک اچھے سے لباس کا انتخاب کیا اور تیار ہونے لگی۔

اپنے حساب سے بہت اچھی طرح تیار ہو کر وہ گھر سے نکلی تھی۔ رملی کا دروازہ بالکل برابر والا تھا۔ اسے زیادہ تردد نہ کرنا پڑا۔ ڈور بیل کی آواز پر ساڑھی لپیٹے ایک بوڑھی سی عورت باہر آئی تھی۔ زینب نے اندازہ لگایا، وہ رملی کی نوکرانی تھی۔

''رملی بی بی ہیں گھر پر؟'' اس نے پوچھا۔

جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا اور اسے اندر لے آئی زینب اندر آ کر حیران اور ایک دم مرعوب ہوگئی تھی۔ رملی کا گھر بے حد شاندار تھا۔ گو کہ بناوٹ کا انداز ان لوگوں کے پورشن جیسا ہی تھا۔ لیکن رملی نے سیٹنگ بہت زبردست طریقے سے کی ہوئی تھی۔ وال ٹو وال کارپٹ جن پر پیر پڑتے ہی اندر کو دھنس جاتا تھا۔ اعلیٰ فرنیچر، مہنگی ترین پینٹنگز، قیمتی کرسٹلز۔ ہر ہر شے سے امارت اور نفاست کا واضح اظہار ہو رہا تھا۔

وہ عورت اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلی گئی تھی۔ زینب چیزوں کو جائزہ لیتی رہی اور رملی کے شاندار ڈرائنگ روم کا اپنے سادہ سے ڈرائنگ روم سے موازنہ کرتی رہی۔

تب ہی تو رملی کو اس کا گھر خالی خالی معلوم ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر در آئی تھی۔

''اچھا، تو تم ہو'' اسے پیچھے سے رملی کی آواز آئی اور سامنے لگی دیوار گیر شیشے میں اس کا عکس نظر آیا۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوئی۔

''اماں کہہ رہی تھیں، کوئی خوبصورت سی لڑکی ہے۔ میں نے کہا، ہائیں! مجھ سے کون خوبصورت سی لڑکی ملنے چلی آئی۔ سچ تمہارا دھیان نہ آیا۔''

''اس نے قریب آ کر اس کا گال چوما۔

''آج تو اور بھی دلکش لگ رہی ہو۔ ہائے! یہ پیلا رنگ گورے لوگوں پر اتنا کیوں جچتا ہے؟ اور اس پر یہ شہد رنگت آنکھیں سچ، میں تو پیلا رنگ پہن کر پیلی سی لگتی ہوں۔''

زینب کو ہنسی آ گئی۔

''تم میری کچھ زیادہ ہی تعریف نہیں کرتیں؟''

''قسم لے لو۔ ڈنڈی مار جاتی ہوں۔'' وہ بے تکلفی سے بولی۔

زینب پھر بے اختیار ہنس دی۔

''تم خود بھی تو اتنی پر کشش ہو۔ میں نے تو احسن سے بھی تمہاری تعریف کی تھی۔'' وہ بڑے خلوص سے بولی تھی۔

''ارے جانے دو یار! سورج کے آگے تو چاند نہیں لگتا۔ میں تو مدھم سا چراغ ہی ہوں۔ اماں! اماں؟ چائے لے آئیں اچھی سی۔''

اس نے بیچ میں ہی رک کر آواز لگائی تھی۔

''اور ساتھ میں بسکٹ، کیک، پیسٹری، جو بھی الا بلا ہو، لے آئیں۔'' پھر اس نے مسکرا کر زینب کو دیکھا۔ ''ایسی ہی ہڈ حرام ہوں میں۔ سارا سارا دن پلنگ توڑتی رہتی ہوں اور اماں کو آوازیں لگاتی رہتی ہوں۔ اماں بے چاری مجھے دل ہی دل میں خوب گالیوں اور کوسنوں سی نوازتی ہوں گی۔''

''تم کچھ کام نہیں کرتیں؟'' زینب کو تعجب ہوا۔

''اوں ہوں۔ ہاتھ نہیں ہلاتی۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''پھر بھی اتنی اسمارٹ ہو۔ عورتیں تو سنا ہے، بہت پھیل جاتی ہیں۔'' زینب نے رشک سے اس کے نرم و نازک وجود کو دیکھا تھا۔ یوں بھی وہ آج کل جس کنڈیشن میں تھی، اسمارٹ لڑکیوں کو یوں ہی رشک و حسد سے دیکھا کرتی تھی۔

''میں نے تو کبھی کام کیا ہی نہیں۔'' وہ بے پروائی سے بولی۔ ''شادی سے پہلے بھی نہیں کیا۔ شاید وہ عورتیں پھیل جاتی ہیں جو کام کرتے کرتے چھوڑ دیتی ہوں۔ ویسے میں اپنی ڈائیٹ کا پورا خیال رکھتی ہوں کہ زائد کیلوریز ہرگز میرے حصے میں نہ آنے پائیں۔''

''اور یہ جو کیک بسکٹ اور الابلا منگوا رہی ہو؟'' زینب نے مسکرا کر پوچھا۔

''وہ تو تمہارے لئے ہے۔'' وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ''آخر پہلی مرتبہ میرے گھر آئی ہو۔''

دونوں کے بیچ خاموشی کا ایک وقفہ آیا تھا۔ زینب ارد گرد دیکھنے لگی تھی۔

''تمہارا گھر بہت خوبصورت ہے رملی!'' پھر وہ بولی۔ ''بہت اچھا سیٹ کیا ہے تم نے۔''

''ہوں۔ یار اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہی کام کرتی رہتی ہوں۔ آؤ تمہیں اپنا بیڈروم دکھاؤں'' وہ اسے لے کر اندرونی حصے کی جانب بڑھ گئی۔ زینب اس کی ہمراہی میں پورے گھر کا جائزہ لیتی گئی۔ بیش قیمت قالینوں اور نہایت کم یاب انڈور پلانٹس سے سجا اس کا لاؤنج ہی بہت دیدہ زیب تھا۔ اس پر بیڈروم کی آرائش نے تو زینب کو گنگ سا کر دیا۔ غرض کہ پورا گھر رملی کی اعلیٰ ترین چوائس کا مظہر تھا۔ اس کا فرنیچر، پردے، انڈور پلانٹس اور کرسٹلز۔ ہر شے نہایت مہنگی اور شاندار تھی۔

''تمہارے شوہر کیا کرتے ہیں رملی؟'' وہ پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''میرے شوہر.....'' اس نے سانس بھری۔ ''انجینئر ہیں۔ کویت میں ہوتے ہیں۔ ہر چھ ماہ بعد آتے ہیں اور پورے چھ ماہ تھیلوں میں بھر کر نوٹ بھیجتے رہتے ہیں۔''

رملی کو ہنسی آگئی۔ زینب بری طرح سے جھینپ گئی۔

''اتنے روپوں کا کیا کرتی ہو۔'' وہ جھینپ مٹانے کے لیے پوچھنے لگی۔ ''یہی آرائش کی چیزیں خریدتی رہتی ہوں۔''

''اور بھی بہت سے کام آتا ہے روپیہ۔'' وہ ہنسی۔ ''اس دولت کا تو اپنا ہی ایک نشہ، ایک سرور ہوتا ہے زینب جان! جیب میں روپیہ ہو تو ساری دنیا اسے قدموں تلے دکھائی دیتی ہے اور جیب خالی ہو تو انسان خود کو میلے سے باہر کھڑا غریب بچہ محسوس کرتا ہے۔''

''ہاں'' زینب نے گہری سانس بھری تھی۔

''ویسے یہ سارا سامان میں نے جمع نہیں کیا۔'' پھر رملی بولی تھی۔ ''میرے بھائی کو بھی بہت شوق ہے ایسی نادر چیزوں کا۔ جب کہیں جاتے ہیں میرے لیے نجانے کیا کچھ اٹھا لاتے ہیں۔ اس کی قیمت سنی تو دو دن کے لیے بے ہوش ہوگئی اور جیولری تو بہت شاندار لاتے ہیں بھائی ایک نیکلس تو اتنا قیمتی ہے۔ میں نے پوچھا، بھائی! کہیں یہ ملکہ الزبتھ کے گلے سے تو نہیں اتار لائے۔''

دونوں ہی ہنس پڑیں۔

''ٹھہرو، میں کچھ چیزیں دکھاتی ہوں تمہیں'' وہ اٹھ کر الماری تک گئی اور وہاں سے ایک ڈبا اٹھا لائی۔

''یہ دیکھو۔''

اس نے ڈبہ کھول کر زینب کے آگے الٹ دیا زینب کی نگاہیں خیرہ ہو گئیں۔ بہت حسین اور قیمتی جیولری تھی۔ وہ ایک ایک چیز دیکھتی گئی۔ ہار، بندے، انگوٹھیاں، بے شمار چیزیں تھیں اور نوادرات میں شمار کی جا سکتی تھیں۔

''بہت خوب، رملی! تمہارے پاس تو بڑی بیش قیمت جیولری ہے۔'' وہ سحر کے عالم میں بولی تھی۔

''زیادہ تر چیزیں بھائی نے گفٹ کی ہوئی ہیں۔ مجھے جیولری کا کچھ ایسا خاص شوق نہیں۔'' وہ لاپروائی سے بولی۔

''رملی بی بی'' اس کی بوڑھی ملازمہ اندر آئی تھی۔ ''چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''اوہ ہاں مجھے تو دھیان ہی نہ رہا۔ آؤ زینب! چائے پیتے ہیں۔''

زینب دل ہی دل میں اس کی قسمت پر رشک کرتی باہر کی سمت بڑھ گئی۔



کتنے ہی دن ایک سحر کے عالم میں گزرے تھے۔ رملی کا گھر تو ایک خواب تھا۔ ایک مکمل خواب، جس کی تعبیر وہ اپنے گھر میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس کا گھر دیکھ کر زینب کو اپنا گھر خالی اور ویران ویران لگتا تھا۔

کل تک جس گھر کی تصویریں بنوا کر اس نے خوشی خوشی فارحہ کو ارسال کی تھیں، آج وہی گھر اس کی نظروں سے اتر گیا تھا تاہم اس نے احسن سے اس سلسلے میں کوئی بات نہ کی تھی۔ اسے علم تھا وہ اسے خبطی اور بے وقوف قسم کے خطابات سے نوازتا اور شاید اپنے طور پر حق بجانب بھی ہوتا لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی اس کا جی تو دنیا کی ہر خوبصورت اور اچھی اچھی چیز دں پر مچل جاتا تھا۔

آج کل وہ گھر کا کام بھی مارے بندھے کر رہی تھی۔ گھر بڑا تھا، کام بھی زیادہ ہوتا تھا۔ وہ جھاڑو لگاتی تو اس کی کمر میں درد ہو جاتا۔ پونچھا پھیرتی تو کھڑا ہونا دوبھر لگنے لگتا پھر جھاڑ پونچھ، کچن کی صفائی ستھرائی، اس کے بعد برتن دھونا اور کھانا بنانا تو اسے ایک عذاب لگنے لگتا تھا۔

ایسے میں اسے پھر رملی یاد آجاتی۔ کیسے شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ سے رہتی تھی۔ بقول اسکے، ہاتھ تک نہ ہلاتی تھی۔ ہر کام اسکی ملازمہ کے ذمہ تھا۔

کچھ دن اور تکلیف دہ انداز میں گزرے تو وہ سچ مچ ایک ملازمہ رکھ لینے کے متعلق سوچنے لگی۔ ہر چند کہ بخوبی احساس تھا کہ آج کل احسن پیسوں کے معاملے میں بہت فکرمند رہنے لگا تھا۔ گھر کا کرایہ بہت زیادہ تھا اور پھر اوپر کا خرچہ بھی بہت ہو چکا تھا۔

اس پر فرخندہ آپا کا قرض اسے پریشان رکھتا تھا۔

ایسے میں اس سے ایک ملازمہ کا تقاضا کرنا یقیناً اس پر ظلم کرنے کے مترادف ہوتا۔ چند دن اسی سوچ بچار میں گزر گئے لیکن ایک شام چائے بناتے ہوئے اسے اس زور کا چکر آیا کہ وہ گرتے گرتے رہ گئی وہ تو شکر ہوا کہ احسن بھی پانی پینے کے لیے وہیں کھڑا ہوا تھا۔ اسے سہارا دے کر وہ باہر لے آیا۔

''کیا ہوا ہے زینو؟'' وہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

''ڈاکٹر کے پاس لے چلوں؟''

''نہیں نہیں، میں ٹھیک ہوں'' اس نے سر بستر کی پشت سے ٹکا دیا۔ ''بس یوں ہی ذرا سی نقاہت ہو گئی تھی۔''

''نقاہت؟ لیکن کیوں؟ تم سارا دن ٹھیک سے کھاتی پیتی نہیں ہو؟'' وہ خفا ہوا۔

''یہ بات نہیں ہے احسن'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''دراصل کام اتنا ہے کہ مجھ سے سنبھالا نہیں جاتا۔ ایک اکیلا بندہ کیا کیا کر سکتا ہے پھر جب حالت بھی ایسی ہو۔''

''ہوں۔ بس ٹھیک ہے'' وہ کچھ سوچ کر بولا۔

''آج کے بعد تم کچھ نہیں کرو گی۔ میں آفس سے آکر خود ہی سارا کام کر لوں گا۔''

''آپ''؟ وہ ہونق ہوئی۔

''ہاں ہاں تو اس میں حرج ہی کیا ہے جھاڑو پوچا اور برتن دھونے کا کام بھی کوئی کام ہے؟ میں منٹوں میں کر لوں گا۔ سالن میں تم سے زیادہ اچھا بناتا ہوں۔ رہا روٹیوں کا سوال تو وہ بازار سے آجایا کریں گی۔''

''رہنے دیں آپ؟'' وہ خفگی سے بولی 'میں ہی کروں گی کام؟''

''اور یہ جو تمہاری طبیعت خراب ہوئی ہے آج؟''

''میں نہ ہوتا تو دھڑ سے گرتیں فرش پر کوئی اٹھانے والا بھی نہ ہوتا۔ آج احساس ہوا ہے فرخندہ آپا کیسی بڑی نعمت تھیں۔ کتنا ہاتھ بٹایا کرتی تھیں وہ تمہارا۔ خیال بھی رکھتی تھیں۔''

''جانے دیں اس بات کو اور میرا اتنا ہی خیال ہے تو کوئی جز وقتی ملازمہ رکھ دیں۔ بہت ملتی ہیں ان علاقوں میں۔ چار، پانچ سو میں کتنا ہی

کام نپٹا جاتی ہیں۔"

"ملازمہ!" وہ سوچ میں پڑا۔

"ہاں ہاں، یہ رملی نے تو کل وقتی ملازمہ رکھی ہوئی ہے دو ہزار دیتی ہے اسے اور سارا گھر کا کام کرواتی ہے میں تو صرف صفائی ستھرائی اور کپڑے دھونے کے واسطے رکھوں گی۔ پانچ سو سے زیادہ نہیں لے گی۔"

"پانچ سو" وہ ہنس دیا "یار! اب تو شاید پانچ روپوں کی گنجائش بھی بمشکل نکلے۔ اتنا قرض جو لے رکھا ہے آپا سے چند مہینوں کے نام پر۔"

"ہاں" زینب نے سانس بھری "ٹھیک ہی تو ہے۔ پہلے قرض تو اترے۔ یہ چونچلے تو بعد کی باتیں ہیں" احسن خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔



اس سے اگلے روز ہی وہ ایک عورت کو لے کر چلا آیا تھا۔ زینب نے دروازہ کھولا تو اس کے پیچھے کھڑی سیاہ فام عورت کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"کون ہے یہ احسن؟"

"ڈرومت" اس نے زینب کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں بڑا حسن پرست ہوں"

"زینب اسے گھور کر رہ گئی جب کہ وہ خود اپنی ہی بات سے لطف اندوز ہو کر ہنس پڑا تھا۔

"یہ جمیلہ ہے" پھر وہ بولا "ام باکی آج سے یہ روز آیا کرے گی، صفائی ستھرائی اور دوسرے کاموں میں تمہارا ہاتھ بٹا دے گی، میرے آنے تک یہ یہیں رہا کرے گی۔"

"ہوں۔" اب کے زینب نے بغور اس عورت کا معائنہ کیا۔

وہ ایک نہایت سیاہ فام، دبلی پتلی، بے ضرر سی عورت تھی، ہر کام پر "جی ہاں" کہہ دینے والی، زینب نے اس سے ایک دو کام کروائے جو اس نے نہایت سلیقے سے اور صفائی سے سرانجام دیئے اسے او۔ کے کر کے زینب نے روٹی پکانے کا کام اس کے حوالے کیا اور باہر نکل آئی۔ احسن نہا دھو کر ٹی وی لگا کر بیٹھ گیا تھا۔ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

"کہاں سے مل گئی یہ آپ کو؟"

"تم نے کل کہا تھا نا، بس میں نے کر دیا انتظام، وہ اترایا۔

"بہت نوازش آپ کی، وہ دلکشی سے مسکرائی "لیکن کل تو آپ کہہ رہے تھے کہ....."

"ارے یار! پیسوں کا کیا ہے، پیسے خرچ ہو ہی جاتے ہیں" وہ بولا "دیکھیں گے کسی اور مد میں کچھ بچت کر لیں گے۔ یہ اچھی عورت ہے جو دیں گے چپ چاپ رکھ لے گی۔ کم از کم عارف صاحب نے تو یہی بتایا ہے"

"عارف صاحب؟"

"باس ہیں میرے۔ آج ان سے ذکر کیا تھا میں نے، انہوں نے اسے بلا بھیجا کہہ رہے تھے بڑی مظلوم قسم کی عورت ہے۔ لفافے بنانے کا کام کرتی ہے، اس سے گزر نہیں ہوتا۔ گھروں میں کام کاج کی تلاش میں رہتی ہے۔ میں اسے یہاں لے آیا یہ ہے کل کہانی"

"بہت دلچسپ ہے" وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ "کم از کم مجھے تو بہت دلچسپ لگی۔"

"تمہیں تو لگنی ہی ہے" وہ بے چارگی سے بولا۔

''اور آپ کو؟'' وہ شرارتاً بولی تھی۔

''ہمارا کیا ہے، بھئی'' اس نے سانس بھری۔ ''ہم تو آپ کی خوشی میں خوش ہیں''

زینب غرور سے مسکرائی۔



اس روز اچانک ہی بالکل غیر متوقع طور پر فرخندہ آپا چلی آئی تھیں۔ نجانے کیوں اتنے دن بعد ان سے مل کر زینب کو بھی خوشی ہوئی انہیں لیے وہ خوشی خوشی اندر چلی آئی۔

''بھئی بڑے بے مروت ہو دونوں میاں بیوی'' وہ اندر آ کر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں ''ایسے گئے کہ پلٹ کر نہ اپنی خبر دی، نہ دوسرے کی پوچھی۔ اور وہ احسن کہاں ہے؟ کہتا تھا روز ملنے آؤں گا''

زینب مسکرا دی۔

''نیا گھر لیا پھر بھی جھوٹے منہ نہ بلایا کہ آ کر ہمارا گھر ہی دیکھ جاؤ۔ ایسی بھی کیا مصروفیت، میں تو اسے بے مروتی ہی کہوں گی۔''

زینب واقعی شرمندہ ہو گئی۔

''ہاں آپا! سچ یہ تو غلطی ہوئی ہے، ہم دونوں سے۔ چلیں جو سزا چاہیں سنا دیں''

''ارے بیٹی! میں کون ہوتی ہوں سزا سنانے والی'' وہ فوراً ہی مسکرا دیں ''میں تو تم دونوں کے لیے دعا گو رہتی ہوں کہ جہاں رہو، خوش رہو، آباد رہو، آج تم دونوں سے ملنے کو تا ہی بے چین ہوا کر رہا نہ گیا، چلی آئی۔ آئندہ بھی جی ہوا تو چلی آؤں گی۔ تم لوگوں کی اپنی خوشی ہے، آؤ نہ آؤ ملنا چاہو نہ ملنا چاہو۔''

''اچھا یہ بتائیں چائے پئیں گی یا ٹھنڈا''

''نہ چائے نہ ٹھنڈا، کھانا کھاؤں گی مگر اطمینان سے ابھی تم بیٹھو میرے پاس'' انہوں نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا ''اور تم اپنا حال بتاؤ'' کیسی طبیعت ہے؟ دن ٹھیک سے گزر رہے ہیں نا''

''جی شکر ہے خدا کا'' وہ مسکرائی ''میں بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کمزور لگ رہی ہو'' انہوں نے بغور اسے دیکھا۔

''بس وہ کچھ کام کی زیادتی ہو گئی تھی۔ اب تو احسن نے ملازمہ رکھ لی ہے''

''بہت اچھا کیا، ان دنوں میں یوں بھی تمہیں آرام ملنا چاہیے لیکن چلتی پھرتی رہا کرو، بیٹھے رہنے سے تو جسم پھول لے گا، اچھا یہ دیکھو کیا لائی ہوں میں۔''

انہوں نے ہاتھ میں تھاما بیگ کھولا تھا۔

''کب سے اسی چکر میں لگی ہوئی تھی اب کہیں جا کر تیاری مکمل ہوئی ہے۔''

''کیا ہے آپا؟'' وہ بھی اشتیاق سے دیکھنے لگی۔

''بہت خوشی خوشی دل سے کیا ہے یہ سب کچھ میں نے۔ خدا کرے کہ تمہیں پسند آ جائے'' وہ چیزیں نکال نکال کر بستر پر رکھنے لگیں۔

زینب چند لمحوں کے لیے ساکت رہ گئی اس بات کا تو اسے اب تک دھیان نہ آیا تھا۔

چھوٹے چھوٹے کپڑے، فراکیں، لنگوٹ، رومال چھوٹا سا گدا، کڑھی ہوئی چادریں، اونی سوٹ، ٹوپیاں، موزے، غرض کہ چھوٹے بچے

کی ضرورت کا سارا سامان تھا۔

وہ ہر چیز اٹھا اٹھا کر دیکھتی گئی اور ایک انوکھے، خوبصورت احساس سے دوچار ہوتی گئی۔

''تم نے بھی کچھ تیاری کی ہے یا ایسے ہی بیٹھی ہو؟'' انہوں نے اسے گھورا تھا۔

''ہائے آپا! میں نے تو اب تک کچھ خیال ہی نہ کیا تھا پھر ابھی تو بہت وقت پڑا ہے۔ تقریباً پانچ چھ مہینے ہیں۔''

''بیٹا! ہر کام وقت سے پہلے ہو جائے تو اچھا ہے، عین وقت پر بھاگ دوڑ کر کے خود کو ہلکان کرنے سے کیا حاصل۔ تھوڑی تھوڑی سی چیزیں لا لا کر رکھتی رہو گی تو کام بھی ہلکا رہے گا اور تھکن بھی نہیں ہو گی پھر خرچے کا بھی پتا نہ چلے گا۔''

''جی ٹھیک کہتی ہیں آپا آپ'' اس نے سعادت مندی سے سر ہلا دیا۔ پھر اس نے کچن کا رخ کیا تھا۔ ان کے لیے بڑا اچھا سا کھانا بنا کر اس نے ڈائننگ ٹیبل پر پرتکلف انداز میں چنا تھا۔

''چلیں آپا، کھانا کھا لیں'' وہ انہیں لینے آئی تو وہ لیٹے لیٹے سو چکی تھیں۔

''ارے، میں کیا سو گئی تھی؟ لو بتاؤ۔ تمہارے ساتھ کچھ کام ہی کروا لیتی۔''

''رہنے دیں آپ، اتنے دن بعد ملی ہیں، میں کام کرواتی بھی نہیں آپ سے اور پھر اب تو مجھے صرف کھانا ہی بنانا ہوتا ہے، باقی سارا کام تو جمیلہ ہی کرتی ہے۔''

فرخندہ آپا گھر کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''ماشاء اللہ۔'' پھر انہوں نے کہا تھا۔ ''خدا مبارک کرے۔ بہت اچھا گھر ہے۔''

زینب کے ذہن کے افق پر رملی کا گھر چمکنے لگا تھا۔ وہ سر جھٹک کر مسکرانے لگی۔ شام کو احسن کے آنے تک فرخندہ آپا وہیں موجود تھیں۔

احسن ان سے بے حد گرم جوشی سے ملا۔ ان سے اپنی لاپروائیوں پر کوتاہیوں پر معذرت طلب کرتا رہا۔

''آپا کی خاطر وغیرہ بھی کی ہے یا یونہی آلتی پالتی مارے بیٹھی رہی ہو؟'' اس نے اطمینان سے بیٹھی زینب کو گھورا تھا۔

''ارے نہیں احسن ایسے نہ کہو۔ بچی نے بڑی محنت سے کھانا بنایا تھا میرے لیے۔ چاول، سالن، رائتہ، سلاد۔ ہر شے اس اکیلی نے بنائی۔ میں تو پڑی سوتی رہی۔ جیسے ساس ہوتی ہے۔''

اپنی بات پر وہ خود ہی بے تحاشا ہنسی تھیں۔

فرخندہ آپا کے جانے کے بعد زینب نے احسن کو ان کی لائی ہوئی چیزیں دکھائیں تو وہ کچھ دیر کے لیے خاموش بیٹھا رہ گیا۔

''شاندار'' پھر اس نے کہا تھا۔ ''یہ سب کچھ آپا نے تیار کیا ہے؟ گریٹ۔''

''احسن!'' زینب بولی۔ ''آپا پوچھ رہی تھیں، ہم لوگوں نے کیا تیاری کر کے رکھی ہے۔ انہیں تو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم لوگ اب تک ایسے ہی بیٹھے ہیں۔''

''ہاں یار۔'' وہ سوچنے لگا۔ ''اس نہج پر تو اب تک سوچا ہی نہ تھا۔ یہ تیاری بھی تو کرنی ہے۔ تم نے بھی احساس نہ دلایا۔''

''میں تو سوچ رہی تھی، ابھی بہت وقت پڑا ہے لیکن آپا نے کہا ہر کام وقت سے پہلے ہی کر کے رکھنا چاہیے۔ بعد میں مشکل نہیں ہوتی۔''

''ہاں'' ٹھیک ہے۔ اس مرتبہ تنخواہ ملے گی تو سب سے پہلے یہی شاپنگ کریں گے۔ کیا کیا لینا ہے۔'' وہ سوچنے لگا تھا۔ ''کپڑے، فیڈر، واکر، سائیکل وغیرہ۔''

''واکر، سائیکل؟'' زینب زور سے ہنس دی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔

''احسن......'' پھر وہ بمشکل ہنسی پر قابو پا کر بولی تھی۔

''آپا نے وقت سے پہلے کام کرنے کا ضرور کہا تھا مگر اتنا پہلے؟''

احسن بھی کچھ سوچ کر ہنس دیا تھا۔

وہ ایک مرتبہ پھر رملیٰ کی طرف چلی آئی تھی۔

اکیلی گھر میں بیٹھے بیٹھے یونہی جی گھبرا جاتا تھا۔ کسی کو دیکھنے اور بات کرنے کی خواہش جی میں زور پکڑنے لگتی تھی۔

رملیٰ اسے اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی ملی۔ پنک نائٹی میں اس کا سراپا غضب ڈھا رہا تھا۔

''ہائے زینب تم! آجاؤ۔ چلی آؤ۔ تم سے کیا پردہ'' وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ابھی سو کر اٹھی ہو؟'' زینب نے اس کی حالت دیکھ کر استفسار کیا۔

''نہیں یار، نیند تو دیر سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ بس پڑی ہوئی تھی سوتی بن کر۔ کبھی کبھی اس قدر اداسی ہوتی ہے کہ مرجانے کو جی کرتا ہے۔ اچھا ہوا تم چلی آئیں۔''

''میں بھی فارغ ہی تھی پھر میں نے سوچا تم بہت دنوں سے نہیں آئی ہو۔''

''ہاں ٹھیک کیا اچھا تم بیٹھو، میں ذرا شاور لے لوں۔''

''ہوں۔'' زینب نے اثبات میں سر ہلایا۔

رملیٰ تولیہ اٹھا کر باتھ کی سمت بڑھ گئی۔

زینب قریب رکھا ہوا رسالہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ کوئی فیشن میگزین تھا۔ وہ دلچسپی سے صفحے پلٹنے لگی۔ وہ اس قدر منہمک تھی کہ اسے خبر بھی نہ ہوئی، کوئی بڑی خاموشی سے اندر چلا آیا تھا۔

''ہائے رملیٰ!''

کسی نے پیچھے اس کے بالوں میں انگلیاں چلائی تھیں۔ زینب کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ تیزی سے مڑی۔

-----☆-----

اس کے یوں اپنی جگہ سے اچھلنے پر نووارد بھی چند لمحوں کے لیے کنفیوز ہو کر رہ گیا تھا۔ ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے قدرے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا پھر اس کے لبوں پر ایک خوب صورت مسکراہٹ در آئی۔ شرمندہ ہونے یا معذرت کرنے کے بجائے اس نے بڑی دلچسپی سے اس کا معائنہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

''میں آپ کو رملیٰ سمجھ بیٹھا! میرے بے وقوف ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔ بھلا رملیٰ اور آپ میں کون سی قدر مشترک ہے؟ بائی دا وے، مے آئی نو یور سویٹ نیم؟''

زینب بالکل ہی کنفیوز ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ ایک بے حد دراز قامت، سرخ و سفید رنگت کا مالک، پینتیس سے چالیس سال کی درمیانی عمر کا جوان تھا۔ سیاہ آنکھوں میں خود اعتمادی اور ذہانت کے تمام رنگ نمایاں تھے۔ بالوں میں کہیں کہیں کوئی سفید تار جھلملاتا پھر باقی بالوں کی گہری سیاہی میں چھپ جاتا تھا۔ اس کے نقوش پتلے پتلے مگر خوب صورت تھے۔

''میں نے آپ کا نام پوچھا ہے مادام!'' اسے اپنی جانب متوجہ پا کر وہ بڑی دلکشی سے مسکرایا ''اگر آپ بتانا پسند کریں تو!''

''یہ زینب ہیں۔ زینب شاہ!'' پیچھے سے رملیٰ کی آواز کمرے میں گونجی تھی۔

وہ نجانے کس وقت باتھ روم سے برآمد ہو گئی تھی۔ تولیہ گیلے بالوں میں رگڑتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے چلتی ان تک پہنچی۔

''اور زینب! ان سے ملو۔ یہ میرے بھائی ہیں۔ میر سکندر علی!''

زینب محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''یہ لوگ برابر والے پورشن میں آئے ہیں۔ ابھی حال ہی میں شفٹنگ ہوئی ہے ان کی۔'' پھر وہ میر سکندر علی کو مزید تفصیل سے آگاہ کرنے لگی ''ان کے شوہر احسن ایاز کسی مل میں۔''

''شوہر!'' وہ سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹوں کو سکیڑ کر یک لخت بول پڑا تھا۔ آنکھوں میں سوچ کے سائے جھلملائے تھے۔ ''آپ ایک عدد شوہر بھی رکھتی ہیں؟''

''جی ہاں۔'' زینب کے بجائے رملی بولی تھی۔ لہجے میں کسی قدر طنز کی آمیزش تھی۔

وہ رملی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا دیا۔

''بیٹھنے کو نہیں کہو گی؟ ساری باتیں یونہی کھڑے کھڑے ہو جائیں گی؟''

''جی ضرور۔ چلیں باہر بیٹھتے ہیں۔ ویسے آج آپ ٹپکے کہاں سے ہیں صبح ہی صبح؟ مہینہ بھر سے تو خبر نہیں تھی آپ کی۔''

رملی تولیہ شانوں پر پھیلاتے ہوئے مصروف سے انداز میں پوچھنے لگی۔

''صبح ہی صبح؟ رملی بی بی دوپہر کے اڑھائی بجنے کو ہیں۔ لنچ ٹائم ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ کسی اچھی سی جگہ لنچ کرنے کا ارادہ کر کے آیا تھا۔ تمہارا تو ابھی بریک فاسٹ ٹائم بھی نہیں ہوا۔ کب سدھرو گی تم؟''

''ارے بھائی! جانے دیں، اپنی زندگی کی یہی بے فکری اور بے پروائی تو عزیز ہے مجھے۔ رات سونے کا موڈ نہ بنے تو گھومنے نکل جاؤ۔ دن کو بیزاری اور سستی ہو تو سارا دن اے سی آن کیے بلینکٹ لپیٹے پڑے رہو۔ چار دن زندگانی کے ہیں۔ یونہی گزر جائیں گے!''

''بڑی دلبرداشتہ معلوم ہوتی ہو۔'' میر سکندر علی نے قہقہہ لگایا۔

''جتنی معلوم ہوتی ہوں، اس سے کہیں زیادہ ہوں۔'' رملی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

زینب کے لیے مزید وہاں رکنا ممکن نہ رہا۔ دونوں بہن بھائی آپس میں ایک عجیب سی مصنوعی گفتگو میں مصروف تھے۔ وہ خود کو اضافی اور غیر ضروری سی شے خیال کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

''میں چلوں گی رملی اب۔'' وہ دوپٹا اپنے وجود پر درست کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

میر سکندر نے قدرے کن اکھیوں سے اس کے وجود کا جائزہ لیا اور ٹہلتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

"ارے میری جان! آئی ایم سوسوری۔ میں اتنی دیر سے شاید تمہیں نظر انداز کر رہی ہوں خیر ابھی تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ کھانا کھالو پھر اجازت ملے گی۔"

"نہیں نہیں....." وہ بے طرح گھبرا کر بولی تھی۔

"کھانا میں ہرگز نہیں کھاؤں گی پھر کسی دن اکٹھے ہوئے تو کھانا بھی کھالیں گے لیکن آج نہیں۔ پلیز رملی!"

اس کا انداز بے حد التجائیہ تھا۔ رملی مسکرا دی۔

"چلو، کیا یاد کرو گی تم بھی زینب شاہ! آج معاف کرتے ہیں تمہیں۔"

"میں چلوں پھر۔"

"چلو، میں تمہیں دروازے تک چھوڑ آتی ہوں۔"

"کیوں، انکے پلٹ کر آ جانے کا ڈر ہے؟" عقب سے سکندر کی آواز آئی تھی۔

وہ دونوں کمرے سے نکل رہی تھیں۔ رملی نے پلٹ کر شاید اسے نظروں ہی نظروں میں سرزنش کی تھی پھر وہ اسے لیے بیرونی دروازے تک چلی آئی۔

"تم بھائی کی باتوں کو مائینڈ مت کرنا یار!" اسے رخصت کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔ "یہ ہر کسی سے اسی طرح بے معنی گفتگو کر جاتے ہیں جس سے مخاطب ہزار طرح کے معنی اخذ کر سکتا ہے الٹے سیدھے۔"

"نہیں، میں نے کچھ مائنڈ نہیں کیا۔" وہ بے پرواہ سے انداز میں بولی تھی۔

حالانکہ حقیقت یہی تھی کہ میر سکندر علی کے جملوں اور نظروں کی کاٹ سے بچنے کے لئے اتنی جلدی اٹھ گئی تھی۔ ورنہ وہ کھانا رملی کے ساتھ کھانے کا ارادہ باندھ کر ہی گھر سے نکلی تھی لیکن وہ شخص بہت عجیب و غریب تھا، ناقابل برداشت قسم کا۔ زینب کا ماحول بھی ہمیشہ سے کچھ اس قسم کا رہا تھا کہ اسے ایسے آزاد منش لوگوں سے الجھن محسوس ہوتی تھی۔ بے جھجک گھورنے والے، بے خوفی سے بات کرنے والے لوگ۔ وہ ایک شادی شدہ عورت تھی۔ کوئی کم عمر کنواری لڑکی تو نہ تھی جس سے وہ شخص اس طرح برتاؤ کر رہا تھا۔

اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور ایک عجیب سی الجھن بھی اپنے وجود سے لپٹی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ میر سکندر علی کی نگاہوں کا خیال کچھ ایسا ہی تھا۔

گھر آ کر وہ کھانا بھی نہ کھا سکی۔ ایسے ہی خالی پیٹ سونے کے لیے لیٹ گئی۔ یوں بھی جمیلہ کے آ جانے سے اس کے کام کاج کی عادت متاثر ہوئی تھی۔ اسی لیے بھوک بھی نہ لگتی تھی۔ سستی اور بے زاری کے عالم میں اسے رملہ کے الفاظ یاد آئے۔ اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"ایسی سپاٹ، بیزار زندگی..... کسی تڑپ اور لگن کے بغیر۔ میں بھی کہیں ایسی ہی نہ ہو جاؤں۔"

سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی تھی۔



دوپہر وہ جس قدر بے مزہ ہوئی تھی، شام اتنی ہی خوشگوار اور زندگی سے بھرپور ثابت ہوئی۔ احسن نہ صرف جلد گھر آ گیا تھا بلکہ اپنے ہمراہ بہت سے چیزیں بھی لایا تھا۔ آج اسے تنخواہ ملی تھی اور وہ اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے زینب اور بچے کے لیے بہت کچھ لے کر آیا تھا۔ زینب دلچسپی سے چیزیں دیکھتی اور تبصرے کرتی رہی۔

"کپڑے آپ سارے بچیوں کے لائے ہیں۔ یہ فراکیں، یہ رومپر، سب بچیوں کے ڈیزائن ہیں۔ لڑکا ہوا تو یہ کپڑے پہن کر عجیب سا لگے گا۔"

''اچھا!'' وہ سوچ میں پڑ گیا'' چلو ایک سال کے لیے یہ کپڑے اٹھا کر رکھ لینا۔ اگلے سال کام آئیں گے!''

زینب نے پہلے کچھ نہ سمجھتے ہوئے تعجب سے اس کی جانب دیکھا پھر اس کی شرارت سمجھ کر اسے گھورنے لگی۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ کوئی مشین ہوں؟''

''نہیں بھئی، یہ تو مشترکہ کمپنی ہے۔ ہر سال نیا ماڈل پروڈیوس کرنے والی۔ تم اکیلی تھوڑا ہی۔''

زینب نے کشن اٹھا کر اسے مارنے کی دھمکی دی تو وہ دبک کر بیٹھ گیا۔

''اچھا بابا! اور چیزیں تو دیکھو، تم تو ہلاکو خان کی بھتیجی معلوم ہوتی ہو۔ ذرا منہ سے بات نکلی نہیں اور تم نے تیز تیز نگاہوں سے گھورا نہیں۔ توبہ توبہ۔''

وہ کان پکڑنے لگا۔ زینب مسکراتے ہوئے دوسری چیزیں دیکھنے لگی۔

''اور یہ کھلونے؟'' پھر وہ کھلونے دیکھ کر ہنس پڑی'' یہ سب تو دو ڈھائی سال کی عمر کے بچے کے ہیں، یہ جہاز، ریل گاڑی، واحد یہ گڑیا! یہ تو ہنستی اور روتی بھی ہے۔ چھوٹا سا بچہ بھلا ان کھلونوں سے کھیل سکتا ہے؟''

''ارے یہ تو تمہارے لیے ہیں۔'' وہ فوراً بولا۔'' بچے کو اتنا بہلانا نہیں پڑے گا جتنا مجھے تم کو بہلانا پڑتا ہے۔ ذرا سی بات ہوئی اور تم ناراض ہوئیں۔ میں نے سوچا، چند کھلونے ہی لے لو!''

''احسن!'' اسے ہنسی آگئی'' کبھی تو سنجیدہ ہو جایا کریں۔ میں کہہ رہی ہوں یہ اتنے پیسے ضائع کرنے کی بھلا کیا تک تھی؟ پہلے ہی ہاتھ اتنا تنگ ہے!''

''ہاتھ تنگ ہے تو اس میں بھلا اس آنے والے ننھے منے سے وجود کا کیا قصور!'' وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''اسے تو ضرورت کی ہر شے ملنی چاہیے اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سب کچھ خریدتے ہوئے مجھے خود کو بہت زیادہ خوشی اور مسرت ہو رہی تھی۔ ایک عجیب سا خوش کن احساس تھا جس میں گھر کر میں اتنا کچھ خریدتا چلا گیا۔ آج سے پہلے مجھے دکانوں پر جانا، چیزیں خریدنا بے مقصد معلوم ہوتا تھا۔ آج ایک طویل عرصے کے بعد میں نے اس قدر جذباتی انداز میں شاپنگ کی ہے! یقین مانو زینب! کھلونوں کی دکان سے باہر نکلنے کو تو میرا جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے اس وقت شاید میرا اپنا بچپن آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ روتا بسورتا، مسکین اور مظلوم قسم کا بچپن!''

وہ عجیب سے انداز میں ہنس پڑا۔ اس کی نظریں کہیں دور بھٹکنے لگیں۔

''پتا ہے زینب! جن بچوں کو اپنے من پسند کھلونے نہیں ملتے نا ان کے اندر اس محرومی سے پیدا ہونے والے خلاء کو پھر تمام عمر کوئی شے نہیں بھر سکتی۔ ساری عمر آنکھوں کے سامنے وہی رنگ بھوک پیاس سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ پتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ وہ دور گزر جانے کے بعد انسان پیٹ بھر کر روٹی کھا سکتا ہے مگر کھلونوں سے نہیں کھیل سکتا۔ یہ احساس محرومی تو بس ایک جگہ ایک ہی حالت میں ساکت رہ جاتا ہے، اسی لیے۔ اسی لیے میں نے زینب، بہت کچھ اٹھا لیا۔''

زینب اس کے الفاظ کے ساتھ ساتھ نجانے سوچ کے کس بہاؤ میں بہہ گئی تھی۔ شاید اس کی آنکھوں کے سامنے بھی اس کا محروم بچپن اور کڑھتا لڑکپن آ کھڑا ہوا تھا۔

''تم کیا سوچنے لگی ہو؟'' احسن اپنی کیفیت کے حصار سے نکلا تو ہنس کر ماحول کی کشیدگی کم کرنے کے خیال سے بولا۔'' اب ایسا نہ ہو کہ تم جب بھی بازار جاؤ تو میرے لیے ڈھیروں ڈھیر کھلونے اٹھا لاؤ!''

زینب نے ایک عجیب سی سانس بھری اور اسے عجیب سی سوچتی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''احسن! وہ وقت تو زندگی میں ابھی بھی نہیں آیا کہ ہم بازار جا کر کوئی چیز ڈھیروں کے حساب سے لے سکیں۔ آج تو آپ یہ سب کچھ لے

آئے ہیں۔ کیونکہ پہلے پہلے بچے کا چاؤ ہی کچھ اور ہوتا ہے لیکن جب ایک سے دو اور دو سے تین ہوں گے تب شاید میں اور آپ بھی اپنے بچوں کو وہی محرومی اور سسکتا پن دیں گے جو ہمارے بچپن میں ہمارا مقدر تھا۔ ہمارے بچے بھی عام سے کپڑے پہنیں گے اور عام سے اسکولوں میں پڑھا کریں گے اور لمبی لمبی گاڑیوں میں بیٹھ کر مہنگے اسکولوں کی جانب جاتے بچوں کو یوں حسرت اور حیرانی سے تکیں گے جیسے وہ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہوں، بس یہی نہیں چاہتی تھی، میں اس بات سے بچتی تھی لیکن وہی بات میرا مقدر ٹھہری!"

اس نے پھر سانس بھر کر سر تکیے سے ٹکا دیا۔

اسکی باتوں نے احسن کو چپ سا کر دیا۔ وہ نچلے لب کا کونا دانت سے کچلتے ہوئے اپنی لائی ہوئی چیزوں کو عجیب سے انداز سے دیکھنے لگا۔

"تمہاری سوچ میں بہت شدت ہے زینب!" پھر وہ کچھ دیر کے بعد بولا تھا "ایسی شدت پسندی انسان کو اور اس کی سوچ کو کمزور اور بیمار کر دیتی ہے۔ میرا وہ سب کہنے کا مقصد یہ ہرگز نہیں تھا کہ میں احساس کمتری کا شکار ہوں یا میرے بچپن کے حالات کی وجہ سے میری ذات میں کوئی کمی یا خامی رہ گئی ہے۔ میں تو ابھی بھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمیشہ کرم نوازی کی اور بہتوں سے بہتر رکھا۔ یہ چھوٹی چھوٹی محرومیاں اور دل کے کونوں کھدروں میں چھپ کر بیٹھے ہوئے پیاسے احساسات تو ہر کسی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چیزوں کی تقسیم میں ناانصافی نہیں کی یہ تو ہم انسان ہی ناشکرے ہیں۔ ہمارے بچوں کو خدا نے چاہا تو کبھی کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ ہم ان کی تربیت بہترین انداز میں کریں گے۔"

"کمی نہ ہونا اور کمی محسوس نہ ہونا دو الگ الگ باتیں ہیں!" وہ قدرے تلخ انداز میں بولی تھی۔

"آپ یہ کیوں نہیں کہتے کہ انہیں کسی چیز کی کمی نہیں ہوگی!"

"ایسا بھلا ہو سکتا ہے زینب! کہ دنیا سمٹ کر انسان کی ہتھیلی پر آ جائے؟" وہ سمجھانے کے انداز میں بولا تھا "بچوں کی تربیت اس انداز میں ہونی چاہیے کہ ان کی طبیعت سے حرص و ہوس کا مادہ نکل جائے۔ قناعت پسندی اور شکر گزاری ان کے اوصاف ہوں۔ وہ ہر چمکتی شے پر نہ لپکیں۔ اس سے اچھا تحفہ کوئی ماں باپ اپنی اولاد کو نہیں دے سکتے!"

"چلیں، ٹھیک ہے۔ ہم اپنے دل کو یونہی بہلا لیں گے۔" وہ سر جھٹک کر بولی "اگر ضرورت کی شے مہیا نہ کر سکے تو صبر کرنا ہی سکھا دیں گے۔"

"تم بہت تلخ ہو جاتی ہو زینب!" اس کا موڈ آف ہو گیا "ہر بات کو غلط انداز میں سوچنا بیمار ذہنیت کی علامت ہے۔ ایسے انسان کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے!

"میں، میں بیمار ذہنیت رکھتی ہوں؟" اسے اور غصہ آ گیا۔ "حقیقت پسند سوچ رکھنا اور بیمار ذہنیت رکھنا آپ کے نزدیک برابر ہو سکتا ہے ورنہ ان دونوں میں کوئی مماثلت نہیں۔ میں ہر بات حقیقت پسندانہ انداز میں سوچتی ہوں جب کہ آپ حقیقت سے نظریں چرائے ذہن کو فرار کے رستے پر ڈالے رہتے ہیں۔ جیسے کبوتر آنکھیں بند کر کے خود کو محفوظ خیال کرتا رہتا ہے۔ اس کے آنکھیں بند کر لینے سے سامنے بیٹھی بلی مر تو نہیں جاتی۔ کیا غلط کہتی ہوں میں؟ کیا ہمارے بچے عام سے بچے نہیں ہوں گے؟ عام سے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر وہ عقل و دانش کے کون سے عظیم مرتبے پر فائز ہو جائیں گے؟ کیا اپنی محدود تنخواہ میں آپ انہیں ان کی پسند کے کھلونے، اچھے کپڑے اور مہنگی مہنگی کتابیں لے کر دے سکیں گے؟ چھٹیوں میں کہیں گھما کر لا سکیں گے؟ ایک اکیلی بیوی کو تو آج تک لے جا نہیں سکے! یہی ایک اچھے، مطمئن خوشگوار بچپن کی ضروریات ہوتی ہیں احسن صاحب! ایک مضبوط، متوازن شخصیت کی بنیاد، ایک اچھے بھرپور مستقبل کی ضمانت! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟ کیا یہ سب کچھ سوچنا بیمار ذہنیت رکھتا ہے؟ آپ بھلے سے انہیں شکر گزاری اور قناعت پسندی کے اوصاف رٹاتے رہیں لیکن اس سے ان کی آنکھیں نہیں بند ہو جائیں گی۔ وہ دنیا کو دیکھنا نہیں چھوڑ دیں گے۔ ان کی خواہشات مر نہیں جائیں گی۔ یہ دنیا، اس کے بازار، ان کی دکانیں اور ان پر سجی، اپنی جانب کھینچتی اشیاء سب کے سب اپنی جگہوں پر موجود ہوں گے۔"

احسن ہونٹ بھینچے اس کی تقریر سنتا رہا۔اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی اتر آئی تھی۔ چہرے کی تمازت اس کے دماغ کے حد درجہ گرم ہونے کا پتا دیتی تھی۔

زینب رخ موڑے اس کے پھٹ پڑنے کا انتظار کرتی رہی۔لیکن کچھ دیر کے بعد وہ اٹھا اور کچھ بھی بولے بغیر کمرے سے نکل گیا۔اس کی لائی ہوئی اشیاء زینب کے سامنے بکھری رہ گئیں۔بے دلی سے ایک گہرا سانس لے کر اس نے سر تکیے سے ٹکا لیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے کا ماحول کس قدر خوشگوار تھا۔وہ دونوں کتنا خوش تھے اور اچانک ہی دونوں کے درمیان کیسی تلخی پھیل گئی تھی۔

''پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔'' وہ سوچنے لگی'' کیوں میں نے یہ سب کچھ کہہ ڈالا،اب تک تو مجھے احسن اور اپنی زندگی سے اور اس کے حالات سے سمجھوتا کر لینا چاہیے۔مجھے سمجھوتے کی راہ پر چلنا کیوں نہیں آتا۔''

وہ آزردگی سے سوچنے لگی۔

''شاید محرومی اپنے لیے ہو تو انسان سمجھوتا کر بھی لیتا ہے......لیکن یہی محرومی اپنی اولاد کا مستقبل بنتی نظر آئے تو، تو چیخ نکل ہی جاتی ہے!''



دونوں محاذوں پر اگلے دو روز تک خاموشی چھائی رہی۔احسن نے چند ایک مرتبہ اس سے ضرور بات کر لی لیکن زینب کو کوئی ضرورت بھی محسوس نہ ہوئی تھی۔وہ سخت بد دل اور بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔حالانکہ بات کچھ بھی نہ تھی ایک زبانی جھڑپ ہو کر رہ گئی تھی لیکن اپنے اپنے طور پر دونوں نے اسے بہت محسوس کیا تھا۔

اس روز احسن کے آفس چلے جانے کے بعد وہ بہت افسردہ اور اداس سی تھی۔

جمیلہ اپنے مقررہ وقت پر آ گئی تھی اور اب کچن کی صفائی میں مصروف تھی۔زینب کے پاس کرنے کے لیے کوئی دوسرا کام نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنی پژمردہ سوچوں سے لڑتی رہتی۔جنگ کرتی رہتی۔بستر پر لیٹی وہ یہی کام بے مقصد انجام دے رہی تھی جب جمیلہ کی ہمراہی میں رملی اندر داخل ہوئی۔

''ہیلو کیا ہو رہا ہے بھئی۔تم اور اس وقت تک بستر میں؟کہیں میرا اثر تو نہیں آ گیا؟''

''نہیں نہیں،میں تو ابھی لیٹی تھی۔ویسے تو صبح ہی بیدار ہو گئی تھی۔'' وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی''میں تمہاری طرح دو دو بجے تک نہیں سو سکتی۔شادی سے پہلے نو،دس بجے اٹھتی تھی تو اماں سو صلواتیں سناتی تھیں۔اب بھی وہی عادت ہے۔''

رملی ہنس دی۔

''بس اپنا اپنا دستور ہے!'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی،اور ویسے بھی کبھی اتفاق سے میں جلد بیدار ہو بھی جاؤں تو خود سے یہی پوچھتی ہوں کہ رملی بی بی!اٹھ کر کرو گی بھی کیا؟کوئی دھندا ہے تمہیں؟بس یہی سوچتی ہوں اور دوبارہ اوندھی ہو جاتی ہوں۔''

''ہاں اب تو کچھ کچھ یہ معاملہ میرے ساتھ بھی ہو گیا ہے۔'' زینب سوچتے ہوئے بولی''جمیلہ کے آ جانے کے بعد کرنے کو کوئی کام ہی نہیں رہا۔نماز روزے کی میں کبھی بھی پابند نہیں رہی اپنی زندگی بے کار اور بے مقصد سی لگ رہی ہے!''

''حیرت ہے۔'' رملی نے کاندھے اچکائے۔

''حالانکہ جس دور سے تم گزر رہی ہو کم از کم اس میں تو ایسے فیل نہیں ہونا چاہیے۔ہم نے تو سنا ہے بڑے خوب صورت خیالات اور احساسات ہو جاتے ہیں عورت کے!''

زینب مسکرا دی۔رملی کے انداز میں حالانکہ قطعاً کسی قسم کا تاسف یا حسد نہیں تھا پھر بھی وہ چند لمحے غور سے اس کے چہرے پر کچھ تلاش

کرتی رہی۔

رملی کچھ جز بزسی ہوئی تو اسے اور لطف آیا۔

''بھئی ایسے کیا گھورنے لگیں؟'' وہ بول پڑی۔

''سچ کہو رملی! اپنی زندگی میں یہ کمی محسوس نہیں ہوتی تمہیں؟ ماں بننے کو جی چاہتا ہے تمہارا؟''

''نہیں۔'' وہ قدرے بے رخی سے بولی تھی ''پہلی بات تو یہ کہ میں محرومی کے احساس کے بھاری پتھر تلے دب کر اپنی موت مر جانے والے لوگوں میں سے نہیں ہوں۔ اس محرومی کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اپنی انا کو محفوظ رکھتی ہوں جس چیز کی کمی ہوتی ہے اس چیز سے چڑنے لگتی ہوں۔ اسے حاصل کرنے کا نہیں سوچتی۔ اس سے سے بچے رہنے کے طریقوں پر غور کرتی ہوں!''

''ہائیں؟'' زینب کو حد درجہ حیرت ہوئی تھی ''یہ نفسیات کا کون سا پہلو ہے؟ ایسا تو کبھی نہیں سنا؟''

''آج سن لو!'' وہ فخر سے بولی ''مجھے تو روتے بلکتے بچوں سے چڑ ہے۔ الجھن محسوس ہوتی ہے۔ ماؤں پر ترس آتا ہے کہ بچاریاں کس مصیبت میں گرفتار ہوگئی ہیں۔ نہ رکھتے بنے نہ پھینکتے بنے!''

''تم جھوٹ بولتی ہو۔'' زینب کو یقین نہ آیا۔

''کسی عورت کے خیالات ایسے ہو ہی نہیں سکتے!''

''چلو تم نہ مانو مگر حقیقت ہے۔'' وہ تمسخر سے ہنس دی ''ابھی یہ چند دن اور سکون سے گزار لو پھر علم ہوگا تمہیں کہ میں جھوٹ کہہ رہی تھی یا سچ یہ سارا حسن پانی بن کر بہہ جائے گا زینب شاہ کہیں گم ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ایک عجیب وغریب سی، بے ڈھنگے وجود کی عورت چلتی پھرتی نظر آئے گی جو خود کو ''ماں'' کہتی ہوگی!''

زینب کو اس کی بات بہت بری لگی اور حد درجہ غصہ بھی آیا مگر وہ اس کے مہمان ہونے کے خیال سے خاموش ہوگئی۔

''کھانا نکالوں؟'' اس نے مصلحتاً بات کا موضوع بدل دیا ''چنے کا پلاؤ اور لوکی کا رائتہ بنایا ہے آج جمیلہ نے!''

''ریئلی!'' اس کے منہ میں پانی بھر آیا ''ضرور کھاؤں گی۔ ویسے بھی میں سوچ کر آئی تھی کہ دوپہر کا کھانا تمہاری طرف ہی کھانا ہے اور تم کس قدر بدتمیز ہو۔ اخلاقیات سے عاری، اس روز میرے اتنا روکنے کے باوجود چلی آئیں۔ کیا تھا جو رک جاتیں۔ کون سے یہاں تمہارے کارخانے چل رہے ہیں جن کی نگرانی اشد ضروری ہے۔ سچ زینب! سکندر بھی بہت مائنڈ کر رہا تھا۔ کہہ رہا تھا تم اس کی شکل دیکھ کر یوں بھاگیں جیسے وہ کوئی بھوت ہو۔''

زینب کو وہ شخص اور اس کی نگاہیں یاد آئیں۔ وہ مزید بدمزہ ہوئی۔

''کیوں بھئی، میں تم سے ملنے آئی تھی، ان سے میرا کیا واسطہ جو وہ میرے حوالے سے کچھ مائنڈ کریں۔ مجھے بے وجہ پرائی عورتوں کو موضوع گفتگو بنانے والے مرد اچھے نہیں لگتے رملی۔ بتا دینا حضرت کو!''

''پھر تمہیں کیسے مرد اچھے لگتے ہیں؟'' رملی مذاقاً اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنسی ''وضاحت کر دو میں وہ بھی بتا دوں گی اسے۔''

''رملی!'' زینب تپ کر رہ گئی ''یہ کیا مذاق ہے؟''

''اوہو'' وہ بے وجہ ہی زور زور سے ہنسنے لگی ''تم تو ذرا ذرا سی بات پر سیریس ہو جاتی ہو۔ ارے زینب جان! زندگی میں یہ سب چلتا ہی رہتا ہے۔ اس میں اتنا برا ماننے کی ضرورت نہیں۔''

''کیا؟'' وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولی ''کیا چلتا رہتا ہے زندگی میں؟ کیا مطلب ہے تمہارا؟''

''کچھ نہیں!'' وہ یک لخت خاموش ہوگئی پھر کچھ دیر بعد بولی ''بھائی بہت تعریف کر رہا تھا تمہاری، کہتا تھا، اس نے ایسا چہرہ آج تک نہیں

دیکھا حالانکہ ایک دنیا گھوم چکا ہے وہ کف افسوس مل رہا تھا تمہارے میرڈ ہونے پر!''

زینب کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ ایک پرائے مرد کی ایسی کھلی تعریف پر وہ اندر تک کٹ کر رہ گئی۔ ساتھ ہی اسے رملی کی ذہنیت پر تعجب بھی ہوا۔ اگر بہن بھائی کے درمیان ایسی گفتگو ہوئی بھی تھی تو اسے وہ سب کچھ زینب سے کہنے کی کیا ضرورت تھی۔

''تم آج کچھ زیادہ ہی بکواس کررہی ہو۔'' وہ بات کو مذاق میں ٹالتے ہوئے بستر سے اتر آئی ''لگتا ہے تمہیں بھوک کچھ زیادہ لگی ہے۔ چلو کھانا کھاتے ہیں!''

''ہاں!'' رملی نے ایک گہری سانس بھری ''حسینوں کے انداز ہی کچھ اور ہوتے ہیں۔ میری کوئی اس طرح تعریف کرتا تو میں گھنٹوں بیٹھ کر ایک ایک لفظ سنتی۔ یادداشت میں محفوظ کرتی۔ بتانے والے سے کرید کرید کر دریافت کرتی کہ کہنے والے نے اور کیا کیا کہا تھا!'' زینب کو ہنسی آ گئی۔

''مجھے تمہیں کریدنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ میرا میاں ہی میری اتنی تعریف کردیتا ہے کہ میں سیراب ہوجاتی ہوں۔''

''ارے اس نے تمہاری تعریف کرنی ہی ہے۔ تم نے اسے شرف زوجیت جو بخشا ہے۔ بچارا دن رات ڈرتا ہوگا کہ کہیں کوئی دوسرا تمہیں اڑا نہ لے جائے۔

تعریف کی ڈوریوں سے تمہارے پر باندھتا رہتا ہے۔''

زینب چلتے چلتے رک گئی۔ بے تعجب سے اس نے رملی کی شکل دیکھی، نجانے وہ آج کس قسم کی گفتگو کررہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا، زینب کی جانب سے اس کے دل میں کسی بات کا غبار تھا جو وہ رہ رہ کر نکل رہا تھا۔

''تمہیں ہوا کیا ہے رملی!'' وہ کہے بغیر نہ رہ سکی ''آج تو لگتا ہے تمہاری زبان سے کوئی دوسرا بول رہا ہے۔''

''کھانا نکالو یار۔'' وہ اس سے نظریں چرا کر کچن میں گھس گئی ''وہ کیا کہا ہے شاعر نے اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں.....''

زینب بھی سر جھٹک کر اندر داخل ہوگئی۔



رملی سے اس ملاقات نے اس کی طبیعت پر نجانے کیسا اثر چھوڑا تھا۔ وہ ذہنی طور پر پریشان سی ہوگئی تھی۔ اس کی ذومعنی گفتگو، رہ رہ کر ایک عجب سے طنز کا احساس، ایک حسد کا غبار زینب کو الجھن کا شکار کر گیا تھا۔ وہ سوچنے اور تہہ تک اترنے کی کوشش کرتی تو اس کا دل بیٹھنے لگتا ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوجاتے۔ وہ خود پر بھی حیران تھی۔ ایسا تو اس کے ساتھ پہلے کبھی بھی نہ ہوا تھا۔

شاید اس میں احسن کے رویے کا بھی دخل تھا۔ وہ ذرا سی بات پر اس سے ناراض ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ تین دن ہوگئے تھے اس نے زینب سے کام کی باتوں کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ کی تھی۔

زینب حد درجہ ٹینشن کا شکار ہو کر رہ گئی۔

اس روز صبح سے اس کی طبیعت گری گری سی تھی۔ ناشتہ کرنے سے دل اور بھاری ہوگیا تھا۔ زینب نہانے کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرنے الماری کے آگے جا کھڑی ہوئی۔ اچانک ہی اسے متلی سی محسوس ہوئی پھر نظروں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ اس نے سہارا لینے کے لیے الماری کا پٹ تھاما پھر دوسرے ہی لمحے وہ فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔

جمیلہ پیچھے کھڑی فرنیچر صاف کررہی تھی۔ بھاگ کر اس تک پہنچی۔

''بی بی جی! جینو جی جینو! جی کیا ہوا۔!!''

زینب کا دماغ جیسے سن ہوگیا تھا۔ وہ اسے جواب دینے کے بھی قابل نہ رہی تھی۔ ہاتھ پیروں میں جان ہی نہ رہی تھی۔ زبان میں جلنے کی

سکت نہ تھی۔ بس اپنی کیفیت کی وجہ سے آنسو دھواں دھار نکل رہے تھے۔ جمیلہ اسے بمشکل سہارا دے کر بیڈ تک لائی۔ پھر اسے لٹا کر پانی کا گلاس بھر کر لے آئی۔

بہت دیر کے بعد وہ کچھ کہنے سننے کے قابل ہوئی تھی۔

''جمیلہ۔'' اس نے احسن کے آفس کا نمبر اسے تھماتے ہوئے کہا ''برابر رملی بی بی کے ہاں سے احسن کو فون کر کے آؤ بلکہ ان سے کہنا وہ خود فون کر کے انہیں میری طبیعت کا بتا دیں۔ ذرا جلدی آ جانا میرا دل بیٹھا جاتا ہے!'' نقاہت بھرے لہجے میں کہہ کر اس نے سر تکیے پر ڈال دیا۔

جمیلہ کچھ سمجھتے، کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں سر ہلاتی بھاگم بھاگ نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر میں رملی جمیلہ کے ہمراہ چلی آئی اور اس کے پندرہ منٹ بعد ہی سفید چہرہ لیے احسن آ گیا۔

''زینو جان! کیا ہوا تمہیں؟'' وہ سخت گھبرایا ہوا تھا۔

اس کا چہرہ دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر زینب پھر جھر جھر آنسو بہانے لگی۔ کتنے دنوں کے بعد اس کا یہ سابقہ انداز دیکھا تھا۔

''میں گاڑی لاتی ہوں۔'' رملی بولی تھی ''اسے ڈاکٹر کے ہاں لے چلتے ہیں!''

''جی پلیز! مہربانی ہوگی آپ کی۔'' احسن ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے شائستگی سے بولا۔

''مہربانی کی کیا بات ہے۔ انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' وہ رسمی سا جملہ بول کر رسمی سے انداز میں مسکرا کر باہر نکل گئی تھی۔

''زینو! کیا ہوا ہے جانو!'' وہ بڑی فکرمندی سے اس کے قریب بیٹھ کر پوچھنے لگا ''تم ٹھیک تو ہونا۔ یوں اچانک ہی۔''

''پتا نہیں احسن! میں خود اپنی حالت سمجھ نہیں پا رہی ہوں۔ ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا۔ دل ایسا لگتا ہے، کسی سمندر میں ڈوبا جاتا ہے۔''

اس پر حد درجہ نقاہت طاری تھی۔ وہ محبت سے اس کی ہتھیلی سہلانے لگا۔ زینب نے آنکھیں موند لیں۔

ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کر کے اسے ڈرپ لگا دی تھی۔ اس کا بلڈ پریشر لو ہو گیا تھا۔

''ان کو ڈپریشن بھی ہے۔'' اس نے کہا تھا ''کسی بات سے ان کے احساسات مجروح ہوئے ہیں۔ آپ کو ان کا خیال رکھنا چاہیے۔ ایسی حالت میں عورت کو بہت زیادہ ذہنی سکون کی ضرورت ہوتی ہے!''

وہ احسن سے کہہ رہی تھی اور احسن کی حالت ایسی تھی کہ کاٹو تو لہو کی بوند نہ نکلے۔ وہ تاسف اور شرمندگی کے سمندر میں غرق تھا۔ وہ زینب کی خراب طبیعت کی تمام تر ذمہ داری اپنے رویے کی وجہ سے اپنے کاندھوں پر محسوس کر رہا تھا۔

''میں بہت برا ہوں زینب! بار بار انجانے میں تمہیں کوئی نہ کوئی تکلیف دے بیٹھتا ہوں۔'' وہ بار بار کہہ رہا تھا۔

زینب نے اسے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خود بھی یہی چاہتی تھی کہ احسن اپنے رویے پر شرمندگی محسوس کرے اور آئندہ اس سے جھگڑا نہ کرے۔ اس نے احسن کی کسی بھی معذرت کے جواب میں نرمی بھرا رویہ اختیار نہ کیا اسے ڈسچارج کرتے ہوئے بھی ڈاکٹر نے احسن کو کافی ساری ہدایات کی تھیں۔

''انہیں ہر حال میں خوش رکھیں۔ ان کا خوش رہنا ہی ایک تندرست اور صحت مند بچے کی ضمانت ہے۔ ان کی غذا کا خیال رکھیں۔ مناسب سیر و تفریح کرائیں۔ یہ ذرا سی بات پر ڈپریس ہو جانے والی خاتون ہیں۔ ایسے لوگوں کی غیر معمولی کیئر کرنی ہوتی ہے۔''

وہ ہر ہر بات کو دل کی لوح پر محفوظ کرتا اسے لے کر گھر لوٹا تھا۔

''زینو...... یقین جانو۔ آئندہ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہوگی!'' اس نے زینب کا ہاتھ تھام کر خلوص دل سے یقین دہانی کرائی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرا کر رہ گئی۔



اور پھر اس نے واقعی اپنا کہا پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش شروع کر دی۔ وہ آفس سے جلد آ جاتا تھا اور اپنے ساتھ کھانے پینے کی کوئی چیز لانا نہ بھولتا۔ ہر روز اس کے ہاتھ میں زینب کی پسند کی کوئی شے ضرور ہوتی تھی۔ دونوں مل کر کھانا کھاتے، پھلوں سے لطف اندوز ہوتے اور ٹی وی دیکھتے رہتے۔

شام ڈھلنے لگتی تو دونوں گھر کے سامنے صاف ستھری سڑک پر واک کے لیے نکلتے اور دیر تک ٹہلا کرتے۔ چند ہی دنوں میں زینب کے وجود پر اس کی ساری تگ و دو کے اثرات واضح نظر آنے لگے۔ اس کا چہرہ کھل اٹھا، رنگت میں ایک عجیب سی تازگی اور چمک آ گئی اور جسم پہلے سے بھی بھرا بھرا لگنے لگا۔

اس روز بھی وہ شام ذرا دیر تک سوئی تھی۔ احسن اس کے لیے چائے بنانے لگا۔ جمیلہ اسے اٹھانے چلی آئی۔

''جینو بی بی! اٹھ بھی جائیں، صاحب اپنے ہاتھوں سے چائے بنا رہے ہیں!'' اس کے انداز میں حد درجہ استعجاب تھا۔

زینب کو ہنسی آ گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''پھر کیا ہے، جمیلہ؟ بنا رہے ہیں تو بنانے دو!''

''نہ جی، گھر کی عورت کا کام ہے اپنے میاں کا چائے پانی کرنا۔ مرد یہ جنانے (زنانے) کام کرتا اچھا نہیں لگتا۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی ''میں چاہتی بھی نہیں ہوں کہ میرا شوہر میرے علاوہ کسی اور کو اچھا لگے۔ مجھے تو وہ ہر حال میں اچھا لگتا ہے۔''

''ہائے جینو بی بی، کیسی باتیں کرتی ہو؟'' جمیلہ خفیف سی ہو کر رہ گئی۔

احسن چائے لے اندر آیا تو اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

''چائے جینو بی بی!'' وہ سرگوشی میں بولا تھا۔

زینب کو بے تحاشا ہنسی آئی۔ وہ ہنستی چلی گئی۔

''کیوں ہنس رہی ہو؟ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔ جمیلہ کی نگاہوں میں میرے لیے حد درجہ رحم اور تاسف ہے۔ وہ خود کو اور مجھے ایک ہی صف میں کھڑا سمجھ رہی ہے۔''

''کیا غلط سمجھتی ہے؟'' وہ مزے سے چائے پینے لگی۔

''بالکل درست سمجھتی ہے جناب! جب ہی تو آپ کو جینو بی بی کہہ کر پکار رہا ہوں۔ ویسے کتنا پیارا لگتا ہے نا یہ نام تم پر ''جینو!'' اس نے ہولے سے دوبارہ پکارا۔

''کوئی نہیں اچھا لگتا۔'' وہ شرمندہ ہو گئی ''جیسے میں بھی کوئی کام کرنے والی ہوں۔ جیسے رامو، فضلو، جینو!'' احسن کو بھی ہنسی آ گئی۔

''اچھا چلو اٹھو، کپڑے چینج کر لو۔ باہر ذرا سی واک کرتے ہیں!'' پھر وہ بولا تھا ''تمہاری طبیعت بھی فریش ہو جاتی ہے اور میرا وزن بھی ذرا کنٹرول میں آ گیا ہے!''

''نکال دیں۔ کون سے کپڑے پہنوں!'' وہ لاڈ سے بولی اور دوبارہ لیٹ گئی۔

وہ اسے گھورتا ہوا الماری کی جانب بڑھ گیا۔

پھر اس نے چھوٹے چھوٹے کاسنی پھولوں سے سجا ہلکے زرد رنگ کا سوٹ منتخب کیا۔ یہ سوٹ اسے بے حد پسند تھا۔ وہ اکثر زینب سے بھی لباس پہننے کی فرمائش کرتا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اسے کم کم پہنا کرتی تا کہ یہ لباس زیادہ عرصے تک درست حالت میں رہے۔

حقیقت بھی یہی تھی کہ وہ اس ہلکے زرد رنگ کے لباس میں بے پناہ حسین نظر آتی تھی۔

"چلو جلدی سے نہا کر فریش ہو لو۔" وہ لباس بیڈ پر ڈال کر بولا تھا۔ "میں تب تک حلیہ درست کر لیتا ہوں۔"

زینب مسکراتی ہوئی اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا دھو کر اس نے لباس تبدیل کیا۔ لمبے بالوں کو سنوار کر چوٹی بنائی اور ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر کمرے سے نکل آئی۔ احسن ٹی وی آن کیے خبریں دیکھ رہا تھا۔ اسے آتا دیکھ کر اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کیا اور مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

"جینو بی بی! بڑا غضب ڈھاتا ہے یہ لباس تم پر!" وہ محبتوں سے بھرپور لہجے میں بولا تھا۔

پھر دونوں ہنستے مسکراتے باہر نکل آئے۔ ان کی روٹین تھی، وہ سیدھی ہموار سڑک پر دور تک نکل جاتے تھے پھر جہاں سڑک موڑ کاٹ کر ایک دوسری سڑک میں ضم ہوتی تھی وہاں سے وہ واپس لوٹتے تھے۔ اس روز وہ دونوں باتیں کرتے کرتے دور نکل آئے۔

"دیکھیں نا احسن! کتنا خوب صورت علاقہ ہے۔ یہاں دیر تک ٹہلتے رہنا کتنا اچھا معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنا پچھلا محلہ تھا اس قابل کہ وہاں یوں شام کو ٹہلا جاتا؟ ہر گھر سے آنکھیں جھانکا کرتی تھیں۔ یہاں کتنی پرائیویسی اور سکون ہے۔ بس یہی سمجھاتی تھی میں آپ کو اور آپ مجھے کم عقل اور نا عاقبت اندیش گردانتے تھے۔"

احسن نے محض مسکراتے رہنے پر اکتفا کیا۔

"مجھے تو اس وقت بھی یہی فکر تھی کہ اس علاقے کے بچوں کے ساتھ مل کر اپنے بچوں کی اخلاقیات متاثر ہوں گی دراصل وہاں تعلیم کی کمی تھی نا۔"

وہ روز یونہی اپنی ہی ہانکتی رہتی تھی۔ احسن اب اس کی باتوں کی تردید کرتا نہ زیادہ حصہ لیا کرتا تھا۔ وہ خاموشی سے مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سنتا رہتا اور یوں ان کی خوشگوار واک اختتام کو پہنچا کرتی تھی۔

قدم سے قدم ملاتے وہ چلتے چلے جا رہے تھے جب سامنے سے تیزی سے آتی بلیک کرولا ان کے قریب پہنچ کر اچانک ہی رک گئی۔ احسن جو روڈ کی سائیڈ پر تھا اچھل کر ایک طرف ہو گیا اور حیرانی سے مڑ کر گاڑی ڈرائیو کرنے والے کو گھورنے لگا۔ وہ میر سکندر علی تھا۔ گاڑی سے سر باہر نکالے وہ بڑے دلکش انداز میں مسکراتا ہوا زینب کو دیکھ رہا تھا۔

"ہیلو کہاں جا رہی ہیں آپ؟ کہیں تو آپ لوگوں کو ڈراپ کر دوں؟" وہ بڑے دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔

احسن نے قدرے بے یقینی سے زینب کی سمت دیکھا جیسے اسے یہ ماننے میں تامل تھا کہ زینب اس قطعی اجنبی شخص کو جانتی تھی۔ دوسری جانب زینب کا مارے غصے اور خفت کے برا حال تھا۔ اس کے گال ٹماٹر کی طرح سرخ ہو گئے۔ وہ اسے کوئی سخت سا جواب بھی نہ دے سکی۔

"یہ آپ کے ہسبینڈ ہیں؟" وہ ان دونوں کی حالت تذبذب سے لطف اندوز ہوتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"جی ہاں۔" اب کے احسن نے قدرے سنبھل کر بد مزگی سے کہا تھا "آپ کی تعریف؟"

"اجی ہماری کیا تعریف ہونی ہے۔" اس نے قہقہہ لگا کر بڑی لگن سے زینب کے چمکتے چہرے کو دیکھا۔

"تعریف کے قابل تو خدا نے اور بہت سے لوگ بنائے ہیں۔ ویسے خاکسار کو میر سکندر علی کہتے ہیں۔ زینب سے تو میں پہلے بھی مل چکا ہوں ہاں آپ سے پہلی ملاقات ہے۔ ویسے مجھے خوشی ہوئی!"

احسن کے چہرے سے اس کے دلی تاثرات کا واضح اظہار ہو رہا تھا۔ اس کے باوجود میر سکندر علی پر کوئی خاص اثر نہ تھا۔

"کہیں تو آپ لوگوں کو گھر تک ڈراپ کر دوں؟" اس نے اپنی پیشکش دہرائی۔

"جی نہیں بہت شکریہ!" احسن بمشکل مسکرایا "ہم ذرا واک کے لیے نکلے ہیں۔"

"اوہ آئی سی!" اس نے ایک مرتبہ پھر زینب کا تفصیلی جائزہ لیا "چلیں جی۔ آپ کی مرضی۔ پھر کبھی ملیں گے بائے!"

تیر کی تیزی سے وہ اپنی چمکتی، نئے ماڈل کی گاڑی اڑا کر لے گیا۔ وہ دونوں کھڑے کچھ دیر تک سڑک پر اڑتی دھول دیکھتے رہے۔

"عجیب بے ہودہ آدمی ہے۔" پھر احسن نے کسی قدر دانت پیس کر کہا تھا "کون ہے زینب یہ؟"

اس کے انداز میں ایک جھلاہٹ تھی۔ زینب کا دل سہم گیا۔ آج تک اس قسم کی صورت حال سے اس کا سامنا نہ ہوا تھا۔ اس میر سکندر علی نے بیٹھے بٹھائے اسے ایک مشکل سے دوچار کر دیا تھا۔ اس نے ہمیشہ سے یہی سنا تھا کہ شوہر کے دل میں ایک مرتبہ بال آ جائے تو پھر بڑی مشکل سے یہ شیشہ صاف ہوتا ہے۔ وہ روہانسی ہوگئی۔

"رملی کا بھائی ہے یہ۔ ایک مرتبہ اسی کے گھر دیکھا تھا۔ خوانخواہ کی جان پہچان جھاڑ رہا تھا۔ مجھے تو اس کا نام تک یاد نہیں تھا۔ یقین کریں احسن!"

احسن نے شکن آلود پیشانی کے ساتھ اس کی جانب دیکھا پھر اس کی اڑی اڑی رنگت اور گھبرایا ہوا انداز دیکھ کر کچھ نرم ہو گیا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم کیوں گھبرا گئی ہو۔ ریلیکس ہو جاؤ۔ اس نیچر کے آدمی بھی ہوتے ہیں دنیا میں، اگلی مرتبہ اس نے یہ حرکت کی تو طبیعت صاف کر دوں گا موصوف کی!"

زینب کی جان میں جان آئی۔ دونوں نے واپسی کے لیے قدم بڑھا دیے تھے۔



بڑے دنوں کے بعد فارحہ کا خط آیا تھا۔ زینب لفافے پر نگاہ پڑتے ہی پہچان گئی کہ خط کس کا ہو سکتا ہے۔ بڑی بے تابی کے ساتھ اس نے خوشی خوشی لفافہ چاک کیا۔ لکھا تھا۔

پیاری زینب۔

بہت سی دعائیں اور بہت سا پیار۔ امید کرتی ہوں خیریت سے ہو گی اور جتنا میں تمہیں یاد کرتی ہوں، اتنا ہی تم بھی مجھے یاد کرتی ہو گی۔ میں بھی یہاں خیرت سے ہوں اور اس ماحول میں ذہنی طور پر سیٹ ہونے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ دعا کرنا زینب! کہ میں اس قطعی اجنبی ماحول میں یوں مدغم ہو جاؤں کہ اسی کا ایک حصہ معلوم ہونے لگوں۔ ہم پردیسی لوگوں کے لیے عافیت کا یہی ایک رستہ ہے۔ تم نے اپنی تصویریں بھیجیں یقین جانو مجھے از حد خوشی ہوئی۔ کتنے دنوں کے بعد تمہیں دیکھا۔ میری آنکھوں میں تو آنسو آ گئے۔ تم بہت اچھی لگ رہی ہو اور تمہارا اپنا گھر بھی خوب صورت ہے۔ تم نے لکھا تھا کہ تم اسے سیٹ کرنے میں مصروف ہو۔ یقیناً اب تک تو تم نے اسے خوب سجا، سنوار لیا ہو گا۔ یوں بھی شادی نے تمہاری نیچر پر جو خوشگوار اثرات مرتب کیے تھے میں تو ان سے عاری ہی رہی۔ یار! اب احساس ہوتا ہے کہ بندے میں لچک اور جھک جانے کا مادہ ہونا ہی چاہیے۔ مجھ جیسے ضدی اور خودسر سے لوگ تو اکثر ناخوش ہی رہتے ہیں خیر۔

میں کہہ رہی تھی کہ تمہارا خط پا کر اور تمہارے حالات سے آگاہ ہو کر مجھے واقعی مسرت ہوئی اور وہ خالہ والی خبر! میں تو زور زور سے ہنسنے لگی۔ یقین ہی نہیں آیا۔ حالانکہ ایک نیچرل بات ہے کوئی انہونی تو نہیں۔ پھر بھی بہت دیر تک اسی پہلو پر سوچتی رہی۔ یہاں فی الوقت ایسے کوئی آثار نہیں فیصل کو ابھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ وہ زندگی انجوائے کرنا چاہتے ہیں۔ رہی میری بات تو میں انہیں کنوینس کرنے کی کوشش میں مصروف ہوں۔ لیکن کیا کیا جائے کہ یہاں دونوں ہی بندے اپنے اپنے طور پر ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔

اور تمہارے سرتاج کیسے ہیں۔ تم ان کی جتنی تعریفیں کرتی ہو اس حساب سے وہ اچھے ہی ہوں گے۔

تم سے ملنے کو بہت من کرتا ہے۔ دیکھو قسمت نے کب، کون سا موڑ متعین کیا ہے۔ اپنا احوال لکھنا۔ یہاں بہت اکیلا پن ہے۔

بہت سے پیار کے ساتھ۔

فارحہ۔

زینب خط پڑھ کر کافی دیر تک سوچتی رہ گئی۔ فارحہ کا یہ خط بہت ہٹ کر پچھلے خطوط سے بہت مختلف تھا۔ فارحہ کی سوچ میں ایک نمایاں فرق کی عکاسی کرتا ہوا یہ خط اپنے لفظوں کے پس منظر میں بہت کچھ کہہ رہا تھا۔

''یوں لگتا تھا فارحہ ڈسٹرب ہے!'' اس نے شام کو احسن سے کہا تھا'' اس کے کئی جملے اس امر کی نشان دہی کرتے ہیں!''

''جن لوگوں کو دوسروں کو ڈسٹرب کرنے کی عادت ہو، وہ کبھی نہ کبھی تو خمیازہ بھگتتے ہی ہیں۔'' وہ نوالہ چباتے ہوئے بے پروائی سے بولا۔

''ایسے تو نہ کہیں احسن!'' اسے دکھ ہوا'' اس نے بھلا کیا کہا ہے۔ اس کی تو نیچر ہی ہمیشہ سے اس طرح کی ہے۔''

''ہاں۔'' وہ سر ہلا کر ہنس دیا'' اچھی صفائی ہے اس کے حق میں!''

''میرا دل چاہ رہا ہے فارحہ سے ملنے کو!'' وہ حسرت بھرے انداز میں بولی۔

احسن نے جھٹ اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

''خدارا یہ مت کہہ دینا کہ احسن! مجھے انگلینڈ جانا ہے بس یہ میری خواہش سمجھ لیں!''

اس نے زینب کی بڑی پرفیکٹ نقل اتاری تھی۔ وہ چڑ کر رہ گئی۔

''میں پاگل تو نہیں ہوں۔'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی تھی۔



دوسرے دن دوپہر میں رملہ آئی تو زینب اسے دیکھ کر باوجود خوش کے مسکرا تک نہ سکی۔ رملی پر نگاہ پڑتے ہی اسے میر سکندر علی اور اس کا اس روز والا رویہ یاد آ گیا تھا۔ آخر کو وہ اسی رملی کا بھائی تھا۔

''کیسی طبیعت ہے تمہاری۔'' رملی نے اس کا رویہ زیادہ محسوس نہ کیا'' اب تو بہت بہتر لگ رہی ہو۔ یار!''

''معروفیت کچھ ایسی رہی کہ میں اتنے دنوں تک چاہتے ہوئے بھی تم سے ملنے نہ آ سکی۔ ویسے کیا ہو گیا تھا اس روز تمہیں؟ ڈاکٹر تو اعصابی تناؤ، کسی ذہنی بوجھ کا ذکر کر رہی تھی۔ کیا میاں سے کچھ جھگڑا ہو گیا تھا؟''

حالانکہ حقیقت یہی تھی لیکن زینب بے پروائی سے مسکرا دی۔

''میرا میاں جان چھڑکتا ہے مجھ پر۔ کیسی لڑائی، کیسا جھگڑا؟ یہاں تو راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ میرا تو ذرا بی پی لو ہو گیا تھا۔ یہاں تو ڈاکٹرز کو مرض سمجھ میں نہ آئے تو جھٹ ڈپریشن اور ذہنی پریشانی کا نام لے دیتے ہیں!''

''ہوں۔'' رملی سر ہلا کر رہ گئی۔

''اور مجھے ایک ضروری بات کرنی تھی تم سے۔ میں خود آنا چاہ رہی تھی تمہاری طرف اچھا کیا تم چلی آئیں۔''

اس کا انداز کچھ ایسا تھا کہ رملی پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہو گئی۔

''ہاں کہو، کیا بات ہے؟'' اس کا انداز بے حد محتاط تھا۔

''رملی'' پلیز! اگر تم مجھ سے یہ دوستی برقرار رکھنا چاہتی ہو تو ذرا اپنے بھائی کو اچھی طرح سمجھا دو۔ مجھے غیر مردوں کا اس طرح خوامخواہ سر پر سوار ہونا قطعاً پسند نہیں۔ میری ان سے نہ کوئی جان پہچان یا واسطہ ہے نہ ہی میں آئندہ ایسا کچھ چاہتی ہوں۔ وہ میرا راستہ روکیں، میرے شوہر سے عجیب و غریب قسم کی گفتگو کریں یا مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھیں، مجھے یہ سب کچھ ناقابل برداشت حد تک ناپسند ہے یا تو تم انہیں سمجھا دو یا پھر میں خود سامنا ہونے پر اچھی طرح ان کی عزت افزائی کر دوں گی۔ ہر چند کہ میں آئندہ ان کی صورت تک دیکھنا نہیں چاہتی!''

رملی خاموشی سے سر جھکائے اس کی باتیں سنتی رہی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ خود بھی زینب کی باتوں سے پوری طرح متفق تھی۔

زینب خاموش ہو کر گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔ وہ اتنا کچھ بولنے اور یوں تند و تیز بولنے کی عادی نہ تھی۔ رملی کو سر جھکائے دیکھ کر اسے قدرے افسوس بھی ہوا لیکن پھر اس نے سوچا کہ اگر اس وقت ہی پیش بندی نہ کی گئی تو اسے آگے بھی مشکلات کا سامنا پڑ سکتا ہے۔

''مجھے بھائی نے بتایا تھا۔'' وہ کافی دیر کے بعد بولی تھی ''کہ انہوں نے تمہیں اور احسن کو گھر ڈراپ کرنے کی آفر کی تھی۔ میرے خیال میں اس میں اتنا برا ماننے والی تو کوئی بات نہیں ہے!''

''زینب، جو اسے سر جھکائے دیکھ کر متاسف ہو گئی تھی، نئے سرے سے غصے کا شکار ہو گئی۔

''تمھارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے؟ ایک غیر مرد سڑک پر رستہ روک کر مجھے گھر چھوڑنے کی پیش کش کرے وہ بھی میرے شوہر کی موجودگی میں تو یہ ایک غیر اہم بات ہے؟''

''تم دونوں غیر کب ہو؟ مل چکے ہو میرے گھر پر۔ سکندر نے محض میرے حوالے سے تمہارا احترام کرتے ہوئے تم سے ایسا کہہ دیا تو ایسا کیا آسمان ٹوٹ پڑا زینب؟ ویسے میرا خیال ہے کہ تمھارے شوہر بے حد شکی مزاج اور غصیلے واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے شاید گھر لوٹ کر تمھیں برا بھلا کہا ہو گا اور اسی لیے تمھیں غصہ آ گیا!''

''نہیں۔'' زینب ٹھنڈی سی سانس بھر کر خود بھی ٹھنڈی پڑ گئی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں، احسن نے مجھے کچھ بھی نہیں کہا۔ نہ وہ شکی یا غصیلے ہیں۔ انہیں تو مجھ سے خود سے زیادہ بھروسا ہے۔ دیکھو رملی! بات یہ ہے کہ تمہارے بھائی کا انداز کچھ عجیب سا ہے۔''

''ہاں۔'' رملی نے اس کی بات کاٹ دی ''سکندر ضرورت سے زیادہ خود اعتماد ہے۔ دوسروں کے احساسات کی پروا کیے بنا اپنی سی کرتا اور کہتا رہتا ہے۔ پھر فرینک ہو جاتا ہے ہر کسی کے ساتھ اور اس میں کوئی خامی نہیں۔ اصل میں زینب! تم بہت ہی دبی دبی سی، اپنے خول میں سمٹی ہوئی لڑکی ہو۔ اس روز بھی تم بھائی کو دیکھ کر یوں سہم گئی تھیں جیسے وہ کوئی جن ہو۔ یار! ذرا سی خود اعتمادی پیدا کرو خود میں۔ انسان کیسا ہی خوش شکل ہو، دبی دبائی شخصیت اس کا سارا امیج تباہ کر کے رکھ دیتی ہے۔ بھلا اتنی سی بات پر اتنا بڑا ایشو کھڑا کرنے کی کیا تک تھی؟''

رملی کو سمجھانا یا اس سے الجھنا بالکل بے کار تھا۔

زینب کو احساس ہوا کہ وہ بہت مختلف ذہنیت کی حامل تھی اور شاید زینب کے ماحول سے بھی اس کا ماحول بہت الگ تھا۔ وہ دونوں علیحدہ علیحدہ دنیاؤں کی باسی تھیں۔

''خیر جانے دو!'' وہ بالآخر بولی تھی ''شاید میں تمہیں نہیں سمجھا سکتی۔ لیکن رملی! بس اتنا جان لو کہ تمھارے بھائی کی جو بھی نیچر ہو اور وہ جیسے بھی خیالات رکھتا ہو میں اس کا یوں فری ہونا افورڈ نہیں کر سکتی۔ اپنے بھائی کو بھی بس اتنا سمجھا دینا!''

''اوکے۔'' وہ کاندھے اچکا کر رہ گئی ''میں اس سے کہہ تو دوں گی ویسے وہ بہت لاابالی فطرت کا مالک ہے۔''

زینب جان گئی کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ اس نے اپنے بھائی کے رویے کی ذمہ داری قبول کرنے سے قطعاً انکار کر دیا تھا۔ وہ گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔



اس روز کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ نہ وہ رملی کے گھر جائے گی اور نہ اس کا سامنا اس شخص سے ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ بھی کر سکتی تھی۔

لیکن معاملہ اس کی سوچ سے کہیں آگے جا چکا تھا۔ ایک صبح جمیلہ نے بائی پوسٹ آیا ایک کارڈ اس کے سو کر اٹھنے سے پیشتر ہی اس کے سرہانے لا کر رکھ دیا۔

وہ ابھی تو لفافے پر درج اپنا نام دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بھیجنے والے نے اپنا نام تحریر نہیں کیا تھا لیکن مہر بتاتی تھی کہ وہ اسی شہر سے سپرد ڈاک کیا گیا تھا۔

ایک سحر کے عالم میں اس نے لفافہ چاک کیا۔

''آئی لو یو'' کے جلی حروف سے سجا کارڈ اس کے روبرو تھا۔ زینب مسکرا دی۔ یہ کام احسن ایاز کے سوا اور کون کر سکتا تھا!

مسکراتے ہوئے اس نے کارڈ کھولا۔ ایک خوب صورت نظم تحریر تھی۔

تجھ کو معلوم نہیں تجھ کو بھلا کیا معلوم
تیرے چہرے کے یہ سیادہ اچھوتے سے نقوش
میرے تخیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں
تیری زلفیں، تری آنکھیں، ترے عارض، ترے ہونٹ
کیسی ان جانی سی معصوم خطا کرتے ہیں
خلوت بزم ہو یا جلوت تنہائی ہو
تیرا پیکر مری نظروں میں ابھر آتا ہے
کوئی ساعت ہو، کوئی فکر ہو، کوئی ماحول
مجھ کو ہر سمت ترا حسن نظر آتا ہے
چلتے چلتے جو قدم آپ ٹھٹک جاتے ہیں
سوچتا ہوں کہ کہیں تو نے پکارا تو نہیں
تم سے ہو جاتی ہیں نظریں تو خیال آتا ہے
اس میں پنہاں تیری آنکھوں کا اشارہ تو نہیں
دھوپ میں سایہ بھی ہوتا ہے گریزاں جس دم
تری زلفیں مرے شانوں پہ بکھر جاتی ہیں
تھک کے جب سر کسی پتھر پہ ٹکا دیتا ہوں
تیری باہیں مری گردن میں اتر آتی ہیں
آنکھ لگتی ہے تو دل کو یہ گماں ہوتا ہے
سر بالیں کوئی بیٹھا ہے بڑے پیار کے ساتھ
میرے بکھرے ہوئے، الجھے ہوئے بالوں میں کوئی
انگلیاں پھیرتا جاتا ہے بڑے پیار کے ساتھ
کس کو معلوم مرے خوابوں کی تعبیر ہے کیا
کون جانے کہ مرے غم کی حقیقت کیا ہے
میں سمجھ لوں بھی اگر اس کو محبت کا جنون
مجھ کو اس عشق جنوں خیز سے نسبت کیا ہے

تجھ کو معلوم نہیں، تجھ کو نہ ہوگا معلوم

تیرے چہرے کے یہ سادہ اچھوتے نقوش

مرے تخیل کو کیا رنگ عطا کرتے ہیں

تیری زلفیں، تیری آنکھیں، تیرے ہونٹ

کیسی ان جانی سی معصوم خطا کرتے ہیں

زینب ایک تحیر کے عالم میں لفظوں پر نظریں دوڑاتی گئی۔ ایسا خوب صورت اظہار تو آج سے قبل احسن نے کبھی بھی نہ کیا تھا۔ نجانے اسے کیا خیال آیا تھا جو اس نے یوں بنا اسے بتائے یہ کارڈ بھیج دیا تھا۔ وہ تاریخ سوچنے لگی۔ پھر اسے مایوسی ہوئی۔ نہ تو اس کی سالگرہ تھی۔ کم از کم اسے تو یاد نہ پڑتا تھا۔

پھر کارڈ ایک طرف رکھ کر وہ چھوٹے موٹے کام نپٹانے لگ گئی۔ یہ معمہ تو شام کو احسن کی آمد پر ہی حل ہو سکتا تھا۔

شام تک اس کے ذہن سے کارڈ والی بات بالکل نکل چکی تھی۔ احسن آیا تو وہ اس کے کپڑے لٹکانے باتھ روم میں گھس گئی۔ باہر نکلی تو احسن اس کی جانب پشت کیے کھڑا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب چلی آئی۔

''نہانا نہیں ہے؟ آپ کے کپڑے میں نے باتھ روم میں۔''

پھر اس کی نگاہ اس کے ہاتھ میں لرزتے کارڈ پر پڑی

''ارے ہاں!'' وہ ہنس دی ''یہ کیا حرکت تھی بھئی؟ اور اس حرکت کا مقصد کیا ہے؟ آج سے قبل تو کبھی ایسا خوب صورت خیال۔''

''کس نے بھیجا ہے یہ؟'' احسن کی سرد آواز نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

وہ ایک سناٹے کے عالم میں رہ گئی۔ یہ خیال تو اسے چھو کر نہ گزرا تھا۔

''احسن! یہ آپ نے۔'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''یہ میں نے نہیں بھیجا ہے زینب!'' اس کا انداز حد درجہ سرد تھا ''اور نہ میری ہینڈ رائٹنگ ہے کیا تم میری ہینڈ رائٹنگ بھی نہیں پہچانتی ہو؟''

''میں تو یہی سمجھتی رہی احسن۔'' وہ مجرموں کی طرح سر جھکا کر رہ گئی ''میں بھلا کیا کہہ سکتی ہوں۔''

احسن چند لمحوں تک کھڑا ہونٹ کچلتا رہا پھر کارڈ ایک طرف ڈال کر سر جھٹک کر باتھ روم میں گھس گیا۔

زینب چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کا دل بری طرح سے دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ الفاظ احسن کے نہیں کسی غیر کے تھے، یہ خیال دل کی تہوں میں عجب ہلچل پیدا کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ گرم ہو گیا تھا۔

''کون ہو سکتا ہے بھلا'' وہ خود کو سوچنے کے قابل بھی نہیں پا رہی تھی ''میری بھلا کس سے ایسی شناسائی ہے، میں نے تو کبھی کسی سے بات تک......اوہ!''

اس کی سوچ کی سوئی اٹک گئی تھی۔

''میر سکندر علی!''

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

سنہرے حروف سے سجا کارڈ بستر پر پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔



اس نے کال بیل کے بٹن کو پش کیا اور پھر انگلی ہٹانا بھول گئی۔

اسے یاد نہ تھا کہ اس نے زندگی میں کبھی خون کی اتنی تیز گردش اور اتنی زیادہ گرمی محسوس کی تھی۔

غصہ تھا کہ سمندر کی منہ زور لہروں کی طرح امڈ امڈ کر چکرا رہا تھا۔

مٹھیاں سختی سے بھینچے، دانت پر دانت جمائے وہ کھڑی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی، جب دروازہ کھلا اور رملی کی صورت نظر آئی۔

''ارے زینب تم!'' وہ مسکرائی اور ایک طرف ہوگئی ''آؤ اندر آؤ نا۔''

زینب چند لمحے کھڑی اسے خشمگیں نظروں سے دیکھتی رہی پھر اندر داخل ہوگئی۔

''کیا بات ہے؟ بڑے جارحانہ تیوروں میں لگتی ہو۔ میاں سے جھگڑا وگڑا تو نہیں ہوگیا؟'' رملی دروازہ بند کر کے پیچھے ہنستی ہوئی آرہی تھی۔

''بات سنو رملی!'' زینب اچانک ہی مڑی۔ ''تم مجھ سے تعلق رکھنا چاہتی ہو یا نہیں؟ یا تم یہ چاہتی ہو کہ ہم دونوں برابر برابر گھروں میں رہتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے لیے بالکل اجنبی بن جائیں۔ ایک دوسرے سے کلام تک نہ کریں۔ بلا ارادہ نظر پڑ بھی جائے تو منہ پھیر کر نکل جائیں؟''

اس کی آواز قدرے تیز اور انداز بے حد جارحانہ تھا۔ رملی چند لمحوں کے لیے ہراساں سی ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

''بات کیا ہے؟'' پھر وہ قدرے سنبھل کر بولی ''ایسا کیا ہوگیا ہے؟ میں بھلا ایسا کیوں چاہوں گی؟ ٹھیک ٹھیک بات کرو، یہ آج تم کس انداز میں آئی ہو؟''

''بات یہ ہے!'' زینب نے اس کا ہاتھ تھام کر اس پر وہ کارڈ رکھ دیا ''پڑھو اسے اور خود بتاؤ کہ اگر میرا کوئی بھائی ہوتا اور وہ تمہیں ایسا بے ہودہ کارڈ بھیجتا تو تمہارا ردعمل کیا ہوتا۔ میں کوئی کم سن، کنواری لڑکی تو نہیں ہوں، ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ تمہارے بھائی کو سوچنا چاہیے کہ اس کی ان بچگانہ بلکہ غیر ذمہ دارانہ حرکتوں سے میری ازدواجی زندگی متاثر ہوسکتی ہے۔''

رملی چپ چاپ کارڈ پڑھتی رہی پھر نظریں اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

زینب کا چہرہ شدت جذبات سے تمتما رہا تھا۔

سانسیں بہت زیادہ بولنے سے بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ رملی کی جانب سے کسی ردعمل کے اظہار کی منتظر تھی۔

''خاموش کیوں ہو؟ اب بولو، میرا غصہ بجا ہے کہ نہیں؟ کیا تمہارے بھائی کی ان بے ہودہ حرکات سے تنگ آکر میں تم سے ملنا جلنا ترک نہ کردوں گی؟'' وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولی تھی۔

''لیکن زینب!'' رملی ٹھنڈے لہجے میں بولی ''اس پر یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ کارڈ میر سکندر علی نے بھیجا ہے؟ تم نے آخر میرے بھائی کا نام لیا کیوں؟''

زینب چند لمحوں کے لیے سٹپٹا کر رہ گئی۔ اسے رملی کی جانب سے کم از کم اس جواب کی امید ہرگز نہ تھی۔

وہ تو سرے سے اس بات سے ہی منکر ہوگئی تھی کہ وہ کارڈ میر سکندر علی کا بھیجا ہوا تھا۔

''اس لیے کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے جو یہ کام کرے۔'' وہ چند لمحوں بعد بولی۔

''کیا مطلب ہے زینب تمہارا؟'' رملی کے لہجے میں تلخی اتر آئی ''پوری دنیا میں تمہیں صرف میر سکندر علی کا خیال آیا محض اس لیے کہ اس نے ایک بار تمہیں لفٹ کی پیشکش کر ڈالی؟ حالانکہ اس وقت بھی تم اکیلی نہیں تھیں تمہارا شوہر تمہارے ہمراہ تھا۔ اگر سکندر کے ذہن میں کسی غلط خیال کا پرچھاواں بھی ہوتا تو وہ تمہارے شوہر کی موجودگی میں ایسی آفر ہرگز نہ کرتا۔ ایک تو تم حسین عورتوں کی یہ بہت بڑی خامی ہوتی ہے۔ کوئی مرد اگر تمہارا

گرا ہوا رومال بھی اٹھا دے تو تم اس ذرا سے خلوص کو اپنے حسن کی کرامت خیال کرتی ہو اور اس آدمی کو پلک جھپکتے میں اپنے شہیدوں کی فہرست میں شامل کر لیتی ہو۔ آخر سکندر نے ایسا کیا ہی کیا ہے جو تم نے اس عجیب سے کارڈ کو اس سے منسوب کر ڈالا؟ وہ تم سے ملا ہی کتنی مرتبہ ہے جو اس طرح سے تمہارا والہ و شیدا ہو جائے گا کہ ایسی نظم لکھ کر تمہیں پوسٹ کر ڈالے۔ اس میں تو صاف صاف بے پناہ محبت کا اظہار ہے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ دوسری سی ملاقاتوں میں میر سکندر علی تم پر یوں شہید ہو جائے گا؟ معاف کرنا زینب بی بی! ابھی تم میر سکندر علی سے پوری طرح واقف نہیں ہو۔ شہر کی آدھی لڑکیاں اس سے ملنے اور اس کے ساتھ ذرا سا وقت گزارنے کی خواہش دل میں لیے پھرتی ہیں۔ کتنی ہی ہیں جو اس کے عشق میں مبتلا صبح شام آہیں بھرتی ہیں اور سکندر انہیں مڑ کر نہیں دیکھتا۔ اگر محض میرے حوالے سے اس نے تم سے چند باتیں کر ڈالیں تو تم نے اسے کوئی لچا لفنگا خیال کر ڈالا؟''

زینب خفت کے بے پناہ احساس سے ہونٹ کاٹنے پر مجبور ہوگئی۔ رملی خواہ کیسی ہی دلیلیں دے ڈالتی اسے پورا یقین تھا کہ یہ کام اس ہی شخص کا تھا۔ اپنی زندگی میں جتنے مردوں کو وہ جانتی تھی ان کے نام ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گن سکتی تھی اور اس کے ذہن میں دور دور تک کسی ایسے شخص کا خیال تک نہ تھا جو اسے ایسا کارڈ بھیجتا۔

''تم خواہ کچھ بھی کہو رملی۔'' پھر وہ نسبتاً ٹھنڈے اور دھیمے لہجے میں بولی۔ ''حقیقت یہی ہے کہ یہ تمہارے برادر محترم کی شرارت ہے۔ پچھلے کچھ دنوں میں وہی ایک اجنبی شخص ٹکرایا ہے مجھ سے ورنہ میں تو یہاں کسی اور کو جانتی تک نہیں۔''

''جانے دو زینب!'' رملی طنز سے مسکرا دی۔

''ساری عورتیں ایسے ہی کہتی ہیں۔ حقیقت تو یہی ہے کہ شادی سے پہلے اور شادی کے بعد سب ہی کا ایک آدھ افیئر تو ہوتا ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی چھوٹی موٹی نظر بازی الگ۔''

''رملی!'' زینب بھنا کر رہ گئی ''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ کیا سمجھا ہے تم نے مجھے؟ اور تم بھی تو ایک عورت ہی ہو، تمہارے کتنے افیئر چلے ہیں شادی سے پہلے اور شادی کے بعد؟''

خلاف توقع ہی رملی کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ زینب نے حیرت سے اس کے بدلتے ہوئے رویے کو دیکھا۔

''ارے ہم کیا، ہماری اوقات کیا۔'' پھر اس نے ہنستے ہوئے زینب کا بازو تھام لیا اور اسے اندر لے جانے لگی ''یہ تم حسن والوں کی کرشمہ سازیاں ہیں۔ ہمیں بھلا کوئی مڑ کر بھی دیکھتا ہے؟ خیر! میرا مطلب وہ نہ تھا جو تم نے سمجھا اور اب غصہ تھوک دو۔ بہت نوک جھونک ہوگئی۔ جو کچھ بھی ہوا اس کے لیے مجھے اور تمہیں ایک دوسرے سے الجھنے اور اپنے تعلقات خراب کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھو، کارڈ خواہ سکندر ہی نے بھیجا ہو لیکن اس میں میرا کوئی ہاتھ تو نہیں ہے۔ پھر تم میرے ساتھ کیوں الجھ رہی ہو اور میں بھلا اس سلسلے میں کر بھی کیا سکتی ہوں؟ خوامخواہ اپنی انرجی ویسٹ کرنے والی بات ہے۔''

''تم کم از کم اخلاقی طور پر تو میری حمایت میں بول سکتی ہو۔ معذرت طلب کر سکتی ہو۔ لیکن تم تو الٹا میرے سر الزام لگا رہی ہو۔''

زینب کا غصہ اترا نہ تھا۔ رملی اپنے کمرے میں لے آئی۔

''اچھا بابا، میں اپنے بھائی کی جانب سے بہت بہت معذرت خواہ ہوں۔ شرمندہ ہوں کہ اس نے ایسی بے ہودہ سی شرارت کی جس سے تمہیں ذہنی تکلیف پہنچی۔ ہر چند کہ مجھے یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ یہ کام سکندر کا ہے۔''

اس نے زینب کو بیڈ پر بٹھا دیا۔

''میرا یقین کرو رملی۔ میں کیوں کسی پر جھوٹا بہتان باندھوں گی۔'' اب کے وہ بھی رسانیت سے بولی تھی ''یہ کارڈ دکھانا اسے اور پوچھنا۔''

''اچھی کلاس لوں گی حضرت کی تم فکر نہ کرو۔''

رملی نے اسے تسلی دی ''اگر یہ حرکت اسی کی نکلی تو صاف کہہ دوں گی کہ بھئی میرے گھر مت آیا کرو میرے تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔ اب

خوش؟"

"نہیں میں یہ تو نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تم بھائی بہن آپس میں جھگڑو یا تعلقات منقطع کرلو لیکن رملی میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ ایک قطعی اجنبی شخص کی وجہ سے میری گھریلو زندگی متاثر ہو۔

آج میرے شوہر نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ میرے اوپر کسی قسم کا شک نہیں کیا لیکن کل کچھ اور ہوا تو وہ بھی سوچنے پر مجبور ہوگا۔ مجھ سے باز پرس کرے گا کہ آخر یہ شخص کون ہے اور میرا اس سے کیا واسطہ ہے؟ بس میں تمہیں یہی سمجھانے آئی تھی کہ اپنے بھائی سے کم از کم اتنی باز پرس ضرور کرو۔ یہ نہیں کہ اس سے تعلقات ہی ختم کر کے بیٹھ جاؤ۔"

رملی کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری لیکن پھر وہ کچھ بولی نہیں۔ زینب کا غصہ بھی کافی حد تک اتر چکا تھا۔ وہ نارمل ہونے کی کوشش کرنے لگی۔

"سکندر کی نیچر بھی بس عجیب ہی ہے۔" پھر کافی دیر بعد رملی بولی۔ "کبھی کبھار کوئی ایسا کام کر جاتا ہے جو اسے بالکل سوٹ نہیں کرتا لیکن بس کبھی کبھار ہی عموماً وہ بہت سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے۔"

زینب کو اس کی بات سے قطعاً اتفاق نہ تھا۔ لیکن وہ پھر کچھ بولی نہیں۔ اس کے خیال میں وہ پہلے ہی بہت زیادہ بول چکی تھی۔ اس معاملے میں رملی کا کچھ قصور نہ تھا لیکن وہ رملی سے بے حد سخت الفاظ میں بات کر چکی تھی۔

"یہ مرد بھی نجانے کس مٹی سے بنے ہوتے ہیں۔" رملی کی خالی خالی آنکھیں نجانے کہاں دیکھنے لگیں "کسی ایک مقام پر انہیں صبر ہی نہیں آتا۔ تمہارا شوہر...... تمہارا شوہر کیسا ہے زینب؟"

"کیا مطلب؟" وہ اس کے انداز اور سوال دونوں سے الجھ گئی۔

"تمہیں اپنے شوہر پر پورا بھروسا ہے؟ تمہیں یقین ہے کہ تمہارے سوا کسی دوسری عورت کی اس کی زندگی میں کوئی گنجائش نہیں؟"

"ہاں!" وہ بے حد پر اعتماد لہجے میں بولی تھی "مجھے احسن کی محبت اور وفا پر کوئی شک نہیں۔ میرے سوا نہ کوئی عورت اس کی زندگی میں آئی ہے اور نہ کبھی آئے گی۔"

رملی مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں کی طرح اس کی مسکراہٹ بھی زینب کو بہت خالی لگی تھی۔

....

احسن بے حد چپ چپ سا تھا۔ زینب نے چائے کی پیالی پکڑاتے ہوئے خاص طور پر اس کا رویہ نوٹ کیا۔ وہ اخبار پڑھنے میں مصروف تھا۔

"میں رملی کی طرف گئی تھی صبح۔" وہ ہلکا سا کھنکھار کر بولی۔

احسن نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا پھر اخبار لپیٹ دیا۔

"کیوں؟ کوئی خاص بات ہے؟" وہ بولا تھا "رملی کے ہاں تو تم اکثر جاتی ہی ہو۔ خاص طور پر ذکر کیوں کر رہی ہو؟"

"احسن میرا خیال ہے وہ کارڈ اس کے بھائی نے۔"

"دفع کرو یار۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بیزاری سے بولا "جہنم میں جائے وہ۔ جس کسی نے یہ حرکت کی تم بے وجہ اس موضوع پر سوچ سوچ کر کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہو۔"

"اس لیے کہ آپ اس موضوع پر سوچ کر ہلکان ہو رہے ہیں۔" وہ اسی کے انداز میں بولی۔

''میں؟'' وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگا ''نہیں میں نے تو پھر سوچا تک نہیں کہ۔''

''جھوٹ مت بولیں احسن!'' اس نے احسن کی بات کاٹ دی ''بیوی ہوں آپ کی۔ اپنی جرابیں جگہ پر نہ ملنے سے اگر آپ کی پیشانی پر بل پڑتے تو مجھے وہ بل بھی نظر آجاتا ہے۔ پھر بھلا مجھے یہ خبر نہ ہوگی۔ کہ آپ اس واقعے سے ڈسٹرب ہو گئے ہیں۔ بلکہ صرف آپ ہی نہیں میں خود بھی پریشان ہوگئی تھی۔ اسی لیے رملی کے گھر جا کر اس بے چاری کو بھی اچھا خاصا برا بھلا کہہ دیا۔ دراصل مجھے یقین سا ہے کہ یہ کام اسی کے بھائی کا ہے اور بھلا کون ہوسکتا ہے یہ چھچھوری حرکت کرنے والا؟ ویسے رملی کہہ رہی تھی کہ وہ اسے سمجھا دے گی بلکہ اسے اپنے گھر آنے سے ہی منع کر دے گی۔''

احسن بے ساختہ مسکرا دیا۔

''کیوں اس غریب کو اس کے بھائی سے لڑوا رہی ہو۔''

''میں؟ میں لڑوا رہی ہوں؟''

''بھئی، سیدھی سی بات ہے۔ خدا نے عورت کو محتاط رہنے، گھر میں رہنے اور اپنا آپ چھپانے کی ہدایت کی ہے۔ رملی کے گھر اس کا بھائی نہ آئے اس سے بہتر یہ نہیں ہے کہ تم رملی کے گھر آنا جانا چھوڑ دو اور پھر محض شک کی بنا پر تو ہم کسی کو مجرم نہیں ٹھہرا سکتے نا۔''

وہ برا سا منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

''آپ کی بھی عجیب ہی منطقیں ہوا کرتی ہیں!'' پھر وہ بولی تھی ''اب میں چادر کی بکل مار کر گھر میں تو نہیں بند رہ سکتی۔ انسان ہوں۔ کبھی باہر نکلنے کو، کہیں آنے جانے کو میرا بھی جی کرے گا تو کیا ایسے لفنگوں کے خوف سے میں باہر پڑوس تک میں جانا ترک کر دوں اور رملی ٹھیک ہی کرے گی اگر اس سے قطع تعلق کرے گی تو آج اسے میں نظر آئی ہوں کل کوئی دوسری عورت نظر آجائے گی۔ رملی کس کس سے ملنا چھوڑے گی۔ بہتر یہی ہے کہ فساد کی جڑ کو ختم کیا جائے۔''

''اچھا بابا چھوڑو اس ٹاپک کو۔ ذرا سی بات پر بے وجہ خود سے اور باقی لوگوں سے الجھ رہی ہو۔''

''ذرا سی بات ہے تو پھر آپ نے کیوں اتنا محسوس کیا؟ کل سے چپ چپ سے ہیں۔'' وہ قدرے خفگی سے بولی۔ احسن چند لمحوں کے لیے خاموش سا ہو گیا تھا۔

''ہاں زینو!'' پھر وہ بولا تھا ''نجانے میں کیوں ڈسٹرب ہوا اس بات سے حالانکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں ایسے چھوٹے موٹے ناپسندیدہ واقعات سے تو تقریباً ہر عورت ہی دوچار ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے بھرے بازار میں کوئی راہ گیر جان بوجھ کر کسی عورت سے ٹکرا جائے یا قریب سے گزرتا سائیکل سوار کوئی بے ہودہ سا فقرہ کس دے۔ ایسے ہی کسی فارغ آدمی نے اٹھ کر ایک کارڈ پوسٹ کر ڈالا۔ ایسے واقعات تو نہ چاہتے ہوئے بھی ہو ہی جاتے ہیں۔ انہیں کیا دل پر لینا، کیا موڈ آف کرنا لیکن پھر بھی زینب! خود کو یہ سب کچھ سمجھا کر بھی میں بے چین سا ہو گیا۔ بار بار خیال آتا ہے۔ نجانے کس نے تمہیں ان نظروں سے دیکھا ہوگا جن سے میں تمہیں دیکھتا ہوں۔ نجانے کس کے جی میں کون سا خیال آیا ہوگا جس کے اظہار کے لیے اس نے ایسے لفظ منتخب کیے۔ عجیب جیلسی سی ہوتی ہے زینب مجھے۔ یہ جذبات جن کا کبھی سامنا نہیں کرنا پڑا۔ بہت بوجھل کر رہے ہیں طبیعت کو۔ آخر کیوں زینب؟''

آخر میں اس نے بچوں کی طرح پوچھا تھا۔ زینب بے ساختہ مسکرا دی۔

''پتا ہے کیوں اسلیے کہ آپ مجھے بہت چاہتے ہیں۔'' وہ شوخ سے انداز میں بولی ''اتنی زیادہ محبت بھی انسان کو مشکل میں جتلا کر ڈالتی ہے۔''

''اچھا!'' وہ بھی مسکرا دیا ''پھر کیا کروں؟ محبت کچھ کم کر دوں؟''

''جی نہیں!'' اس نے اسے گھورا ''اسی محبت کے سہارے مجھ پر اعتماد رکھیں اور اسے ایک عام سا ناپسندیدہ واقعہ سمجھ کر بھلا دیں۔ میں آپ

کی ہوں۔ آپ کے گھر میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آچکی ہوں۔ اب کوئی مجھے آپ سے چھین کر نہیں لے جاسکتا۔''

احسن کھل کر مسکرایا۔

''کتنی مرتبہ سمجھایا ہے ایسے ڈائیلاگ اتنی دور سے نہیں بولا کرتے۔ بے وجہ ہی آدمی کا بندر بننے کو جی چاہنے لگتا ہے۔'' وہ شوخی سے بولا تھا۔

''بندر بننے کو؟'' وہ حیرت سے مسکرائی۔

''ہاں! اتنی لمبی چھلانگیں بندر ہی لگایا کرتے ہیں نا۔'' وہ معصومیت سے بولا۔

زینب بے ساختہ ہی ہنس دی تھی۔



''جینو بی بی جی! کوئی عورت آئی ہے آپ سے ملنے کے واسطے!'' جمیلہ نے اسے بڑی گہری نیند سے جگایا تھا۔

''مجھ سے ملنے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا پھر مندی مندی آنکھوں سے گھڑی کی سمت دیکھا۔

ساڑھے دس بجنے کو تھے۔

''اتنی صبح صبح کون آگیا ہے؟'' اسے حیرت کے ساتھ ساتھ بیزاری بھی ہوئی تھی۔

دراصل اسے سب سے پہلا خیال فرخندہ آپا کا آیا تھا۔ اپنا سارا کام تو، ساڑھے نو بجے تک نمٹا کر وہی اتنے سویرے سویرے دوسروں کے ہاں چھاپے مارنے نکلتی تھیں۔

''کہاں بٹھایا ہے؟'' اس نے بکھرے ہوئے بالوں کا جوڑا سا بناتے ہوئے جمیلہ سے پوچھا،

''ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے، انتظار کر رہی ہے آپ کا۔''

''اکیلی ہی ہے یا کوئی ساتھ ہے؟'' وہ اٹھ کر دوپٹہ اوڑھنے لگی۔

''ایک بچی ہے جی۔''

''اچھا تم چائے بنالو۔ میں دیکھتی ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھ گئی۔ ''بچی بھی ساتھ ہے، نجانے کون ہے؟'' وہ الجھتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تھی۔ پھر ڈرائنگ روم میں کونے میں رکھے صوفے پر آمنہ کو بیٹھا دیکھ کر اس کی ساری الجھن، بیزاری اور کوفت یک لخت اڑن چھو ہو گئی۔

''آمنہ آمنہ۔'' وہ بڑی گرم جوشی سے اس کی جانب بڑھی اور اس سے بغل گیر ہوگئی۔

''کیسی ہو تم؟''

پھر اس نے ذرا سا ہٹ کر اس کا جائزہ لیا۔ آمنہ بھی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی کنڈیشن دیکھ کر ہنس دیں۔

''تو یہاں بھی بھرپور تیاری ہے؟'' آمنہ مسکرا دی تھی۔

زینب نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ''اور تم تو لگتا ہے بس فارغ ہونے ہی والی ہو۔'' پھر اس نے ہنس کر پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' آمنہ کے انداز میں بے حد اطمینان تھا ''شاید اسی مہینے! اسی لیے میں نے سوچا کہ تم سے مل آؤں بعد میں نجانے کتنی مصروفیت ہو جائے۔ پہلے تمہارے پچھلے گھر گئی تھی۔ مجھے علم نہ تھا کہ تم نے گھر تبدیل کر لیا ہے وہاں فرخندہ آپا ملیں۔ انہوں نے بتایا کہ تمہیں تو تقریباً دو ماہ ہو گئے ہیں شفٹ کیے ہوئے۔ ان سے پتا کیا اور یہاں آگئی۔ انوار ساتھ تھا۔ میری وجہ سے انہیں بھی دیر ہوگئی۔ پورا گھنٹہ لیٹ ہو گئے آفس سے۔''

وہ ٹھہر ٹھہر کر تفصیل سے بات کر رہی تھی۔ زینب نے اس کی باتوں کے دوران لاشعوری طور پر اس کا جائزہ لے ڈالا۔
لان کے ہلکے پھلکے سے لباس میں آمنہ بہت فریش اور پر اعتماد نظر آ رہی تھی۔ اس کی شخصیت میں ایک عجیب سا اطمینان اور متانت آ گئی تھی جو بہت زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ جیسے اس نے زندگی کو پوری طرح سے سمجھ لیا تھا اور جیسے وہ زندگی سے خوش اور بہت مطمئن تھی۔
پھر زینب کی نگاہ اس کے ساتھ لگ کر بیٹھی ہوئی بچی پر پڑی۔ جو ٹکر ٹکر زینب کی شکل دیکھ رہی تھی۔
''اوہ، یہ'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔
''کنزئی ہے۔'' آمنہ نے اسے لپٹا لیا ''میری بیٹی!''
''بہت پیاری ہے آؤ بیٹا ادھر آؤ۔ میں آپ کو پیار کروں۔'' زینب نے پیار سے اسے بلایا وہ اٹھ کر زینب کے پاس چلی آئی۔
''بیٹا! سلام کرو آنٹی کو۔'' آمنہ نے اسے تلقین کی۔
''السلام علیکم آنٹی!'' وہ مہین سی آواز میں بولی تھی۔
''وعلیکم السلام!'' زینب نے مسکرا کر اس کا گال چوما۔
جمیلہ چائے لے آئی تھی۔ زینب نے بسکٹ اٹھا کر اسے پکڑایا تو وہ شرما گئی۔
''لے لو بیٹا!'' آمنہ بولی تھی ''اور اب آپ باہر جا کر کھیلیں میں آپ کی آنٹی سے باتیں کروں گی۔ پھر تھوڑی دیر میں گھر چلیں گے۔''
''جی امی ٹھیک ہے۔'' وہ بسکٹ پکڑ کر باہر چلی گئی۔
''بہت پیاری، تمیز والی بچی ہے۔'' زینب اسے باہر جاتے ہوئے دیکھنے لگی ''آمنہ!''
پھر وہ آمنہ کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔
''سچ سچ بتاؤ! تمہیں واقعی یہ اپنی بیٹی محسوس ہوتی ہے۔ اب جو تمہارے بچہ ہوگا تو کیا تم دونوں میں فرق محسوس نہیں کرو گی؟''
''محسوس ہونا اور احساس کے مطابق عمل کرنا یا نہ کرنا دو علیحدہ علیحدہ باتیں ہیں۔ مجھے اگر دونوں میں فرق محسوس ہوا بھی تو میں اپنے کسی عمل سے اسے ظاہر نہیں ہونے دوں گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ میں اپنے بچے سے زیادہ محبت محسوس کروں گی تو کیا ہوا۔ یہ بات تو ہمیشہ میرے دل میں رہے گی۔ میں انوار صاحب یا کنزئی کو کبھی اس بات کا احساس نہ ہونے دوں گی۔''
زینب حیرانی سے آنکھیں پھیلائے اس کی بات سنتی رہی۔
''تمہیں اس بچی سے حسد محسوس نہیں ہوتا آمنہ؟ اس نے شروع دن سے تمہارے شوہر کو شیئر کیا ہوا ہے۔''
آمنہ مسکرا دی۔
''میرا بچہ بھی تو انوار کی محبت شیئر کرے گا تو کیا میں اس سے بھی حسد کروں گی؟ نہیں زینب! میں نے تو کبھی اس مری ہوئی عورت سے حسد محسوس نہیں کیا جس کی یہ زندہ نشانی ہے۔ انوار بتاتے ہیں کہ انہیں زاہدہ سے بے پناہ محبت تھی۔ وہ اکثر مجھ سے اس کی باتیں کرتے ہیں۔ لیکن مجھے کبھی اس سے حسد محسوس نہیں ہوا۔ انوار کی زندگی میں میری اپنی علیحدہ جگہ ہے۔ ایک خاص مقام ہے۔ کسی سے حسد یا جلن محسوس کر کے میں اس جگہ اور مقام سے نیچے تو جا سکتی ہوں، آگے نہیں بڑھ سکتی اور میں آگے جانا چاہتی ہوں اور آگے بڑھنے کے لیے بے غرض اور بے لوث ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ اب یہی دیکھ لو کنزئی کچھ ہی دنوں میں مجھ سے کتنی زیادہ اٹیچ ہو گئی ہے۔ میں دستر خوان پر نہ ہوں تو یہ نوالہ نہیں لیتی۔ کہتی ہے امی کے ساتھ کھاؤں گی اور جتنا زیادہ یہ مجھ سے محبت کا اظہار کرتی ہے اتنی میری قدر انوار کے دل میں بڑھتی جاتی ہے۔ ایسا صرف اس لیے ہے کہ میں نے بہت خلوص سے اور بہت بے غرض ہو کر اس بن ماں کی بچی کو اپنایا ہے۔ اسے ماں کی محبت حاصل کی ہے تو جواب میں اس کی معصوم اور بے لوث محبت حاصل کی ہے۔ اگر میں رقابت کے جذبات دل میں لے کر اس گھر میں داخل ہوتی تو نہ مجھے شوہر کا اعتماد حاصل ہوتا اور نہ ایک بیٹی کی چاہت۔ بس ہر

جانب حسد کے شعلے اور بے سکونی بکھری رہتی۔ مجھے تو محبت اور سکون کا گہوارہ بنا اپنا گھر بہت عزیز ہے۔''

زینب بہت غور سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''اس کا مطلب یہ ہے کہ تم بہت خوش اور مطمئن ہو۔'' اس نے آمنہ کی بات سن کر کہا تھا۔

''ہاں بالکل!'' آمنہ مسکرائی۔ ''اور اپنی کہو۔ یہاں تو صاف نظر آرہا ہے۔ راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔ ایک پیارا، خوب صورت سا گھر، اپنے پورے تصرف کے ساتھ اور ایک چاہنے والا جیون ساتھی اور ایک آنے والے مہمان کا خوش کن تصور! ہوں؟''

''آں!'' زینب چونک اٹھی۔ پھر ہولے سے مسکرادی ''ہاں آمنہ!''

''مجھے تم سے بہت شکایت ہے زینب!'' پھر آمنہ بولی تھی ''میری شادی پر بھی تم مہمانوں کی طرح شریک ہوئی تھیں اور شادی کے بعد بھی مجھ سے ملنے نہیں آئیں۔ تمہارا مجھ سے ملنے کو جی نہیں کرتا زینب! اگر ایسا ہے تو مجھے بھی بتادو تاکہ میں بھی تم سے ملنے نہ آیا کروں۔ بے وجہ تم پریشان ہوتی ہوگی۔''

''ہائیں۔'' وہ خفگی سے بولی ''پاگل ہوئی ہو۔ میرا تم سے ملنے کو کس قدر دل چاہتا ہے میں بیان نہیں کرسکتی۔ ابھی ڈرائنگ روم میں تم کو بیٹھا پاکر یوں لگا گویا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو۔ تم تو میرے میکے کی واحد نشانی ہو آمنہ۔''

وہ اداس سی ہوگئی تھی۔

''تم سے مل کر مجھے اپنا میکہ، وہ محلہ اور اماں یاد آتی ہیں۔ وہ دن یاد آتے ہیں جو اب کبھی لوٹ کر نہ آئیں گے۔ جب بے فکری سے ملا کرتے تھے۔ گھنٹوں باتیں کیا کرتے تھے۔''

اسے نجانے کیا کچھ یاد آیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

''پھر مجھ سے ملتی کیوں نہیں ہو؟'' آمنہ نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''اب آؤں گی انشاء اللہ۔'' وہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔ ''تم مجھے مٹھائی بھیجنا۔ میں اگلے روز ہی وارد ہو جاؤں گی۔ چلو، اب کھانا بناتے ہیں۔ میرا لنچ تو چار پانچ بجے ہوتا ہے لیکن تمہیں جلدی بھوک لگ جائے گی اور پھر یہ بچی بھی تو ہمراہ ہے۔ آؤ کچن میں چلتے ہیں۔''

دونوں ایک دوسرے کی ہمراہی میں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔



دن معمول کے مطابق گزر رہے تھے جب اس کی زندگی کی پرسکون جھیل میں کنکر آ گرا۔

اتفاق سے اس روز جمیلہ نے بھی چھٹی کی تھی۔ زینب گھر کی صفائی سے فارغ ہو کر ہانڈی کے لیے پیاز کاٹ رہی تھی جب ڈور بیل بجی۔

اس نے کچن کے دروازے میں آ کر لاؤنج میں لگی گھڑی میں ٹائم دیکھا پھر بڑبڑا اٹھی۔

''اس وقت کون آ گیا۔ جمیلہ بی بی تو نہیں چلی آئیں شاداں و فرحاں۔''

وہ دوپٹہ لیے بغیر ہی دروازے کی سمت چلی گئی تھی۔ لاک کھول کر اس نے جیسے ہی دروازہ کھولا اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

وہاں میر سکندر علی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''اندر آ سکتا ہوں..... مسز زینب شاہ!'' اس نے گردن کو ذرا سا خم دے کر اجازت طلب کی تھی۔

پھر اس نے زینب کی جانب سے کسی ردعمل کے اظہار کا انتظار کیے بغیر ہی اندر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ زینب اگر تیزی سے ایک طرف نہ ہو جاتی تو شاید وہ اس سے ٹکرا بھی جاتا۔

''آپ.....'' وہ غصے سے بولی ''آپ اندر کیوں چلے آ رہے ہیں..... میں نے آپ سے اندر آنے کو نہیں کہا۔''

''مجھے یقین ہے، آپ انکار بھی نہ کریں گی۔ میں محض چند باتیں کرنے کے لیے آیا ہوں۔''

وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑے اطمینان سے چلتا ہوا لاؤنج میں پہنچ گیا۔ وہ دروازہ کھلا چھوڑ کر بڑے تذبذب کی حالت میں اس کے پیچھے آئی تھی۔

''دیکھیں سکندر صاحب! آپ پلیز اس وقت چلیں جائیں۔'' بے موقع افتاد سے اس کا سانس پھول رہا تھا۔

''آخر'' آخر آپ کیوں اس طرح میرے گھر چلے آئے ہیں؟''

''آپ نے یہ کارڈ کیوں واپس کیا؟'' وہ یکا یک پلٹا تھا۔

زینب نے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں وہی کارڈ تھا جو وہ رملیٰ کے گھر چھوڑ آئی تھی۔

''یہ..... یہ آپ نے بھیجا تھا؟''

''آف کورس میں نے بھیجا تھا۔'' وہ دھیمے سے مسکرایا۔ ''مجھے اس پر اپنا نام تحریر کرنے میں کسی قسم کا ڈر خوف نہ تھا لیکن مجھے یقین تھا کہ آپ مجھے پہچان لیں گی۔''

''اسی لیے میں نے رملیٰ سے دوٹوک انداز میں کہا تھا کہ یہ سراسر آپ کا کام ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولی۔

''ہاں میں نے رملیٰ کو بھی بتا دیا ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''لیکن رملیٰ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہے؟ یہ تو میرا پرسنل معاملہ ہے۔''

''آپ تو نہایت ڈھیٹ شخص ہیں۔'' وہ جز بز ہو گئی ''لیکن آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟''

''یہ کارڈ واپس کرنے۔ رملیٰ کے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا یہ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے آپ اپنے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھیں۔ یہ بڑا قیمتی کارڈ ہے۔ اس پر جو نظم تحریر ہے، یہ میری ہینڈ رائٹنگ میں ہے۔ یقین جانیں میں نے آج تک کسی کو کارڈ پر کچھ تحریر کر کے نہیں دیا۔ آپ کا چہرہ دکھائی دیا تو نجانے کب کی پڑھی نظم لاشعور سے نکل کر شعور میں وارد ہو گئی اور آپ یہ کارڈ اٹھا کر وہاں پھینک آئیں۔ یہ صرف آپ کے لیے ہے زینب!''

''آپ۔ آپ کو شرم نہیں آتی۔'' اس کے بدن میں لرزش پیدا ہو گئی ''میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔''

''سو واٹ؟'' اسے جیسے اس بات پر حیرانی ہوئی تھی کس کتاب میں لکھا ہے کہ شادی شدہ عورت سے عشق نہیں کیا جا سکتا؟''

''سکندر صاحب!'' وہ بظاہر مضبوط بن کر چیخی ''آپ حد سے زیادہ بڑھ رہے ہیں۔ میں کہتی ہوں آپ فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل

جائیں۔"

وہ ہولے سے مسکرا دیا۔

"خوب صورت لوگوں کو ایسے رویے سوٹ نہیں کرتے زینب شاہ! میرا یہاں آنا آپ کو برا لگ رہا ہے تو میں چلا جاتا ہوں ویسے مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بہت بے ضرر آدمی ہوں ہاں کچھ من موجی ہوں۔ آپ سے ملنے کو دل چاہا تو چلا آیا۔ آپ ناراض ہوتی ہیں تو چلا جاتا ہوں۔"

وہ مسکراتا ہوا جانے کے لیے پلٹا پھر رک گیا۔

"اور ہاں۔" وہ مڑ کر بولا تھا "یہ کارڈ اپنے پاس رکھیں۔ اس پر بڑے سچے جذبات تحریر ہیں ایسا اظہار تو کبھی احسن صاحب نے بھی آپ سے نہ کیا ہوگا۔ آئی ایم رائٹ؟"

زینب کے پاس اس کے سوال اور بھرپور مسکراہٹ کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے بھنا کر منہ پھیر لیا۔

"چلتا ہوں۔" وہ باہر نکل گیا تھا۔

اس کے نکلتے ہی اس نے لپک کر دروازہ لاک کیا تھا مبادا وہ پھر پلٹ آئے۔ پھر بھی اس کی تسلی نہ ہوئی تو اس نے سارے گھر کے دروازے، کھڑکیاں اور روشن دان بند کر لیے۔ اسے تو کبھی یہ خیال چھو کر بھی نہ گزرا تھا کہ کبھی کوئی غیر شخص اس طرح ٹھسے سے منہ اٹھا کر اندر آ سکتا ہے۔ وہ تو بے حد لاپروائی سے رہنے کی عادی تھی۔ احسن چلا جاتا تو اکثر اس کی واپسی تک دروازہ لاک ہی نہ کیا کرتی تھی۔ حالانکہ اس سلسلے میں اسے احسن اکثر و بیشتر تنبیہہ کرتا رہتا تھا۔

لیکن آج خوف سے اس کی بری حالت ہو رہی تھی۔ میر سکندر علی تو آ کر اسی طرح واپس بھی چلا گیا تھا لیکن اگر اس کی جگہ کوئی ڈاکو، چور اچکا یا کوئی ہیروئنچی ہی آ گھستا تو وہ کیا کر لیتی۔ بارہا سنا اور پڑھا تھا کہ ایسے لوگوں کے نزدیک دوسروں کی جان اور عزت کی اتنی ہی اہمیت ہوا کرتی ہے جتنی پیروں کے نیچے آ جانے والی چیونٹی کی۔

خوف کا اثر زائل کرنے کے لیے اس نے تین چار گلاس پانی پیا پھر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی اس وقت اسے شدت سے تنہائی کا احساس ہو رہا تھا لیکن دوسراہٹ میسر نہ تھی۔ بھلا کس کو بلا سکتی تھی وہ اور پھر دروازہ کھولنے اور گھر سے قدم باہر نکالنے کا تصور ہی خوفزدہ کر رہا تھا۔

وہ وہیں بیٹھی دل کی دھڑکنوں کو سنتی رہی۔ پھر رفتہ رفتہ اس کا خوف ختم ہوا تو وہ اٹھ کر کچن میں چلی آئی تھی یہ تو طے تھا کہ اسے احسن سے اس واقعے کا ذکر ہرگز نہ کرنا تھا۔ وہ تو محض کارڈ بھیجے جانے سے ہی اتنا ڈسٹرب ہو گیا تھا تو پھر یہ واقعہ تو اسے از حد ٹینس کر ڈالتا۔ یہ بات اگر اس کے علم میں آ جاتی تو پھر وہ کبھی اسے گھر پر تنہا چھوڑ کر کہیں نہ جاتا اور پھر کیا بعید تھا کہ وہ میر سکندر علی سے ہی الجھ جاتا۔ احسن سے اس واقعے کا ذکر کرنے میں سراسر نقصان ہی تھا اور وہ کوئی بھی نقصان مول لینے کے لیے تیار نہ تھی۔ پھر اس نے رملی کے متعلق سوچا تو اسے پھر مایوسی ہی ہوئی رملی سے پہلے بھی زبانی طور پر اتنی جھڑپ سے بھلا کیا حاصل ہوا تھا۔ بلکہ اسی جھڑپ کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ وہ یوں بے خوف و خطر اسے دیکھنے کو اس کے گھر چلا آیا تھا اور آج اگر جمیلہ ہوتی تو نجانے کیا ہوتا۔ وہ کس طرح احسن سے یہ بات چھپاتی اور کس منہ سے جمیلہ کو اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرنے کی تاکید کرتی۔

پریشان کن سوچوں میں گھر کر اس نے کچن کے کاموں کا آغاز کیا تھا۔ یہ کیسے حالات کا سامان ہوا تھا کہ وہ سمجھ ہی نہ پا رہی تھی کہ اسے کرنا کیا چاہیے۔

"عجیب و غریب خبطی شخص ہے۔" وہ بڑبڑا اٹھی تھی۔ "کس لیے پیچھے پڑا ہے اور کیوں؟ اگر آج کے بعد اس نے پھر کوئی پیش رفت کی تو میں کیا کروں گی؟ پھر شاید احسن کو بتانا ہی پڑے گا۔ احسن تو پہلے ہی ڈسٹرب ہو چکے ہیں۔"

اس کا دماغ کسی نقطے پر نہ ٹھہرتا تھا۔

کام سے فارغ ہو کر وہ کچن سے نکلی تو اس کی نگاہ سینٹر ٹیبل پر رکھے کارڈ پر پڑی۔ اس نے جھپٹ کر اسے اٹھا لیا اور بیڈ روم میں آ کر بیڈ کی میٹرلیس کے پیچھے گھسا دیا۔

''ایسا اظہار تو کبھی احسن صاحب نے بھی آپ سے نہ کیا ہوگا!''

اسے میر سکندر علی کے الفاظ اور اس کی مسکراہٹ یاد آ گئی۔ نجانے کیوں وہ سوچنے پر مجبور ہوئی۔ یہ سچ ہی تھا کہ کارڈ ملنے پر وہ نظم پڑھ کر وہ بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔ اسے احسن کا بھیجا ہوا کارڈ سمجھ کر اسے کس قدر حیرت ہوئی تھی۔ کہ احسن نے پہلی مرتبہ اس قدر اچھوتے اور خوب صورت انداز میں اظہار کیا تھا۔ کچھ کہنے کا انداز واقعی خوب صورت تھا۔

''عجیب شخص ہے۔'' اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے سوچا ''بے فکر، بے پروا سن موجی سا۔ کچھ ہے اس کی شخصیت میں جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔''

پھر اپنی ہی سوچ سے گھبرا کر وہ سر جھٹک کر کمرے سے باہر نکل آئی تھی۔



کچھ دنوں تک وہ بے حد ہراساں اور پریشان سی رہی تھی۔ احسن نے کتنی ہی مرتبہ اس سے اس کی حالت کے متعلق استفسار کیا لیکن وہ ہر مرتبہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر ٹال گئی۔

احسن آفس چلا جاتا وہ گھبرائی گھبرائی سی ادھر سے ادھر پھرا کرتی۔ دروازے اور کھڑکیاں چیک کرتی پھرتی۔ جمیلہ کی موجودگی سے بھی اسے تسلی نہ ہوتی تھی۔ ایک عجیب خوف سا دل کی جڑوں میں بیٹھ گیا تھا رملی بھی ایک آدھ مرتبہ ہو کر چلی گئی تھی لیکن زینب نے اس سے بھی کچھ نہ کہا۔ اسے جیسے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ یہ معاملہ رملی کے اختیار سے باہر تھا۔ اپنے طور پر اس نے یہ فیصلہ ضرور کر لیا تھا کہ آئندہ وہ کبھی رملی کے گھر نہ جائے گی۔

کچھ دن اور تسلی سے گزر گئے تو وہ آہستہ آہستہ نارمل ہونے لگی۔ اسے نیند بھی ٹھیک طرح سے آنے لگی اور دن بھی اطمینان سے گزرنے لگا۔

بڑے دنوں کے بعد احسن کے ساتھ باہر گھومنے کے خیال کے تحت اس نے کپڑوں کا انتخاب کرنے کے لیے الماری کھولی تھی۔

کچھ دیر تک وہ کھڑی سامنے رکھے تہہ شدہ کپڑوں کو دیکھتی رہی پھر مایوسی سے سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ احسن آفس سے ابھی ابھی لوٹا تھا اور کپڑے تبدیل کر کے ٹی وی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

''بات سنیں نا!'' وہ اس کے سامنے جا بیٹھی۔

''سنائیں جی!'' اس نے آواز کم کر کے اسے دیکھا۔

''مجھے لان کے کپڑے بنوانے ہیں۔ کم از کم چھ سات جوڑے۔ سچ بالکل بھی کپڑے نہیں ہیں۔''

احسن نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے یوں دیکھا جیسے اس کی صحیح الدماغی پر اسے شبہ ہو۔

''جا کر اپنی الماری کا بنظر غائر جائزہ لیں محترمہ۔ اوپر سے نیچے تک یوں بھری ہوئی ہے جیسے انار دانوں سے بھرا ہوتا ہے اور ابھی بھی کپڑوں کی کمی کا رونا ہے؟''

''اُف وہ وہ جہیز اور بری کے کپڑے؟ کیا ان سے میری جان ساری زندگی نہیں چھوٹے گی؟ اور کیا وہ ریشمی گوٹا کناری کے کپڑے میں اتنی سخت گرمی میں گھر میں پہن کر بیٹھ جاؤں؟ میں لان کے کپڑوں کی بات کر رہی ہوں احسن اور پھر اب تو وہ پرانے کپڑے مجھے آئیں گے بھی نہیں۔

میں کچھ ڈھیلے ڈھالے کپڑے سلوانا چاہتی ہوں۔ پچھلے سال کے سارے ہلکے، گرمی میں پہننے والے کپڑے ٹائٹ ہو گئے ہیں۔ برے لگتے ہیں۔"

"پھر ایسا کرو میرے کپڑے پہن کر کام چلا لو۔ میرے کپڑے تو تمہیں ابھی بھی ڈھیلے ہی ہوں گے۔" وہ بات کو مذاق میں ٹالتے ہوئے ٹی وی کی آواز پھر سے تیز کرنے لگا۔

"اوہ...... ہاں!" زینب نے مصنوعی حیرت ظاہر کی۔" یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہیں آیا! آپ کے کپڑے پہن کر تو پورا سال آرام سے گزر سکتا ہے۔"

احسن نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا تو وہ زور سے ہنس دی۔

"آپ کے کپڑے خود آپ کو تو پورے نہیں پڑتے مزید یہ کہ میں بھی پہننا شروع کر دوں؟ تین پتلونیں، پانچ شرٹیں، چار عدد شلوار سوٹ، تین جوڑی جرابیں دو رومال اور چار بنیان میں یہ ہے آپ کی کل کائنات! کیا خود پہنیں گے کیا مجھے پہنائیں گے۔!!

"بھئی کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے۔" اس نے سرد آہ بھری تھی" بازار جاؤ تو اپنی باری آتے آتے جیب یوں خالی ہو جاتی ہے جیسے کسی جھوٹے کا وعدہ! ہلکی اور بے وزن۔ جہاں بیگم صاحب کو ہر دوسرے ماہ کچھ نئے کپڑے بنوانے کا خیال ستاتا ہو وہاں صاحب بے چارہ تین پتلونوں میں گزارا نہ کرے تو اور کیا کرے؟"

"کیا؟ کیا کہا؟" وہ چیخی" مجھے ہر ماہ دو ماہ بعد نئے کپڑوں کا خیال ستاتا ہے؟ احسن! کچھ تو خوف خدا کریں۔ جھوٹ کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔"

"کیا غلط ہے؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا" اگست کا مہینہ شروع ہوتے ہی تمہیں سردیوں کا خیال آ جاتا ہے کاٹن کے سوٹ اور رنگ برنگے سوئٹروں کا خیال اور تذکرہ اٹھتے بیٹھتے شروع ہو جاتا ہے۔ فروری بمشکل گزرتا ہے کہ تم موسم بہار کی مناسبت سے کچھ خوب صورت رنگوں کے کے ہلکے پھلکے کپڑوں کی بات کرتی ہو۔ ابھی جناب اپریل آدھا ہی گزر رہا ہے کہ لان کے نئے پرنٹس کا ذکر ہونے لگتا ہے۔ پھر بیچ میں کہیں آنے جانے کے لیے پہنے جانے والے کپڑوں کی بات الگ توبہ ہے تم خواتین کا بس چلے تو کیلنڈر کی تاریخوں کے حساب سے کپڑوں کی خریداری کرو یہ بیس جنوری کا سوٹ، پہلی فروری کا سوٹ، یہ جوڑا ذرا ایویں سا ہے فرسٹ اپریل کو پہن لوں گی۔"

زینب کو نہ چاہتے ہوئے بھی ہنسی آ گئی۔

"احسن! احسن پلیز کچھ سنجیدہ ہو جائیں۔"

اس نے احسن کو دوبارہ ٹی وی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے دیکھ کر التجائیہ انداز میں کہا۔

"ہاں بابا اب کیا ہے؟" وہاں اس کا کوئی پسندیدہ پروگرام چل رہا تھا۔ وہ قدرے جھلا کر بولا۔

"میں نے آپ سے کچھ کہا تھا۔" وہ روہانسی ہوئی" میری بات کا جواب تو دیا نہیں۔ یونہی الٹے سیدھے مذاق کر کے مطمئن سے ہو کر لیٹ گئے ہیں۔"

"زینو یار!" وہ واقعی سنجیدہ ہو گیا" کہاں سے بنوا دوں ابھی کپڑے؟ ابھی آدھا مہینہ باقی ہے اور پیسوں کو لگتا ہے پر لگے ہوئے ہیں۔ فرخندہ آپا سے ادھار رقم لیے کتنے ماہ ہو چلے ہیں اور ہم نے ذرا سی رقم پس انداز نہیں کی۔ ابھی چند ماہ بعد جو خرچا ہونا ہے وہ الگ۔ اس کے لیے بھی کچھ سوچا ہے؟"

وہ اداس سی شکل بنا کر پیر کے ناخنوں سے اپنی چپل ادھیڑنے لگی۔

"کپڑوں کا کیا ہے یار؟" وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولا" انسان کا گزارا تو ایک جوڑے میں بھی ہو جاتا ہے۔ اس سال یونہی وقت نکال لو۔ اگلے سال لان کے بہت سے کپڑے بنوا لینا۔"

''اگلے سال؟'' وہ روہانسی ہوئی ''اگلے سال کے اپنے علیحدہ خرچے ہوں گے۔کون سا ہمارے پاس غیب سے خزانہ آجائے گا۔''

احسن نے گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

''اچھا! چلو یوں کرتے ہیں تنخواہ ملنے پر ایک جوڑا بنا لینا۔ پھر اس سے اگلی تنخواہ پر ایک جوڑا یہ اکٹھے چار پانچ سوٹ والی بات ہضم نہیں ہوگی۔''

وہ برا سا منہ بنا کر اٹھ آئی۔ کمرے میں آ کر پھر الماری کھول کر کھڑی ہو گئی۔

''رہنے دیں ایک سوٹ بھی۔'' وہ بڑبڑائی ''میں انہیں پرانے کپڑوں کو کھول لوں گی۔کام ہی چلانا ہے تو چل جائے گا کام! یہ فرخندہ آپا اتنی دور سے بھی میرے سر پر سوار ہی رہیں۔ابھی بھی میری خوشیوں کی راہ میں ان ہی کا نام رکاوٹ بن جاتا ہے۔''

وہ الماری کے پٹ سے سر ٹکا کر نجانے کیا کچھ سوچنے لگی تھی۔



وہ صبح اسے بے حد خوشگوار لگی تھی۔

احسن نے اسے سوتے سے جگا کر خوش خبری سنائی تھی۔

''سنو زینو! تمہاری دوست آمنہ کے ہاں بیٹا ہوا ہے۔اٹھو، مٹھائی کھا لو۔''

وہ جھٹ آنکھیں کھول کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آمنہ کے بیٹا ہوا ہے؟'' وہ بیٹھی ہوئی آواز میں چیخی ''آپ کو کیسے پتا؟''

''اس کے شوہر آئے تھے۔ انوار علی صاحب! مٹھائی دے کر گئے ہیں کہہ رہے تھے آمنہ تمہارا انتظار کر رہی ہے۔'' وہ مارے خوشی کے جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں تیار ہو جاتی ہوں احسن! آپ آفس جاتے ہوئے مجھے آمنہ کے گھر چھوڑ جائیں واپسی میں لے لیجیے گا۔''

''محترمہ! ذرا گھڑی کی جانب نگاہ اٹھائیں۔ ساڑھے نو بجے ہیں یہ کوئی آفس ٹائم ہے؟''

اس نے حیرانی سے گھڑی کی سمت دیکھا پھر اسے یاد آیا، وہ چھٹی کا دن تھا۔

''اچھا سا ناشتہ بنا کر دو کپڑے استری کرو۔اس کے بعد کوئی فرمائش کرنا۔'' وہ شاہانہ انداز میں بولتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔

زینب مسکراتے ہوئے کچن کی سمت بڑھ گئی۔ آمنہ کی خوشی اسے اپنی خوشی لگ رہی تھی۔ احسن کو ناشتہ بنا کر دینے کے بعد اس نے اپنے اور احسن کے کپڑے پریس کیے۔ پھر احسن سے پہلے ہی تیار ہو کر کھڑی ہو گئی۔

''چلیں نا احسن۔ اٹھ بھی جائیں۔'' وہ ٹی وی دیکھتے احسن کے سر پر جا کھڑی ہوئی ''میں تیار بھی ہو گئی ہوں اور آپ اب تک ٹانگ پر ٹانگ جمائے لیٹے ہیں۔''

''محترمہ!'' اس نے دلچسپی سے اس کا جائزہ لیا'' آپ تو تیار ہو گئی ہیں لیکن یہ غریب جو آج کا دن اکیلا اور تنہا گھر پر گزارے گا، کچھ اس کے بارے میں بھی سوچا ہے؟ یہ کیا کھائے گا؟ کیا پئے گا؟ تنہا کیسے جیے گا؟''

زینب کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ در آئی۔

''جمیلہ آجائے گی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں۔ سارا کام نپٹا دے گی آپ اپنے کھانے پینے کی فکر نہ کریں۔''

''اچھا!'' اس نے کسلمندی سے انگڑائی لی'' جمیلہ آجائے گی؟ چلو، پھر تو ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔''

''ہائیں!'' زینب نے اس کے لہجے کی معنی خیزی پر اسے گھور کر دیکھا ''دماغ تو ٹھکانے پر ہے آپ کا؟''

''کیوں؟'' وہ معصومیت سے بولا ''میں نے کیا کہا ہے؟ تم ہی تو کہہ رہی ہو، جمیلہ آجائے گی۔''

''سچ کہتے ہیں یہ مرد بڑے میسنے ہوتے ہیں۔'' وہ دانت پیس کر بولی ''اپنی بات کہہ دی اور معصوم بھی بن گئے۔ اب وہاں سارا دن میرا دل پریشان ہوتا رہے گا۔''

''شرم کرو یار!'' احسن کھلکھلا کر ہنس دیا تھا ''اتنا بے اعتبار کر ڈالا مجھے لمحوں میں وہ بھی جمیلہ کے لیے؟'' دونوں کو ہی ہنسی آ گئی تھی۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ آمنہ کے گھر پہنچی تو ساڑھے گیارہ کا وقت تھا۔ وہ پہلی مرتبہ آمنہ کے گھر آئی تھی۔ متجسس نظروں سے ادھر ادھر کا جائزہ لیتی ہوئی صحن تک جا پہنچی۔

وہ ایک چھوٹا سا کوارٹر تھا۔ صحن کے بعد ایک مختصر سا برآمدہ اور اس سے آگے بنے ہوئے دو کمرے۔ برآمدے کے ایک سائیڈ میں غالباً اسٹور روم تھا جس کے لکڑی کے دروازے پر تالا ڈالا ہوا تھا۔

پورا گھر نہایت صاف ستھرا ہو رہا تھا۔ فرش پر کہیں ایک فالتو تنکے کا بھی نام پتہ نہ تھا۔ دیواروں پر تازہ تازہ سفیدی کی گئی تھی۔ برآمدے کی دھوپ سے بچانے کی خاطر صحن اور برآمدے کے بیچ میں ایک پردہ لٹکایا گیا تھا جو فی الوقت ایک طرف کو کیا ہوا تھا۔

وہ دروازہ بجا کر گھر میں داخل ہوئی لیکن دستک کی جواب میں کوئی اب تک کمروں سے باہر نہ نکلا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتی ایک کمرے کے دروازے پر جا کھڑی ہوئی۔ ایک بوڑھی خاتون دروازے کی جانب پشت کیے لوہے کے ٹرنک میں جھکی نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔

''السلام علیکم۔'' اس نے گلا صاف کر کے سلام کیا تھا۔

''کون؟'' وہ مڑیں ''وعلیکم السلام۔ کون ہو بیٹی؟'' ان کی عمر لگ بھگ ستر برس کے قریب معلوم ہوتی تھی، لیکن آواز نہایت صاف اور پاٹ دار تھی۔

''میں..... آمنہ کی دوست ہوں۔ زینب!'' وہ خاتون کے رعب سے مرعوب ہو گئی۔

''اچھا اچھا آمنہ کی دوست ہو۔ چلو، میں آمنہ سے ملواتی ہوں۔''

وہ اسے لے کر دوسرے کمرے میں چلی آئیں۔

کمرے میں ہلکا سا اندھیرا تھا۔ خاتون نے لائٹ جلا دی۔

''آمنہ! تمہاری دوست آئی ہے۔''

زینب نے دیکھا۔ بیڈ پر آمنہ کے پہلو میں ایک ننھا منا سا وجود چادر میں لپٹا ہوا تھا۔ دونوں ماں بیٹے غالباً سو رہے تھے۔

آمنہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی رنگت بے پناہ زرد ہو رہی تھی لیکن وہ بہت خوش معلوم ہوتی تھی۔

''مبارک ہو آمنہ!'' زینب نے اس کا گال چوما ''بہت خوشی ہوئی مجھے یہ سن کر۔ دیکھو، دوڑی چلی آئی ہوں۔''

''شکریہ!'' وہ دھیرے سے بولی ''بیٹھو زینی! اوپر ہو کر آرام سے بیٹھ جاؤ۔''

وہ خاتون اب تک کھڑی ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''اماں یہ میری بہت اچھی سہیلی ہے، زینب اور زینب، یہ انور صاحب کی خالہ ہیں۔ انہوں نے ہی میری ساس کے انتقال کے بعد ان کی پرورش کی ہے۔'' زینب محض سر ہلا کر رہ گئی۔ وہ اسے نہایت اصول پسند اور سخت گیر۔ خاتون لگی تھیں۔

''میں نے چھوٹے کے لیے پچھونیاں اور چادریں نکال لی ہیں۔'' وہ آمنہ سے مخاطب تھیں ''کچھ کپڑے بھی ہیں، وہ بھی کام آئیں گے۔

کنزیٰ کی ماں نے نہایت سلیقے سے استعمال کر کے بالکل نئی حالت میں ساری چیزیں اگلے بچے کے لیے ٹرنک میں رکھ دی تھیں۔ تم دیکھو گی تو یقین نہیں کرو گی کہ یہ استعمال شدہ چیزیں ہیں۔ اب تمہیں بھی ساری چیزوں کو اتنی ہی حفاظت اور سلیقے سے برتنا ہے۔''

''جی اماں!'' آمنہ آہستگی سے بولی۔

''چھوٹا دودھ پینے کے لیے اٹھا تھا؟'' وہ یوں دریافت کر رہی تھیں جیسے بچے کی ماں آمنہ نہیں، وہ خود تھیں۔

''جی ہاں اٹھا تھا دودھ پی کر پھر سو گیا۔''

''ہوں ابھی دو دن کا ہے۔ بچے ایسے ہی چوبیس گھنٹے سوتے رہتے ہیں۔'' انہوں نے بیچ میں زینب کو بھی معلومات فراہم کیں۔ غالباً اس کی حالت کے پیش نظر۔

''اچھا۔ تم دونوں باتیں کرو۔ میں کھانا بناتی ہوں۔''

''دیر تو ہو گئی ہے لیکن کیا کروں۔ ابھی صفائی سے فارغ ہوئی ہوں۔ برتن تو منہ اندھیرے ہی دھو لیے تھے۔''

وہ خود ہی خود بڑبڑاتی باہر نکل گئیں۔

زینب نے آمنہ کی جانب دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

''انوار کی سگی خالہ بھی ہیں اور ساس بھی۔ زاہدہ ان ہی کی بیٹی تھی۔''

''اوہ کنزیٰ کی نانی؟''

''ہاں! بے چاری اکیلی رہتی تھیں۔ میں اپنے پاس لے آئی۔'' وہ بتا رہی تھی۔

''لیکن ان کا رویہ تو ایسا ہے جیسے یہ تمہاری ساس ہوں۔ کسی حکمران کا سا انداز ہے۔'' زینب کہے بنا رہ نہ سکی۔

''ہاں ان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے۔ لیکن دل کی بری نہیں ہیں۔ بس ہر بات مانتے رہو تو بہت خوش رہتی ہیں۔'' آمنہ بچے کو ڈھانپتے ہوئے مگن سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

''اور تم خود انہیں اپنے گھر میں لے آئیں؟''

زینب نے برا سا منہ بنایا۔ ''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے آمنہ؟ لڑکیاں تو ساس نندوں سے خالی گھر کے خواب دیکھتی ہیں۔ ایک مکمل اپنے اختیار کا گھر ہر لڑکی کی پہلی ترجیح ہوتی ہے اور تم نے خود ایک عدد ساس کو گھر میں گھسا لیا۔ وہ بھی ایسی سخت گیر خاتون جنہیں دیکھ کر خوف آئے؟''

''اکیلی تھیں بالکل۔ مجھے ترس آتا تھا اور پھر زینب! سال کے تین سو ساٹھ دن بندہ کسی کی خدمت کرے تو پانچ دن ایسے بھی آتے ہیں جب اسے بھی دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس وقت احساس ہوتا ہے کہ سودا گھاٹے کا نہ تھا۔ اب دیکھو نا، دو دن سے میں اس بستر سے اٹھی نہیں بس باتھ روم تک جاتی ہوں اور واپس بستر میں اماں نے ہی گھر سنبھالا ہوا ہے۔ برتن، جھاڑو، روٹی ہانڈی۔ ہر کام اپنے ہاتھ سے کر رہی ہیں۔ پھر چھوٹے کی دیکھ بھال الگ۔ رات کو روتا ہے تو اماں مجھ سے پہلے اٹھ جاتی ہیں۔ میری ساری ریاضتوں کا بدلہ انہوں نے ان دو دنوں میں دے دیا ہے۔ یہ نہ ہوتیں تو کون سنبھالتا گھر کو؟ میری امی تو اپنا گھر چھوڑ کر نہیں آسکتی تھیں۔''

''ہونہہ دو چار دن کو تو بندہ ماسی وغیرہ بھی رکھ لیتا ہے۔'' زینب نے نخوت سے ناک چڑھائی 'اس کے لیے پورا سال کسی کی خدمت کرنا ضروری نہیں۔''

آمنہ مسکرا دی۔

''چلو اپنی اپنی سوچ ہے۔ میں اماں کو اس خیال کے تحت نہیں لائی تھی کہ ان سے کبھی اپنی خدمت کرواؤں گی۔ بس دوسراہٹ کا خیال تھا۔ اماں بھی اکیلی تھیں اور میں بھی۔''

''کنزی کہاں ہے؟ اور انور بھائی؟'' اس نے جان کر موضوع بدلا۔

''مٹھائی دینے گئے ہیں کچھ عزیزوں کے ہاں۔'' وہ مختصرا بولی۔

''اور میرا بھانجا کیسا ہے۔ میں نے تو باتوں میں لگ کر اسے بھی غور سے نہیں دیکھا'' اس نے بڑے اشتیاق سے بچے کو اٹھایا۔

''کس پر گیا ہے آمنہ؟'' وہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''معلوم نہیں۔'' آمنہ ہنس دی۔ ''ابھی تو اس کے نقش بالکل واضح نہیں ہیں۔''

''بندر سا لگتا ہے۔'' زینب کا کسی نومولود کو دیکھنے کا نیا تجربہ تھا۔ اسے بچہ کچھ زیادہ اچھا نہ لگا۔ واپس آمنہ کے پہلو میں لٹا دیا۔

جب کہ آمنہ اس کے ریمارکس پر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''بندر کہہ لو یا کچھ اور ایسا ہی ایک بندر تمہارے پاس بھی آنے والا ہے۔''

اس کی بات سن کر زینب کے دل کو کچھ ہوا۔ اس نے بچے کو پھر سے اٹھا لیا۔

''یہ تمہیں بہت اچھا لگتا ہے آمنہ؟'' اسے بچے کو دیکھ کر یقین نہ آتا تھا۔

''ہوں! لاؤ اسے مجھے دے دو۔ گیلا ہو گیا۔ میں بدل دیتی ہوں۔'' آمنہ نے بچہ اس کی گود سے لے لیا اور اس کی چڈی بدلنے لگی۔

زینب کو اس عمل سے متلی سی محسوس ہوئی۔ اس نے تو کبھی ان سب باتوں کے بارے میں غور تک نہ کیا تھا۔

''ہائے آمنہ!'' اس نے برا سا منہ بنایا۔ ''یہ سب بھی کرنا پڑے گا؟''

''جی جناب!'' آمنہ ہنسی۔ ''اور اپنے یہ لمبے ناخن تراش لو ابھی سے، ماؤں کے ناخن لمبے نہیں ہونے چاہئیں۔ بچے کو لگ بھی سکتے ہیں۔''

زینب نے تاسف سے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ پھر خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔



کھانا پکانے سے فارغ ہو کر وہ گرمی گرمی پکارتی باتھ روم میں جا گھسی تھی۔ جمیلہ اپنے کاموں میں ہمیشہ کی طرح مصروف تھی۔ اس نے باتھ روم سے ہی آواز لگا کر اپنے کپڑے اور تولیہ منگوایا۔

پنک کلر کا سوٹ پہن کر وہ بالوں کو تولیے سے رگڑتی بے فکر سے انداز میں باہر نکلی تو جمیلہ نے اطلاع دی۔

''مہمان؟'' اس کا ہاتھ بالوں میں ہی رک گیا۔ ''کون ہیں؟''

''رملی بی بی۔'' وہ مختصرا بولی۔

''اف وہ رملی مہمان کب سے ہو گئی۔'' وہ بڑبڑاتے ہوئے یونہی ڈرائنگ روم کی جانب بڑھ گئی۔

اندر داخل ہوتے ہی اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ وہیں رک گئی۔

رملی کے ساتھ میر سکندر علی بھی ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ ہمیشہ کی طرح پینٹ شرٹ میں ملبوس وہ بڑے بے فکر سے انداز میں ہاتھ صوفے کی پشت پر پھیلائے بیٹھا تھا۔ ہونٹوں میں سگار کا کونا دبا ہوا تھا۔ زینب کو دیکھ کر وہ مسکرایا اور اخلاقا کھڑا ہو گیا۔

''ہاؤ آر یو زینب شاہ؟''

زینب نے پریشان نظروں سے رملی کو دیکھا تھا جو خود بھی کھڑی ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ بے حد پھیکا ہو رہا تھا۔ ہونٹوں پر برائے نام مسکراہٹ تک نہ تھی۔

''زینب! یہ سکندر تم سے معذرت کرنا چاہ رہے تھے۔'' وہ کچھ رکے رکے سے انداز میں بولی۔ ''میں نہیں جانتی تمہیں ہمارا یہاں آنا کیسا لگے گا لیکن بہرحال یہ ضد کر کے چلے آئے۔''

''ایکسکیوزمی میں آتی ہوں۔'' وہ اس کی بات کا جواب دیے بغیر ہی مڑ کر چلی آئی۔

کمرے میں آ کر اس نے تولیہ بیڈ پر پھیلایا اور اپنا ڈوپٹہ اٹھا کر اچھی طرح سے خود پر پھیلا لیا۔ بالوں کو سمیٹ کر پن اٹکائے۔ اس دوران وہ مسلسل سوچتی رہی تھی کہ اسے ان لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کرنا چاہیے۔ بہرحال وہ اس کے گھر مہمانوں کی طرح ہی آئے تھے۔ وہ انہیں نکال تو نہیں سکتی تھی۔ پھر وہ معذرت کرنے آیا تھا۔ نجانے کس بات کی؟ لیکن ان دونوں کا رویہ ایسا تھا کہ زینب ان سے چاہتے ہوئے بھی کھردرے انداز میں پیش نہ آ سکتی تھی۔

گھر آئے مہمان کے ساتھ بدتمیزی کرنا کسی طور مناسب نہ تھا۔

وہ پلٹ کر ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو وہ دونوں کوئی بات کر رہے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ وہ ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر زبردستی سجا کر رملی کے قریب جا بیٹھی۔

''یوں اچانک کیسے آنا ہوا؟''

''سکندر کہہ رہے تھے کہ چند روز پیشتر یہ تمہارے گھر چلے آئے تھے۔ بنا اجازت۔'' رملی نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''تم نے مجھ سے کہا بھی نہیں؟'' رملی کے لہجے میں عجیب سی شکایت تھی۔

زینب خفیف سی ہو کر رہ گئی۔ اسے یوں لگا جیسے رملی نے اس پر کوئی بہتان تراشا ہو۔

''تم سے کیا کہتی؟'' وہ ذرا سی تلخ ہوئی۔ ''پہلے تم سے کہنے کا کیا فائدہ ہوا۔ الٹا تم مجھ سے الجھ پڑی تھیں۔''

''ارے خواتین!'' وہ بیچ میں بول اٹھا تھا۔ جانے دیجئے ان باتوں کو۔ زینب! بات محض اتنی ہے کہ مجھے احساس ہوا ہے کہ میرا انداز بہت غلط تھا۔ میں ایڈمٹ کرتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی۔ مجھے آپ سے یوں بی ہیو نہیں کرنا چاہیے تھا۔ سو میں نے رملی سے کہا، میرے ساتھ چلو۔ میں معزز خاتون سے سوری کرنا چاہتا ہوں۔''

''آپ کو احساس ہو گیا۔ یہی کافی تھا۔'' وہ روکھے سے انداز میں بولی۔ ''معذرت کی کیا ضرورت تھی۔''

''نو۔۔۔نو۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ''ضرورت تھی۔ اخلاقیات بھی آخر کوئی چیز ہوتی ہے۔ کیوں رملی؟ ایم آئی رائیٹ''

''جمیلہ کہاں ہے زینب؟'' رملی اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے زینب سے پوچھنے لگی۔ ''میں چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔''

اس سے پیشتر کہ زینب کچھ بولتی وہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ زینب کو عجیب جھلاہٹ نے آ گھیرا۔

''پتا ہے زینب شاہ! آپ نے میرے بارے میں بہت غلط اندازے لگائے۔ رملی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ آپ مجھے کس قماش کا بندہ سمجھتی ہیں۔اوہ آئی واز ریئلی شاکڈ! میرے بارے میں اس قدر گڈ لکنگ خاتون ایسی رائے رکھے میں برداشت نہیں کر پاتا۔پہلی فرصت میں آپ کو سوری کہنے آیا ہوں۔ دراصل زینب! میرا ذوق بہت اچھا ہے۔ مجھے ہر خوب صورت شے اٹریکٹ کرتی ہے اور میں ہر خوب صورت چیز کو ایک خوبصورت مقام پر دیکھنا پسند کرتا ہوں۔کبھی میرے گھر آئیں نا۔دیکھیں میں نے کیا کیا نوادرات جمع کر رکھے ہیں۔''

زینب اسے الجھن سے دیکھنے لگی۔اسے ان باتوں کا مقصد قطعی سمجھ نہ آیا۔

''خیر جانے دیجئے۔آپ سے میں یہ کہہ رہا تھا کہ مجھے ہر خوب صورت شے اٹریکٹ کرتی ہے اور میں اسے ایڈ مائر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے بے پناہ حسن سے متاثر ہوا تو سوچا کسی خوبصورت سے انداز میں اپنی بات کہنی چاہیے۔ مجھے علم نہ تھا کہ آپ ایک کارڈ سے اس قدر پریشان ہو جائیں گی۔کیا آپ واقعی پریشان ہو گئی تھیں؟''

وہ ہلکے سے ہنسا تھا۔

''کیا کوئی خاتون اپنی تعریف سے پریشان بھی ہو سکتی ہے؟''

''آپ تو ایسے بات کرتے ہیں جیسے کسی اور ہی دنیا کی مخلوق ہوں۔ جیسا آپ یہاں کے ماحول، تمدن، ریت رواج سے واقف نہ ہوں۔'' وہ جل ہی گئی۔

''اوہ ریت رواج! آئی ڈیم کیئر۔'' وہ بے پروا سے انداز میں کاندھے اچکا کر بولا۔''بہر حال! حقیقت ہے کہ آپ سے زیادہ حسین چہرہ آج تک نہیں دیکھا۔چند دنوں کے لئے کنفیوز ہو گیا تھا میں بٹ ناؤ آئی شیو یو۔میری جانب سے آپ کو کسی بھی قسم کی کوئی شکایت نہ ہو گی۔''

وہ چند لمحوں کے لئے سگار کی جانب متوجہ ہوا۔

''میں نے رملی سے بھی وعدہ کیا ہے۔میری وجہ سے اتنی اچھی سہیلیاں آپس میں اپنے تعلقات کیوں خراب کریں۔ٹھیک ہے رملی؟''

اس نے پیچھے سے آتی رملی کو مخاطب کیا تھا۔

''ہوں!'' اس نے سرسری سے انداز میں کہا اور ٹرے سینٹر ٹیبل پر رکھ دی۔''میں نے سوچا، جمیلہ کی بنی ہوئی چائے شاید سکندر پسند نہ کریں۔میں خود چائے بنا کر لائی ہوں۔''

''تھینک یو رملی۔'' وہ کش لیتے ہوئے مسکرایا تھا۔''تمہاری یہی باتیں اچھی لگتی ہیں۔''

چائے نہایت خاموش ماحول میں پی گئی۔زینب نے نوٹ کیا رملی ضرورت سے زیادہ چپ چپ سی تھی۔سکندر سے اس کا رویہ کچھ کشیدہ سا تھا۔البتہ میر سکندر علی اپنے ازلی انداز میں تھا۔اس نے چند ہلکے پھلکے مذاق بھی کیے اور زینب سے بار بار معذرت بھی طلب کی۔پھر وہ گھڑی دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''او کے معزز خواتین آئی شڈ لیو ناؤ آپ اپنی باتیں کریں۔پھر ملیں گے بائے۔''

وہ باہر نکل گیا تھا۔رملی کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''زینب! مجھے بے حد افسوس ہے۔''

''جانے دو۔خیر گزری کہ تمہارے بھائی کا دماغ ٹھکانے پر آ گیا۔'' اس نے گہری سانس بھری تھی۔

''مجھے علم نہ تھا کہ سکندر تمہارے گھر بھی پہنچ گیا ہے۔میں نے تو انجانے میں ذکر کیا تھا کہ زینب بہت دنوں سے آئی نہیں۔تب مجھے بتایا کہ معاملہ کیا ہے۔تو اسی لئے تم نے میرے ہاں آنا جانا ترک کر دیا تھا؟''

''کیا کرتی رملی میں؟ کوئی اور راستہ بھی تو نہ تھا میرے پاس۔ سچ کہتی ہوں۔تمہارے بھائی نے مجھے ذہنی طور پر بے حد تنہا کر دیا تھا۔مجھ

میں نہ آتا تھا کس سے مدد طلب کروں۔ بس یہی ایک راستہ نظر آیا کہ تم سے ملنا جلنا، تمہارے گھر آنا جانا ترک کر دوں۔"

"میں نے سکندر کو بھی سمجھایا ہے۔" وہ دھیرے سے بولی۔ "دراصل اس کی زندگی کا زیادہ تر حصہ باہر گزرا ہے اسے اتنا اندازہ بھی نہیں ہے کہ یہ حرکتیں ایک میرڈ عورت کی زندگی میں کیسا زہر گھول سکتی ہیں۔ بہر حال اب وہ بھی سمجھ گیا ہے۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کبھی تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔ تم اس کی جانب سے بے فکر ہو جاؤ۔"

اس نے سکون کا سانس لیا۔

رملی کے جانے کے بعد بھی وہ بے حد مطمئن انداز میں ادھر ادھر پھرتی رہی۔ حقیقت بھی یہی تھی کہ سب کچھ جان کر اسے ایسا لگا تھا جیسے سینے پر سے ایک بھاری پتھر سرک گیا ہو۔ کتنے دن اس نے ایک پریشان کن سوچ سے نبرد آزما رہ کر گزارے تھے۔ اب اسے خود اپنی حالت کا سوچ کر ہنسی آنے لگی۔ بے وجہ ایک خبطی انسان کی چھوٹی سی شرارت سے وہ اتنا خوف زدہ ہو گئی تھی۔

"تم تو اچھی خاصی بے وقوف ہو زینب خاتون!"

اس نے احسن کے انداز میں کہہ کر اپنے سر پر ایک چپت لگائی اور ہنسنے لگی۔



شام کو بھی اس کا موڈ بے حد خوشگوار تھا۔

احسن ٹی وی لگائے بیٹھا تھا۔ جب کہ وہ قریب بیٹھی اپنی لن ترانیاں سنائے جا رہی تھی۔ یکا یک اس کے من میں شرارت ابھری۔

"احسن! احسن سنیں نا!" اس نے نوٹ کیا وہ اس کی جانب کم متوجہ تھا۔

"ہوں..... کہو؟" وہ بدستور پروگرام کی جانب متوجہ تھا۔

"یہ آدمی شادی کے بعد اس قدر جلد کیوں بدل جاتے ہیں؟"

"کیا مطلب۔"

"بیوی کی جگہ اتنی جلدی ٹی وی کو دے دیتے ہیں۔" وہ شرارتاً مسکرائی۔

احسن کے لبوں پر خوش گوار سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"ٹی وی پر پروگرام بدل بدل کر آتے ہیں، جانو بیوی تو نرا خبر نامہ!" وہ اسکی جانب دیکھے بنا بولا۔

"اچھا!" اس نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔ "تو پھر ایک خبر سناؤں؟ اچھل ہی نہ پڑیں آپ!"

"کیا زیادہ سے زیادہ کسی اور سہیلی کے کچھ ہوا ہوگا۔" وہ ہولے سے ہنس دیا۔

زینب جل کر رہ گئی۔ اس کی جانب کچھ توجہ ہی نہ تھی۔

"پتا ہے دوپہر کو وہ آیا تھا۔"

"کون؟"

"وہی اسمارٹ سا بندہ میر سکندر علی!"

احسن کا رد عمل اچانک اور بے حد خطرناک تھا۔ اس نے پلک جھپکتے میں ٹی وی آف کر دیا۔

"کیا؟ کیا کہا؟"

زینب کا دل اس کا رویہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا۔

چند لمحوں کے لئے وہ اس قدر ہراساں ہوئی کہ اس سے کچھ بولا بھی نہ جا سکا۔

احسن پیشانی پر ہزار سلوٹیں ڈالے اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔

''بولو زینب! کیا کہہ رہی تھیں تم؟ وہ شخص یہاں آیا تھا؟ یہاں، میرے گھر میں؟ بنا میری اجازت اور موجودگی کے اور..... اور تم نے اسے آنے بھی دیا۔ کیوں؟''

اس کا لہجہ بے حد خراب تھا۔ زینب کا جیسے خون ہی خشک ہونے لگا۔

''احسن! احسن! آپ کیا سمجھ رہے ہیں۔'' وہ بمشکل بولی۔ ''میری بات تو سنیں۔ وہ اکیلا نہیں تھا رملی کے ساتھ آیا تھا، معافی مانگنے۔''

''کس بات کی معافی؟'' وہ بدستور درشت تھا۔

''وہ..... وہ اس روز والے رویے کی۔ جب اس نے راستے میں ہم دونوں کو لفٹ کی آفر کی تھی۔'' زینب سے بات سنبھالنی مشکل ہو گئی۔

اگر وہ کارڈ کا ذکر کرتی تو احسن مزید چڑ سکتا تھا۔ اس نے اصل بات گول کر جانے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

''دراصل میں رملی سے خوب جھگڑ کر آئی تھی۔ میں نے اسے بتایا تھا کہ اس کا بھائی کس قدر بدتمیز اور بے ہودہ ہے۔ راہ چلتے لوگوں سے مذاق کر گزرتا ہے..... اسی لئے، اسی لئے وہ مجھ سے معذرت کرنے آیا تھا کہ اگر ہم دونوں کو اس کے رویے سے تکلیف پہنچی ہے تو اسے معاف کر دیں۔ اس نے تو محض پڑوسی ہونے کے ناتے ہمیں لفٹ کی پیشکش کی تھی۔'' اس نے جلدی جلدی بات گھڑی تھی۔

''اور وہ منحوس کارڈ؟ وہ اس کے چچا نے بھیجا تھا؟''

اس کے بات بنانے کے باوجود احسن کو اصل قصہ یاد تھا۔ ''وہ محض تعلقات مزید بڑھانے آیا تھا۔ زینب اور تم نے اسے اندر بٹھا کر اس کی رام کہانی بھی سنی۔ تمہاری عقل کہاں گھاس چرنے گئی ہوئی تھی۔ تمہیں لوگوں کو، ان کی نظروں کو پہچاننا نہیں آتا؟ کتنی ہوس ٹپکتی ہے اس آدمی کی نظروں سے اور..... اور..... تم نے اس کے سامنے بیٹھ کر.....''

شدت جذبات سے اس کی آواز بند ہونے لگی۔

''نہیں، نہیں۔ احسن! اس نے وہ کارڈ نہیں بھیجا۔'' زینب مزید جھوٹ بول کر اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ ''وہ تو..... وہ تو قسمیں کھا رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ میں اس کی ہینڈ رائٹنگ چیک کر سکتی ہوں۔ اب بے وجہ تو کسی کو مورد الزام ٹھہرانا جائز نہیں ہے نا۔ اس روز تو آپ خود کہہ رہے تھے کہ میں بنا تصدیق کے کیوں اس کا نام لے رہی ہوں اور آج خود اپنی ہی بات کی تردید کر رہے ہیں۔ وہ اتنا برا آدمی نہیں ہے۔ یقین کریں۔''

احسن نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

''خود کو درست قرار دینے کے لئے بے وجہ اس کی وکالت نہ کرو زینی!'' بالآخر وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔ ''میں بندے کو ایک نگاہ میں پہچان لیتا ہوں۔ بہرحال، اتنا نوٹ کر لو کہ آئندہ وہ شخص اس گھر میں داخل نہ ہونے پائے۔ خواہ اس کے ساتھ رملی ہو یا کوئی اور اور دوسری بات یہ کہ اس کی موجودگی کی صورت میں تم بھی رملی کے ہاں نہیں جاؤ گی۔ بلکہ بہتر تو یہی ہے کہ رملی کے گھر جانا ترک کر دو۔ بہرحال وہ اس کا بھائی ہے۔ کسی وقت بھی وہاں آ، جا سکتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہارا اس سے آمنا سامنا ہو۔ اس شخص کا یہاں آنا صرف اور صرف ایک بات کی نشان دہی کرتا ہے۔ جو بے ہودہ، اخلاقیات سے عاری سلسلہ اس نے شروع کیا ہے وہ اسے مزید جاری رکھنا چاہتا ہے۔ اور گاڈ..... ! اس وقت اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں اس کا خون پی جاؤں۔ سچ کہتے ہیں۔ ایسوں کو ڈھیل دینے کا نتیجہ یہی نکلتا ہے۔ انہیں تو پہلی سیڑھی پر ہی ایسی چار چوٹ کی پڑنی چاہیے کہ مزید قدم اٹھانے کا حوصلہ نہ رہے۔''

وہ بے تحاشا سنجیدہ ہو رہا تھا۔ زینب نے اسے پہلے کبھی اس موڈ میں نہ دیکھا تھا۔ اس کا رویہ بہت مختلف تھا۔ وہ تو اسے کوئی اور ہی احسن

لگ رہا تھا۔ بردبار، ٹھنڈے مزاج کے احسن سے بالکل مختلف۔

رملی کے گھر آنے جانے پر پابندی کا سن کر وہ پریشان سی ہوگئی اور یہاں اس کا تھا ہی کون جس کے پاس گھڑی دو گھڑی کو جا کر وہ اپنا دل بہلا سکتی اور پھر اس کا اپنا دل تو یہی کہتا تھا کہ میر سکندر علی جس انداز میں معذرت کر کے گیا تھا اس کے بعد اس کی جانب سے مزید کسی پیش قدمی کی توقع رکھنا درست نہیں تھا۔ وہ حقیقتاً معذرت کرنے ہی آیا تھا۔ چند لمحوں کے لئے اس نے ساری صورت حال پر غور کیا۔ اور جلدی سے مسکرا دی۔

''اوہ احسن! سچ آپ سے تو ذرا سا مذاق کرنا دو بھر ہوگیا۔ آپ اس قدر سنجیدہ ہو جائیں گے، میں نے تو سوچا تک نہ تھا۔ ورنہ کاہے کا یہ برا سا مذاق کرتی۔''

''کیا مطلب؟'' احسن نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔

''مطلب یہ کہ کون میر سکندر اور کہاں کا میر سکندر۔ یہاں کوئی نہیں آیا تھا۔ اس غریب کو تو اب میری صورت تک یاد نہ ہوگی۔ میں نے تو یونہی ذرا سا آپ کو چھیڑنے کے لئے.....''

''زینب!'' وہ جھڑکنے کے سے انداز میں بولا۔ ''اب تم بچی تو نہیں ہو جو ان باتوں کی نزاکت کو سمجھ نہ سکو۔ مذاق کرنے والی بات ہے؟ مذاق ایسے کیا جاتا ہے؟''

''جانے بھی دیں احسن اب۔ آپ نے تو پیچھا ہی لے لیا۔ میرے فرشتوں کی توبہ جو میں نے آئندہ آپ سے ایسا تو کیا کسی بھی قسم کا مذاق کیا ہو۔ ویسے مجھے پہلی مرتبہ علم ہوا ہے کہ آپ اس قدر شکی مزاج اور غصیلے ہیں۔''

اس نے دبے دبے سے انداز میں اپنی برہمی کا اظہار کر ڈالا۔

''نہیں زینی!'' اس نے گہرا سانس بھرا۔ ''میں شکی مزاج نہیں ہوں۔ میں خدانخواستہ تم پر شک نہیں کر رہا تھا۔ تمہیں یہ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ زمانہ بہت خراب ہے۔ یہاں تو بظاہر شریف اور سادہ نظر آنے والے لوگوں پر بھروسا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوتا۔ کجا یہ کہ ان پر بھروسا کیا جائے جن کی نگاہوں سے ان کی دلی، آلودہ خواہشات کا اظہار ہوتا ہو۔ بہر حال، تم نے مجھے یہ کہنے پر مجبور کر دیا ہے کہ تمہیں ابھی تک مذاق تک کرنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ آج ایک بات گرہ میں باندھ لو۔ شوہر خواہ کیسا ہی نرم مزاج اور بے ضرر کیوں نہ ہو اس سے اس طرح کی بات نہیں کرتے۔''

زینب کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ احسن اسے بے طرح شرمندہ کیے جا رہا تھا۔

''میں دیکھتی ہوں۔ جمیلہ نے اب تک چائے گرم نہیں کی۔'' اس نے وہاں سے اٹھنے میں ہی اپنی عافیت جانی۔

کچن میں آ کر وہ دیر تک بنا کسی مقصد کے کھڑی چیزوں کو گھورتی رہی۔ اسے آج نجانے کیوں یہ احساس ستا رہا تھا کہ احسن اب وہ نہیں رہا تھا جو کبھی ہوا کرتا تھا۔



صبح سے ہی وہ سخت قسم کی سستی کا شکار تھا۔ کوئی بھی کام نہ کرنے کا ارادہ کر کے وہ لیٹی رسالہ پڑھ رہی تھی، جب دروازے کی بیل بجی۔

زینب نے رسالے سے نگاہ ہٹا کر گھڑی کی جانب دیکھا۔ ساڑھے گیارہ کا ٹائم تھا۔ اتوار کا دن تھا۔ احسن گھر پر ہی موجود تھا۔ اس نے احسن کی موجودگی کے خیال سے اٹھ کر دروازے تک جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور لیٹی رسالہ پڑھتی رہی۔

چند ہی لمحوں بعد احسن کی معیت میں فرخندہ آپا اور صوفیہ اندر داخل ہوئیں تو لیٹی ہوئی زینب پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھی تھی۔

''السلام علیکم۔'' انہوں نے اسے پیار سے لپٹایا۔ ''کیسی ہو بیٹی؟''

صوفیہ نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ کچھ شرمائی شرمائی سی کھڑی تھی۔

''بیٹھیں نا آپ لوگ۔'' اسے احساس ہو رہا تھا کہ کمرے کی حالت کچھ ابتر سی تھی۔

''جمیلہ اب تک نہ آئی تھی۔ وہی آ کر گھر کی صفائی سے کام کا آغاز کیا کرتی تھی۔ زینب نے صبح سے اٹھ کر کچھ بھی نہ کیا تھا۔'' ہوں'' فرخندہ آپا نے حسب عادت ایک ناقدانہ نگاہ کمرے کی حالت زار پر ڈالی اور بستر کے کنارے ٹک گئیں۔ ''ابھی اٹھی ہو؟ ہم لوگ کچھ جلدی ہی چلے آئے۔ دراصل یہ صوفیہ کافی دنوں سے کہہ رہی تھی تم سے ملنے کا۔ آج میں نے سوچا چھٹی کا دن ہے۔ احسن بھی گھر پر ہوگا، چکر لگا لیا جائے۔''

''بہت اچھا کیا۔'' وہ اوپری دل سے بولی۔ ''میں بھی سارا دن اکیلی رہ رہ کر اکتا سی جاتی ہوں۔ آپ لوگوں کے آنے سے میرا دن بھی اچھا گزر جائے گا۔''

حالانکہ حقیقت تو یہ تھی کہ اسے ان لوگوں کی آمد قطعاً اچھی نہیں لگی تھی۔ ایک تو ویسے ہی اس کی طبیعت ست سی ہو رہی تھی اور جمیلہ کا ارادہ بھی چھٹی کرنے کا معلوم ہو رہا تھا، ورنہ اب تک تو وہ آ جایا کرتی تھی۔

''آپ لوگ بیٹھیں، میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔'' وہ کھڑی ہوئی۔

''پہلے بستر تو جھاڑ دو زینب!'' احسن جو اتنی دیر سے خاموش کھڑا ہوا تھا، آہستگی سے بولا۔

''جی۔'' وہ چونکی۔ ''اچھا۔''

جلدی جلدی چادر جھاڑ کر اس کی شکنیں دور کیں تکیے لگائے۔ پھر چند ایک میلے برتن جو سائیڈ ٹیبل پر رکھے تھے، اٹھا کر کچن کی جانب چلی آئی۔ وہ اس وقت شدید قسم کی کوفت کا شکار ہو رہی تھی۔

چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ سوچنے لگی کہ ان لوگوں کے لئے کیا کھانا بنائے۔ فریج میں گوشت، مرغی، قیمہ سب ہی کچھ موجود تھا۔ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے وہ مینو کے متعلق سوچنے لگی۔ سنک میں پڑے رات کے کھانے اور صبح کی چائے کے گندے برتن اور گھر کی صفائی کا خیال بھی سر پر سوار تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ ساری باتیں بھول کر جمیلہ کو کوسنے لگ گئی۔

چائے کیتلی میں چھانتے ہوئے وہ زیر لب بڑبڑا بھی رہی تھی، جب صوفیہ کچن کے دروازے میں نمودار ہوئی۔

''کیا کرنے لگی ہیں آپ؟ تھوڑی دیر تو ہمارے پاس بھی بیٹھتیں۔''

زینب جبراً مسکرائی۔

''تم چلو صوفیہ! میں چائے لاتی ہوں۔'' وہ نہیں چاہتی تھی کہ صوفیہ کچن کا حلیہ بغور دیکھے۔ وہ بھی اسکے گھر نہیں گئی تھی لیکن فرخندہ آپا کی زبانی اس کے ہنر اور سلیقے کے قصے سن سن کر اسے ازبر ہو چکے تھے۔

''آج شاید آپ کی ماسی نہیں آئی۔'' وہ اندر چلی آئی۔

''ہاں، پھر میری طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی۔'' وہ کیبنٹ سے کپ نکالتے ہوئے بولی۔

''اوہو، ہم نے آ کر آپ کو مصیبت میں مبتلا کر ڈالا'' وہ تاسف سے بولی۔

''ارے نہیں بھی، ایسا بھی نہیں۔'' زینب مسکرائی۔ ''اچھا چلو چائے پیتے ہیں۔''

''چلیں۔''

زینب ٹرے اٹھا کر کچن سے نکل آئی۔ احسن اور فرخندہ آپا خوشگوار موڈ میں کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

''ہاں بھئی زینب! کیا وعدہ کیا تھا تم لوگوں نے مجھ سے۔'' فرخندہ آپا نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ''کہتے تھے، ہر دوسرے دن آپا سے ملنے آیا کریں گے۔ یہاں چھ ماہ ہونے کو ہیں۔ پلٹ کر پوچھا نہیں کہ آپا جیتی ہے یا مرتی ہے۔''

''میں نے کہا۔ آپا! اب بات دوسری ہے۔ اب آپ قرض خواہ اور ہم قرض دار ہیں۔ اب تو ہم چھپتے پھریں گے آپ سے۔ کیوں

زینب؟" احسن ہنس رہا تھا۔

"چل ہٹ شریر کہیں کا۔" آپا نے ایک دھپ رسید کی۔ "بہن بھائی میں کچھ تیرا میرا نہیں ہوتا۔ سب سانجھا ہوتا ہے۔ تم لوگوں کی ضرورت تھی، میں تو دے کر بھول بھی گئی۔ اب جب خدا کا فضل ہو تو لوٹا دینا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ میں تو تمہاری محبت میں کھنچی آتی ہوں۔ کبھی تم لوگ دل میں بدگمانی لاؤ۔"

"نہیں آپا۔" احسن نے محبت سے ان کا ہاتھ تھام کر چوما۔ "میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا۔ میں، اور آپ کی نیت پر شک کروں گا؟ ناممکنات میں سے ہے۔ میں جانتا ہوں، میری آپا کا دل آئینہ ہے۔ جو دل میں ہوتا ہے، اسی کا عکس آنکھوں میں، وہی زبان پر۔ پھر بھی آپا! قرض تو قرض ہوتا ہے نا۔ بس بہت جلد آپ کی رقم لوٹا دوں گا۔ بہت کنجوس ہو گیا ہوں اسی فکر میں۔ زینو سے پوچھ لیں۔"

بہن بھائی کا یہ حد درجہ التفات زینب کو نجانے کیوں بے حد ناگوار گزر رہا تھا۔ جیسے دل پر کسی نے کھولتا گرم پانی ڈال دیا ہو۔ اسے ان دونوں کی گفتگو بناوٹی اور اوپری محسوس ہو رہی تھی۔

"ہو گیا ہوں، سے کیا مطلب؟" وہ رکھائی سے بولی۔ "بحی کس زمانے میں تھے آپ؟ میں نے تو اول دن سے آپ کو ایسا ہی پایا ہے۔"

احسن اور فرخندہ آپا یکدم خاموش سے ہو گئے۔ دونوں ہی نے اسکے لہجے کی تپش اور بات کی گہرائی اور سنجیدگی کو محسوس کر لیا تھا۔

"نہیں خیر۔" پھر فرخندہ آپا قدرے خوشگوار انداز میں بولیں۔ "میرا احسن کنجوس نہیں ہے اور تمہیں تو بہت چاہتا ہے۔ تمہارے لیے تو اس نے ہمیشہ دل اور ہاتھ دونوں کو ہی کھلا رکھا ہے۔ تمہیں تو مذاق میں بھی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے۔"

"میرا احسن۔" زینب کو مزید کوفت ہوئی تھی۔

وہ پلک جھپکتے میں زینب کو کونے میں کھڑا کر دینے کی ماہر تھیں۔ آج اسے نجانے کیوں بات بے بات غصہ آ رہا تھا۔ وہ خاموشی سے چائے نکال کر دونوں کو کپ پکڑانے لگی۔

تیسرا کپ بھر کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ صوفیہ کہاں رہ گئی؟" فرخندہ آپا نے بھی اسی احساس کے تحت پوچھا، جو یکلخت زینب کو ہوا تھا۔

"پتا نہیں۔" وہ کھڑی ہوئی۔ "دیکھتی ہوں۔"

وہ کمرے سے نکل کر کچن تک آئی۔ صوفیہ تب تک برتن دھو کر جگہوں پر رکھ چکی تھی۔ ڈسٹر سے سلیب کی صفائی کر رہی تھی۔

"یہ کیا کر رہی ہو صوفیہ۔؟" اسے واقعی حد درجہ حیرت ہوئی۔ "مجھے شرمندہ تو نہ کرو۔"

"ارے نہیں۔" وہ ہنس دی۔ "تھوڑا سا کام ہی ہے۔ کون سے پہاڑ توڑ ڈالے میں نے۔ پھر آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ ہم لوگ آ کر اور آپ کے سر پر سوار ہو گئے۔"

"تم پلیز آؤ اندر۔ چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ انسان کی طبیعت ٹھیک ہو یا نہ ہو۔ اپنے گھر کا کام کرنا ہی ہوتا ہے۔ تم نہ آتیں تب بھی یہ سارا کام مجھے ہی کرنا تھا۔"

صوفیہ کچن صاف کر چکی تھی۔ ڈسٹر ایک طرف رکھ کر سنک میں ہاتھ دھونے لگی۔ پھر اسکے ساتھ اندر چلی آئی۔ چائے کے برتن سمیٹ کر زینب نے احسن کی جانب دیکھا تھا۔

"بات سنیں۔ کیا پکاؤں؟"

احسن نے پونے ایک بجاتی گھڑی کو دیکھا اور عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

"آپا کے ہاں دوپہر کا کھانا بارہ بجے کھا لیا جاتا ہے۔ تم تو انہیں تین بجے تک ہی کھانا دے پاؤ گی۔"

''میں پوچھ رہی ہوں۔ پکاؤں کیا؟'' اس نے بظاہر ٹھنڈے اور سادہ لہجے میں پوچھا۔

''آلو قیمہ بنالو۔'' اس نے اپنی پسندیدہ ڈش فوراً بتادی۔ ''چاولوں میں گوشت ڈال لو یا مٹر۔ ساتھ لوکی کا رائتہ، تھوڑا کسٹرڈ بھی بنالو۔''

''ارے ارے احسن میاں! بچی کی حالت کا کچھ خیال کرو۔'' فرخندہ آپا فوراً بولی تھی۔ ''زینب بیٹا! تم سالن بنالو۔ روٹیاں صوفیہ ڈال لے گی۔ اتنی گرمی میں کوئی ضرورت نہیں کچن میں گھسے رہنے کی۔

بلڈ پریشر بھی لو ہو جاتا ہے۔ بس فٹافٹ کام نمٹا کر بیٹھو پنکھے کے نیچے۔

ان کی دل جوئی سے زینب کی طبیعت پر کوئی خوش گوار اثر نہ پڑ سکا۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن میں چلی آئی اور جو جو ڈشز احسن نے گنوائی تھیں، ان کی تیاری کرنے لگی۔ اسے احساس ہو رہا تھا کہ احسن جان بوجھ کر بار بار اسے ذلیل کر رہا تھا۔ فرخندہ آپا کو تو خیر وہ کسی خاطر میں لاتی ہی نہیں تھی لیکن صوفیہ کے سامنے اپنی سبکی کے احساس نے اس کے اندر جیسے آتش فشاں کا منہ کھول دیا تھا۔

''لائیں نا۔ پیاز میں کاٹ دیتی ہوں۔'' صوفیہ نجانے کب اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔

''صوفیہ پلیز! مجھے شرمندہ نہ کرو۔ میں اپنا کام خود کرلوں گی۔ برائے مہربانی اندر جا کر بیٹھو۔''

اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ صوفیہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

''اچھا۔'' پھر بھی وہ مسکرا کر شیریں لہجے میں بولی۔

''جیسے آپ کی خوشی۔ میں آپا کے پاس ہی بیٹھتی ہوں۔''

زینب کو لحہ بھر کے لیے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس تو ہوا پھر وہ سر جھٹک کر جلدی جلدی پیاز کاٹنے لگی۔ احسن نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس نے ٹھیک تین بجے کھانا میز پر چنا تھا لیکن چیزیں زیادہ تھیں، اسی لیے دیر بھی زیادہ لگی۔

دوپٹے سے چہرے کا پسینہ خشک کرتے ہوئے وہ کمرے میں داخل ہوئی تو چند لمحوں کے لیے ٹھٹک کر رہ گئی۔ احسن صوفیہ کو نجانے کیا بات بتا رہا تھا۔ وہ چہرے پر مسکراہٹ اور دھنک کے ہزار رنگ بکھرائے بغور اس کی بات سن رہی تھی۔ خود احسن کے لبوں پر بھی جاندار، گرم مسکراہٹ تھی۔

فرخندہ آپا آنکھوں پر دوپٹہ ڈالے بے خبر سو رہی تھیں۔ زینب چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہی۔ وہ دونوں گفتگو میں اس قدر منہمک تھے کہ انہیں اس کی آمد کی خبر بھی نہ ہوئی۔

وہ کھنکھاری تو دونوں ہی چونک اٹھے۔

''کھانا لگ گیا ہے۔ آجائیں۔'' وہ آہستگی سے بول کر پلٹ گئی۔

کھانے کی میز پر سب نے ہی اس کی بنائی ہوئی چیزوں کی تعریف کی۔ لیکن زینب کا دل بجھ کر پھر دوبارہ نہ کھل سکا تھا۔ وہ جبراً مسکراتی رہی۔

کھانے کے بعد وہ لوگ زیادہ دیر نہ ٹھہرے تھے۔ احسن نے بے پناہ اصرار کیا لیکن فرخندہ آپا مزید رکنے پر تیار نہ ہوئیں۔

''بس بیٹا! اب ہمیں ٹیکسی میں بٹھا آؤ۔'' وہ کہہ رہی تھیں۔ ''یوں بھی پانچ بجنے کو ہیں۔ دن ڈھلنے میں اور اب کتنی دیر باقی ہے پھر صوفیہ کی ماں سے بھی میں شام تک کا کہہ کر آئی تھی۔ وہ بھی راہ دیکھتی ہوگی۔''

زینب نے البتہ ایک بار بھی ان لوگوں کو مزید رکنے یا پھر آنے کے لیے نہ کہا۔ وہ تھک بھی بہت گئی تھی۔

کچھ دیر آرام کرنا چاہتی تھی۔

احسن ان لوگوں کو ٹیکسی اسٹینڈ تک چھوڑنے گیا تو وہ کپڑے نکال کر باتھ روم میں گھس گئی۔ نہا دھو کر وہ بال سنوار رہی تھی جب وہ لوٹا۔

''زینب۔'' وہ اس کے قریب چلا آیا۔ ''ہمارے کتنے جاننے والے ہیں جو ہمارے گھر ہم سے ملنے آتے ہیں؟''

''جی؟'' وہ اس کا مطلب نہ سمجھ سکی۔ حیرانی سے اس کی سمت دیکھنے لگی۔ ''میں سمجھی نہیں؟ کیا مطلب ہے آپا کا؟''

''مطلب یہ کہ گنتی کے چند افراد ہیں جو کبھی کبھار غلطی سے چلے آتے ہیں۔ اگر ان کا آنا بھی تمہیں پسند نہیں تب تو ہمیں کسی ویرانے میں چل کر رہنا چاہیے۔''

''میں نے ایسا کب کہا؟'' اس کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔

''تمہارا رویہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔'' اس کی آواز قدرے تیز ہو گئی۔ ''زینب! وہ لوگ ہم سے کچھ مانگنے! کچھ چھیننے نہیں آئے تھے۔ محبت میں، خلوص میں آ کر ملنے چلے آئے تھے اور تم! تم اس طرح بی ہیو کر رہی تھیں جیسے کسی نے تمہیں جبراً مہمان داری پر مجبور کر دیا ہو۔ کوئی کسی کے کھانے کا بھوکا نہیں ہوتا۔ زینب! جو کھلا کر تم نے ان پر احسان عظیم کیا۔ اخلاق، خلوص، رواداری کے بھی کچھ معنی ہوتے ہیں۔''

''کمال ہے۔'' اس نے برش بیڈ پر پھینک دیا۔ ''جھگڑنے کی کچھ بنیاد بھی ہو۔ ایک تو سارا دن برباد کر کے آپ کے مہمان کی خاطر داریاں کیں۔''

''کوئی احسان کیا کسی پر؟ کوئی احسان کیا؟ ہر کوئی گھر آئے مہمان کو عزت دیتا ہے۔ حسب توفیق خاطر داری کرتا ہے لیکن اس کی پیشانی پر شکنوں کا جال نہیں ہوتا۔ لہجے میں اتنی تلخی اور بیزاری نہیں ہوتی۔''

''میں تھک گئی تھی۔'' اس نے بے رخی سے منہ پھیر لیا۔

''تھکن میں اور بیزاری اور نخوت میں فرق ہے زینب بی بی۔'' وہ جلے ہوئے انداز میں بولا ''آج کی تاریخ نوٹ کر لو اور دیکھو آئندہ وہ دونوں کبھی تم سے ملنے نہیں آئیں گی۔ مجھے علم ہے اچھی طرح۔ میری آپا کتنی خوددار اور ناک والی ہیں۔ اب وہ کبھی تمہاری اس ''مہمان داری'' کا احساس اپنے سر پر نہ لیں گی۔''

''آپا بچاری کا نام کیوں مفت میں بدنام کرتے ہیں۔'' وہ بھی تیکھے لہجے میں بولی۔ ''اس کی بات کریں جو آپ کی فرقت سے بے چین و بے قرار ہو چکی آئی تھی۔ ویسے اس کی آپ فکر نہ کریں۔ اس میں خودداری اور ناک جیسی کوئی شے نہیں۔ وہ آئندہ بھی ثابت قدمی سے ان ہی بے قراریوں کا مظاہرہ کرتی رہے گی۔''

''زینب!'' وہ ششدر رہ گیا۔ ''کیا بکواس کر رہی ہو۔''

''یہ بکواس ہے؟ غلط ہے؟ جھوٹ ہے؟'' وہ چیخی۔

''کیوں آئی تھی، وہ جب مجھ سے اور آپ سے اس کی نہ کوئی رشتہ داری ہے، نہ تعلق؟ کیا جواز بنتا تھا اس کے آنے کا۔''

''آگے پڑھنا چاہتی ہے۔ یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے۔ اسی سلسلے میں مشورہ لینے آئی تھی وہ۔''

''ہاں۔'' وہ تمسخر سے ہنسی۔ ''ایک ہی تو مشیر اعلا ہے اس کا۔ نہ باپ، نہ بھائی منہ اٹھا کر مشورہ لینے یہاں پہنچ گئیں۔''

''زینب!'' احسن نے اسے تاسف سے دیکھا۔

''تم جانتی ہو۔ ٹیوٹر رہا ہوں میں اس کا۔''

''ٹیوٹر کیوں۔ لور (Lover) کہیے نا۔''

''زینب!'' وہ مٹھیاں بھینچ کر رہ گیا۔ ''تم پر اعتماد کر کے اپنے ماضی کی جھلک دکھانے کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تم میرے کردار کی دھجیاں یوں بکھیر رہی ہو۔''

''جب آپ میر سکندر علی کے نام کی آڑ لے کر مجھ پر گرج برس رہے تھے، تب میں نے تو ایسی شکایت نہیں کی آپ سے۔ اب اپنی باری آئی تو مجھ پر اپنے اعتماد کی بات کرتے ہیں۔''

''میں نے تم پر کسی قسم کا شک نہیں کیا تھا زینب!'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر ڈھیلا پڑا۔ ''تمہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن تم...... تم مجھ پر اور اس نیک فطرت لڑکی پر بے بنیاد شک کر کے ہمارے کردار مسخ کر رہی ہو۔ مجھے تم سے اس ذہنیت کی امید نہ تھی۔''

زینب کا دماغ اس کے الفاظ سے مزید گرم ہو گیا۔

''نیک فطرت لڑکی؟ میں اس پر شک کر رہی ہوں؟''

''احسن صاحب! میں کوئی ناسمجھ بچی نہیں ہوں جو آپ کے ان لفظوں کے ہیر پھیر میں آ ؤں گی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کے لو لیٹرز پڑھے ہیں۔ اسے گھنٹوں آپ کے انتظار میں چھت پر ٹہلتے دیکھا ہے۔ ہنہ! بے بنیاد شک۔ سکندر علی کی آنکھوں سے ٹپکتی حرص و ہوس تو آپ کو نظر آ گئی۔ صوفیہ بی بی کی نگاہوں کے پیغامات پڑھنے سے قاصر ہیں آپ؟''

''خدا را زینب! لگام دو اپنی زبان کو'' وہ عاجز سا ہو گیا۔ ''آج کیا ہوا ہے تمہیں۔ یہ کون سا روپ ہے۔ تمہارا؟ یہ رویہ، یہ لہجہ، یہ الفاظ۔ تم مجھے زینب نہیں، کوئی ان پڑھ، لڑاکا، جاہل عورت لگ رہی ہو۔ اوہ گاڈ!''

تاسف سے اپنی پیشانی ملتا کمرے سے نکل گیا۔ زینب شدید غصے کے عالم میں لبوں کو بھینچ کر رہ گئی۔

''ان پڑھ، لڑاکا، جاہل عورت۔'' احسن کے الفاظ اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اترے تھے۔

''کیا اسی لیے؟ کیا اسی لیے شادی کی تھی میں نے تم سے کہ تم ان لوگوں کے لیے مجھے ذلیل کرو جن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں بنتا۔ کیا اسی لیے جھوٹے وعدوں کے سراب دکھا کر اسے تپتے صحرا میں مجھے اپنے پیچھے پیچھے لیے چلے آئے تم۔ ستاروں سے بھرا آسمان تھی تمہارے لیے میں دسترس میں آ گئی ہوں تو دھرتی کی طرح روندنے لگے ہو پیروں تلے۔ دن بدن میری وقعت کم سے کم کرتے چلے جا رہے ہو۔''

آنسوؤں سے لبریز آنکھیں لیے وہ ہونٹ کچلتے ہوئے سوچ رہی تھی۔



دو تین دن ایسے ہی بے دلی کے عالم میں گزر گئے تھے۔ وہ سارا دن بستر پر پڑی نجانے کیا کچھ سوچتی رہتی تھی۔ زندگی کے متعلق اس کی رائے بدل گئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سنجیدگی سے غور کرنے لگتی کہ آیا اپنی زندگی کے متعلق اس نے جو فیصلہ کیا تھا، وہ درست بھی تھا یا نہیں؟ کہیں اس نے جلد بازی میں آ کر غلط فیصلہ تو نہیں کر لیا تھا۔

احسن بھی زیادہ تر چپ چپ رہنے لگا تھا۔ اس مرتبہ کا جھگڑا بھی عجیب ہی تھا۔

وہ آپس میں بات چیت تو کر رہے تھے لیکن دلی طور پر ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے سے تھے۔

اس روز وہ صوفے پر ڈھیلے ڈھالے سے انداز میں بیٹھی ٹی وی پروگرام دیکھ رہی تھی، جب بیل بجی۔ احسن کمرے سے نکل کر باہر گیا پھر تھوڑی ہی دیر میں لوٹ آیا۔

''زینب! دو کپ چائے بنا دو۔ تمہاری دوست آمنہ کے شوہر آئے ہیں۔ انوار علی۔''

جمیلہ اپنا کام ختم کر کے جا چکی تھی، سو وہ خود ہی اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ انوار علی کی اچانک آمد کے متعلق سوچتے ہوئے اس نے چائے تیار کی تھی۔ جس وقت وہ بسکٹ کی پلیٹ اور چائے کے کپ ٹرے میں رکھ رہی تھی، احسن کچن میں چلا آیا۔

''تیار ہے چائے؟'' وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

''جی لیکن یہ آئے کیوں ہیں؟'' اس نے ٹرے اسے تھمائی۔

''بیٹے کا عقیقہ کر رہے ہیں پرسوں۔ اسی کی دعوت دینے آئے ہیں۔''

وہ ٹرے لے کر باہر نکل گیا۔ زینب سوچ میں پڑ گئی۔

مہینے کا آخر تھا۔ اسے علم تھا، احسن کی جیب تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ اب آمنہ کے بیٹے کو کچھ دینے دلانے کا مسئلہ کھڑا ہوتا تھا، کپڑوں کا مسئلہ تھا۔

احسن، انوار علی کو رخصت کر کے اندر آیا تو وہ اپنی سوچوں کا شکار تھی۔

"کیا بات ہے؟" احسن نے اسے پریشان صورت بنائے گم صم سا دیکھا تو پوچھے بنا نہ رہ سکا۔ "کچھ کھو گیا ہے کیا؟"

"جی؟" اس نے غائب دماغی سے اس کی جانب دیکھا۔

"ایسی صورت تو تم اس وقت بناتی ہو جب اپنی کوئی انگوٹھی وغیرہ ادھر ادھر رکھ کر بھول جاتی ہو۔"

اس کا موڈ کچھ خوشگوار ہو گیا تھا۔ وہ یقیناً پچھلے چند دنوں سے ان دونوں کے درمیان در آنے والی تلخی کو زائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

زینب نے غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا پھر سر جھکا لیا۔

"میں سوچ رہی تھی۔ اب آمنہ کے بیٹے کو دینا کیا ہے؟ پھر کپڑوں کا وہی ازلی مسئلہ۔ سوچتی ہوں۔ نہ جاؤں تو بہتر ہے۔"

"ارے کمال ہے۔ اتنے خلوص سے اس نے بلاوا بھیجا ہے، پھر واحد سہیلی ہے تمہاری۔ کیا سوچے گی وہ؟ جانا چاہیے تمہیں۔" وہ یقیناً پورے طور سے خفگی ختم کر بیٹھا تھا۔

"پھر دوں گی کیا؟" وہ سوچنے لگی۔ "یا ایسا کرتی ہوں۔ اس روز جو آپ اتنے سارے کھلونے اٹھا لائے تھے، ان میں سے کوئی چیز دے دیتی ہوں۔"

"پاگل ہوئی ہو؟" وہ خفا ہوا۔ "وہ میں اس لیے نہیں لایا کہ تم یوں بانٹتی پھرو۔ ان میں سے کوئی چیز تم کسی کو نہیں دوگی۔"

"آپ کا بوجھ ہلکا ہوگا۔ میرا کیا ہے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"رہنے دو تم اس طرح میرا بوجھ ہلکا کرنے کو۔ پیسے لے لینا مجھ سے۔ کپڑے بھی اگر نئے بنوانے ہیں تو چل کر لے آؤ۔"

زینب نے اسے حیرانی سے دیکھا۔ آج شاید اس نے حاتم طائی کی روح کو شرمندہ کرنے کی ٹھانی تھی یا شاید اپنی شرمندگی مٹانا چاہتا تھا۔ بہرحال، کچھ بھی تھا۔

اس کے لیے موقع غنیمت تھا۔

"کپڑے تو لینے ہی پڑیں گے۔ ورنہ کیا پہن کر جاؤں گی۔" وہ فوراً بولی۔ "لیکن مہینے کا آخر ہے۔ کپڑے کہاں سے دلوائیں گے۔"

"وہ میرا مسئلہ ہے۔ فرخندہ آپا کے لیے جمع کی گئی رقم سے نکال لیتا ہوں۔ تنخواہ ملنے پر واپس ڈال دوں گا۔ چلو پھر اٹھو، تیار ہو جاؤ۔"

"چلیں۔" وہ فوراً ہی رضامند ہو گئی۔

اور پھر حسب عادت اس نے اچھی خاصی شاپنگ کر ڈالی تھی۔ آمنہ کے ہاں جانے کے لیے ایک خوبصورت سے سوٹ کے علاوہ لان کے دو تین سوٹ بھی خرید لیے تھے۔ ایک اچھی سی چپل بھی خرید لی۔

احسن سر تسلیم خم کیے اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ واپسی پر وہ سارے کپڑے درزی کو دیتی ہوئی آئی تھی۔

"کل یاد سے میرے کپڑے لیتے آیئے گا۔" اس نے احسن سے کہا۔ "پرسوں جانا بھی ہے۔"

"یعنی کل درزی کی جیب بھی گرم کرنی ہوگی؟" اس نے مسکین صورت بنائی۔

"ظاہر ہے۔ اب وہ بے چارہ مفت سلائی تو کرتا نہیں ہے۔ پیسے دے کر ہی کپڑے ملیں گے۔" وہ اطمینان سے بولی تھی۔

"سچ کہتے ہیں لوگ۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بولا۔ "شاید بندے کے اعمالوں کی دنیاوی سزا ہے۔"

''پچھتا رہے ہیں؟'' وہ اپنے ناخنوں کو بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھنے لگی۔

''ہاں'' اس نے سر جھٹکا۔ ''یہ وہ لڈو ہیں جو کھانے والا بھی پچھتاتا ہے اور نہ کھانے والا بھی۔ تم سے شادی نہ کرتا تو شاید عمر بھر پچھتاتا۔''

وہ بہت اچھے موڈ میں تھا لیکن زینب نجانے کیوں پھر کچھ سوچنے لگی تھی۔



آمنہ کے گھر جانے کے لیے وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ گرے اور پنک کمبی نیشن کے ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں اس کے جسم کا بے ڈول پن قدرے چھپ گیا تھا۔ بڑا سا گرے دوپٹہ اپنے وجود پر پھیلا کر اس نے تنقیدی نگاہوں سے اپنا تفصیلی جائزہ لیا۔

پنک میک اپ نے اس کا چہرہ نکھار دیا تھا۔ وہ بہت فریش اور جاذب نظر لگ رہی تھی۔ زرقون کے ننھے ننھے آویزے کانوں میں روشنی پڑنے سے دمک اٹھتے تھے۔ بالوں کی سیاہ، لمبی چوٹی اس کے وجود کو اور رونق بخش رہی تھی۔ اس نے پرفیوم اٹھا کر خود پر اسپرے کیا اور مطمئن ہو کر کمرے سے نکل آئی۔

احسن تیار بیٹھا اخبار میں گم تھا۔

''چلیں جناب!'' اس نے ہلکے سے کھنکھار کر کہا۔

اس نے نگاہ اٹھا کر دیکھا اور مسکرا دیا۔

''ویری گڈ۔ ٹائم پر تیار بھی ہوگئی ہو اور ایک دم پرفیکٹ بھی لگ رہی ہو۔''

''بہت دنوں کے بعد کہیں جانے کا موقع ملا ہے۔ میں تو گھر میں پڑے پڑے بور ہوگئی تھی۔ اسی لیے اتنا دل لگا کر تیار ہوئی ہوں۔ اچھی لگ رہی ہوں نا؟''

''ویری نائس۔'' وہ ستائشی لہجے میں بولا تھا۔

''جب ہی تو کہتا ہوں۔ تم سے شادی نہ کرتا تو زیادہ پچھتاتا۔'' دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے گھر سے نکل آئے۔ احسن دروازہ لاک کرنے لگا۔

''مجھ سے شادی نہ ہوتی تو پھر کس سے شادی کرتے آپ؟'' وہ اسکے پیچھے بائیک پر سوار ہوتے ہوئے پوچھنے لگی۔ احسن دھیرے سے ہنس دیا۔

''تمہارے ذہن میں کس کا نام آتا ہے؟''

''کسی کا بھی نہیں۔'' صفائی سے مکر گئی۔ ''میں تو یونہی پوچھ رہی تھی۔''

''سچ سچ بتاؤں۔'' وہ شریر ہوا۔ ''یا چکر دے دوں؟''

''سچ بتائیں۔ بالکل سچ۔'' وہ دھمکانے والے انداز میں بولی تھی۔

''تو پھر سنو۔ جینو جی۔'' وہ زور سے ہنسا تھا۔ ''تم مجھ سے شادی کی ہامی نہ بھرتیں تو میں عمر بھر شادی نہ کرتا۔ پکا فیصلہ کیا تھا میں نے۔ کہ یا تو تم یا کوئی نہیں۔ کچھ ایسی ہی بات تھی تم میں۔''

''تھی؟ کیا مطلب؟'' وہ اس کے الفاظ سے ساتویں آسمان پر جا پہنچی تھی۔ ''اب نہیں ہے؟''

''اب تو پکی خرانٹ ہوگئی ہو۔'' وہ شرارت سے ہنس دیا۔

زینب نے ایک دھموکا اسے جڑ دیا تھا۔ گفتگو کا سارا چارم ختم ہو کر رہ گیا تھا۔

آمنہ کے گھر زیادہ لوگ مدعو نہ تھے مگر چھوٹا سا آنگن پر رونق دکھائی دے رہا تھا۔ اجلے صاف فرش پر دیواروں کے ساتھ ترتیب سے رکھے گملوں میں موتیا مہک رہا تھا۔ تھوڑی سی کرسیاں لگائی گئی تھیں جن میں سے بیشتر ہنوز خالی پڑی تھیں۔ زیادہ تر خواتین اور بچے کھڑے تھے یا ادھر ادھر چل پھر رہے تھے۔

زینب کو دیکھ کر برآمدے کے قریب کھڑی آمنہ اس کی جانب چلی آئی۔

''السلام علیکم۔'' وہ شگفتگی سے مسکرائی تھی۔

''وعلیکم السلام۔ مبارک ہو'' وہ اس سے معانقہ کرتے ہوئے بولی۔ ''کہاں ہیں صاحبزادے؟''

''اندر، اماں کے پاس۔ چلو تم اماں سے بھی مل لو۔ کئی بار تمہارا ذکر کر چکی ہیں۔''

وہ آمنہ کی ہمراہی میں اندر کی جانب چلی۔ ہر جانب سے اٹھنے والی نظروں کا اسے خوب ادراک ہو رہا تھا۔ عورتیں اس کے بارے میں ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں استفسار کر رہی تھیں۔

کمرے میں آمنہ کی خالہ ساس کے علاوہ اس کی امی بھی تھیں۔ زینب کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھی۔ آمنہ کے بیٹے کو پیسے دیے پھر اٹھ کر باہر آ گئی۔ چھوٹے سے کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اتنی گرمی میں محض سیلنگ فین کی ہوا کے سہارے اندر بیٹھے رہنا آسان نہ تھا۔ پھر لوگ بھی کافی سارے تھے۔ باہر قدرے کشادگی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ اکیلی ایک کونے کی کرسی پر بیٹھی رہی۔

تھوڑی دیر میں آمنہ مختلف کاموں سے فراغت پا کر اس کے قریب آ بیٹھی۔

''بہت پیاری لگ رہی ہو زینب'' اس نے اپنی ازلی سادگی سے اس کی تعریف کی۔ ''تقریب کی ساری خواتین تمہارا پوچھ رہی ہیں۔ ایسا لگ رہا ہے ان کے بیچ کوئی پری آ کر بیٹھ گئی ہو۔ اتنی حیرت ہے سب کی نظروں میں تمہارے لیے۔''

زینب افتخار سے مسکرا دی۔

''احسن بھائی آئے ہیں ناں؟''

''ہاں ہاں۔ ان ہی کے ہمراہ تو آئی ہوں۔ باہر انوار بھائی کے ساتھ بیٹھے ہیں۔''

''گھر چھوٹا ہے نا۔ مردوں کا انتظام باہر کرنا پڑا۔'' آمنہ نے وضاحت کی۔ ''حالانکہ ہم نے بہت کم لوگ بلائے ہیں۔ چند رشتہ دار اور کچھ محلے دار۔ چند ایک انوار کے آفس کے لوگ ہیں اور بس۔ پھر بھی جگہ کم پڑ گئی ہے۔''

''تمہارا گھر تو بہت ہی چھوٹا ہے آمنہ۔'' نجانے کیوں اس کے لبوں سے نکل گیا، پھر وہ خود ہی شرمندہ بھی ہوئی لیکن آمنہ نے اس کی بات کو قطعاً محسوس نہ کیا تھا۔

''رہنے کے لیے بہت اچھا ہے زینب! تقریبات کون سا روز روز ہوتی ہیں۔ ویسے ہم لوگوں کے لیے ہر لحاظ سے اچھا اور مکمل ہے یہ گھر۔ پھر اپنا ہے، کرایے وغیرہ کا چکر تو نہیں ہے نا۔''

زینب کو مزید سبکی محسوس ہوئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی۔ کہ سادہ لوح آمنہ کو نہ طنز کرنے کی عادت تھی، نہ کسی بات کا برا مان کر جوابی حملوں کی ضرورت اسے کبھی محسوس ہوئی تھی۔ وہ تو بس اپنی دنیا میں گم رہنے والی لڑکی تھی۔

''آمنہ!'' زینب نے بغور اس کا جائزہ لے کر دھیرے سے کہا تھا۔ ''تمہیں ابھی کپڑے بدلنے ہیں کیا؟''

''نہیں تو۔ میں تو دوپہر میں ہی نہائی تھی۔'' وہ قدرے تعجب سے بولی۔ ''کیوں پوچھ رہی ہو؟''

''تم نے اپنے بیٹے کے عقیقے کے لیے یہ کپڑے بنوائے ہیں؟'' زینب کہے بنا رہ نہ سکی۔ ''اتنے سادہ؟''

آمنہ مسکرا کر اپنے کپڑوں کو دیکھنے لگی۔ لان کا پلین اسکائی بلیو سوٹ جس کے دوپٹے کے کناروں پر سفید کوشیا کی بیل بنی ہوئی تھی۔ کانوں

میں وہی سونے کی موٹی موٹی بالیاں جو وہ ہمیشہ پہنے رہتی تھی اور گلے میں چھوٹا سا لفظ ''اللہ'' کا لاکٹ۔ بس یہی اس کی ساری تیاری تھی۔

''انوار تو کہہ رہے تھے کپڑوں کا لیکن میں نے کہا۔ پہلے ہی اتنا خرچ ہو رہا ہے، مزید انہیں کیا پریشان کرنا پھر ایک سنت ہی تو پوری کرنی ہے۔ اور پھر زینب! میں اکیلی تو نہیں ہوں نا۔ انوار، کنزی، اماں سب ہی لوگ ہیں۔ میں نئے کپڑے بنوالیتی اور باقی لوگ وہی پرانے کپڑے پہنتے تو اچھا نہیں لگتا۔ بس یہی سوچ کر میں نے منع کر دیا۔ ویسے تو کپڑے بھی نئے ہیں۔ احمد کی پیدائش پر امی نے دیے تھے۔''

''نئے سے کیا ہوتا ہے۔'' وہ ناک بھوں چڑھا کر بولی۔ ''ذرا ڈھنگ کے تو ہوں۔ اپنے گھر کی تقریب، وہ بھی پہلی اور تم لان کے کپڑے پہن کر بیٹھ گئیں۔''

''اچھی نہیں لگ رہی کیا؟'' وہ شرارت سے مسکرائی۔ ''انوار تو بہت تعریف کر رہے تھے۔''

''انہوں نے تو تعریف کرنی ہے۔'' زینب بھی ہنس دی۔ ''خرچا جو نہیں کرایا تم نے ان کا اور ویسے تم ہو بھی اتنی اچھی کہ جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔''

کھانا لگا تو وہ بھی دوسری خواتین کے ہمراہی میں کونے میں لگی واحد ٹیبل کی جانب بڑھ گئی۔

''آمنہ...... آمنہ......!'' اسے انوار علی کی آواز آئی تھی۔ ''کہاں ہیں آپ؟ اپنی دوست کا خیال رکھیں۔ وہ کہاں رش میں لے پائیں گی۔ انہیں الگ سے نکال کر دیں۔''

آمنہ اس کی طرف آئی اور اسے کمرے میں لے گئی۔ کمرہ اب خالی تھا۔ بس آمنہ کی خالہ ساس بیٹھی ہوئی تھیں۔

''تم یہاں بیٹھو زینب! میں اپنا اور تمہارا کھانا یہیں لے آتی ہوں۔''

زینب اس کے بچے کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہ صحت مند ہو رہا تھا اور اب اچھا بھی لگتا تھا۔ زینب نے اسے اٹھا لیا پھر دوسرے ہی لمحے اس کے لبوں سے چیخ نکل گئی۔ بچہ گیلا ہو رہا تھا۔ اس نے زینب کے ہاتھ اور کپڑے گندے کر دیے تھے۔

آمنہ کی خالہ ساس نے بچہ اس سے لے لیا۔ وہ مسکرا رہی تھیں۔

''جا کر ہاتھ دھولو۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے۔ میں خود کتنی کتنی بار کپڑے بدلتی ہوں۔''

زینب چاہنے کے باوجود مسکرانے کی ہمت نہ کر سکی۔ اس کی ساری خوشی چند لمحوں میں کافور ہو گئی تھی۔ ایسے گندے پن کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ وہ صابن سے رگڑ رگڑ کر ہاتھ دھو کر آئی۔ کپڑوں کو صاف کیا لیکن کھانا کھانے کو پھر اس کا جی نہ چاہا۔ وہ چند لقموں سے زیادہ نہ لے سکی۔

آمنہ بچے کی نیپی بدلوا کر سکون سے بیٹھی کھانا کھا رہی تھی۔

''تمہیں گھن نہیں آتی آمنہ؟'' وہ منہ بنا کر پوچھنے لگی۔ ''ابھی پیشاب صاف کیا، ابھی پوٹی اور پھر کھانا کھانے بیٹھ گئیں؟''

آمنہ کو ہنسی آ گئی۔

''ایسا ہی کرنا پڑتا ہے اور بچے تو ایسا کام خاص طور پر اس وقت کرتے ہیں جب ماں دسترخوان پر بیٹھے نجانے ان کی کون سی حس کام کرتی ہے۔''

''ماں کے قدموں تلے یونہی تو جنت نہیں ہے بی بی۔'' اماں بولے بنا نہ رہ سکی تھیں۔ ''جنت کو تو خدا نے ناپسندیدہ چیزوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ دل مار کر کیسے کیسے کام کرنے پڑتے ہیں۔''

وہ منہ بنا کر بیٹھی رہی۔ کچھ دنوں کے بعد اسے بھی یہ سب کرنا ہوگا۔ سوچ سوچ کر دل بیٹھا جاتا تھا۔

رات کو وہ احسن سے بھی یہ ذکر کر بیٹھی۔ وہ سن کر زور سے ہنس دیا تھا پھر وہ دیر تک ہنستا رہا۔

آپ ہنس رہے ہیں؟'' وہ بھنا اٹھی۔ ''اس میں بھلا ہنسنے کی کیا بات ہے؟ میں سچ کہتی ہوں۔ مجھ سے گندے سندے کام نہ ہو سکیں گے۔ میں تو جمیلہ سے بات کروں گی۔ وہ تھوڑے پیسے زیادہ لے لے لیکن بچے کو نہلانا دھلانا اور اس کے گندے کپڑے دھونے کی ذمہ داری قبول کر لے۔ ورنہ کوئی اور عورت دیکھنی ہو گی۔''

اس کا لہجہ قطعی تھا۔ احسن سنجیدہ ہو کر تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

''کمال ہے یار!'' پھر وہ بولا۔ ''ہمیں بھی تو ہماری ماؤں نے پال کر اتنا بڑا کیا ہے۔ انہوں نے بھی تو ہمارے یہ سارے گندے کام کیے ہوں گے۔ ساری دنیا کی مائیں کرتی ہیں۔ بے شک تم بہت زیادہ حسین ہو لیکن ماں تو ماں ہوتی ہے۔''

زینب اس کے لہجے میں چھپا طنز محسوس کر گئی پھر بھی آرام سے بولی۔

''بہت سی مائیں نہیں بھی کرتیں۔ آخر گھروں میں اتنی نوکرانیاں کیوں رکھی جاتی ہیں؟ اور بھی اپنی طبیعت اور دل پر تو انسان کا زور نہیں ہوتا نا۔ میری طبیعت نہیں ہے ایسی۔ سچ احسن! آمنہ کے بیٹے نے مجھ پر پیشاب کر دیا تو مجھے الٹی آنے لگی۔ کتنی مشکلوں سے دل پر قابو پایا میں نے۔''

''اپنے بچے کی بات الگ ہوتی ہے زینب!'' وہ دھیرے سے بولا۔ ''اس کی محبت تمہیں سب کچھ بھلا دے گی۔ تم خود ہی اس کے سارے کام شوق سے اور بنسی خوشی کرو گی۔''

''دیکھا جائے گا۔'' وہ اکتا کر بولی۔

''اور کون سا تم اتنی نمازن اور پرہیز گار ہو جو تمہیں ہر وقت کپڑوں کی فکر رہے۔'' پھر وہ بولا۔ ''جمعے کی نماز بھی مشکل سے ہی پڑھتی ہو۔ عورتوں کو تو سنا ہے عبادت کا بہت شوق ہوتا ہے۔''

''عبادت کا شوق تو کسی کو بھی ہو سکتا ہے۔'' وہ چڑ گئی۔ ''عورت مرد کی تخصیص اور نماز تو آپ بھی اتنی پابندی سے نہیں پڑھتے۔''

وہ دل جلانے والے انداز میں مسکرا دیا۔ نجانے کیوں وہ ہر وقت اسے جلانے پر تلا رہتا تھا۔

''کبھی کبھی مجھے لگتا ہے آپ وہ احسن نہیں جس سے میری شادی ہوئی تھی۔'' وہ بے اختیار شکوہ کر بیٹھی۔ ''ہر وقت چڑانے پر تلے رہتے ہیں۔''

''کبھی کبھی مجھے تمہاری باتوں اور خیالات سے عجیب سا خوف محسوس ہوتا ہے۔ تب میں ایسی گفتگو کرتا ہوں۔ یہ سوچ کر کہ شاید کہ تیرے دل میں اتر جائے میری بات!'' وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ ''ایسے سطحی خیالات کے ساتھ انسان کی زندگی گزرنی بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ زندگی میں کامیابی چاہتی ہو تو متوازن سوچ اپناؤ۔ خود میں گہرائی پیدا کرو، سوچا سمجھا کرو۔ کیا اچھا ہے، کیا برا ہے، کیا کہنا چاہیے، کیا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ سب باتیں اہمیت رکھتی ہیں۔ خصوصاً عورت کے لیے۔''

''ہونہہ پھر وہی عورت، مرد۔'' وہ تڑخ اٹھی۔ ''اور یہی سب کامیاب زندگی کے گر ہیں تو ہمکنار کیجیے نا اپنی زندگی کو کامیابی سے۔ کیوں اب تک اتنے پیچھے کھڑے ہیں؟''

احسن چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

''کس چیز کی کمی ہے میری زندگی میں؟'' پھر دفعتاً وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔ ''کیوں میں ہر لحظہ تمہیں ایک ناکام آدمی نظر آتا ہوں؟ کیا نہیں دیا ہے میں نے تمہیں زینب؟''

وہ سانس بھر کر، منہ پھیر کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے زینب؟'' وہ خاموش رہنے پر آمادہ نظر نہ آتا تھا۔

''مجھے آپ ہر وقت یہ احساس دلاتے رہتے ہیں کہ میں ایک کامیاب عورت نہیں ہوں۔ میں بھی تو خاموشی سے سن لیتی ہوں آپ کی

بات، پھر کبھی میں کچھ کہہ جاؤں تو آپ برا مان جاتے ہیں۔'' اس نے احسن کا خطرناک موڈ دیکھ کر مصالحانہ انداز اختیار کیا۔

''تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میری باتیں عموماً مذاق میں ہوتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے جملے تمہیں چھیڑنے کو بولتا ہی رہتا ہوں میں۔ لیکن تم زینب! تم کوئی ایسی تیکھی، سلگتی بات کہتی ہو جو مجھے دنوں آبلہ پا رکھتی ہے۔ بے چین ہو جاتا ہوں۔ زینب! طعنہ اگر سچا ہو تو آدمی شرمندہ ہو جاتا ہے۔ اپنی خامی پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے لیکن طنزاً اگر محض برائے طنز ہو تو آدمی کے دل میں آگ سی بھڑک اٹھتی ہے۔ تم کیوں مجھ جان کر دکھ دیتی ہو؟''

زینب چند لمحوں کے لیے خاموش بیٹھی سامنے دیوار کو گھورتی رہی پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ نجانے کیوں وہ دونوں باتوں ہی باتوں میں ایک دوسرے سے الجھ پڑتے تھے۔ پھر بات ایسا رخ اختیار کرتی تھی کہ بدگمانی کے سائے دونوں دلوں پر منڈلاتے رہتے۔

نظریات میں اس قدر فرق تھا کہ کبھی کبھی محبت بھی مات کھائی محسوس ہوتی تھی۔



دل اس قدر مایوس اور پریشان ہو رہا تھا کہ وہ اگلی صبح اپنی دوست رملی کے گھر کبھی نہ جانے کا ارادہ توڑ کر اس کے گھر جا پہنچی۔ رملی بھی اکیلی لیٹی ٹی وی چینل بدل رہی تھی۔ اسے دیکھ کر کھل اٹھی۔

''ہائے زینب! کیسی ہو جان؟ شکر ہے تمہاری قسم بھی ٹوٹی۔ میں تو مایوس ہی ہو لی تھی تمہاری طرف سے۔ کسی اور کے کیے کی سزا تم مجھے دے رہی تھیں۔''

وہ اسے دیکھ کر بولتی ہی چلی گئی۔ زینب کو اس کے چہکنے سے اس کی خوشی کا اندازہ ہوا۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب جا کر بیٹھ گئی۔

''کیا کر رہی تھیں؟''

''دیکھ لو۔ یہ فضول فضول چینل دیکھ کر اپنا جی بہلا رہی ہوں اور کرنے کو کچھ نہیں ہے تب ہی تو تمہیں اچانک پا کر اتنی مسرت ہوئی ہے مجھے۔ اٹ از سو کائینڈ آف یو زینی!''

''اتنی اکیلی رہتی ہو۔ تنہائی کو اس قدر محسوس کرتی ہو پھر اپنے شوہر کے پاس کیوں نہیں چلی جاتیں؟ آخر وہ بے چارہ بھی تو وہاں اکیلا پن محسوس کرتا ہو گا۔ یہ خود ساختہ جدائی کیوں؟'' جو بات وہ رملی کو دیکھ کر ہمیشہ سوچا کرتی تھی، وہ بالآخر اس کے لبوں پر چلی آئی۔

رملی کے ہونٹوں پر ایک اداس مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''مرد اکیلا ہو تو کبھی اس کے لیے لفظ ''بے چارہ'' استعمال نہیں کرتے زینی! اکیلا مرد کبھی ''بے چارہ'' نہیں ہوتا۔ وہ تو آزاد فضاؤں کا پنچھی ہوتا ہے۔ اسے آزادیاں عزیز ہو جاتی ہیں، بندھن برے لگنے لگتے ہیں۔ بے چاری تو عورت اکیلی عورت ہوتی ہے۔ واقعی بے چاری۔'' وہ طنز سے ہنس دی۔

زینب کو ایک لحظہ کے لیے اس کی آنکھوں میں تیرتی نمی دکھائی دی جو اگلے ہی لمحے غائب بھی ہو گئی۔

''کیا وہ تم سے محبت نہیں کرتا؟'' اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''بہت کرتا ہے۔'' وہ ہنسی۔ ''ہر دفعہ فون پر تو وہ یہی کہتا ہے۔ واللہ اعلم!''

''تم کوئی بچہ ایڈاپٹ کیوں نہیں کر لیتیں؟''

''اس سے کیا ہو گا؟'' اس نے تمسخر سے زینب کو دیکھا۔ ''ایک گھنٹی گلے میں اور باندھ لیں۔ بس اسی کی کسر ہے۔ خیر چھوڑو یار! یہ آج تمہاری سوئی کہاں اٹک گئی ہے؟ مجھے تو اس طرح زندگی گزارتے سات سال ہونے کو آئے ہیں اور...... اور میں خوش بھی ہوں۔ اپنی ایک آزاد، مطمئن زندگی ہے۔ کوئی روک نہ ٹوک، فاقہ نہ فکر۔ موج مستیوں میں باقی عمر بھی یونہی گزر جائے گی۔ کبھی کبھی فرسٹریشن کا شکار ہوتی بھی ہوں تو جلد اس کنڈیشن سے نکل آتی ہوں۔ کوئی نہ کوئی سہارا مل ہی جاتا ہے۔ جیسے ابھی تم چلی آئیں اور میرا موڈ یکدم بحال ہو گیا۔ تم اپنی کہو، کیا کہتا ہے

راوی؟''

زینب بھی اداسی سے مسکرائی تھی۔

''میں بھی تنہائی اور اداسی سے گھبرا گئی تھی۔تب ہی چلی آئی۔''

''تم؟'' اسے حیرت ہوئی۔''کیوں، تمہیں کیوں تنہائی اور اداسی کے آسیب ستانے لگے؟ یہ تو ہم جیسوں کے درد سر ہیں۔ویسے زین! تمہاری سوشل لائف تو نہ ہونے کے برابر ہے۔ہر وقت گھر میں بند، پڑوسیوں تک سے دور ہوگی تو کبھی نہ کبھی تو دل گھبرائے گا۔انسان کو تھوڑا بہت سوشل، تھوڑا سا فرینڈلی ہونا چاہیے۔اندر سے مرجھاتے مرجھاتے بھی کچھ دیر لگتی ہے۔تم نے تو خود ساختہ قید اختیار کی ہوئی ہے۔''

''میں بھلا کہاں جایا کروں؟'' وہ اداس ہوگئی۔''نہ ماں، نہ باپ۔میکے کے نام پر کوئی گھر نہیں۔دوستیاں میں نے کبھی زیادہ کی ہی نہیں پھر احسن بھی میری طرح ہی ہیں۔ان کا بھی کوئی رشتہ دار ایسا نہیں جہاں انسان رشتہ داری نبھانے ہی چلا جائے۔بس کبھی کبھی احسن کے ساتھ گھومنے چلی جاتی ہوں۔''

''میرے ساتھ کل پارٹی میں چلو۔'' رملی نے پرخلوص آفر کی۔''پھر دیکھنا کتنی دوستیاں ہو جاتی ہیں۔وہاں سب تمہیں خوش آمدید کہیں گے۔''

''کیسی پارٹی؟'' وہ تعجب سے بولی تھی۔

''بس یونہی گیٹ ٹوگیدر ہوتی ہے۔اپنے اپنے گھروں اور ان کی مصروفیات سے چند لمحے چرا کر کچھ خواتین اکٹھی ہو جاتی ہیں۔کھاتے پیتے ہیں، باتیں کرتے ہیں، ایک دوسرے کی برائیاں، شکوے، شکایتیں۔اچھا وقت گزرتا ہے، پھر اگلی پارٹی کی جگہ اور وقت کا تعین کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو الوداع کہتے ہیں۔چلوگی؟''

''کل کہاں ہے پارٹی؟'' وہ سوچ میں پڑ گئی۔

وقت گزارنے اور دل بہلانے کا اچھا طریقہ تھا۔

بوریت سے کسی طور تو چھٹکارا ملتا۔

''کل مسز شیخ کی طرف جانا ہے۔میری گاڑی میں چلنا۔شام سات بجے جائیں گے۔''

''اور واپسی؟''

''جب فراغت ہوئی لوٹ آئیں گے۔'' وہ ہنس دی۔''کنوینس پرابلم تو ہوگی نہیں۔پھر گھروں کو ہی لوٹنا ہے۔گھر کون سا کہیں بھاگ جاتے ہیں۔ویسے دس گیارہ بج ہی جائیں گے۔''

''اچھا، میں احسن سے پوچھوں گی۔'' اس نے نیم رضامند ہو کر کہا تھا۔

''دیکھو، اب آ جانا۔میرا بھی موڈ بن گیا ہے تمہیں لے جانے کا۔اور ہاں! کچھ بنا کر بھی لانا ہے۔وہاں کوئی خالی ہاتھ نہیں آتا۔یہ پارٹی کا اصول ہے۔'' وہ ہنسی تھی۔

''مثلاً کیا؟'' زینب سوچ میں پڑ گئی۔

''کچھ بھی۔کباب شباب، تکہ شکہ، کچھ بھی چلے گا۔'' وہ بے پروائی سے ہاتھ ہلا کر بولی۔''میں نے تو چکن سینڈوچز بنانے کا سوچا ہے۔''

''ایرانی، افغانی، کوئی سے بھی بنا لینا۔'' رملی ہنس دی تھی۔''وہاں سب کے ہاتھوں میں ایک سا ذائقہ ہے۔''

''اچھا، اب میں چلوں۔'' وہ گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔



شام کو اس نے احسن سے بات کی تو خلاف توقع اس نے فوراً ہی منع کر دیا۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے۔آرام سے گھر بیٹھو۔''

زینب حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگی۔اسے احسن سے اس ردعمل کی توقع نہ تھی۔وہ تو سمجھتی تھی، احسن بالکل اعتراض نہیں کرے گا۔

''لیکن کیوں احسن؟'' پھر وہ تھوڑی دیر کے بعد بولی۔''اس میں بھلا حرج ہی کیا ہے؟''

''حرج کیوں نہیں ہے؟ اپنی حالت دیکھی ہے تم نے؟ یہ پارٹیاں اٹینڈ کرنے والی حالت ہے؟ اور پھر میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں۔ مجھے نہ تو یہ رملی بی بی پسند ہیں نہ تمہارا ان سے زیادہ گھلنا ملنا۔اس کا ایک نتیجہ تو تم بھگت چکی ہو۔مزید کیا چاہتی ہو؟ نہیں زینب! تم وہاں نہیں جاؤ گی نجانے وہاں کون کون ہو۔کیسے لوگ ہوں۔''

''وہاں صرف خواتین ہوں گی۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''عورتوں کی پارٹی ہے اور پھر میری حالت کو کیا ہوا ہے؟ معذور ہو گئی ہوں؟ چل پھر نہیں سکتی یا اب میرا ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا ممنوع قرار پا گیا ہے؟''

''کیوں بحث کر رہی ہو یار؟'' وہ عاجزی سے بولا۔''مجھے ایک کپ چائے بنا کر لا دو۔میرے سر میں سخت درد ہے۔میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔''

وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔اسے احسن پر شدید غصہ آ رہا تھا۔یہ شخص آہستہ آہستہ اسے زندگی کی ہر خوشی سے محروم کرتا چلا جا رہا تھا۔ ہر بات پر پابندی ہر بات پر روک ٹوک۔

''ٹھیک ہی تو کہتی ہے رملی۔'' اس نے چائے کپ میں چھانتے ہوئے سوچا۔''ایک آئیڈیل لائف گزار رہی ہے۔گھر، شوہر، بچے۔ ایک جھنجھٹ ہی ہے وبال جان۔اپنی مرضی سے سکون کا ایک سانس تک نہیں لے سکتی ہے عورت۔''

وہ چائے بنا کر واپس آئی تو وہ بے خبر سو رہا تھا۔

''احسن۔'' اس نے آہستہ سے سائیڈ ٹیبل بجائی۔''احسن، چائے۔''

''ہوں، رکھ دو۔'' وہ آہستگی سے بولا۔

''تھک گئے ہیں؟'' وہ چاہتی تھی کہ اس کے سونے سے قبل وہ ایک مرتبہ اور استفسار کر لے۔

''ہوں۔'' وہ واقعی نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔

''احسن! پھر بتائیں نا، میں کل چلی جاؤں؟'' اس نے اپنی انا کو بالائے طاق رکھتے ہوئے لجاجت سے پوچھا۔

احسن نے دوسری جانب کروٹ لے لی تھی۔وہ کھول کر ہی رہ گئی۔



دوسرے دن وہ سو رہی تھی جب احسن نے اسے جگا کر دروازہ اندر سے لاک کرنے کا کہا اور آفس چلا گیا۔وہ دس بجے کے قریب اٹھی تھی۔جمیلہ اب تک نہ آئی تھی۔بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔وہ دروازہ بند کر کے اندر آ گئی۔کچن میں آ کر چائے کا پانی رکھا اور کچھ سوچنے لگی۔

چائے کپ میں ڈال کر وہ ابھی لاؤنج میں آئی ہی تھی کہ بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔وہ جمیلہ کا سوچتی ہوئی وہاں تک گئی تھی لیکن دروازہ کھولنے پر اسے رملی کی ملازمہ نظر آئی۔

''سلام بی بی! رملی بی بی نے پوچھا ہے شام کو چلیں گی؟''

زینب سوچ میں پڑ گئی۔ احسن اسے جانے سے منع کر چکا تھا لیکن اس نے دل میں پکا ارادہ کیا تھا کہ وہ رملی کے ساتھ ضرور جائے گی۔ احسن سے اس سلسلے میں وہ ایک مرتبہ مزید استفسار کرنا چاہتی تھی لیکن وہ رات کو جلد سو گیا تھا اور پھر صبح اس کے اٹھنے سے قبل آفس روانہ ہو گیا تھا۔ وہ اس سے بات ہی نہ کر پائی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے ملازمہ کو دیکھا۔ ''ہاں اماں! ان سے کہنا، میں چلوں گی ساتھ۔''

اسے رخصت کر کے وہ اندر چلی آئی اور آرام سے صوفے میں دھنس کر چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔ کپڑوں کی سلیکشن کا تو کوئی مسئلہ تھا ہی نہیں۔ ابھی چند روز قبل اس نے آمنہ کے بیٹے کی رسم عقیقہ کے لیے جو کپڑے بنوائے تھے وہ اس موقع کے لیے بہترین تھے اور پھر وہ اس پر جچے بھی خوب تھے۔

چائے پی کر اس نے فریج سے قیمہ نکالا اور کبابوں کا مسالہ ڈال کر پکنے کے لیے رکھ دیا۔ اتنی دیر میں جمیلہ بھی آ چکی تھی۔ اس نے جمیلہ کو کباب بنانے کے متعلق ہدایات دیں اور کمرے میں چلی آئی۔

بہت دنوں کے بعد اس نے کہیں جانے کے لیے شادی سے پہلے کا سا اہتمام کیا تھا۔ چہرے کی کلینزنگ کی، ہاتھ پیروں کی صفائی کر کے نیل پالش لگائی پھر کپڑے نکال کر پریس کرنے لگی۔

احسن کے آنے کے ٹائم تک وہ مکمل تیار تھی۔ ہر طرح کے ہتھیار سے لیس۔ اسے یقین تھا، احسن اسے تیار دیکھ کر جانے سے منع نہ کرتا۔ شامی کباب بھی دو طرح کی چٹنیوں کے ساتھ میز پر تیار رکھے تھے۔ اس میں بھی جمیلہ کی محنت کا زیادہ دخل تھا۔

احسن عموماً ساڑھے پانچ بجے تک گھر پہنچ جاتا تھا، جبکہ اسے سات بجے جانا تھا۔ چھ بج گئے، تب بھی وہ مطمئن مطمئن سی پھرتی رہی کہ اس نے گھر ہی آنا تھا۔ آفس سے وہ اور کہیں نہیں جاتا تھا لیکن جب ٹھیک ساڑھے چھ بجے باہر رملی کی گاڑی کا ہارن بجا تو وہ بے طرح پریشان ہو گئی احسن تو اب تک نہ آیا تھا۔

وہ باہر نکل کر گاڑی تک پہنچی۔ رملی نیوی بلیو شیفون کا سوٹ پہنے، بے پروائی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اسٹیئرنگ پر انگلیاں چلا رہی تھی۔

''رملی!'' وہ ذرا سا جھکی۔ ''ابھی تو ساڑھے چھ بجے ہیں۔ تم نے تو سات بجے کا کہا تھا۔''

''اوہ، سو سویٹ۔'' رملی نے اسے دیکھ کر سیٹی بجانے والے انداز میں ہونٹ سکیڑے۔ ''بہت ہی اچھی لگ رہی ہو۔ فیشل کیا ہے؟ چہرہ بہت صاف لگ رہا ہے۔''

''اُفوہ، میری بات کا تو جواب دو۔'' وہ جھنجلا گئی۔

''ارے میری جان! آدھے گھنٹے کا تو راستہ ہے۔ پھر راستے سے کولڈ ڈرنکس بھی لینی ہیں۔ پریشانی کی کیا بات ہے؟ تم تو ایک دم ریڈی ہو۔''

''نہیں، وہ...... رملی...... اصل میں احسن اب تک نہیں آئے ہیں۔ میں نے جانے کے متعلق ان سے پوچھا نہیں ہے۔''

''جمیلہ ہے؟'' وہ کچھ سوچ کر بولی۔

''ہاں، جمیلہ تو ابھی ہے۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''بس پھر کا ہے کی فکر۔ آ جاؤ تم! جمیلہ تمہارے صاحب بہادر کو اطلاع کر دے گی۔''

وہ چند لمحوں کے لیے فکر مندی سے کھڑی سوچتی رہی۔ اب اسے احسن کے غصے سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''کم آن زین! ہری اپ۔ وی آر گیٹنگ لیٹ (We are getting late) کیا سوچ رہی ہو تم؟'' رملی کچھ بیزاری سے بولی تھی۔

''ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں آتی ہوں۔''

پھر وہ مڑ کر اندر گئی۔ جمیلہ کو احسن کے متعلق ضروری ہدایات دے کر وہ کبابوں کا باکس اٹھا کر باہر چلی آئی۔

''کہیں احسن ناراض نہ ہو جائیں۔'' وہ فکر مند تھی۔

''کچھ نہیں ہوتا۔'' وہ بے پروائی سے ہنسی۔ ''اور پھر اس قدر حسین بیوی کو تو شوہر کے غصے کی پرواہونی ہی نہیں چاہیے۔''

اس نے قہقہہ لگایا تھا۔ اس بات پر زینب بھی ہولے سے مسکرا دی۔ وہ جانتی تھی، احسن اس سے زیادہ دیر ناراض بھی نہیں رہ پاتا تھا۔

رملی نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ راستہ کافی لمبا تھا۔

انہیں وہاں پہنچتے پہنچتے آدھا پون گھنٹہ لگ گیا تھا۔ اونچے سیاہ گیٹ کے سامنے گاڑی روک کر رملی نے ہارن دیا تو زینب اس کوٹھی کی شان و شوکت دیکھ کر مرعوب سی ہوگئی۔

''کس کا گھر ہے یہ؟'' اس نے پوچھا۔

باوردی چوکیدار نے گیٹ ان کی گاڑی کے لیے وا کر دیا تھا۔ رملی گاڑی تیز رفتاری سے اندر لے گئی۔

''مسز شیخ نے آج کی پارٹی ارینج کی ہے۔ میں نے بتایا تو تھا۔ مسٹر ابراہیم شیخ کا گھر ہے یہ۔ شہر کے معروف بزنس مین ہیں۔'' وہ گاڑی لاک کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

رملی کی ہمراہی میں وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تو اس کی سانسیں ہی رکنے لگیں۔ ایسا شیش محل تو اس نے کبھی خوابوں میں بھی نہ دیکھا تھا۔ یہ محل تو اس کے خوابوں سے زیادہ نازک اور حسین تھا۔ وہ سحر کے عالم میں رملی کے پیچھے چلتی چلتی جا رہی تھی۔

وال ٹو وال بچھے دبیز قالین، بیش قیمت فرنیچر، ہر سو روشنیاں بکھیرتے بلوریں جھومر، حد درجہ انوکھے شو پیسز جن کی قیمتوں کا تعین کرنا ہی اس کے لیے ممکن نہ تھا۔ وہ ایک ایک چیز کو خواب کے عالم میں دیکھتی جا رہی تھی۔ جب رملی اسے لے کر ایک کشادہ اور ویل ڈیکوریٹڈ کمرے میں جا پہنچی۔

''ہیلو ایوری باڈی۔'' وہ اندر جا کر چہکی تھی۔

''اوہ رملی...... جان! آج کچھ لیٹ ہوگئی ہو۔'' ایک خاتون اپنی ساڑھی سنبھالتی اس تک پہنچیں اور اس کا گال چوما۔ ''کیسی ہو؟''

پھر انہوں نے رملی کے عقب میں کھڑی زینب کو دیکھا اور چند لمحے شوق سے دیکھتی رہیں۔

''ان کی تعریف؟'' بڑی شائستگی سے انہوں نے دریافت کیا تھا۔

''زینب! زینب شاہ۔ میری نئی فرینڈ ہے۔ کچھ ہی عرصہ ہوا ہمارے ہمسائے میں آئے ہیں یہ لوگ۔ اور زین! یہ مسز شیخ ہیں۔''

''السلام علیکم۔'' زینب نے قدرے جھجکتے ہوئے انداز میں انہیں سلام کیا تھا۔

''وعلیکم السلام۔ ویری نائس ٹو میٹ یو۔'' انہوں نے پلک جھپکتے میں اس کا گال بھی چوما۔ ''اچھا کیا چلی آئیں۔ میرڈ لگتی ہو؟''

پھر انہوں نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس کا سراپا غور سے دیکھا۔ زینب نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔

''کیا کرتے ہیں آپ کے ہسبینڈ؟''

''جی...... وہ......'' آج اسے نجانے کیوں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے عجیب سی جھجک محسوس ہوئی تھی۔ وہاں جس قسم کی خواتین موجود تھیں، انہیں دیکھ کر ہی ان کے شوہروں کے اسٹیٹس کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ بیش قیمت ملبوسات اور ڈائمنڈ اور روبی کے جواہرات سے سجی خواتین۔ ان کے انگریزی زدہ لہجے اور بناوٹی مسکراہٹیں اور تصنع کے رنگ میں رنگی باتوں کے ڈھیر۔ سب ہی کچھ بتاتا تھا کہ وہ ہائی سوسائٹی کی پروردہ خواتین تھیں۔

مسز شیخ اسی لمحے ایک نووارد خاتون کی جانب متوجہ ہوئیں تو اس کی جان میں جان آئی۔

''میرے ہسبینڈ مل میں ملازم ہیں۔'' کا جملہ اس کے حلق میں کانٹے کی طرح اٹکا ہوا تھا۔

رملی کسی عورت سے گفتگو میں مصروف تھی۔ وہ کونے میں رکھے ہوئے نرم صوفے میں جا دھنسی۔

وہاں کے رنگ ڈھنگ بہت نرالے تھے۔ بیشتر خواتین اسموکنگ کر رہی تھیں۔ بہت سوں کا لباس زینب کی اخلاقیات کے حساب سے کافی حد تک قابل اعتراض تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھی ان سب کا جائزہ لیتی رہی۔

پھر رملی نے اسے دیکھا تو اسکے قریب آئی اور معذرت کر کے اس کا ہاتھ گھسیٹ کر اٹھا لے گئی۔ ایک ایک سے اس کا تعارف کرانے لگی۔

''یہ مسز سونیا سرفراز ہیں، یہ مسز سہگل، یہ مس روزینہ علیجان، یہ مسز لالانی، یہ مس فلاں......''

نجانے کتنے چہروں سے اس نے زینب کو روشناس کرایا لیکن زینب کسی سے بھی ٹھیک سے بات تک نہ کر پائی۔ وہ ان سب کے درمیان خود کو بہت حقیر اور کمتر محسوس کر رہی تھی۔ وہ لباس جو کل تک اس کی نظروں میں کافی مہنگا اور دیدہ زیب تھا، اب اس کے دل سے اتر گیا تھا۔ ملبوسات تو در حقیقت وہ تھے جو ان عورتوں نے زیب تن کر رکھے تھے۔ جن کی قیمتیں اس کے تصور میں نہ سما رہی تھیں۔ وہ ہراساں سی رملی کے پیچھے پیچھے پھرتی رہی۔ نجانے یوں ہی مختلف چہروں کو تکتے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ اسے اندازہ نہ ہو سکا تھا۔

کھانے کی میز انواع واقسام کے پکوانوں سے سجی ہوئی تھی۔ ان سب کی لائی ہوئی اشیاء تو محض ایک رسم کے طور پر ایک جانب پڑی ہوئی تھیں۔ خود مسز شیخ نے بے پناہ اہتمام کیا ہوا تھا۔

اس کا احساس کمتری اس قدر عود کر آیا تھا کہ اسے ایک کونے میں پڑے اپنے کبابوں سے بھی شرم محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اپنا باکس اٹھا کر فی الفور وہاں سے چلی جائے۔ کہیں کوئی ان کے متعلق استفسار نہ کر لے۔

''کم آن زینب!'' رملی نے اسے ٹہوکا دیا تھا۔ ''کہاں گم ہو۔ کھانے کی جانب تمہارا بالکل دھیان نہیں ہے۔ یہ فرائیڈ چکن ٹیسٹ کرو۔ تمہیں پسند آئے گی۔ مسز شیخ کا کک کمال کے کھانے بناتا ہے۔''

وہ اس کی پلیٹ میں چکن پیس ڈال گئی۔ زینب بے دلی سے ٹونگے دیتی رہی۔

تمام خواتین پلیٹیں بھرے پیپسی اور اسپرائٹ کے ٹھنڈے گھونٹوں سے بڑے بڑے لقمے اپنے اندر اتار رہی تھیں۔ مختلف موضوعات پر اظہار خیال ہو رہا تھا۔ قہقہے لگ رہے تھے۔

زینب خود کو اس ماحول سے بالکل علیحدہ کیے بیٹھی رہی۔ وہ اپنے وہاں چلے آنے پر شرمندہ تھی۔ اسے رملی سے شکایت تھی۔ اسے کم از کم زینب کو بتانا چاہیے تھا کہ وہاں کس قسم کی، کس کلاس سے تعلق رکھنے والی خواتین ہوں گی۔

''اور رملی جان'' کسی عورت نے یکایک اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تھی۔ ''یہ اپنے میر صاحب کہاں ہوتے ہیں آج کل؟''

''کسی دیوان میں ڈھونڈیے۔'' برجستہ جواب آیا تھا۔

ایک قہقہہ پڑا۔ سب سے نمایاں خود اسی عورت کی آواز تھی۔ اسے رملی نے غالباً مس روزینہ کے نام سے متعارف کرایا تھا۔ یا وہ مسز شیر افگن تھی۔ زینب کو یاد نہ آیا۔

''دیکھو، یوں چھپا چھپا کر نہ رکھا کرو انہیں۔ تم نے تو انہیں پرسنل پراپرٹی سمجھا ہوا ہے۔'' وہ شکوے سے بولی۔

''اچھا چلو بکواس مت کرو۔'' رملی نے اسے جھڑک دیا۔ ''دیکھو بریانی میں مسالہ کتنا تیز ہے۔''

وہ سب کی سب پھر ہنس دی تھیں۔ زینب کی نگاہ دیوار کی گھڑی پر پڑی اور پھر ہٹنا بھول گئی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں۔

وہ بے حد پریشان ہو کر خوش گپیوں میں مصروف ان خوش باش عورتوں کو دیکھنے لگی۔



پونے بارہ کا وقت تھا جب وہ دونوں گاڑی کی سمت بڑھ رہی تھیں۔

رملی بے حد خوشگوار موڈ میں تھی۔ کی رنگ انگلی میں گھماتے ہوئے وہ کسی گانے کے بول گنگنا رہی تھی۔ اسے زینب کی پریشانی کا رتی برابر احساس نہ تھا۔

''میں نہ کہتی تھی زینب جان!'' وہ گاڑی میں بیٹھ کر بولی تھی۔ ''ایسی پارٹی ہوتی ہے کہ مزہ آ جاتا ہے۔ مہینہ بھر کے لئے موڈ خوشگوار ہو جاتا ہے۔ آج سے پہلے کبھی ایسی کسی گیٹ ٹوگیدر میں شرکت کی ہے تم نے؟ کھانا کیا لا جواب تھا۔ مسز شیخ کا کک زندہ باد۔ قسم سے میرا جی اپنی انگلیاں چبا لینے کو کر رہا تھا۔''

''رملی! بہت دیر ہو گئی ہے۔'' پریشانی کے عالم میں اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ نکلی تھی۔

''ہاں، دیر تو ہو گئی ہے۔'' اس نے اعتراف کیا۔ ''آج گفتگو ہی اتنے مزے کی رہی۔ میرا تو اٹھنے کو دل ہی نہیں کرتا تھا۔ خیر، گھر جا کر سونا ہی تو ہے۔''

وہ گاڑی مین روڈ پر لے آئی تھی۔

''اور یہ ٹریفک دیکھو تم! یہ سب لوگ بھی تو اپنے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے ہیں۔ کون سی رات بیت چلی ہے۔''

''میرا مسئلہ دوسرا ہے۔'' وہ فکرمندی سے بولی۔ ''میں احسن سے پوچھے بغیر ہی چلی آئی تھی۔''

''کم آن یار! تم دودھ پیتی بچی ہو کیا۔ کبھی کبھار ایسا بھی ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کو ہر وقت ہی ایک دوسرے کے سر پر سوار نہیں رہنا چاہیے۔''

وہ اس کی بات سنجیدگی سے بالکل نہیں لے رہی تھی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے کیسٹ پلیئر بھی آن کر دیا۔ اور گاڑی میں یک لخت گونج اٹھنے والے گانے کے بول خود بھی گنگنانے لگی۔

گیت کے شوخ بولوں سے زینب کی ٹینشن بھی کچھ کم ہو گئی۔ پھر سڑک پر ٹریفک کا رش دیکھ کر اس کے دل کو بھی ڈھارس سی ہونے لگی واقعی ابھی تو شہر میں رات اپنے جوبن پر آئی تھی۔

''کچھ بولو نا زینی!'' رملی آواز کم کرتے ہوئے بولی۔ ''راستہ کیسے کٹے گا۔ کیا تم نے پارٹی کو انجوائے نہیں کیا؟''

''ہوں'' وہ بے دلی سے بولی۔ ''اچھی تھی۔ دراصل مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم مجھے اتنے امیر وکبیر لوگوں کے درمیان لے جا کر بٹھا دو گی۔ میں پزل ہو گئی تھی۔''

''سو واٹ؟'' رملی حیرانی سے بولی۔ ''اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ وہاں پیسوں کی بات کون کر رہا تھا؟ کیا سب اپنے اپنے پرس کھول کر دکھا رہی تھیں جو تم پزل ہوئیں۔''

''یہ بات نہیں ہے رملی! تم سمجھ نہیں سکو گی۔ انسان عجیب سا محسوس کرتا ہی ہے۔''

''کسی نے کچھ کہا تمہیں؟ کسی نے برا بی ہیو کیا؟'' رملی نجانے کیا سمجھی تھی۔

''نہیں، نہیں۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''یہ بات نہیں۔ بس میں وضاحت نہیں کر سکتی۔ ہر آدمی اپنے جیسے لوگوں میں زیادہ سکون محسوس کرتا ہے۔''

''ہاں تو وہاں سب تمہارے جیسے ہی تھے۔ کسی کے سر پر دو سینگ بھی تھے کیا؟ مجھے تو دکھائی نہیں دیے۔'' زینب کو ہنسی آ گئی۔

''اور سچی بات تو یہ ہے زینی! کہ وہاں کوئی تمہارے جیسا نہیں تھا۔'' پھر وہ قدرے شوخی سے بولی۔ ''قسم سے کوئی علیحدہ ہی شے لگ رہی تھیں۔ مسز شرافگن تو بار بار میرے کان میں سرگوشی کرتیں۔ ہائے رملی! اس کی اسکن، ہائے رملی! اس کی آنکھیں، ہائے رملی اس کے بال۔'' وہ قہقہہ

لگا کر ہنس دی۔

''بیگم نسیم آرا نے مجھ سے دس دفعہ کہا کہ ان کے گھر پارٹی ہوگی تو وہ ہر حال میں تمہیں انوائٹ کریں گی۔ بقول ان کے محفل میں روشنی تمہارے دم سے ہورہی تھی۔''

''اچھا'' اسکے لہجے میں قدرے اشتیاق در آیا۔۔۔ میں نے تو خود میں کسی کی دلچسپی محسوس نہ کی۔ سچ کہو رملی!''

''قسم لے لو یار! تمہیں دیکھ دیکھ کر مر رہی تھیں سب کی سب۔ اور تم ہو کہ خود ساختہ کمپلیکس کا شکار ہو کر محفل کو انجوائے بھی نہ کر پائیں۔ افسوس ہورہا ہے مجھے۔''

''رملی! تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں...... میں واقعی کمپلیکس کا شکار ہوں۔ مسز شیخ کا گھر دیکھ کر میں تو دنگ ہی رہ گئی تھی۔ ایسے گھر بھی ہوتے ہیں لوگوں کے؟ شیش محل جیسے۔''

رملی ہنس دی۔

''اگلی مرتبہ میں تمہیں ثریا آفندی کے گھر لے کر جاؤں گی۔'' آفندی ہاؤس۔'' دیکھ کر تو تم اسے تاج محل کا خطاب دے ڈالو گی۔ شاہجہان کو پیچھے چھوڑ دیا ہے خضر حیات آفندی نے۔''

''ہائے سچ۔'' وہ اشتیاق سے بولی۔'' کیا کرتے ہیں وہ؟''

''مشہور اسمگلر ہیں۔'' رملی نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔'' ایسے تاج محل شاہجہان کے بعد تو اب اسمگلر ہی بنا سکتے ہیں۔ کالے دھن سے سفید، اجلے محل کھڑے کر لیتے ہیں راتوں رات۔''

''میرا جی چاہتا ہے رملی! اتنا امیر بننے کو'' وہ خواب کے سے عالم میں بولی تھی۔'' کیسا اعتماد آ جاتا ہے نا انسان میں۔ کیسا غرور، کیسا طنطنہ۔ گردن اٹھا کر انسان جہاں جی چاہے جا سکتا ہے۔ جو دل چاہے کر سکتا ہے۔''

''رملی نے مسکرا کر ایک نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

''تو پھر کرنی تھی نا کسی شیر افگن یا خضر حیات آفندی سے شادی۔ یہ احسن صاحب کہاں سے ٹکرا گئے تمہیں؟''

زینب گہری سانس بھر کر کچھ سوچنے لگی تھی۔ اپنے خوابوں سے ٹکرا کر وہ ایک مرتبہ پھر احسن تک پہنچ گئی تھی۔ رملی نے اسے گھر کے دروازے کے سامنے اتارا تھا پھر گاڑی بڑھا لے گئی تھی۔

زینب تھکی ماندہ، بکھری سوچوں کو مجتمع کرتی دروازے تک پہنچی ہی تھی کہ دروازہ کھل گیا۔ سرخ، بوجھل آنکھیں اور بے تاثر چہرہ لئے احسن اس کے سامنے تھا۔ زینب کو چند لمحوں تک گھورتے رہنے کے بعد اس نے ذرا ساہٹ کر اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

وہ دھک دھک کرتے دل کے ساتھ بظاہر بے نیازی اندر چلی آئی۔ کبابوں کا خالی ڈبہ میز پر رکھ کر اس نے سینڈلیں اتاریں پھر ایک نگاہ گھڑی پر ڈالی۔ ساڑھے بارہ کا وقت تھا۔

''جلدی جلدی کرتے بھی اتنی دیر ہوگئی۔'' اس نے وضاحت کرنے والے انداز میں کہا تھا۔'' آدھے پون گھنٹے کا تو راستہ ہی تھا۔''

''کس سے پوچھ کر گئی تھیں تم؟'' اس کا انداز حد درجہ سرد اور اجنبی تھا۔

''جی؟'' وہ چونکی۔

''میں نے پوچھا ہے کس کی اجازت سے گئی تھیں تم؟ میں نے غالباً تمہیں جانے سے صاف منع کیا تھا۔''

''میں نے رات کو آپ سے پوچھا تھا......'' وہ اٹکنے لگی۔'' آپ نیند میں تھے...... آپ نے اجازت دے دی تھی......'' اس نے جھوٹ کا سہارا لینے کی کوشش کی۔

''بکواس مت کرو زینب!'' وہ یک لخت ہی دھاڑ اٹھا۔ ''میں نے نہ جاگتے میں تمہیں اجازت دی تھی، نہ نیند میں۔''

''اجازت...... اجازت...... کیا رٹ لگائی ہے آپ نے۔ میں کوئی دودھ پیتی بچی ہوں جو ہر جگہ آپ کی اجازت سے جاؤں؟'' زینب کا پارہ یک دم ساتویں آسمان پر جا پہنچا۔ ''کسی غلط جگہ تو نہیں گئی تھی میں۔ عورتوں کی ایک محفل تھی۔ اگر بغیر اجازت چلی بھی گئی تو کیا آسمان آ گرا سر پر؟ قیامت ٹوٹ پڑی۔ معمولی معمولی باتوں کو ایشو بنا کر جھگڑنے کی عادت پڑ گئی ہے۔ آپ کو احسن!''

''عورتوں کی محفل۔'' اس نے دانت پیسے۔ ''یہ وقت ہے عورتوں کی محفلیں اٹینڈ کرنے کا؟ یہ شریف عورتوں کے گھر لوٹنے کا وقت ہے؟''

''مطلب کیا ہے آخر آپ کا؟'' وہ چیخ پڑی۔ ''میں شریف نہیں ہوں، با کردار نہیں ہوں؟ مجھے آپ سے اس ذہنیت کی امید نہیں تھی احسن!''

اس کی سانسیں منتشر ہو گئیں۔ ہاتھ کانپنے لگے۔

''امید؟ امید کی بات کرتی ہو زینب؟ تم نے تو میری ہر امید پر پانی پھیر دیا ہے۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولا تھا۔ ''کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے ایک نیک سیرت، گھر اور شوہر سے محبت کرنے والی بیوی چاہی تھی۔ جسے ہر شے سے زیادہ اپنے شوہر کی خوشی عزیز ہو، جسے اپنے گھر اور گھر کے سکون سے محبت کی عادت ہو، جو ہر حال میں نبھانا اور صبر شکر کرنا جانتی ہو لیکن تم اتم محض اپنی خواہشات کے گرد گھومتی، اپنے خوابوں کی قید میں ہو۔ تمہیں گھر نہیں، محض اپنی ذات عزیز ہے۔ تمہیں شوہر کے آرام اور اس کی خوشی سے کوئی غرض نہیں۔ محض اپنی ذات اس کی ضروریات، اس کی خواہشات، اس کی ترجیحات۔ یہی تمہارا کل ہے زینب بی بی!''

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ یہ احسن، یہ طعنے دینا، تیر برساتا احسن کتنا مختلف تھا۔ اس احسن سے جو کبھی اس سے شادی کی خواہش دل میں سجائے، دیوانہ وار اس کے گھر کے چکر لگایا کرتا تھا۔ جسے صرف اور صرف زینب شاہ کو حاصل کرنے کی تمنا تھی۔ اور اس سے آگے اسکی سوچ نہ جایا کرتی تھی۔ جس نے اسے کیا کیا خواب دکھائے تھے۔ اس کی ہر خواہش پوری کرنے، ہر خواب کی تعبیر دینے کا عزم کیا تھا۔

''نیک سیرت؟ گھر اور شوہر سے محبت کرنے والی بیوی چاہتے ہیں آپ؟'' وہ پھنکاری۔ ''اور میں...... میں بد سیرت ہوں؟ احسن صاحب! آپ تھے اس قابل کہ میں...... میں آپ سے شادی کرتی؟ بھیک تھی رشتوں کی؟ میری عمر ڈھل رہی تھی؟ میرا شباب ماند پڑ رہا تھا جو تم نے مجھ سے شادی کر کے مجھ پر کچھ احسان کیا؟ میں نے احسان کیا تم پر، میں نے۔ تم میرے دیوانے بنے تھے، تم نے اپنا خالی دامن پھیلایا تھا میرے آگے۔ اپنا قیمتی وجود میں نے تمہاری ہتھیلی پر سجا دیا۔ آج مجھ میں کیڑے نظر آ رہے ہیں تمہیں؟''

''غلط تھا میں۔'' وہ شکست خوردہ انداز میں بولا۔ ''غلط تھی میری سوچ۔ سرورق سے متاثر ہو کر کتاب خرید لی تھی میں نے۔ ایک سطحی سوچ کی عکاس تحریر کے سوا کچھ نہ نکلا۔ مجھے اعتراف ہے، مجھ سے غلطی ہوئی زینب کا دل چاہا دیواروں سے ٹکریں مارے، خود پر یا اس پر تھپڑوں کی بارش کر ڈالے۔ اتنا چیخے، اتنا چیخے کہ ہر گھر سے لوگ نکل آئیں۔ اس قدر تذلیل، اتنی توہین کا تو اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔

''ایک بدسلیقہ، بے ڈھنگی، پھوہڑ عورت۔ یہی تعریف ہے تمہاری۔ غلط تھے وہ لفظ جو آج تک تمہاری مدح میں کہتا رہا۔ ہم مرد، عورت کا چہرہ دیکھتے ہیں، اس کی سوچ کو پڑھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے۔ اس کے ہاتھوں کی بناوٹ اور رنگت کے قصیدے پڑھتے ہیں۔ یہ جاننے کی زحمت کیے بغیر کہ آیا یہ ہاتھ زندگی کی ڈور الجھا تو نہ دیں گے۔ صد حیف، تف ہے مجھ پر اور مجھ سمیت ایسے تمام مردوں پر......''

وہ کمزور لہجے اور مدھم آواز میں جیسے خود کلامی کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔

وہ گرنے والے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔

یہ الفاظ، یہ پگھلا ہوا سیسہ بھی منتظر تھا اس کے کانوں کا۔ اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ یہ احسن ایاز تھا۔ اسے یقین نہ آیا تھا۔ آنسو بنا رکے اس کے گالوں پر لکیریں بناتے گئے۔ وہ ساکت بیٹھی دیوار کو گھورتی رہی۔ بے یقینی اسکے وجود کو گھیرتی گئی۔ تذلیل اور توہین کا احساس بارش بن کر

اسکے وجود پر برستا رہا۔ احسن کے الفاظ دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر نشتروں کی صورت اس کے اردگرد گرتے رہے اور وہ وہیں بیٹھی رہی۔ ساکت اور بے جان۔ اسی حالت میں اس نے اپنے اندر درد کی لہروں کو اٹھتے ہوئے محسوس کیا۔ سانسوں کو منتشر ہوتے ہوئے دیکھا۔ اپنی کراہوں کو سنا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے ایک انچ نہ ہلی۔

اس کے مساموں سے پسینہ پھوٹ نکلا تھا۔ درد اس شدت سے ہونے لگا تھا جیسے جان نکل کر ہی دم لے گا۔ پھر بھی اس نے احسن کو نہ پکارا۔ وہ اس وقت اس کی صورت دیکھنے کی روادار نہ تھی۔ اس کا رتی برابر احسان اپنے سر لینا نہ چاہتی تھی۔ وہیں صوفے پر بیٹھے بیٹھے وہ تھوڑی تھوڑی دیر بعد اپنے اندر اٹھتے اس درد کے طوفان کو برداشت کرتی رہی۔

وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے پوری رات بتا دی تھی۔ اس کا وجود جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ اٹھنا چاہے گی تو اٹھ نہیں پائے گی۔ بولنا چاہے گی تو زبان ہلنے سے انکاری ہو جائے گی۔ اسے لگ رہا تھا وہ ساری عمر یوں ہی بیٹھی اس درد کا مقابلہ کرتی رہے گی۔

صبح آٹھ بجے احسن نے کمرے کا دروازہ کھولا تھا۔ اس پر نگاہ ڈالے بغیر وہ کچن میں گیا تھا۔ وہاں سے پانی کا گلاس پی کر وہ اس کی جانب دیکھے بغیر گھر سے نکل گیا تھا۔ اس کے گھر سے نکلتے ہی زینب کی کراہوں کو رستہ مل گیا۔ اس کی آہیں آزاد ہونے لگیں اسکے آنسو ایک مرتبہ پھر روانی سے بہنے لگے۔

نو بجے جمیلہ گھر میں داخل ہوئی تو وہ چیخیں مار مار کر رو رہی تھی۔

''جینو بی بی! جینو بی بی!'' وہ بری طرح گھبرائی ہوئی اس کے قریب آئی۔ ''کیا ہوا ہے جی؟''

''جمیلہ......'' اس نے بمشکل اپنی سانسوں اور کراہوں پر قابو پایا تھا۔ رملی کو بلا کر لاؤ۔ کہنا گاڑی لے کر آئیں۔ مجھے...... ہاسپٹل جانا ہے۔ جلدی کرو۔''



ہر چند کہ اس نے رملی کو سختی سے منع کیا تھا لیکن رملی نجانے کس وقت جا کر احسن کو فون کر آئی تھی۔ وہ سہ پہر کا وقت تھا جب وہ ہاسپٹل کے روم نمبر سات میں داخل ہوا تھا۔

سفید چادر سینے تک پھیلائے۔ تکیوں کے سہارے وہ ساکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نظر اسے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ پھر نگاہ کا زاویہ بدل لیا۔

وہ کرسی کھینچ کر اس کے مقابل آ بیٹھا تھا۔ کافی دیر تک جب وہ اسی انداز میں بیٹھی رہی تو وہ دوسری کرسی پر بیٹھی رملی کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''کیا ہوا تھا؟'' اس کی آواز مدھم اور لہجہ سپاٹ تھا۔

''ڈاکٹر کہتی ہے۔ ہم نے آنے میں دیر کی۔ حالانکہ زینب نے مجھے جس وقت کہلوایا، میں لمحہ بھر کی تاخیر کئے بغیر گھر سے نکل آئی تھی۔ یہاں تک آنے میں نصف گھنٹہ لگا ہو گا۔ بس اتنی تاخیر ہوئی ہے۔'' وہ افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

''میرا خیال ہے، اس کی طبیعت رات بھر خراب رہی ہے۔ کیا اس نے آپ سے کچھ نہیں کہا۔؟''

وہ کتنی دیر تک خاموش رہ کر خود پر کنٹرول حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا پھر جب بولا تو اسکی آواز بھرائی ہوئی تھی۔

''رات تو اس نے بہت کچھ کہا تھا۔ بس یہی نہیں کہا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔''

''آپ ہاسپٹل والوں سے بچے کی نعش وصول کر لیں۔'' رملی نظر چرا کر بے حد دھیرے سے بولی تھی۔ ''لڑکا ہوا تھا۔''

ایک بے حد گہری سانس اس کے سینے سے نکلی تھی۔ پھر وہ اٹھ کر تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔

رملی کچھ دیر اداسی سے اپنی جگہ پر بیٹھی رہی تھی۔ پھر اٹھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

''زینی! کچھ کھالو۔ سوپ پی لو۔''

اس نے دھیرے سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تمہارے اندر کمزوری گھر کر لے گی۔ ضد مت کرو، تھوڑا سا سوپ پی لو۔''

''رملی.....'' اس کی لرزتی ہوئی، کانپتی ہوئی آواز نکلی تھی۔ ''مجھے تنگ مت کرو۔ پلیز۔''

آنکھیں بند کر کے اس نے تکیے پر سر ڈال دیا۔ آنسو بند پلکوں سے راستہ ڈھونڈ کر نکل آئے تھے۔



دوسرے دن وہ گھر چلی آئی تھی۔ رملی اسے اپنی گاڑی میں لے کر آئی تھی۔ احسن ہاسپٹل کے بلوں کی ادائیگی کے بعد کسی ضروری کام کا کہہ کر چابیاں رملی کو دے گیا تھا۔

تالا کھول کر وہ اندر داخل ہوئی تو اسے پورے گھر میں ایک عجیب سا سناٹا بکھرا ہوا محسوس ہوا، لیکن اس سے کہیں گہرا سناٹا اس کے اپنے وجود کے اندر بول رہا تھا۔

''تم آرام کرو۔ میں تمہارے لئے کچھ کھانے کا بندوبست کرتی ہوں۔ کل سے تم نے کچھ کھایا نہیں ہے۔'' وہ ہمدردی سے کہہ کر کچن کی جانب چلی گئی تھی۔

وہ خاموشی سے لیٹ کر دھیرے دھیرے گھومتے پنکھے کو دیکھنے لگی۔ ذہن بالکل خالی تھا۔ ہر سوچ سے عاری۔ وہ خود بھی کچھ سوچنا چاہتی تھی۔ چھت اور دیواروں کو تکنے کے بعد اس نے آنکھیں موند لیں۔ اس طرح لیٹے لیٹے اسے نیند آ گئی تھی۔ نجانے وہ کتنی دیر سوتی رہی پھر باہر ہونے والی باتوں کی آواز پر اسکی آنکھ کھل گئی تھی۔ خالی الذہنی کے عالم میں وہ کچھ دیر تک یونہی پڑی چھت کو گھورتی رہی پھر الفاظ اس کے ذہن کی گرفت میں آنے لگے۔

وہ رملی کی آواز تھی۔

''اسے آپ کی ہمدردی اور محبت کی ضرورت ہے۔ اس وقت اسکی جو حالت ہے.....''

''اپنی اس حالت کی وہ خود ذمہ دار ہے۔'' احسن کی سپاٹ آواز نے اس کی بات کاٹ دی۔ ''اس نے نہ صرف خود کو، بلکہ مجھے بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ میں نے جو ڈاکٹر سے ساری تفصیل پوچھی ہے۔ اگر ہم وقت پر اسپتال پہنچ جاتے تو بچے کی جان بچ سکتی تھی۔ اس نے ذرا سی ضد کی خاطر، ذرا سی ضد کی خاطر اپنے بچے کی جان لے لی۔''

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ گلا رندھ گیا تھا۔

''اس نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا ہوگا۔'' رملی نے کمزور سے لہجے میں مدافعت کی تھی۔ ''کوئی ماں جان بوجھ کر ایسا نہیں کر سکتی۔ بس وہ اپنی کیفیت کو سمجھ نہ سکی ہوگی۔ اس کا یہ پہلا تجربہ تھا۔''

''اور وہ اپنے پچھلے تمام تجربات کی طرح اس میں بھی ناکام ہو گئی۔'' احسن عجیب کھوکھلی ہنسی ہنس دیا۔ ''بہرحال، آپ کا بہت شکریہ۔ پچھلے کچھ دنوں میں آپ نے جس طرح سے ہمارا ساتھ دیا ہے۔ بہت اپنے، بہت قریبی لوگ ہی ایسا کر پاتے ہیں۔ آپ سے درخواست کرتا ہوں، کچھ دن اور اس کا خیال رکھیں۔ میں آج کل اپنے آفس میں کچھ ضروری کاموں کے سلسلے میں مصروف ہوں۔ اسے زیادہ وقت نہ دے پاؤں گا۔''

''میں بھی آپ سے درخواست کر رہی ہوں۔ آپ اس کے شوہر ہیں، آپ اس کا خیال رکھیں گے تو بات دوسری ہوگی۔ وہ بہت ٹینس ہو

رہی ہے۔"

"ہوں۔ اچھا، میں ذرا ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں۔ یہی بتانے آیا تھا۔ رات کو دیر سے لوٹوں گا۔ کیا آپ میری واپسی تک زینب کے پاس رک سکیں گی؟"

"وائے ناٹ۔" رملی بولی تھی۔ "لیکن آپ کھانا تو کھالیں۔ میں نے بنالیا ہے۔"

"میں کھالوں گا۔ اچھا، خدا حافظ۔"

زینب آہستگی سے اپنی جگہ سے اٹھی تھی۔ پھر وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی باہر نکل آئی۔ رملی کچن میں تھی۔ اس کے لئے ٹرے میں کھانا رکھ رہی تھی۔

"تم اٹھ گئیں۔ میں کھانا لا رہی تھی۔ تم چاہو تو منہ دھو کر فریش ہو جاؤ۔"

"نہیں، ٹھیک ہے۔" وہ وہیں صوفے پر بیٹھ گئی۔

"سوپ تو مجھے بنانا آتا ہے۔ ساتھ میں چکن فرائی کر لی ہے۔ بس اتنا ہی سلیقہ ہے میرا۔ چپ چاپ کھالو اور دل ہی دل میں مجھے کوسنا مت۔"

وہ فریش انداز میں مسکراتی ہوئی ٹرے اٹھا کر اس کے قریب چلی آئی۔ ٹرے اس کے سامنے ٹیبل پر رکھ کر اس نے سوپ کا بڑا سا پیالہ اسے تھمایا۔

"سارا ختم کرنا ہے۔ کل سے تم نے کچھ نہیں کھایا۔ باشعور ہو، سمجھدار ہو۔ تمہیں خود اپنا خیال رکھنا ہوگا۔ اندر سے بالکل ختم ہو جاؤ گی ورنہ۔"

وہ خالی الذہنی کے عالم میں پیالہ تھام کر بیٹھی رہی۔ رملی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر پیالہ اس کے ہاتھ سے لے کر خود اسے سوپ پلانے لگی۔

"ابھی تمہارے ہسبینڈ آئے تھے۔ کسی ضروری کام سے گئے ہیں، رات تک لوٹیں گے۔ میں تب تک تمہارے پاس ہوں۔" وہ اسے انجان سمجھ کر اطلاع دینے لگی۔

"اتنی خاموش کیوں ہو؟ کچھ بولو، بات کرو۔" وہ پھر بولی تھی۔

"کیا بولوں؟ کیا بچا ہے بولنے کیلئے؟" وہ آزردگی سے بولی۔

''کیوں نہیں، پوری زندگی پڑی ہے تمام کرنے کو۔ اس طرح اسٹریس کا شکار ہوگئیں تو کیسے فیس کروگی زندگی کو؟ میاں بیوی کے درمیان اختلافات تو زندگی میں کبھی بھی، کسی بھی موڑ پر پیدا ہو سکتے ہیں۔ وہ موڑ آ کر گزر جاتا ہے تو سب کچھ پہلے جیسا ہو جاتا ہے۔ اور بچے پیدا کرنے کو تو عمر پڑی ہے۔ ٹھیک ہے، وقتی طور پر صدمہ ہونا تو لازمی ہے لیکن ساتھ ساتھ خود کو سمجھاتی بھی رہو۔ بڑے سے بڑا صدمہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان فراموش کرتا چلا جاتا ہے۔ وقت کی دھول دل پر پڑی ہر خراش کو ڈھانپ لیتی ہے۔ یہ وقت بھی گزر جائے گا۔ تمہارے اور بچے ہوں گے، ان میں کھو کر تم اس پہلے حادثے کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ گی۔''

''احسن سمجھتے ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے بچے کی جان لی ہے۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''نہیں، نہیں۔ ایسا کچھ نہیں۔'' رملی جلدی سے بولی تھی۔ ''میں کہہ رہی ہوں نا یہ سب وقتی جذبات ہیں۔ پانی کے دھارے کی طرح آ کر گزر جانے والے۔ پھر سب ٹھیک ہو جاتا ہے۔ وہ بھی شدید شاک کا شکار ہوئے ہیں۔ آہستہ آہستہ سنبھلیں گے تو اپنی جذباتیت پر انہیں بھی ندامت ہوگی۔ وہ پہلے سے زیادہ تمہارا خیال کریں گے۔''

''مجھے ان کی ندامت سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔'' وہ قدرے تنفر سے بولی تھی۔ ''یہی الزام میں بھی اسی شدت سے ان پر عائد کرتی ہوں۔ نہ وہ مجھے ذہنی تناؤ کا شکار کرتے، نہ یہ سب کچھ ہوتا۔ آخر میرا قصور کیا تھا جس کی پاداش میں انہوں نے وہ سب کچھ کہا جواب میں کبھی بھول نہ پاؤں گی۔ میں بھولنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

''تم وقتی جذباتیت کا شکار ہو رہی ہو اور کوئی بات نہیں ہے۔ لو، یہ سوپ پی لو۔''

''میرا کچھ کھانے کو دل نہیں کرتا رملی!'' وہ اکتاہٹ سے بولی۔

''لیکن زبردستی کھاؤ۔ یہ سوچ کر کہ تمہیں اس وقت اسکی اشد ضرورت ہے۔ اپنے آئندہ کو بہتر بنانے کے لئے۔''

وہ بے دلی سے سوپ پینے لگی تھی۔

''کبھی کبھی سوچتی ہوں سارا قصور میرا ہے۔'' کچھ دیر کے بعد رملی بولی تھی۔ ''نہ میں تمہیں ساتھ لے کر جانے پر اصرار کرتی، نہ یہ سب کچھ ہوتا۔ لیکن زینی! مجھے کیا خبر تھی۔''

زینب نے اسکی بات کے جواب میں کچھ نہ کہا تھا۔

٭

رملی رات تک اس کے پاس رہی تھی پھر احسن آیا تو وہ اگلے دن پھر آنے کا کہہ کر چلی گئی۔

وہ تقریباً سارا دن ہی سوتی رہی تھی۔ اسلئے اسے بالکل نیند نہیں آ رہی تھی۔ وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بلا جواز ہی بیٹھی رہی۔

احسن کچھ دیر تک خاموشی سے اپنے کام نمٹاتا رہا۔ وہ اگلے دن آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ اپنے کپڑے پریس کر کے اس نے الماری میں لٹکائے۔ جوتے پالش کئے پھر آفس بیگ میں کچھ ضروری کاغذات رکھنے لگا۔ تمام کاموں سے فارغ ہو کر وہ بستر تک آیا تو وہ اسی انداز میں بیٹھی تھی۔

''مجھے لاہور جانا ہے۔'' وہ بولا تھا۔ ''مل والے ہیڈ آفس کے کسی کام سے بھیج رہے ہیں۔ تین چار دن لگ سکتے ہیں۔''

زینب نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''جی اچھا۔'' اس نے محض اتنا کہا تھا۔

''کل میں بارہ بجے تک آ کر اپنا ضروری سامان لے جاؤں گا۔ اگر تم کہو تو میں فرخندہ آپا کے پاس چھوڑ دوں تمہیں؟''

''نہیں۔'' وہ فوراً سے پیشتر بولی تھی۔ ''میں اپنے گھر میں زیادہ سکون سے رہوں گی۔ آپ جائیں، مجھے کوئی پریشانی نہ ہوگی۔''

''لیکن تم اکیلی کس طرح رہوگی؟ یا تو میں فرخندہ آپا کو یہاں چھوڑ دیتا ہوں۔''

وہ شدید کوفت کا شکار ہوئی۔ انہیں تو وہ دس منٹ مشکل سے برداشت کرتی تھی، کجا تین چار دن کا ساتھ۔

''میں رملیٰ سے کہہ دوں گی۔ وہ یہاں میرے پاس رہ جائے گی۔''

''ٹھیک ہے۔ تمہاری مرضی۔'' اس نے اعتراض نہ کیا۔

پھر وہ لائٹ بند کر کے لیٹ گیا۔ زینب کی جانب سے اس نے کروٹ لے لی تھی۔

وہ کتنی ہی دیر بیٹھی الٹی سیدھی سوچوں کا شکار رہی پھر اسے اسی حالت میں نیند آگئی تھی۔



اس کی آنکھ احسن کی کمرے میں آمد سے کھلی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر رہ گئی۔ اپنی حالت پر غور کیا۔ وہ ہنوز بیٹھی ہوئی تھی۔ گویا وہ ساری رات اسی کنڈیشن میں سوتی رہی تھی۔

پھر اس نے احسن کو دیکھا۔ وہ آفس جانے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹرے اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔ وہ اس کے لئے ناشتہ بنا کر لایا تھا۔

ٹرے میں دودھ کا گلاس، فرائی انڈے اور سنکے ہوئے توس تھے۔

''اٹھ کر منہ دھولو۔'' وہ بولا تو اس کی آواز بے حد نرم تھی۔ ''ناشتہ کر لو تو میں چائے لا دیتا ہوں۔ دم پر رکھی ہے۔''

زینب چند لمحوں کے لئے اس کے لہجے اور انداز پر غور کرتی رہی۔ چند دنوں سے جو اجنبیت، تلخی اور برہمی اس کے انداز اور طرز گفتگو میں تھی وہ غائب ہو چکی تھی۔ شاید اس کی ناراضی ختم ہو چکی تھی۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔ لائٹ جلا کر اس نے واش بیسن کے اوپر لگے ہوئے آئینے میں اپنی صورت دیکھی تو اسے دھچکا لگا۔ گہرے حلقے، اندر کو دھنسی ہوئی آنکھیں، بکھرے، الجھے بال اور سنولائی ہوئی رنگت۔ وہ برسوں کی مریضہ معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس کی یہی حالت دیکھ کر احسن کو اس پر ترس آگیا تھا۔

وہ باہر نکلی تو احسن کمرے میں نہ تھا۔ وہ چپ چاپ ٹرے کے سامنے آکر بیٹھ گئی اور ناشتہ کرنے لگی۔ آج اسے کتنے دنوں کے بعد بھوک محسوس ہوئی تھی۔ وہ ہر چیز کھاتی چلی گئی۔ ٹرے خالی کر کے وہ ہاتھ دھونے کے لئے دوبارہ باتھ روم میں گئی تھی۔ باہر نکلی تو وہ اس کے لئے چائے کا کپ لے آیا تھا۔

''چائے پی لو۔ میں آفس چلتا ہوں۔'' اس نے رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

''آپ نے ناشتہ کر لیا؟'' اس نے آہستگی سے پوچھا۔

''ہاں، چائے ادھر ہی پیوں گا۔'' وہ چند لمحوں کے لئے کھڑا رہا۔ ''تمہاری طبیعت کیسی ہے؟'' پھر اس نے پوچھا تھا۔ زینب کی آنکھیں گیلی ہوگئیں۔

''بہت جلدی خیال آیا۔'' وہ کہے بنا رہ نہ سکی۔

''جو کچھ بھی ہوا، مجھے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''لیکن بہر حال، ہمیں آئندہ کے لئے اپنے اپنے رویوں کی سمت متعین کرنی ہوگی۔ غور کرنا زینی! جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اب تک جو نقصان ہو چکا ہے وہ ہر چند کہ بہت ہے۔ پھر بھی دیکھا جائے تو ابھی کچھ نہیں

بگڑا۔ بس ذرا سی محبت اور دلوں میں وسعت کی ضرورت ہے۔ محبت اعلاظرف ہوتی ہے اور اتنا تو طے ہے نا کہ ہمیں ایک دوسرے سے محبت ہے۔"
اس نے قریب آ کر دھیرے سے اس کا گال چھوا۔ "چلتا ہوں۔ رملی کو جلدی بلوا لینا۔"
وہ باہر نکل گیا تھا۔ زینب چائے پینے کے دوران اس کے الفاظ پر غور کرتی رہی۔ چائے کا کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے اس نے لاشعوری طور پر اپنے دل کو ٹٹولا۔ نجانے کیوں وہ احسن کی طرف سے اب تک پتھر کا ہو رہا تھا۔



نو بجے کے قریب جمیلہ آ گئی تھی۔ زینب کو گھر پر دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی۔
"دو دن سے آتی رہی ہوں۔ گھر پہ تالا ڈالا ہوا تھا۔" اس نے بتایا۔
"ہاں، ہاسپٹل سے کل شام ہی واپسی ہوئی تھی۔" زینب نے مختصراً کہا۔
"مجھے تو آپ کا بہت دکھ ہے جی۔" وہ افسردہ سی ہو گئی۔ "بس اللہ کے کاموں کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" زینب خاموش ہی رہی۔
"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے جی؟"
"میں ٹھیک ہوں بالکل۔ جمیلہ! ایسا کرو، جا کر رملی بی بی کو بلا لاؤ۔ کہنا بی بی اکیلی ہیں۔"
"اچھا جی۔" وہ اسی وقت اٹھ کر رملی کو بلانے چل دی۔
زینب پژمردگی کے سے عالم میں بیٹھی اپنی زندگی میں در آنے والے حادثے پر غور کرتی رہی۔ ڈور بیل کی آواز نے اسے یکا یک اس کے خیالات سے کھینچ نکالا تھا۔ جمیلہ دروازہ کھلا ہی چھوڑ گئی تھی، پھر بیل بجانے والا کون ہو سکتا تھا۔ وہ یہی سوچتی ہوئی دروازے تک پہنچی تھی۔
باہر کوریر سروس کا کارندہ کھڑا تھا۔
"مسز زینب شاہ؟" اس نے استفسار کیا۔
"میں ہی ہوں۔" وہ قدرے حیرانی سے بولی۔
"یہاں سائن کر دیں۔" اس نے رسید آگے کر دی۔
اس سے مطلوبہ جگہ پر سائن کروا کر وہ اسے سفید پھولوں کا خوبصورت سا بکے تھما گیا۔ وہ حیران پریشان سی بکے لئے اندر چلی آئی۔ پھول بے حد خوبصورت تھے اور ان کی خوشبو جادو اثر لیکن کس نے بھیجے تھے؟ اس کی نگاہ پھولوں کے درمیان میں رکھے چھوٹے سے کارڈ پر گئی۔ دو انگلیوں کے درمیان دبا کر اس نے کارڈ نکالا اور کھول کر دیکھا۔ "گیٹ ویل سون" کے الفاظ جھلملا رہے تھے۔
زینب کا دل دھڑکنے لگا۔ کارڈ پر ایک بار پھر کسی کا نام نہیں تھا۔ لیکن اس بار وہ الجھی نہیں۔ اسے پلک جھپکتے خبر ہو گئی تھی کہ کارڈ اور پھول کس نے بھیجے تھے۔
"میر سکندر علی۔" اس کے لب دھیرے سے ہلے تھے۔
اسی وقت دروازہ کھول کر جمیلہ اور رملی اندر چلی آئیں۔ رملی کا چہرہ گیلا ہو رہا تھا۔ وہ شاید منہ دھو کر بنا پونچھے ہی چلی آئی تھی۔
"ہیلو ہیلو، کیسی طبیعت ہے؟" وہ بشاش انداز میں گویا ہوئی۔
"اب تو ٹھیک ہوں بالکل۔" وہ دھیرے سے مسکرا دی۔
"ہوں، گڈ۔ ارے یہ پھول کتنے خوبصورت ہیں۔ تو جناب ہو گئی صلح صفائی؟" وہ اس کے قریب چلی آئی۔
"صلح صفائی؟" زینب غائب دماغی سے بولی تھی۔

''ہاں، احسن صاحب ہی لائے ہوں گے۔'' وہ ہنسی۔ ''سفید پھول تو دوستی کا پیغام دینے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ دیکھتے ہی امن، صلح اور محبت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟'' وہ اس کے برابر ہو کر دیکھنے لگی۔ کارڈ اب تک زینب کی انگلیوں میں کھلا رہا تھا۔ رملی کی نگاہیں اس کی تحریر پر پڑیں پھر اس کا چہرہ یکایک سفید ہو گیا۔

''یہ...... یہ......'' وہ ہکلا کر رہ گئی۔

''یہ احسن نہیں لائے۔'' زینب نے گہری سانس بھر کر کارڈ بند کر دیا۔ ''کسی نے بھجوائے ہیں۔ کس نے؟ میں خود نہیں جانتی۔ کیونکہ اس پر کسی کا نام تحریر نہیں۔''

رملی خاموش کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

''میرے ذہن میں ایک نام ہے لیکن لینے سے ڈرتی ہوں۔ مبادا تم ناراض ہو جاؤ۔ ایک مرتبہ پہلے بھی تو......'' وہ دانستہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی تھی۔

''نہیں۔'' رملی بہت دیر بعد گویا ہوئی تھی۔ ''میں ناراض نہیں ہوں گی۔ میں جانتی ہوں۔ یہ میر سکندر علی نے بھجوائے ہیں۔ کسی کی خبر گیری کرنے کا اس کا انداز ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں۔''

زینب کچھ دیر پھول ہاتھ میں لیے کھڑی رہی پھر اس نے رملی کی جانب دیکھا۔ ''کیا کروں ان کا؟''

اس نے کندھے اچکا دیے۔

''میں اپنے لیے ایک کپ چائے بناؤں گی۔'' یکایک وہ ٹون بدل کر کچن کی سمت چل دی تھی۔ ''جمیلہ بی بی کو دیکھ کر میں چائے کا گرم گرم کپ یوں ہی چھوڑ آئی ہوں۔''

اس کے کچن میں چلے جانے کے بعد زینب آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بیڈ روم میں آئی۔ تھوڑی دیر تک کھڑی وہ پورے کمرے کا جائزہ لیتی رہی پھر اس نے پھول اپنی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیے تھے۔



رملی اور اس کے درمیان پھر اس موضوع پر کوئی بات نہ ہوئی تھی۔ رملی اپنے رویے میں کوئی بھی تبدیلی لائے بغیر اسی طرح اس کے چھوٹے موٹے کام نمٹاتی، اس کی دل جوئی میں لگی رہی تھی۔ زینب نے بھی اس سے کسی قسم کی کوئی شکایت نہ کی تھی، بلکہ وہ بے حد مطمئن نظر آ رہی تھی۔

نہ جانے کیوں ان پھولوں کو اپنے کمرے میں رکھ کر اسے ایک غیر معمولی طاقت کا احساس ہوا تھا۔ اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ اب بھی پہلے کی طرح پرکشش تھی، اس میں اب بھی کوئی ایسی بات تھی کہ وہ دلوں پر حکومت کر سکتی تھی۔ اس کا حسن محض احسن ایاز کی مدح سرائی کا ہی مرہون منت نہ تھا۔ وہ بہت دنوں کے بعد اپنے اندر ایک گہرا اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

شام کو فرخندہ آپا چلی آئیں۔ اس مرتبہ صوفیان کے ہمراہ نہ تھی۔

''مجھے تم لوگوں نے اطلاع دینی بھی ضروری نہ سمجھی؟'' وہ بہت دکھی تھیں، انہیں سخت گلہ تھا۔ ''وہ تو کل میں نے احسن کے آفس فون کیا تو وہاں اسکے کسی کولیگ نے مجھے بتایا۔''

زینب خاموش بیٹھی لب کاٹتی رہی۔ وہ بھلا ان کی شکایتوں کے جواب میں کیا کہہ سکتی تھی؟ اسے تو یہ بھی علم نہ تھا کہ ہر معاملے میں فرخندہ آپا کو فوقیت دینے والے احسن نے اس واقعے کی اطلاع انہیں کیوں نہ دی؟ اس کی اور احسن کی تو اس موضوع پر کوئی بات تک نہ ہوئی تھی۔

''یہ سب کچھ ہوا کیونکر بیٹی؟ کون سی پیچیدگی ہو گئی تھی عین وقت پر؟'' وہ بھیگی بھیگی آنکھوں کے ساتھ پوچھ رہی تھیں۔

"مجھے نہیں پتا آپا۔" وہ قدرے بیزاری سے بولی۔ "آپ چائے پئیں۔ ان باتوں سے بھلا حاصل بھی کیا۔"

فرخندہ آپا خاموش ہو گئیں۔ انہوں نے زینب کی نخوت اور بیزاری کو محسوس کر لیا تھا۔ وہ دکھ کے ایک گھمبیر احساس کے ساتھ خاموش بیٹھی رہیں۔

پھر شام کو ان کے شوہر انہیں لینے چلے آئے۔ فرخندہ آپا جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔

"محبت کی پہچان کرنا سیکھو بیٹی۔" انہوں نے جاتے جاتے دھیرے سے کہا تھا۔ "محبت، خلوص، رواداری، انسیت۔ زمانے نے ان چیزوں کو بہت کمیاب کر دیا ہے۔ جہاں کہیں بھی یہ دکھائی دیں، ان سے دامن بھر لینا چاہیے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی آپا؟" وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی۔

"تمہاری مرضی ہے بیٹی! سمجھنا چاہو یا نہ سمجھنا چاہو تو......" انہوں نے گہری سانس بھری۔ "میں بس اتنا کہوں گی کہ تم سے ملنے میں میری اپنی کوئی غرض پوشیدہ نہیں۔ میں بہت خلوص اور بے غرضی سے اب تک احسن اور تمہیں چاہتی رہی ہوں۔ ملنے آتی رہی ہوں۔ خلوص اور بے غرضی کو پہچاننا سیکھو بیٹی! جو لوگ فی زمانہ اس جنس کی قدر نہ کریں، وہ بہت کم عقل ہوتے ہیں۔"

وہ بہت عرصے بعد اپنے مخصوص انداز میں کہہ رہی تھیں۔ زینب کی تیوری پر بل پڑ گئے۔ وہ انہیں کوئی سخت سی بات کہتے کہتے رہ گئی۔

"احسن کو میں نے اپنے سگے بیٹوں کی طرح چاہا ہے۔ اس کا دکھ مجھے اپنی ذات کا دکھ لگتا ہے۔ اس کے ہی حوالے سے مجھے تم بھی عزیز ہو۔ تمہاری تکلیف سے مجھے بھی تکلیف پہنچی ہے۔ تم یقین کرو یا نہ کرو، میں ہر لحظہ تم لوگوں کے لئے دعا گو رہتی ہوں۔ کہ تم لوگ خوش رہو، آباد رہو۔"

"آپ یہ سب کچھ کیوں کہہ رہی ہیں آپا؟" وہ بول پڑی۔

"کیوں کہہ رہی ہوں؟" وہ افسردگی سے بولیں۔ "یقین دلانا چاہتی ہوں اپنی چاہت اور خلوص کا۔ مبادا تم سمجھو کہ آپا کسی مقصد سے آتی ہیں۔"

"آجایا کریں۔ جب آپ کا جی چاہے۔" وہ قطعاً بے تاثر لہجے میں بولی۔

"چلتی ہوں۔ احسن کو پیار کہنا میرا۔"

وہ بہت ملول ہو کر گئی تھیں۔ زینب کے اکھڑے ہوئے رویے سے انہیں شدید قسم کی ٹھیس لگی تھی۔ لیکن زینب کو اپنے احساسات کسی پتھر کی مانند منجمد لگتے تھے۔ اسے اپنے دل میں فی الوقت کسی کے لیے بھی رتی برابر جگہ محسوس نہ ہو رہی تھی۔ وہ احسن اور اس کا حوالہ لیے ہر شخص سے برگشتہ تھی۔ اسے زندگی میں کوئی کشش محسوس نہ ہو رہی تھی۔ اس کے خیال میں یہ وہ خاتون تھیں جنہوں نے اول روز سے احسن کو اس سے متنفر کرنے کی کوششیں کی تھیں۔ اسے ان کے لفظوں پر یقین نہ آتا تھا۔ وہ اس سے ملنا نہیں چاہتی تھی۔ سو ان کے جانے کے بعد وہ بہت سکون سے دروازہ بند کر کے اندر چلی آئی تھی۔



چار دن کے بعد وہ چلا آیا تھا۔ رویے میں بے حد تبدیلی کے ساتھ۔ ایک مرتبہ پھر پہلے جیسا احسن بن کر۔

"کیسی ہو زینو؟" وہ بڑی محبتوں سے پوچھ رہا تھا۔

"میں، ٹھیک ہوں بالکل۔" اس نے آہستگی سے کہہ کر نظریں جھکا لیں۔

"کیسے گزرے یہ دن؟ بور تو نہیں ہوئیں؟" وہ سانس بھر کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ٹانگیں پھیلانے والے انداز میں سیدھی کر لیں۔

وہ بے حد تھکا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔

''چائے بنا کر لاؤں آپ کے لیے؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''آں.....'' اس نے آنکھیں مسلیں۔ ''نہیں، کھانا کھاؤں گا۔ راستے میں کچھ کھایا نہیں کہ گھر آ کر تمہارے ساتھ کھانا کھانا تھا'' وہ مسکرایا۔

''پہلے ایک گلاس پانی پلا دو۔ پھر نہا دھو کر اطمینان سے تمہارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا۔''

''لیکن میں کھانا کھا چکی ہوں۔''

''اچھا'' اسے مایوسی ہوئی۔ ''چلو، خیر ہے۔''

وہ اس کے لیے پانی کا گلاس بھر کر لے آئی۔ وہ بے حد تھکا ہوا تھا۔ صوفے کی پشت سے سر لگائے وہ غنودگی کے عالم میں تھا۔

''آپ سو رہے ہیں؟'' اس نے گلاس میز پر رکھا۔

''آں، نہیں۔'' وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ ''تھکن ہو گئی ہے۔ چار دن بہت مصروفیت رہی ہے کل صبح کا جاگا ہوا ہوں۔ پہلے آفس کا کام نمٹاتا رہا پھر شاپنگ کرنے چلا گیا۔ تمہارے لیے کچھ چیزیں خریدی ہیں۔ وہاں سے سیدھا اسٹیشن گیا۔ ٹرین پکڑنی تھی۔ اور ٹرین میں مجھے نیند نہیں آئی۔ آج صبح یہاں پہنچ گیا ہوں تمہارے پاس۔ یہ ہے کل رام کہانی۔''

وہ بالکل پہلے والے انداز میں باتیں کر رہا تھا۔ ہلکا پھلکا شگفتہ سا انداز تھا۔

''چلیں پھر نہا لیں۔ کھانا کھا کر سو جائیں۔ شام تک فریش ہو جائیں گے۔'' وہ سادہ سے انداز میں بولی۔

''ہاں میرا بھی یہی پروگرام ہے۔'' وہ مسکرایا۔ ''یہ بیگ ہے نا۔ اس میں تمہاری چیزیں ہیں۔ لیکن دیکھنا مت، میں خود دکھاؤں گا ہر چیز، ٹھیک ہے؟''

زینب نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ تولیہ اٹھا کر باتھ روم میں گھس گیا تھا۔ زینب وہیں بیٹھی سوچتی رہی۔ صلح ہو گئی تھی لیکن اس مرتبہ کی صلح میں وہ پہلے کا سا مزہ نہ تھا۔ وہ بے قراری نہ تھی۔ ہر بات اپنی دلکشی کھو بیٹھی تھی۔

لفظوں کی چوٹوں سے دل پر جو نیل پڑتے ہیں۔

ان کے نشان اتنی آسانی سے نہیں جاتے احسن صاحب۔'' اس نے سوچا۔ ''اس مرتبہ کی ضرب تو اتنی کاری ہے کہ مجھے اپنا دل ہی مردہ محسوس ہوتا ہے۔ ایک بدسلیقہ، بے ڈھنگی، پھوہڑ عورت۔ یہی تعریف ہے تمہاری۔ غلط تھے وہ لفظ جو آج تک تمہاری مدح میں کہتا رہا۔''

اس کے ذہن میں تپتے سلگتے الفاظ ابھرے۔ اس نے اپنا پورا وجود جلتا ہوا محسوس کیا۔

''چلیں جناب۔'' وہ باتھ روم سے سر رگڑتا ہوا برآمد ہوا۔ ''پکایا کیا ہے؟''

وہ ہڑبڑا کر اپنے خیالوں سے باہر نکلی تھی۔

''جمیلہ نہیں آئی کیا؟'' وہ بیگ کھولتے ہوئے مصروف سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''آئی تھی، کام ختم کر کے جلدی چلی گئی۔'' وہ کچن کی جانب بڑھ گئی۔

کھانے کے دوران بھی وہ مسلسل بولتا رہا۔ زینب کچھ حاضر، کچھ غائب دماغی سے سنتی رہی نہ جانے احسن اس کا کھنچاؤ محسوس نہیں کر رہا تھا یا محسوس کر کے بھی انجان بن رہا تھا۔

کھانے کے بعد اس نے چائے کی فرمائش کی اور جب وہ چائے بنا کر لائی تو وہ اپنی خریدی ہوئی چیزیں نکال نکال کر میز پر رکھ رہا تھا۔

''ادھر آؤ جانم! اور سراہو میری پسند کو۔'' اس نے چائے ٹیبل پر رکھی۔ زینب کا ہاتھ کھینچ کر اپنے قریب بٹھا لیا۔ ''یہ دیکھو چنری کا سوٹ اور اس کے ساتھ پہننے کے لیے یہ کھسے۔''

اس نے میرون اور بلیک چنری کا سوٹ اور اسی کمبی نیشن میں کڑھائی والا کھسہ اس کے سامنے رکھ دیا۔

''کیسا ہے؟'' اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''اچھا ہے۔'' وہ نیم دلی سے بولی۔

''اچھا ہے۔بس؟ بہت اچھا نہیں؟''

''بہت اچھا ہے۔''

''چلو یہ دیکھو۔سفید موتیوں کا سیٹ۔'' اس نے چھوٹا سا ڈبہ اسے تھمایا۔''یہ مجھے بہت اچھا لگا تھا۔بہت مہنگا ہے لیکن میں لیے بغیر نہ رہ سکا۔''

''مہنگا تھا تو کیوں لیا۔نہ لیتے۔'' اس کا انداز بے حد سادہ تھا۔

''کیوں نہ لیتا۔میرے لیے تو دنیا کی سب سے مہنگی اور قیمتی چیز تم ہو زینو!'' وہ لگاوٹ سے بولا۔زینب نگاہ نیچی کیے خاموش بیٹھی رہی۔

''اچھا یہ شال دیکھو۔'' اس نے سیاہ کشمیری کڑھائی والی شال اس کے سامنے پھیلائی۔

''اچھی ہے نا۔''

''جی، بہت اچھی ہے۔آپ چائے تو پی لیں ٹھنڈی ہو رہی ہے۔''

''زینب!تم اب تک خفا ہو؟''

''نہیں، میں نے ایسا کب کہا؟''

''کیا میں محسوس نہیں کر سکتا؟'' وہ آزردگی سے بولا۔

''آپ کچھ محسوس نہیں کر سکتے۔'' اس نے تلخی سے سوچا تھا۔''آپ میں محسوس کرنے والی حس ہی نہیں ہے۔''

''آپ بلاوجہ ہی غلط اندیشوں کا شکار ہو رہے ہیں۔'' وہ کھڑی ہو گئی۔''میں تو بالکل ناراض نہیں ہوں۔یہ سب کچھ نہ لاتے تب بھی نہیں۔''

''میں یہ سب کچھ اپنی خوشی سے لایا ہوں۔کسی قسم کے لالچ کے لیے نہیں۔'' وہ نرمی سے بولا۔

''چائے پی کر کچھ دیر آرام کر لیں۔میں ذرا کھانے کے برتن دھو لوں۔''

وہ کچن میں چلی آئی تھی۔



دوسرے روز وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب زینب سو کر اٹھی تھی۔

''سنیں، ایک کام کر دیں۔''

''ہاں، بولو۔'' وہ ٹائی کی ناٹ درست کر رہا تھا۔

''آمنہ کو میرا پیغام پہنچا دیں۔ میرا جی اس سے ملنے کو چاہ رہا ہے۔ اگر وہ آج مجھ سے ملنے آ جائے تو۔''

احسن نے اس کی سمت دیکھا۔ وہ بڑی آس سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے علم تھا کہ آمنہ کا گھر اس کے آفس کے لحاظ سے بالکل مخالف سمت میں تھا۔ اسے آفس سے کم از کم گھنٹہ بھر کی دیر ہو سکتی تھی۔

''اچھا۔'' لیکن وہ مان گیا تھا۔ ''میں کہتا جاؤں گا۔''

''شکریہ۔'' وہ وہاں سے ہٹ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

اسے دراصل شدت سے کسی ساتھی، کسی غمگسار کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے خود اپنی کیفیات سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ ایسے میں اسے سامع کی ضرورت تھی جو اسے اس کی کیفیات کے حوالے سے کچھ سمجھا سکتا۔ اسے سکون کی ضرورت تھی اور اسے علم تھا کہ آمنہ کی قربت میں اسے سکون ملتا تھا۔

اسے یقین تو نہیں تھا کہ آمنہ آئے گی لیکن وہ دوپہر میں چلی آئی تھی۔ زینب کو اسے دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

''میں سوچ رہی تھی شاید تم نہ آ سکو۔'' وہ اس سے لپٹ کر بولی تھی۔

''کیسے نہ آتی۔'' آمنہ بولی۔ ''مجھے تو صبح احسن بھائی نے بتایا کہ...... وہ زینب! میں...... میں کیا کہوں۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''کچھ نہ کہو آمنہ!'' وہ اداسی سے بولی۔ ''آج دوسری باتیں کریں گے۔ یہ بات سوچ سوچ کر دماغ تھک گیا ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو زینب!'' وہ اپنے بچے کو بستر پر لٹانے لگی۔

''کیسے آئیں؟ انوار بھائی چھوڑ گئے ہیں؟'' زینب نے موڈ بدلنے کی خاطر پوچھا تھا۔

''نہیں، وہ تو آفس جا چکے تھے۔ میں ٹیکسی میں آئی ہوں۔''

''بہت شکریہ آمنہ! آج مجھے تمہاری بہت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔''

''میں تمہارا درد محسوس کر سکتی ہوں۔'' وہ ہمدردی سے اس کے قریب آ گئی تھی۔

زینب کو یکایک نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''ارے...... ارے...... زینب! زینب!'' آمنہ بے طرح گھبرا گئی۔ ''بھئی اس طرح مت کرو، ورنہ میں بھی رو دوں گی۔ میں تمہارے لیے پانی لاتی ہوں۔''

''نہیں۔'' اس نے آمنہ کا ہاتھ تھام لیا۔ ''پلیز میرے پاس رہو۔''

''اچھا، ٹھیک ہے۔'' آمنہ نے جیسے اسے دلاسا دیا۔ ''چلو، یہاں آ کر بیٹھو۔'' وہ اسے لے کر پلنگ تک آ گئی۔

''آمنہ! میں بہت ٹینشن کا شکار ہو گئی ہوں۔ نجانے مجھے کیا ہو گیا ہے۔ ایسا لگتا ہے میں پاگل ہو جاؤں گی۔ کوئی شخص مجھے اپنا نہیں لگتا، کوئی بات مجھے خوشی نہیں بخشتی۔''

''ٹھیک ہو جائے گا زینب! سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔ ''اچانک پیش آنے والے اس حادثے نے تمہارا ذہن ماؤف کر دیا ہے لیکن یہ کیفیت عارضی ہے۔ ماشاءاللہ تمہارا اتنا چاہنے والا شوہر تمہارے ساتھ ہے۔ بہت جلد تم اس صدمے کے اثرات سے باہر نکل آؤ گی۔''

''شوہر؟ شوہر کی بات کرتی ہو؟'' وہ چہرہ اٹھا کر تلخ لہجے میں بولی۔ ''مجھے احسن سے نفرت ہوتی جا رہی ہے۔''

''کیا؟'' آمنہ کا منہ کھلا رہ گیا۔ ''یہ تم کیا کہہ رہی ہو زینب؟ مجھے تم سے کم از کم اتنی شدت پسندی کی توقع نہیں تھی۔ احسن بھائی کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے؟ ایسا حادثہ تو اکثر عورتوں کے ساتھ پیش آ جاتا ہے۔ یہ تو قدرت کے کھیل ہیں۔ کبھی بے تحاشا نواز دینا، کبھی یکا یک سب کچھ چھین لینا۔ انسان کو تقدیر کے فیصلوں کے آگے صابر و شاکر رہنا پڑتا ہے۔ جو صبر نہیں کرتا وہ صرف خود کو نقصان پہنچاتا ہے۔''

''احسن نے مجھے بہت دکھ دیا ہے آمنہ! تم نہیں جانتیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ ''پہلے عرش پر بٹھایا تھا۔ وہاں سے اٹھا کر فرش پر دے مارا۔ تذلیل کے احساس میں گھر کر میں اتنا بڑا نقصان کر بیٹھی تو کیا اس میں میرا قصور ہے؟''

''ایسا کیا کیا ہے احسن بھائی نے؟'' آمنہ الجھن میں پڑ گئی۔ زینب نے اسے ساری داستان سنا ڈالی۔

''تم کتنی نادان ہو زینی! کتنی نادان۔'' وہ ساری بات سن کر تاسف سے سر ہلانے لگی تھی۔ ''مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اگر تمہارا رویہ ایسا ہی رہا تو تم خالی دامن، خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔ مرد کا کبھی کچھ نہیں بگڑتا۔ سارا خسارہ عورت کے حصے میں آتا ہے۔ یہ ایسی ہی شراکت داری ہے۔''

''پتا نہیں آمنہ! کیوں ہم دونوں روز بروز ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔''

''صرف تم دور ہو رہی ہو زینب! احسن بھائی تو اپنی جگہ پر کھڑے ہیں۔''

''تم میری دوست ہو کر ان کی وکالت کر رہی ہو؟'' وہ اس سے جھگڑنے والے انداز میں بولی تھی۔

''تمہاری دوست ہوں اسی لئے حقائق کے آئینے میں تمہیں تمہارا چہرہ دکھا رہی ہوں۔'' آمنہ رسانیت سے مسکرا دی۔ ''اپنے شوہر کو سمجھو، اس کا دل جیتو، اس کی پسند میں سرتاپا ڈھل جاؤ، یہی تمہاری کامیابی ہوگی زینب! اس کے سامنے کھڑے ہو کر اس کو طعنے دے کر اور اس کے طعنے کھا کر صرف یہی ہوگا جو اب تمہارے ساتھ ہو رہا ہے۔''

''لیکن آمنہ! پہلے تو وہ ایسے نہ تھے۔'' وہ رنجیدگی سے بولی۔ ''میری کڑوی باتیں سن کر بھی مسکرا دیا کرتے تھے۔ کبھی انہوں نے کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے میرا دل دکھے۔ ہمیشہ میری مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔''

''اور تم اتنی مغرور ہو گئیں کہ انہیں اپنے آگے سجدہ ریز دیکھنے کی خواہش مند ہو گئیں؟''

''نہیں آمنہ!'' اس نے کہنا چاہا۔

''ایسا ہی ہے زینب، ورنہ تم ان کی اجازت کے بغیر کبھی گھر سے باہر قدم نہ نکالتیں۔ دیکھو زینب! آدمی آدمی میں بھی فرق ہوتا ہے۔ مردم شناس بنو۔ کم از کم اپنے جیون ساتھی کی نیچر مکمل طور پر سمجھنے کی کوشش کرو۔ میرے خیال میں تو احسن بھائی بہت انا پرور شخص ہیں۔ وہ تمہارے لئے اتنا ہی جھکیں گے جتنا وہ خود جھکنا چاہیں گے۔ جہاں تم نے اپنی مرضی کا دباؤ ڈالنے کی کوشش کی وہاں سے معاملہ نقصان دہ ہونا شروع ہو جائے گا۔ یا تو وہ ٹوٹ جائیں گے یا تم ٹوٹ جاؤ گی۔''

''وہ بدل گئے ہیں آمنہ! تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو'' وہ زچ ہو گئی۔ ''انہوں نے وہ وہ الفاظ کہے ہیں جو ساری عمر میرے دل سے نہیں نکل سکتے۔ میں ان کا چہرہ دیکھتی ہوں اور وہ باتیں میرے دماغ میں گردش کرنے لگتی ہیں۔''

آمنہ تاسف سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''فارحہ کہا کرتی تھی کہ مرد، عورت کو حاصل کرنے کے لئے ہر جتن کر گزرتا ہے۔ اسے اپنا خدا بھی مان لیتا ہے اور پھر جب وہ اسے مل جاتی ہے تو اس کا نام اپنے غلاموں کی فہرست میں سب سے اوپر لکھ لیتا ہے۔ سارا چکر دسترس کا ہے۔ مجھے لگتا ہے وہ ٹھیک ہی کہتی تھی۔ تمہیں یاد ہوگا آمنہ! اسی احسن ایاز نے مجھے کیا کیا خواب نہ دکھائے تھے۔ کیا کیا وعدے نہ کئے تھے۔ میری زندگی کو پھولوں بھری شاہراہ بنانے کا عزم کیا تھا۔ آج وہی احسن کہتا ہے کہ میں محض عامیانہ تحریر سے بھی ایک کتاب ہوں جس کا بس سرورق ہی اچھا ہے۔ کیا یہ توہین کی انتہا نہیں؟ میں اسے حاصل ہو گئی تو اب وہ

میری اس طرح تذلیل کر رہا ہے۔"

"غصے میں آدمی کے منہ سے نہ جانے کیا کچھ نکل جاتا ہے زینب! اپنے شوہر سے محبت کرنی ہو اور اس کی محبت پانی ہو تو دل میں ایک قبر کھودنی پڑتی ہے۔ ہر تلخ بات، ہر تلخ یاد، ہر اختلاف، اپنی ہر ہار اس قبر میں دفناتے جاؤ اور دل کو صاف رکھو۔ یہی بہترین اور پرسکون زندگی گزارنے کا اولین اصول ہے۔"

'جہاں قبریں ہوں وہاں گلستان نہیں کھلتے آمنہ! قبرستان بنتے ہیں۔ اور میرا دل قبرستان بنتا جا رہا ہے۔ خاموش، ویران اور اداس۔ ہاں، میرے دل میں ہو کا سا عالم ہے۔"

وہ پھر رونے لگی تھی۔ آمنہ ہمدردی سے اس کا ہاتھ تھپکنے لگی۔

"میں کہہ رہی ہوں نا زینب! اس حادثے کے اثرات سے باہر نکلتے نکلتے وقت لگے گا۔ تم ذہنی تناؤ کا شکار ہو۔ ایسے میں انسان خود سے منسلک ہر رشتے سے بیزار ہو جاتا ہے۔ تقدیر کی خرابی کا الزام کسی نہ کسی پر عائد کر کے تھوڑی سی تسلی چاہتا ہے۔ بے گناہ لوگ بھی اسے گناہ گار نظر آتے ہیں۔ بس تمہارے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔ اس کنڈیشن سے نکلو گی تو اپنی ان سوچوں پر افسوس ہو گا تمہیں۔ تمہارا شوہر تمہیں بہت چاہتا ہے۔ یہ بات سچی، کھری اور اٹل ہے۔"

پھر وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی تھی۔

"تمہیں خدا نے بہت کچھ دیا ہے زینب!" وہ بولی تھی۔ "بہت خوش قسمت بنایا ہے۔ اپنی خوش قسمتی کا ادراک کرو اور شکر ادا کیا کرو۔"

"خوش قسمت؟" زینب ہنس دی۔ "میں تمہیں کہاں سے خوش قسمت نظر آتی ہوں؟"

"ایک مکمل زندگی، ایک چاہنے والا جیون ساتھی۔ عورت کے لئے اس سے بڑھ کر بھی کوئی خوش قسمتی ہے؟ تمہیں اور کیا چاہیے؟"

آمنہ کی نظروں میں اس کی طنزیہ ہنسی سے بہت سے حیران کن سوالوں نے جنم لیا تھا۔

"زندگی کولہو نہیں ہے آمنہ! جس کے گرد بیل بن کر چکراتے ہی رہو۔" وہ تلخ ہوئی۔ "تم بہت سادہ مزاج ہو، بہت کم پر قناعت کر سکتی ہو۔ میرا تو جی چاہتا ہے ہتھیلی پھیلا کر دنیا اس پر رکھ لوں۔ کبھی گھر سے نکل کر، آنکھیں کھول کر دیکھو، دنیا کہاں سے کہاں جا رہی ہے۔ کتنی مقابلے بازی ہو رہی ہے یہاں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کتنی کوشش کرتے ہیں لوگ۔ میں اس دوڑ میں کس قدر پیچھے ہوں۔ مجھے تو یہ احساس سکون سے نہیں رہنے دیتا۔ تمہارے اندر اتنا سارا سکون کہاں سے اتر آیا ہے آمنہ؟"

آمنہ مسکرا دی۔

"مجھے دنیا اور اس کی مقابلے بازی سے کچھ غرض نہیں۔ میں نے اپنے گھر کو اپنی دنیا مان لیا ہے اور میری اس چھوٹی سی دنیا میں بہت سکون ہے۔ دل میں جب ان گنت خواہشات اور تمنائیں بھری ہوں تو سکون کو جگہ نہیں ملتی۔ دل کو ان آلودہ چیزوں سے پاک کرو، نیک سوچوں سے سجاؤ تو سکون خود یہاں عبادت کرنے چلا آتا ہے۔ میری باتوں پر غور کرنا زینب! سکون تمہاری دسترس سے دور نہیں۔ ان پارہ صفت سوچوں سے اپنے دماغ کو چھٹکارا دلاؤ۔"

زینب حیرانی سے اسے دیکھتی رہی۔

"آمنہ! میں تمہارے جیسی نہیں بن سکتی، بالکل بھی نہیں بن سکتی۔" پھر اس نے کہا تھا۔



احسن کی مصروفیت دن بدن بڑھتی ہی جارہی تھی۔ وہ شام کو اکثر دیر سے آنے لگا تھا۔

"ہاں کام کچھ زیادہ ہے ان دنوں۔" ایک مرتبہ زینب کے استفسار پر اس نے بتایا تھا۔ "اوور ٹائم بھی کر لیتا ہوں۔ جو قرض لیا ہوا ہے لوگوں سے اس کا بہت بوجھ ہے میرے سر پر۔ چاہتا ہوں جلد از جلد ادا ہو۔ ابھی مہینہ دو مہینہ یہی روٹین رہے گی۔"

زینب کوفت کا شکار ہوتی جارہی تھی۔ جمیلہ شام تک کام ختم کر کے چلی جاتی تھی۔ پھر کوئی مخاطب کرنے والا بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ ٹی وی لگائے بیٹھی رہتی اور بے چینی سے پہلو بدلا کرتی۔

کبھی کبھار اسے بچے کا خیال آجاتا تو تنہائی آزار بن جایا کرتی۔

اس روز بھی وہ کتنی دیر تک تنہا بیٹھی رہی تھی۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ احسن بھی دیر سے لوٹنے کا کہہ گیا تھا۔

وہ کچھ دیر تک بے مقصد ہی ٹہلتی رہی پھر اسے رملی کا خیال آگیا۔ اسے بھوک لگ رہی تھی۔ اور وہ کسی کی ہمراہی میں کھانا کھانا چاہتی تھی۔

دروازہ لاک کر کے وہ رملی کی طرف چلی آئی۔ وہاں پہنچ کر اسے مزید مایوسی ہوئی۔ گھر پر رملی کی بوڑھی ملازمہ اکیلی تھی۔

"بی بی تو شاپنگ کرنے گئی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اس وقت؟" اسے بے تحاشا کوفت ہوئی تھی۔

"بہت دیر کی گئی ہوئی ہیں۔ لوٹتی ہوں گی۔ آپ بیٹھیں، میں چائے بنالاتی ہوں۔"

"نہیں اماں! میں کھانا کھاؤں گی۔ لیکن رملی کے ساتھ۔"

"اچھی بات ہے۔ میں روٹیاں ڈال لیتی ہوں تب تک۔" وہ کچن میں چلی گئی۔

زینب وہیں بیٹھ گئی۔ بے دلی سے رملی کے گھر کی آرائش پر غور کرنے لگی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر رملی اور میر سکندر علی ہنستے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔ دونوں کے چہرے چمک رہے تھے۔ ان کی نگاہ تب تک زینب پر نہ پڑی تھی۔

"بہت شاپنگ کر لی۔ تھک گئی ہوں۔" رملی نے بیگ صوفے پر پھینکے۔

"میں نہیں تھکا اور کچھ خریدنا چاہو تو......" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا، جب اس کی نگاہ زینب پر پڑی تب تک رملی بھی اسے دیکھ چکی تھی۔

"اوہ زینب! تم کب آئیں؟" وہ لحہ بھر کو یوں ٹھٹھکی تھی۔ جیسے زینب نے اس کی کوئی چوری پکڑ لی ہو۔

"میں بس ابھی، کچھ دیر ہوئی۔" وہ سکندر علی کی موجودگی سے کنفیوز ہوگئی تھی۔

"کھانا لگاؤں بی بی۔" ملازمہ کچن سے نکلی تھی۔

"نہیں اماں۔" رملی چونکی تھی۔ "ہم کھانا کھا کر آئے ہیں۔"

"لیکن بی بی تو آپ کے ساتھ کھانا کھانے آئی تھیں۔" بوڑھی ملازمہ نے مسکرا کر اطلاع کی۔ "میں نے روٹیاں بھی ڈال لی ہیں۔"

"تو پھر ہم ضرور کھانا کھائیں گے۔" یکا یک میر سکندر علی مسکرایا تھا۔ "رملی کھانا لگوالو۔ معزز مہمان کے لیے ہم دوبارہ کھانا کھا سکتے ہیں۔"

رملی جیسے جبراً مسکرائی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں! ٹیبل لگاؤ۔"

زینب نے اسے منع بھی کرنا چاہا، لیکن نہ جانے کیوں وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"میں ذرا ایک فون کرلوں" سکندر علی معذرت کر کے اندر چلا گیا تھا۔

وہ دونوں کچھ دیر خاموش بیٹھی رہیں پھر رملی اٹھ کر اسے اپنی شاپنگ دکھانے لگی۔

''کتنی ساری چیزیں لینی تھیں۔ میں بہت دنوں سے مارکیٹ نہ جا سکی تھی پھر آج سکندر آ گیا تو میں نے کہا لگے ہاتھوں یہ کام بھی ہو جائے۔ اکیلے شاپنگ کرنا بہت دشوار ہوتا ہے یار! نہ کوئی مشورہ دینے والا، نہ سامان اٹھانے والا۔'' وہ ہنسی۔

''سکندر کے ساتھ شاپنگ کرنے کا ایک پلس پوائنٹ اور بھی ہے۔''

زینب نے سوالیہ نگاہیں اٹھائیں۔

''بندے کو بس چیزیں پسند کرنا ہوتی ہیں، پرس نہیں کھولنا پڑتا۔ سکندر کا والٹ ہر دکان پر از خود کھلتا، بند ہوتا رہتا ہے۔ اشیاء کی پے منٹ ہوتی رہتی ہے۔ بے نا مزے کی بات۔''

اس نے قہقہہ لگایا تھا۔

''اچھا یہ کپڑے دیکھو۔ پے منٹ سکندر نے کرنی تھی تو میں نے دل بھر کر کپڑا اکٹھا لیا۔ لان کے آٹھ سوٹ ہیں۔ یہ دو سوٹ بریزے سے لائی ہوں۔ اور یہ پرفیوم دیکھو، صرف شیشی کھلنے کی دیر ہے اور پورا کمرہ مہک اٹھا ہے۔ سکندر کہنے لگا، یہ میری طرف سے گفٹ ہے۔ میں نے کہا۔ یہ باقی گفٹس پھر کس کی طرف سے ہیں۔'' وہ پھر ہنسی۔

''کہنے لگا، یہ تو بس عام سی شاپنگ ہے نا۔ اچھا زینب! یہ سینڈل دیکھو۔'' اس نے سیاہ نازک سی سینڈل اس کی جانب بڑھائی۔

''بہت خوب صورت ہے، بہت نازک۔''

زینب نے لاشعوری طور پر ہی اپنا پیر اس میں ڈال دیا تھا۔

''ہائے، تمہارے پیر میں تو قیامت ڈھا رہی ہے۔ اتنے حسین پیر۔'' رملی چیخ اٹھی۔ ''کم بخت تو کیا چیز ہے؟''

زینب نے جھینپ کر اپنا پیر جوتی سے باہر نکال لیا۔

رملی کی چیزوں نے اس پر ایک سحر سا طاری کر دیا تھا۔ اسے اپنا دل مٹھی میں دبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''ہائے شاپنگ تو یہ ہوتی ہے۔ بازار سے تو یوں لوٹتے ہیں۔ ایک بازار میں جاتی ہوں۔ روتے ہوئے جاؤ، روتے ہوئے لوٹو۔ مہنگائی بہت ہے۔ قرض سر پر چڑھا ہے۔ مہینے کا آخر ہے۔''

وہ رملی کی چیزیں دیکھ رہی تھی اور سوچ رہی تھی۔

''کیسی اعلیٰ چیزیں خرید کر لائی ہے۔ لان ایسی نفیس کہ دیکھ کر چھونے کو اور چھو کر پہننے کو جی مچل جائے، اور یہ بریزے چنک کا سوٹ۔ یہ تو میرے لئے ایک خواب سے زیادہ نہیں، اور پرفیوم''

نہ جانے کیوں اس کا جی جل کر خاک ہو گیا۔ اسے تو کبھی کسی نے اتنا قیمتی، اتنا مہنگا تحفہ نہ دیا تھا۔

''میں سکندر کے لئے کافی تیار کر لوں'' رملی کھڑی ہوئی تھی۔ ''میں جانتی ہوں وہ فوراً..... کافی کا تقاضا کرے گا اور اب تو اس کا حق بھی ہے کہ میں اسے اپنے ہاتھوں سے کافی بنا کر پلاؤں۔ آ جاؤ، کچن میں چلتے ہیں۔''

وہ لاؤنج سے نکل گئی۔ زینب بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی، جب وہ کھنکھارا۔

''معزز خاتون، کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' وہ نجانے کب دبے قدموں چلا آیا تھا۔

''جی ضرور بیٹھیں۔'' وہ کھڑی ہوئی۔ ''میں رملی کے پاس کچن میں جا رہی ہوں۔''

''پلیز زینب! سٹ ڈاؤن۔ کچھ دیر گفتگو میں کوئی حرج ہے کیا؟'' اس کا لہجہ بے حد شائستہ تھا۔ وہ کچھ تذبذب کے ساتھ دوبارہ بیٹھ گئی۔

''آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟ آپ کچھ کمزور ہو گئی ہیں۔''

''میں ٹھیک ہوں۔ پھولوں کے لئے شکریہ۔'' وہ نجانے کس دھیان میں کہہ گئی۔

سکندر علی کے لبوں پر بڑی خوبصورت مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

''آپ کو برا تو نہیں لگا تھا؟''

زینب چند لمحے سوچتی رہی۔ اسے وہ پھول پا کر اچھا لگا تھا۔

''نہیں۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''تھینک یو۔ اس کائنڈنیس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ کیا آپ مجھ پر ایک اور مہربانی کریں گی؟ پلیز۔'' وہ التجائیہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ زینب نظروں میں الجھن بھر کر اسے دیکھنے لگی۔

میر سکندر علی نے پینٹ کی جیب سے ایک مخملیں ڈبیا نکالی تھی۔

''ایک چیز ہے۔ بے حد خوبصورت اور نازک۔ اسے دیکھ کر آپ کا خیال آیا تھا مجھے اپنے دل میں کچھ غلط خیال مت کیجئے گا۔ یہ ایک نذرانہ ہے۔ بس ایک نذرانہ۔ بنا کسی لالچ یا برائی کے خیال کے۔ اس نے نازک سی وہائٹ گولڈ کی چین میں جگمگاتا ہیرے کا لاکٹ اس کی نظروں کے آگے کر دیا۔ روشنی کی لہریں اس سے ٹکرا کر یوں منعکس ہو رہی تھیں کہ زینب کو اپنی آنکھوں میں تارے بھرتے ہوئے محسوس ہوئے۔ لاکٹ اس کی نظروں کے آگے جھول رہا تھا۔ زینب ایک خواب کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔

''یہ ایک چھوٹا سا...... نذرانہ ہے زینب!'' سکندر علی نرم آواز میں بول رہا تھا۔ ''اگر آپ کو شرف قبولیت بخش دیں تو میں خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین شخص سمجھوں گا۔''

''نہیں۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔ ''میں...... میں یہ کیسے لے سکتی ہوں۔ بھلا کس رشتے کے تحت۔''

''بعض رشتے بس ذرا سی خوشی کے ہوتے ہیں۔ یہ دوستی کے رشتے ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی مطلب، کوئی غرض نہیں ہوتی۔ آپ مجھے غلط نہ سمجھیں۔ میں نے کہا نا، بس اس کی خوبصورتی اور نزاکت کو دیکھ کر مجھے آپ کا خیال آ گیا تھا۔ میں نے سوچا ایک پیاری شخصیت کے پاس ضرور پہنچنا چاہیے۔ پلیز زینب!''

زینب کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ اس نے آہستگی سے وہ لاکٹ اپنی مٹھی میں بھر لیا۔



گھر کا دروازہ کھول کر وہ بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی تھی اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا تھا۔ اس کا دل پوری طاقت کے ساتھ دھڑک رہا تھا۔ حلق کسی انجانے خوف سے بالکل خشک ہو رہا تھا۔

چند لمحوں تک وہ دروازے سے ٹیک لگا کر کھڑی رہی پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی آئی۔ احسن کی آمد اب تک نہ ہوئی تھی اور یہ اچھا ہی تھا۔ زینب اپنی کیفیت اس سے کسی طور نہ چھپا پاتی۔ بیڈ کے کنارے ٹک کر وہ خود کو سوچنے سمجھنے کے قابل کرنے کی کوشش میں مصروف تھی۔

نجانے اس پل اسے کیا ہو گیا تھا؟ وہ جیسے میر سکندر علی کی نظروں کے طلسم اور لہجے کے فسوں سے ہپناٹائز ہو گئی تھی۔ وہ اپنے آپ میں نہ رہی تھی۔ ایک انجان، غیر مرد سے نہایت قیمتی تحفہ وصول کرنا حد درجہ کی حماقت تھی اور زینب حیرانی سے اپنی حماقت کا جواز تلاش کر رہی تھی۔

''یا...... یا شاید ایسا ہوا تھا کہ میں رملہ کی چیزیں دیکھ کر جس جھنجھلاہٹ، مایوسی اور اداسی کا شکار ہوئی تھی اس کے تدارک کا فی الفور مجھے یہی طریقہ سوجھا کہ میں ان ساری چیزوں سے کئی گنا زیادہ قیمتی اور خوب صورت چیز حاصل کر لوں۔ شاید...... شاید یہی وجہ تھی کہ میں نے سوچے سمجھے

بغیر.......''

اس نے مٹھی کھولی۔نرم ہتھیلی پر پڑا ہیرا پوری آب وتاب سے جگمگا رہا تھا۔اس میں سے پھوٹتی روشنیاں اس کے بیش قیمت ہونے کی گواہی دے رہی تھیں۔اس کی سفید کبوتری ہتھیلی خود پر نازاں لگتی تھی۔زینب نے مٹھی پھر سے بند کرلی۔

وجہ کوئی بھی تھی۔جواز کچھ بھی ٹھہرا تھا۔یہ طے تھا کہ اب وہ ہیرا زینب شاہ کی ملکیت تھا۔اسے لینا وہ اپنی حماقت گردان رہی تھی۔لیکن اسے واپس کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتی تھی۔

''اور پھر وہ کہہ تو رہا ہے کہ اسے مجھ سے کوئی مطلب،کوئی غرض نہیں۔محض ذرا سی خوشی کا رشتہ۔''اس نے خود کو مطمئن کرنا چاہا۔

''خوشی؟ رشتہ؟''کوئی اس کے اندر بولا تھا۔''مرد اور عورت کا ذرا سا رشتہ اور وہ بھی خوشی کا وقتی خوشی؟ جانتی ہو زینب ان الفاظ کا مطلب؟ اپنے اندر ایک ہولناک تباہی ایک آتش فشاں سمیٹے ہوئے ہیں یہ الفاظ۔''

وہ پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔بازو سینے پر لپیٹ کر ادھر سے ادھر ٹہلنے لگی۔اندر ایک جنگ سی جاری ہو گئی تھی۔

''ایک غیر مرد،ایک غیر عورت کو بھلا کیوں اتنا قیمتی تحفہ دے گا۔کیا اس کے پاس اس قدر فالتو دولت ہے کہ یوں ہی اپنے دل کی خوشی کے لیے تحفے بانٹتا پھرتا ہے...... بنا غرض کے تو کوئی کسی کو اپنا گناہ نہیں دیتا اور مجھے کیا ہوا تھا کہ میں نے بغیر سوچے سمجھے اپنا ہاتھ پھیلا دیا۔اب وہ کیا سوچے گا؟ کیا خیال کرے گا میرے بارے میں کہ بس یہی وہ پارسائی کا دعوا تھا جو ایک ہیرے کی تپش نہ سہہ سکا۔موم بن کر بہہ گیا۔یہ کیا کیا میں نے......''

وہ تاسف سے سوچتی رہی۔بے چینی سے ٹہلتی رہی۔

''اور......اور......رملی''وہ ایک جگہ ٹھہر گئی''رملی کو اگر معلوم ہو گیا کہ میں نے یہ حرکت کی ہے۔اوہ خدا میرے خدا!''وہ شدید پریشانی کا شکار ہو چکی تھی۔

''وہ کیا سوچتی ہو گی،میں اس کو بتائے بغیر،کچھ کہے سنے بغیر ہی کیوں چلی آئی۔اس نے سکندر علی سے استفسار کیا ہو گا کہ زینب کیوں چلی گئی......تو کیا اس نے رملی کو سب کچھ بتا دیا ہو گا۔کیا اس نے رملی سے کہہ دیا ہو گا کہ میں نے اس کا تحفہ قبول کر لیا ہے......کتنا تمسخر ہو گا رملی کی مسکراہٹ میں اب میں اس کا سامنا کیسے کروں گی۔''

اس نے ایک مرتبہ پھر مٹھی کھول کر دیکھا۔اس کی ہتھیلی پسینے سے بھیگ چکی تھی۔وہ تھک کر دوبارہ بیٹھ گئی۔پھر اسے احسن کا خیال آیا۔یک بارگی اس کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

''احسن!اور اگر احسن کو علم ہو جائے......یا خدا احسن یا تو مجھے قتل کر دیں گے......میں جو اتنی گھٹیا حرکت کر آئی ہوں تو کیا سوچ کر؟ کیا میں یہ لاکٹ پہن سکوں گی؟ اگر پہنوں گی تو احسن سے کیا کہوں گی؟ یہ کہ میری کسی سہیلی نے مجھے اتنا قیمتی تحفہ دیا ہے،یا یہ کہ آپ جو محدود اور قلیل رقم ہر ماہ مجھے دیتے ہیں اس میں سے پس انداز کی ہوئی رقم سے یہ بیش قیمت ہیرا خرید لائی ہوں......یا یہ کہ یہ ہیرا میری مری ہوئی غریب ماں کی آخری نشانی ہے۔اوہ!یہ میں نے خود کو بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں مبتلا کر لیا ہے۔''

وہ ہونق چہرہ لئے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔چند لمحوں تک وہ کھڑی اپنے عکس کو دیکھتی رہی پھر اس نے مٹھی میں دبے اس لاکٹ کو غور سے دیکھا۔

''ایک نازک اور خوب صورت چیز ایک پیاری شخصیت کے لئے۔''

اسے میر سکندر علی کے الفاظ یاد آئے۔نجانے کیوں ایک خوب صورت سی مسکان نے اس کے لبوں کو اپنے حصار میں لے لیا۔اس نے مٹھی میں دبا لاکٹ گلے سے لگا کر دیکھا اور پھر پہن لیا۔

صراحی دار گردن سج گئی تھی۔وہ لاکٹ واقعی اس کی خوب صورت،سانچے میں ڈھلی گردن کے لئے ہی بنا تھا لاکٹ کا عکس آئینے سے

روشنیوں کی صورت منعکس ہو رہا تھا۔ زینب کو ایسا لگ رہا تھا کہ اس کا پورا وجود روشنیوں کی زد میں ہے۔ وہ اس کی بوچھاڑ میں بھیگ رہی ہے۔ وہ کتنی دیر تک کھڑی خود کو دیکھتی رہی۔ اس منظر نے اسے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ میر سکندر علی اسکے لئے کیا سوچ سکتا ہے۔ رملی اس بات کو بنیاد بنا کر اسے کس کس طرح خوار کر سکتی ہے اور احسن غصے میں آ کر کیا کچھ کر سکتا ہے...... اسے کچھ یاد نہ رہا۔ اسے صرف اپنا خوب صورت سراپا نظر آ رہا تھا اور اس پر سجا وہ قیمتی ہیرا۔

کال بیل کی آواز اسے حقیقت کی دنیا میں لائی تھی۔ وہ بے طرح چونک اٹھی۔ وال کلاک کی جانب دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ اس وقت احسن کے سوا اور کون ہو سکتا ہے۔

اس نے جلدی جلدی لاکٹ اتارا اور الماری کی جانب بڑھی۔ اپنے زیورات کے ڈبے میں وہ لاکٹ رکھ کر اس نے الماری کا وہ خانہ لاک کر دیا۔ پھر تیزی سے باہر کی جانب بڑھی۔ اتنی دیر میں کال بیل دو تین مرتبہ بج چکی تھی۔

''کمال ہے یار!'' وہ تھکا ہوا اندر داخل ہوا تھا۔ ''کتنی دیر سے باہر کھڑا ہوں۔ کیا کر رہی تھیں تم؟''

''کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں......'' اس نے تیزی سے نفی میں سر ہلایا۔ ''آپ کے لئے کھانا لاؤں؟''

''آں......'' وہ صوفے پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا تھا۔ ''ہاں ہاں کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ فی الحال تو ایک گلاس پانی پلا دو۔''

''جی اچھا!'' وہ کچن کی جانب لپک گئی۔

احسن نے حیرانی سے اسے جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا رویہ کچھ ناقابل فہم سا تھا۔ وہ قدرے گھبرائی ہوئی سی لگتی تھی۔

''کیا بات ہے...... بڑی تیزی میں ہو۔''

وہ فٹافٹ پانی کا گلاس بھر لائی تو اسے تھامتے ہوئے وہ حیرانی سے گویا ہوا تھا۔

''نن...... نہیں!'' وہ چہرے پر سے بال ہٹانے لگی۔

پھر بے اختیار ہی اپنی گردن کو ٹٹولنے لگی جیسے وہ لاکٹ اب تک اس کی گردن میں جھول رہا ہو۔ اسے اب تک اس کا لمس اپنے گلے پر محسوس ہو رہا تھا دل کے چور نے پہلی مرتبہ اپنا ڈیرہ جمایا تھا۔ وہ عجیب گھبراہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے احسن کا بار بار اپنی جانب دیکھنا بھی وہم میں مبتلا کر رہا تھا۔ جیسے وہ اس کے چہرے سے سب کچھ جان لے گا۔ جیسے اس کے چہرے پر ساری کہانی لکھی ہوئی ہے۔

احسن کپڑے تبدیل کرنے گیا تو وہ کچن میں چلی آئی۔ کھانا گرم کرنے لگی۔ اس کا ذہن مسلسل انتشار کا شکار ہو رہا تھا۔ ایک عجیب سی مایوسی اور اُداسی اس کے وجود کا احاطہ کر رہی تھی جو اسے بار بار یقین دلاتی تھی کہ اس نے جو کچھ کیا وہ صحیح نہیں تھا۔

کھانا گرم کر کے وہ باہر آئی تو احسن حسب عادت ٹی وی کے سامنے صوفے پر لیٹا تھا وہ کچھ کہے بنا کھانا میز پر رکھنے لگی۔ یوں ہی اس کی نگاہ اٹھی تو اس نے دیکھا وہ لیٹے لیٹے سو چکا تھا۔ ابھی اسے لیٹے ہوئے بمشکل پانچ منٹ ہی ہوئے تھے اور وہ سو بھی گیا تھا۔ اس کے آفس میں کام بے حد زیادہ تھا۔ وہ بہت زیادہ تھک جاتا تھا۔ جس کا ایک ثبوت یہ بھی تھا کہ وہ لیٹتے ہی سو جاتا تھا۔

زینب تھوڑی دیر تک اسے دیکھتی رہی اس کے چہرے پر اس کی وہی ازلی نرمی تھی۔ جو اس کے مزاج کا حصہ تھی۔ پر سکون انداز میں بند کی ہوئی آنکھوں سے اس کے اندر چھپے سکون اور ٹھہراؤ کا پتا چلتا تھا۔ بند ہونٹوں کے گوشوں میں ایک عجب معصومیت چھپی بیٹھی تھی۔ زینب کے اندر بیٹھے چور نے کسی نامعلوم اذیت سے گھبرا کر چلانا شروع کر دیا۔ وہ پریشان ہو کر اسے پکار بیٹھی۔

''احسن...... احسن۔''

''آں۔'' وہ چونک کر غنودگی کی کیفیت سے باہر نکلا۔ ''زینو! کیا ہوا؟''

''کیا ہونا ہے۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے...... اٹھ جائیں۔'' بگڑے بگڑے انداز میں کہہ کر وہ پھر کچن کی جانب چل دی۔ فریج سے ٹھنڈے

پانی کی بوتل نکال کر لے آئی۔

''آؤ زینو! کھانا کھالونا.....'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''مجھے بھوک نہیں۔''

''بیٹھو یار کھانے سے کیسی ضد؟''

''نہیں ضد کی کیا بات!'' وہ اس کے مقابل بیٹھ گئی اور سر جھکا کر کھانا کھانے لگی۔

''کہیں گئی تھیں؟'' اس نے اچانک ہی پوچھا تھا۔ زینب بے طرح چونک اٹھی۔

''جی؟'' اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ ''نہیں تو۔''

احسن نے میز کے کنارے رکھی ہوئی چابی کی جانب اشارہ کیا۔ وہ جب دروازہ کھول کر اندر آئی تھی تو گھبراہٹ میں چابی جگہ پر رکھنا بھول گئی تھی۔ وہ چابی اب تک میز کے کنارے پڑی ہوئی تھی۔ اب وہ کم از کم یہ تو نہیں کہہ سکتی تھی کہ چابی خود بخود اپنی جگہ سے اڑ کر میز تک چلی آئی تھی۔

''وہ.....'' وہ گڑبڑا گئی۔ ''ہاں وہ میں رملی کی طرف گئی تھی......وہ تو گھر پر تھی ہی نہیں مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔ میں اسی وقت واپس آ گئی تھی۔''

احسن نے اسے بغور دیکھا۔ آج اس کا رویہ حقیقتاً ناقابل فہم تھا۔ اتنی صفائیاں پیش کرنے کی تو اسے عادت ہی نہیں تھی۔ گڑبڑاہٹ سے تو اس کا دور کا واسطہ نہ تھا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''اس میں اتنا گھبرانے والی کون سی بات ہے۔''

پچھلے چند دنوں میں رملی کے بارے میں اس کی رائے میں بے حد تبدیلی آ چکی تھی۔ رملی نے جس طرح اپنی دیگر مصروفیات ترک کر کے زینب کا دن رات خیال رکھا تھا وہ قابل تعریف تھا۔ رملی کے متعلق اب اس کا رویہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اسے سمجھ میں نہ آیا کہ زینب اب اس کا نام لیتے ہوئے کیوں گھبرا رہی تھی۔

''آپ کے لئے چائے بناؤں؟'' کھانے کے برتن اٹھانے سے قبل ہی اس نے پوچھ لیا تھا۔

''نہیں یار نیند غائب ہو جائے گی۔ اتنا تھکا ہوا ہوں کہ لیٹتے ہی سونا چاہتا ہوں۔''

وہ کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ زینب ایک گہرا سانس خارج کر کے برتن سمیٹنے لگی۔

......٭......

دوسرے دن رملی چلی آئی تھی۔ زینب اسی وقت سو کر اٹھی ہی تھی۔ رملی کو دیکھ کر اس نے گھڑی پر نظر دوڑائی جو گیارہ بجا رہی تھی۔

''کمال ہے تم آج اس قدر جلدی اٹھ گئیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔ ''تمہاری صبح تو ایک ڈیڑھ بجے ہوتی ہے۔''

درحقیقت وہ رملی کا موڈ بھانپنا چاہ رہی تھی۔ پھر اسے دیکھتے ہی اس کے دماغ میں بجلی سی کوندی تھی۔ رملی اتنی جلدی اٹھ کر کیونکر آ ئی تھی۔

''ہاں بس! آج نیند جلدی ٹوٹ گئی۔ کتنی دیر بستر میں پڑی رہی پھر بیزار ہو کر تمہاری طرف آ گئی۔ چائے پلواؤ اچھی سی۔ اسٹرونگ اور خوشبودار۔''

وہ صوفے پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گئی۔ اس کا انداز نہ بے حد گرم جوش تھا نہ بہت ہی سرد مہر۔ زینب قطعاً کچھ اندازہ نہ کر سکی۔ رملی کا رویہ کچھ سست اور مبہم سا تھا۔ صوفے پر بیٹھ کر وہ قریب پڑے میگزین کی ورق گردانی کرنے لگی تھی۔

جمیلہ اب تک نہ آئی تھی سو وہ خود ہی کچن میں جا کر چائے بنانے لگی۔ تھوڑی دیر میں رملی بھی اٹھ کر وہیں آ گئی۔

''ناشتہ بنا دوں؟'' زینب نے اسکی جانب دیکھا۔ ''اوں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ''صرف چائے۔ وہ بھی اسٹرونگ سی ہو۔ چینی کم ڈالنا۔''

''میری اماں کہتی تھیں، خالی پیٹ چائے پینے سے کلیجہ جلتا ہے۔'' زینب کو نجانے کیوں یاد آ گیا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ''کیوں اپنا کلیجہ جلاتی ہو؟ ایک کپ دودھ ہی پی لیا کرو۔''

رملی بے اختیار ہنس پڑی۔

"وہ تو جل جل کر پہلے ہی سیاہ کوئلہ ہو چکا ہے۔ کوئلے پر چائے ڈالو یا دودھ، ایک ہی بات ہے۔ کون سا اس نے کوہ نور بننا ہے۔"

زینب کو اپنے چہرے کا رنگ خود ہی بدلتا محسوس ہوا۔ وہ خفیف سی ہو کر کپ میں چمچہ ہلانے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ رملی با خبر ہے یا بے خبر۔ اس نے زینب پر طنز کیا ہے یا یونہی ایک بات کہہ دی ہے۔

"ارے ہاں زینی۔" پھر رملی کپ تھامے ہوئے بولی تھی۔ "یہ تم کو کل کیا ہو گیا تھا؟"

"کیا..... کیا۔" زینب کا ہاتھ کانپ گیا۔ تھوڑی سی چائے چھلک کر ساسر میں گری۔

"کھانا کھانے آئی تھیں پھر بنا کچھ کہے، بغیر بتائے وہاں سے بھاگ آئیں۔ یار! میں سکندر کے لیے کافی بنا رہی تھی..... میرا مقصد تمہیں نظر انداز کرنا ہرگز نہ تھا تم نے مائنڈ کیا تھا کیا؟"

"ارے نہیں!" اس کے معذرت خواہانہ انداز سے زینب کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ "یہ تم نے کیوں کر سوچا۔ اس میں بھلا مائنڈ کرنے والی کون سی بات تھی؟ بس مجھے ذرا احسن کا خیال آ گیا تھا۔ میں گھر کو لاک کر کے آئی تھی نا..... میں نے سوچا، احسن آفس سے آ کر پریشان ہوں گے۔"

"میری پریشانی کا خیال نہ آیا تمہیں۔" رملی نے اسے گھورا "میں تمہیں وہاں نہ پا کر سوچتی ہی رہ گئی کہ زینب کو کیا ہوا۔ سکندر کہنے لگا، تمہیں اس کو کمپنی دینی چاہیے تھی، تم کچن میں گھس گئیں۔ کافی تو میں پھر کبھی پی لیتا۔ اماں بے چاری نے بھی صرف تمہاری خاطر ٹیبل لگائی تھی۔"

"مجھے افسوس ہے۔" وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔

"تمہاری سزا ہے کہ آج تم پھر آؤ گی۔ میں نے اماں سے کہا ہے رات کو کوئی مزیدار سی چیز بنائیں۔"

"نہیں نہیں رملی! روز روز کا آنا اچھا نہیں ہوتا۔ پھر کبھی سہی۔" زینب نے پرزور انکار کیا۔ رملی نے بھی زیادہ اصرار نہ کیا تھا۔ وہ چپ چاپ چائے پینے لگی اور زینب فی الحال بہت دنوں تک اس کے گھر جانے کے موڈ میں نہ تھی۔



''زینب خاتون پلیز! یہ آپ کے لئے ہے اور میں اپنے ہاتھوں سے آپ کو پہنانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ انکار کر کے میرا دل توڑ دیں گی؟''

میر سکندر علی نظروں میں اپنائیت اور لگاوٹ بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ہیرے کا وہ لاکٹ جھول رہا تھا۔ زینب نے پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔ اسے اپنا حلق خشک ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''نن..... نہیں۔'' وہ بولی تو اسے اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''میں یہ نہیں لے سکتی۔ میرا دل نہ توڑیں زینب.....'' وہ آہستہ آہستہ اس کی جانب بڑھنے لگا۔''میں یہ پہنانے ہی آیا ہوں۔'' زینب انکار میں سر ہلاتی پیچھے ہٹنے لگی لیکن وہ اس کی جانب بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔ زینب پیچھے ہٹتے ہٹتے دیوار سے جا لگی۔ وہ چند لمحوں میں اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔

''نہیں، نہیں۔'' اس نے پھر شدت سے انکار کیا۔

لیکن میر سکندر کے ہاتھ اس کے گلے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ پھر یکایک اس نے زینب کی گردن زور سے پکڑی۔

''نہیں!'' ایک چیخ کی صورت اسکے لبوں سے نکلی اور پھر اسکی آنکھ کھل گئی۔ وہ بستر پر لیٹی گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ اسے اپنا پورا وجود پسینے میں ڈوبا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ حلق میں خشکی کانٹوں کی صورت محسوس ہو رہی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے سر کو متواتر نفی میں ہلا رہی تھی۔

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ سرہانے رکھا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگایا اور چند لمحوں میں خالی کر گئی۔ یوں ہی بے خیالی میں اس نے گردن گھمائی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ حیران رہ گئی۔ احسن اپنی جگہ پر موجود نہ تھا۔

اس نے فوراً باتھ روم کی جانب دیکھا۔ لائٹ آف تھی جس کا یہی مطلب نکلتا تھا کہ احسن باتھ روم میں بھی نہیں تھا۔

وہ بستر سے اتر آئی۔ نجانے کیوں اسے ایک انجانا سا خوف محسوس ہو رہا تھا۔ ایک تو خواب عجیب سا دیکھا تھا پھر احسن بھی اپنی جگہ پر موجود نہ تھا۔ وہ گھبرا کر کمرے سے باہر نکلی۔

برابر والے کمرے میں اس نے جھانکا اور پھر وہ دھک سے رہ گئی تھی۔ اندر احسن موجود تھا۔ وہ کمرے میں فرش پر بیچوں بیچ بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد بے شمار چیزیں بکھری ہوئی تھیں وہ ذرا سا اور آگے کو ہوئی اور دروازے سے لگ کر اندر کا منظر دیکھنے لگی۔

احسن بچے کے لئے خریدی گئی تمام اشیاء نکال کر بیٹھا ہوا تھا۔ کپڑے، کھلونے اور سب چیزیں جو وہ بڑے شوق اور چاہ سے خرید کر لایا تھا اس کے آس پاس یوں جمع تھیں جیسے اس سے محو گفتگو ہوں۔ وہ کبھی کوئی کپڑا اٹھا کر دیکھنے لگتا تھا، کبھی کوئی کھلونا اٹھا کر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگتا تھا۔

زینب سکتے کے سے عالم میں کھڑی اس کی کیفیات و حرکات دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے احسن کے بجائے کوئی مخبوط الحواس شخص لگا جو رات کے ڈھائی بجے اس طرح کی کیفیت کا شکار تھا۔ اسکا جی چاہا کہ وہ کوئی آواز کیے بنا پلٹ جائے اور دوسرے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لے۔ لیکن اسی لمحے احسن کو اس کی موجودگی کا احساس ہو گیا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر چند لمحوں کے لئے سن سا رہ گیا۔ زینب کے قدم بھی جیسے زمین پر جم گئے تھے۔

''زینو!'' وہ کچھ دیر کے بعد بولا تھا۔ ''اندر آجاؤ نا۔''

اس کا لہجہ بالکل نارمل تھا۔ آواز قطعاً صاف اور واضح تھی۔ یعنی وہ پوری طرح سے اپنے ہوش و حواس میں تھا۔ زینب چند لمحہ قبل ذہن میں پیدا ہونے والی سوچ کے اثر سے آزاد ہو گئی۔ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی وہ اندر چلی آئی۔

''یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟'' وہ آہستگی سے اسکے پاس بیٹھ گئی۔

''پتا نہیں!'' وہ بے چارگی سے بولا۔ ''اچانک آنکھ کھل گئی اور میرا جی چاہا میں یہ سب چیزیں نکال کر دیکھوں۔ ان کی خوشبو کو محسوس کروں، ان سے باتیں کروں...... زینب! اس حادثے سے میں بہت ہرٹ ہوا ہوں، بہت زیادہ۔ میرے ذہن میں دور دور تک کوئی گمان بھی نہ تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی دریا کے کنارے پہنچ کر بھی پیاسا رہ جاتا ہے...... بادل گھر کر آتے ہیں اور پھر ایک بوند برسائے بغیر پلٹ جاتے

ہیں..... ایسا بھی ہوتا ہے زینب؟''

وہ بے حد دکھی لہجے میں بول رہا تھا۔ زینب کی آنکھ سے ایک قطرہ ٹپکا اور اس کی ہاتھ کی پشت پر ٹھہر گیا۔

''رو مت زینو! میں جانتا ہوں..... میں نہ صرف خود ہرٹ ہوا ہوں، بلکہ میں نے تمہارا بھی دل دکھایا ہے۔ میں نے تمہارے ساتھ جو سلوک روا رکھا، وہ غلط تھا..... یہ تو ہماری تقدیر میں رقم تھا اس میں بھلا تمہارا کیا قصور تھا۔ کون ماں ایسی ہوگی جو جان بوجھ کر ایسا کرے گی..... میں غلطی پر تھا زینو! مجھے معاف کر دو..... لیکن ایک بات کا یقین رکھنا کہ میں اس وقت خود بھی نارمل نہیں تھا۔ ابنارمل شخص کے رویوں کا برا نہیں مانا کرتے بلکہ اس سے ہمدردی رکھتے ہوئے اسے معاف کر دیتے ہیں۔''

''مجھے کوئی شکایت نہیں۔'' وہ گلوگیر لہجے میں بولی۔ احسن نے اس عرصے میں پہلی مرتبہ سر اٹھا کر اسے دیکھا پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھلنے لگی۔

''زینو! تمہارے سارے انداز ازبر ہیں مجھے۔ انسان جس سے محبت کرتا ہے نا اس کے رویوں کے سارے بھید جاننے لگتا ہے۔ پلکیں اٹھنے اور گرنے کے عمل سے سوچوں کے مدوجزر کو بھانپ لیتا ہے اور..... اور مجھے تو تم سے عشق کا دعویٰ ہے۔ تم کہو یا نہ کہو، میں جان سکتا ہوں کہ تمہارا دل میری جانب سے صاف نہیں۔ تمہیں میری جانب سے جو بدگمانی ہوگئی ہے، وہ تمہارے دل سے نکالے نہیں نکلتی۔ تم میری باتیں جراً سنتی ہو، بمشکل مسکراتی ہو، خوش نظر آنا چاہتی ہو مگر ہر بار تمہاری کوشش ناکام ہو جاتی ہے۔ کہو سچ کہہ رہا ہوں نا۔''

زینب سر جھکائے بیٹھی رہی وہ جانتی تھی، احسن کا حرف حرف صحیح تھا۔ وہ بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ ہاں، اس کا دل احسن ایاز کی جانب سے صاف نہ تھا۔ اس میں بال آ گیا تھا جو کسی طور صاف نہ ہوتا تھا اور اس سلسلے میں زینب نے کوئی خاص کوشش بھی نہ کی تھی۔ کوشش تو احسن کرتا تھا اور ناکام ہو جاتا تھا زینب کا دل جیسے پتھر ہو گیا تھا۔

''بولو نا زینو! کیا تم مجھے کبھی معاف نہیں کرو گی؟ یہ ان دیکھی خلیج جو ہم دونوں کے مابین حائل ہو گئی ہے..... اسے ختم کرنا مجھ اکیلے کے بس کی بات نہیں تمہیں بھی میری جانب بڑھنا ہوگا۔ جو جو شکوے تمہارے دل میں ہیں وہ سب مجھ سے کہہ ڈالو، ہر شکایت کر لو اور پھر ہمیشہ کے لیے بھول جاؤ کہ کبھی ہمارے بیچ کچھ ایسا بھی ہوا تھا۔''

''احسن!'' وہ ناچار گویا ہوئی تھی ''میں نے کہا نا مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میرا رویہ اگر آپ کو کچھ تبدیل لگ رہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں آپ سے ناراض ہوں۔ بس فی الحال میرا موڈ ہی کچھ ایسا ہو رہا ہے، میرا دماغ ماؤف سا رہتا ہے۔ کھوئی کھوئی سی طبیعت رہتی ہے۔ آپ اتنا خیال نہ کریں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''چلو۔'' وہ کچھ دیر کے بعد بولا تھا۔ ''چل کر سوتے ہیں۔ رات کے تین بج رہے ہیں اور ہم دونوں نجانے کیا کچھ بولتے جا رہے ہیں۔''

وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر کھڑا ہو گیا تھا۔ زینب بھی اس کی تقلید میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہر چند کہ احسن کی باتیں سن کر اس کا دل کچھ ہلکا ہوا تھا پھر بھی اس نے کچھ کہنا مناسب نہ جانا۔ فی الحال وہ اس سے کچھ بھی کہنا سننا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ احسن کو اس کے تکلیف دہ رویے کا مزید احساس ہو۔ وہ مزید شرمندہ ہو۔ وہ اتنی آسانی سے اسے معاف کرنے پر تیار نہ تھی۔ بلکہ اس کا دل ہی آمادہ نہ ہوتا تھا۔

احسن نے پھر اس سے مزید کچھ نہ کہا۔ وہ اپنے دل کی بات کہہ چکا تھا۔ سو ہلکا پھلکا ہو کر سو گیا۔ لیکن زینب کی نیند جو اڑی تو پھر نہ لوٹی۔

''میرا دل سلیٹ نہیں ہے احسن کہ کچھ بھی لکھ کر مٹا لیں آپ۔'' اس نے احسن کی پشت دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔ ''میرا جی جلانے کا تہیہ تو آپ نے نجانے کب سے کیا ہوا تھا اس حادثے کو ذمہ دار کیوں ٹھہراتے ہیں۔ آپ نے عشق کا دعویٰ کیا ہے نا تو پورا بھی کر کے دکھائیں۔ زینب شاہ کا وجود اس قدر ارزاں نہ تھا جسے ایک وعدے کی زنجیر میں باندھ کر لے آئے تھے آپ..... دور تھی تو چاند کی مانند تھی، دسترس میں آئی تو عامیانہ تحریر

ٹھہری۔ ہائے! الفاظ تھے کہ پگھلا ہوا سیسہ۔ اب مجھے آپ کے لبوں سے نکلا کوئی لفظ سنائی نہیں دیتا، میں بہری ہو چکی ہوں۔"

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ باہر کسی درخت پر کوئل کوکی تھی۔ اسے رات کے بیت جانے کا احساس ہوا۔ کروٹ بدل کر اس نے آہستہ سے آنکھیں موند لی تھیں۔



وہ بہت دنوں کے بعد آمنہ کے گھر آئی تھی۔ اس بات کا احساس اسے آمنہ کے بیٹے کو دیکھ کر ہوا۔ وہ اب بیٹھنے لگا تھا اور بہت صحت مند ہو رہا تھا۔ خود آمنہ کا وجود بھی اس کی دلی خوشی کی گواہی دے رہا تھا۔ اس کا رنگ صاف ہو رہا تھا اور گالوں پر سرخی تھی۔ وہ زینب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔

"میں تمہیں یاد کر رہی تھی۔ بہت زیادہ یقین جانو، تم مسلسل میرے خوابوں میں آ رہی تھیں۔"

"پھر بھی تم نے آنے کی زحمت نہیں کی۔" زینب نے اسے مصنوعی خفگی سے گھورا "یہی سوچ لیا ہوتا کہ میں کسی مشکل میں تو مبتلا نہیں ہو گئی جو بار بار مدد مانگنے تمہارے خوابوں میں آ رہی ہوں۔"

"خدا نہ کرے۔" آمنہ نے اسے جھڑکا "میں تو ہمیشہ تمہارے متعلق اچھا گمان رکھتی ہوں اور خدا سے تمہاری بہتری کی دعا بھی مانگتی ہوں۔"

زینب مسکرا کر اس کے بیٹے کو پیار کرنے لگی۔

"یہ پیارا ہو رہا ہے آمنہ! اس کی کچھ نظر وظر اتارا کرو۔"

آمنہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"میں تمہارے لیے بھی بہت دعا کرتی ہوں کہ خدا زینب کو چاند سی بیٹی دے بالکل زینب جیسی پھر میں اسے احمد کے لیے مانگ لوں گی۔"

بے حد عام سی بات تھی اور آمنہ نے یقیناً مذاق میں کہی تھی۔ لیکن زینب کا دل بے اختیار "خدا نہ کرے" بولا تھا اس نے لاشعوری طور پر ایک نگاہ آمنہ کے گھر پر ڈالی تھی۔ اگر اس کی کوئی بیٹی ہوتی بھی تو وہ اسے ایسے گھر میں بیاہنے کا تصور بھی نہ کر سکتی تھی۔

توبہ.....توبہ۔ اسے جھرجھری آ گئی۔ میری بیٹی اور بیاہ کر ایسے گھر میں آئے، میں مر نہ جاؤں وہ دن دیکھنے سے پہلے ہی۔

"اچھا یہ بتاؤ چائے پیو گی یا ٹھنڈا..... کھانا کچھ دیر بعد کھائیں گے....." آمنہ اس کی کیفیات سے بے خبر بول رہی تھی۔ "اماں عمرہ ادا کرنے گئی ہیں، مصروفیت دو چند ہو گئی ہے اس لیے روٹی ہانڈی سے تو میں سویرے سویرے فارغ ہو لیتی ہوں۔ پھر تمام دن کتنا ہی کام ہو، کھانے کی فکر نہیں ہوتی۔ کھانا اگر تیار نہ ہو تو میری روح جیسے سولی پر ہی ٹنگی رہتی ہے۔ لگتا ہے گھر کے سارے کام ادھورے پڑے ہیں..... ارے! تم کیا سوچنے لگی ہو؟"

اس نے زینب کو ٹہوکا دیا تو وہ چونک اٹھی۔

"میں نے پوچھا ہے چائے پیو گی؟"

"آں.....ہاں۔ چائے تو ضرور پیوں گی۔" وہ اپنے خیالات کے حلقے سے باہر نکلی۔ "احسن ناشتہ کر رہے تھے۔ جب میں نے ان سے کہا کہ آمنہ سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے۔ وہ بولے، فوراً کپڑے بدل لو میں جاتے جاتے چھوڑ دیتا ہوں۔ نہار منہ ہی چلی آئی ہوں۔"

"اچھا!" آمنہ نے حیرانی کا اظہار کیا۔ "تو کہا تو ہوتا زینب! میں جب سے بیٹھی باتیں کیے جا رہی ہوں۔ اچھا تم احمد سے کھیلو، میں تمہارے لئے ناشتہ لاتی ہوں۔"

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ احمد آرام سے بیٹھا اپنے کھلونوں سے کھیل رہا تھا۔ زینب نے ایک آدھ بار اسے چٹکی بجا کر متوجہ کیا، مسکرا کر دیکھا لیکن اس نے زینب کی موجودگی کا کچھ خاطر خواہ نوٹس نہ لیا۔ وہ اپنا جھنجھنا زور زور سے بجا رہا تھا اور اسی میں اس کا تمام لطف پنہاں تھا۔

وہ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر دیکھتی رہی، لیکن آمنہ کے کمرے میں دیکھنے والی کوئی شے تھی ہی نہیں۔ زیادہ تر مختلف جگہوں پر بچوں کا سامان رکھا نظر آتا تھا۔ کنزی کی کتابیں، احمد کی دوائیاں، احمد کے کپڑوں کی ٹوکری۔ وہ بور ہو کر باہر نکل آئی۔ آمنہ کچن میں تھی۔

''ارے تم اندر بیٹھتیں۔'' اس نے زینب کو دیکھ کر کہا۔ ''یہاں کچن میں گرمی بہت ہوتی ہے۔ دھوپ کا رخ سارا دن اسی طرف رہتا ہے۔ آگ بگولہ سا رہتا ہے میرا کچن۔''

وہ تیزی سے سلائس توے پر سینک کر خستہ کر رہی تھی۔ دوسرے چولہے پر چائے دم پر رکھی ہوئی تھی۔ زینب نے محسوس کیا وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ باورچی خانے کی تپش باہر تک محسوس ہو رہی تھی۔

''اف آمنہ! اتنی گرمی میں کیسے کھڑی رہ لیتی ہو۔ یہاں۔ بندہ بے ہوش بھی ہو سکتا ہے۔'' اس نے تبصرہ کیا۔

''ٹھیک کہتی ہو!'' آمنہ مسکرائی۔ ''شروع شروع میں میں بے حد گھبرا گئی تھی۔ رمضان میں تو جیسے دانتوں تلے پسینہ آ جاتا ہے۔ میں واقعی دو مرتبہ بے ہوش ہو گئی تھی۔''

''پھر؟'' زینب کی آنکھیں پھیلیں۔

''بس! پھر عادت ہو گئی۔ اب تو اتنا محسوس بھی نہیں ہوتا۔''

''اتنا کام ہوتا ہے گھر کا۔ تم کام کاج کے لئے کوئی عورت کیوں نہیں رکھ لیتیں؟''

آمنہ نے ایک نظر اسے دیکھا اور متانت سے مسکرا دی۔

''چلو، اندر چلتے ہیں۔ ناشتہ تیار ہے۔ پراٹھا اس لئے نہیں بنایا کہ پھر تمہیں دیر تک بھوک نہیں لگتی۔''

وہ دونوں اندر آئیں تو آمنہ ''ہائے'' کر کے رہ گئی احمد صاحب وہیں بیٹھے بیٹھے پیشاب کر چکے تھے۔ اس کے سارے کھلونے اور وہ خود بھی گندا ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ بڑے مزے سے بیٹھا جھنجھنا ہلا رہا تھا۔

''تم بیٹھو زینی ناشتہ کرو میں آتی ہوں۔''

وہ احمد کو اٹھا کر باہر لے گئی۔ زینب بیڈ پر بیٹھ کر چائے پینے لگی۔ آمنہ احمد کو نہلا کر لائی پھر اسے زینب کے پاس چھوڑ کر اس کے کھلونے دھونے کے لئے لے گئی۔

''کتنا مشکل کام ہے۔'' زینب حیرانی سے سوچنے لگی۔ ''یہ ننھا سا وجود اور اس کے لامتناہی کاموں کا سلسلہ عورت تو ٹک کر بیٹھنا بھول جاتی ہو گی۔''

آمنہ سے اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو آمنہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''صرف بیٹھنا ہی نہیں، لیٹنا، سونا، کھانا پینا...... سبھی کچھ ادھار کا لگتا ہے۔ جیسے آرام کسی دوسرے کی شے ہو اور ابھی لوٹانا ہو ایسا ہی دھڑکا لگا رہتا ہے دل کو۔ اپنا وجود اور اپنی ضروریات تو پھر کبھی کبھی یاد آتی ہیں۔'' وہ احمد کو کپڑے پہنا رہی تھی۔

''اچھا میں ذرا اس کا فیڈر بنا لاؤں۔ بے چارہ کب سے بھوکا ہے۔'' وہ پھر باہر نکل گئی تھی۔ زینب بور ہونے لگی۔ اس نے احمد کو دیکھا۔

''اتنی بڑی ذمہ داری ہے یہ ننھا وجود'' اس نے حیرت سے سوچا ''میں کہاں ابھی اس قابل ہوں...... خدا جو کرتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ مصلحت ہوتی ہے۔ میں تو آمنہ جیسا اسٹیمنا ہرگز نہیں رکھتی۔ ابھی گھر کا کام، ابھی شوہر کا، ابھی بچے کا تو ابھی ساس کا۔ اچھا ہی ہوا جو مجھے پھر سے یہ فراغت حاصل ہو گئی...... ورنہ میں بھی آمنہ کی طرح گھن چکر بن جاتی۔ بچے کا تو تین چار سال بعد ہی سوچوں گی اب۔''

وہ مطمئن سی ہو گئی تھی۔



احسن آفس جانے سے قبل جلدی جلدی چائے پی رہا تھا۔ جب اچانک ہی اسے یاد آیا تھا۔

''اوا چھا یاد آیا!'' اس نے پیالی ٹیبل پر رکھ کر ہاتھ رومال سے پونچھے۔ ''زینو آج شام فرخندہ آپا کی طرف چلنا ہے کل آفس میں ان کا فون آیا تھا۔''

''کیوں؟'' اسے ناگواری محسوس ہوئی تھی۔ ''ان کے ہاں کیوں جانا ہے؟''

''محفل میلاد ہے انہوں نے پرزور اصرار کیا تھا کہ تمہیں ضرور لے کر آؤں۔ تم تیار رہنا میں پانچ بجے تک آجاؤں گا۔'' وہ مصروف انداز میں اپنا آفس بیگ چیک کر رہا تھا۔

زینب چند لمحے منہ بنائے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا۔

''سنیں! احسن! میں نہیں جاؤں گی۔''

''کیا؟'' وہ چونکا۔ ''کیا کہہ رہی ہو۔؟''

''میں نہیں جاؤں گی فرخندہ آپا کے ہاں!'' وہ ضدی انداز میں بولی تھی۔

''کیوں؟'' وہ کچھ دیر کے لئے گم صم رہ گیا تھا ''کیا بات ہے؟ انہوں نے بڑے پیار سے بلایا ہے تمہیں۔''

''بس احسن! میرا موڈ نہیں ہے۔'' وہ بات ختم کرنا چاہتی تھی۔

''پلیز زینو! ایسے مت کرو۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''ذرا سے موڈ کی خاطر تم ان کا دل توڑو گی، کیا سوچیں گی وہ۔ تھوڑی دیر کو چلی چلنا ہم جلدی واپس آجائیں گے۔ میں وعدہ کر چکا ہوں ان سے۔''

''احسن! میں نہیں جانا چاہتی تو کیوں اصرار کر رہے ہیں آپ! وہاں نجانے کیسے کیسے سوالات ہوں گے، میں فی الحال کسی الٹے سیدھے سوال کا سامنا کرنے کے موڈ میں نہیں۔''

وہ بگڑے ہوئے انداز میں بولی تھی۔ احسن اسے بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔

''کون کرے گا الٹے سیدھے سوال؟ وہاں فرخندہ آپا کے سوا جانتا ہی کون ہے تمہیں؟ اور پھر یہ کوئی ایسی بات تو نہیں جس کے لئے دنیا سے منہ چھپا کر بیٹھ جائیں، ہوتے رہتے ہیں ایسے کیسز بھی۔''

''منہ چھپانے کی بات نہیں ہے۔ بس فی الحال نہیں اور پھر سب ہی تو جانتے ہیں وہاں۔ فرخندہ آپا اچھا خاصا ریڈیو ہیں۔''

احسن لب بھینچ کر رہ گیا۔

''بہر حال مرضی ہے تمہاری۔'' پھر وہ بولا تھا۔ ''شام تک سوچ لو۔ موڈ تبدیل ہو جائے تو رملی کے یہاں سے آفس فون کر دینا۔ میں جلدی آجاؤں گا چلتا ہوں۔''

وہ بیگ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ زینب اطمینان سے بیٹھی اسے جاتا دیکھتی رہی اور اس نے تو صرف نہ جانے کا بہانہ گھڑا تھا۔ وہ کہاں کسی کے سوال جواب سے گھبراتی تھی۔ بس اسے فرخندہ آپا سے ایک ازلی چڑ تھی اور وہ ان سے کبھی ملنا نہیں چاہتی تھی۔

''ہونہہ بہت پیار سے کہا ہے۔ جیسے جانتی نہیں میں ان کے پیار کو!''

وہ کچھ دیر تک بیٹھی رہی پھر جمیلہ آگئی تو وہ رملی کی طرف چل دی۔

رملی کے دروازے تک پہنچ کر بیل بجانے سے قبل ہی اس کی نگاہ سکندر علی پر پڑی تھی۔ وہ گاڑی کی چابی انگلی میں گھماتا چلا آ رہا تھا۔ مسٹرڈ پتلون اور مسٹرڈ لائنوں والی لائٹ گرین شرٹ میں وہ حقیقتاً بے حد اسمارٹ لگ رہا تھا۔ خوبصورت سن گلاسز اس کی شخصیت کے حسن میں اضافہ کا باعث تھے۔ وہ یقیناً وجیہہ کہلائے جانے کا مستحق شخص تھا۔

زینب اطلاعی گھنٹی بجاتے بجاتے رک گئی۔ وہ کچھ پزل ہوگئی تھی۔ سکندر علی اسے دیکھ کر گرم جوشی سے مسکرایا۔ اسکے ڈارک گلاسز پر زینب کا عکس آرہا تھا۔ اس کی گہری مسکراہٹ کے جواب میں ایک خفیف سی مسکراہٹ اس کے لبوں تک آکر دم توڑ گئی۔ وہ خود کو مجرم سا محسوس کر رہی تھی۔

''ہیلو معزز خاتون!'' وہ فریش انداز میں بولا۔

زینب کو نجانے کیوں لفظ ''معزز'' اپنا مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا۔

''ہیلو'' وہ دھیمے سے بولی۔

''ایسے حسین اتفاقات روز سرزد کیوں نہیں ہوتے؟'' وہ بڑے موڈ میں تھا۔

''حسن کی خصوصیت ہی یہی ہے یہ عام نہیں ہوتا۔'' نجانے وہ کیسی کہہ گئی تھی۔

سکندر علی نے سر تھوڑا سا اونچا کر کے ایک قہقہ لگایا۔

''رائٹ یو آر! آپ نہ صرف حسین بلکہ ذہین بھی ہیں۔ آج اندازہ ہوا کہ آپ بولیں تو قیامت ڈھا دیں اسی لئے کم بولتی ہیں۔''

''آپ روز ہی آتے ہیں یہاں؟'' زینب اس کے ریمارکس کے زیر اثر آ گئی۔ خوش دلی سے بولی تھی۔ ''اور کوئی کام نہیں ہے آپ کو۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟ میں روز یہاں کیوں آتا ہوں؟'' وہ اچانک سنجیدہ ہوا تھا۔

زینب ہلکی پھلکی بات چیت کے بیچ اچانک در آنے والی سنجیدگی سے گھبرا اٹھی۔

''آپ کو خبر ہوگی۔'' اس نے رخ موڑ کر بیل بجا دی۔

''کبھی پوچھیے گا ہم سے زینب خاتون!'' وہ مسکرا رہا تھا۔ ''پھر ہم بتائیں گے آپ کو کہ ہم روز یہاں کس کے لئے آتے ہیں۔''

اسی لمحے دروازہ کھل گیا تھا۔ دروازہ خود رملی نے کھولا تھا۔ وہ ان دونوں کو ساتھ کھڑا دیکھ کر فق ہوگئی۔

''ہیلو رملی یار اچھی میزبان ہو راستہ دو۔'' سکندر علی اسے ہٹاتا ہوا اندر داخل ہوگیا۔

زینب بھی آگے بڑھی تو رملی سائیڈ میں ہوگئی۔ وہ کبھی سکندر علی کو تو کبھی زینب کو دیکھ رہی تھی۔ سکندر علی سیدھا رملی کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ جب کہ زینب اب تک وہیں کھڑی تھی۔

''تم دونوں.....'' رملی نگاہوں میں الجھن بھر کر اسے دیکھ رہی تھی۔ ''ساتھ آئے ہو؟ میرا مطلب ہے.....سکندر''

''میں دروازے تک پہنچی تو یہ آ گئے۔'' زینب آہستگی سے بولی تھی۔ ''اور بھلا کیا بات ہو سکتی ہے؟''

''ہوں!'' اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا۔

''سکندر!'' پھر رملی نے وہیں سے آواز لگائی تھی۔ ''کافی بناؤں؟''

''نیکی کرنے سے پہلے پوچھا نہیں کرتے رملی جان!'' شگفتہ لہجے میں جواب آیا تھا۔ رملی جھینپ گئی۔

''بہت شرارتی ہے یہ سکندر کا بچہ!''

''یہ تم سے چھوٹے ہیں یا بڑے؟'' زینب مسکراتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''آں؟'' رملی ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئی تھی۔ ''بڑا ہے مجھ سے۔''

پھر وہ دھیمے لہجے میں بولی تھی۔

''آؤ کافی بناتے ہیں۔'' وہ کچن کی جانب چل دی تھی۔

زینب بھی اس کے پیچھے چل دی۔ نجانے کیا بات تھی۔ آج اسے گھر میں سکندر علی کی موجودگی سے خوف محسوس نہ ہو رہا تھا۔ شاید وہ اس کے وجود کو تسلیم کر چکی تھی۔ شاید وہ اسے ایک شناسا سا لگنے لگا تھا۔

''تم دونوں میں کیا گفتگو ہو رہی تھی؟'' یکایک رملی نے پوچھا تھا۔

زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں استفہامیہ کیفیت تھی۔

''میرا مطلب ہے جب میں نے دروازہ کھولا تو تم لوگ کچھ بات کر رہے تھے۔'' وہ بے حد متجسس نظر آ رہی تھی۔

''پتا نہیں؟'' زینب انجان بن گئی۔ ''یونہی دعا سلام ہو رہی تھی اور کیا؟ آں ہاں! میری طبیعت کا پوچھ رہے تھے۔''

''تم پھولوں کا شکریہ ادا کر دیتیں۔'' رملی مسکرائی۔ نجانے اسے طنز کیا تھا یا واقعی یہ ایک مشورہ تھا یا محض ایک سرسری مذاق! زینب کو اس کا رویہ کچھ نا قابل فہم سا لگا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر وہ کہتی بھی کیا۔ اب یہ تو کہہ نہیں سکتی تھی۔ کہ پھولوں کا شکریہ وہ ادا کر چکی ہے۔ اب تو ایک اور چیز کا قرض ہے اس پر۔

''یہ لو۔'' رملی نے کافی کا مگ اسے تھمایا ''میں سکندر کو کافی دے کر آتی ہوں۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔ میر صاحب خود حاضر خدمت ہیں۔'' وہ دروازے میں نمودار ہوا۔ رملی تم سخت قسم کی نکمی ہو صرف کافی کے تین کپ تیار کرنے میں تم نے پچیس منٹ لگائے ہیں۔ اگر تمہیں تین آدمیوں کا لنچ تیار کرنا پڑ جائے.....''

''میری توبہ!'' رملی نے اسے مگ تھماتے ہوئے سر ہلایا تھا۔ ''خدا نہ کرے جو کبھی مجھ پر ایسا برا وقت آئے۔''

''ہوں ملاتا ہوں کال تمہارے ہسبینڈ کو بتاتا ہوں، تمہاری ایول رپورٹ پورے سال میں دس بارہ کپس کافی اور تین چار کپس چائے یہی کوکنگ ہے تمہاری۔''

''زینب سے پوچھو۔'' رملی مسالے دار چپس چباتے ہوئے بولی تھی۔ ''اسے کتنی مرتبہ سوپ بنا کر دیا ہے۔ کتنی مرتبہ کھانا بنایا ہے اس کے لئے کیوں زین؟ میں ایک بری کک ہوں؟''

''نہیں بری تو نہیں لیکن میں یہ ضرور کہوں گی کہ میں تم سے اچھی کک ہوں۔'' زینب نے مسکرا کر کہا تھا۔

''ہاں تو یار! تم نے کیا ہوگا نا بچپن سے کام، لڑکیاں عادی ہو جاتی ہیں۔ میں نے تو کبھی تل کر پانی نہیں پیا پیرنٹس نے بھی پھولوں کی طرح رکھا اور اب ہسبینڈ وہ تو پھولوں کے عرق کی طرح رکھ رہا ہے۔'' وہ اپنی بات پر خود ہی بے تحاشا ہنسی تھی۔

میر سکندر علی محض مسکرا دیا تھا۔ جب کہ زینب مسکرا بھی نہ سکی تھی۔ نجانے کیوں اسے احساس ہوا تھا کہ رملی نے اسے اس کی کلاس کا طعنہ دیا تھا۔ ہر چند کہ اس کے جملے میں اور اس کے لہجے میں ایسی کوئی بات نہ تھی پھر بھی کچھ ایسا تھا جو زینب کو برا محسوس ہوا تھا کافی پی کر وہ وہاں سے جلد ہی چلی آئی تھی۔ سکندر کا وہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہ لگتا تھا سو اس نے ہی اپنی ملاقات مختصر کر دی۔ ویسے بھی رملی کے سوال جواب نے اسے مشکوک کر دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی سکندر کی موجودگی میں وہاں رک کر وہ اس کے شک کو مزید ہوا دے۔ سو وہ جلد واپس آ گئی تھی۔



شام کو وہ اس کے فون نہ کرنے کے باوجود جلدی آ گیا تھا۔ شاید اسے امید تھی کہ زینب اس کی بات مان کر چلنے پر رضامند ہو جائے گی۔

''ہیلو۔'' وہ اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرایا تھا۔ ''کیا ہو رہا ہے؟''

''کچھ بھی نہیں۔'' وہ نہا کر نکلی تھی۔ گیلے بال انگلیوں سے سنوارتی ہوئی اس کے قریب چلی آئی۔ ''چائے بنا لاؤں؟ یا کھانا کھائیں گے؟''

''فی الحال کچھ نہیں۔'' وہ رسٹ واچ اتار کر رکھتے ہوئے بولا۔ ''میرے کپڑے نکال دو۔ نہاؤں گا۔ چلنے کا کیا پروگرام ہے؟''

وہ جان کر انجان بن گئی جیسے اس کی بات سنی ہی نہ تھی۔ الماری میں سر تھما کر کھڑی ہو گئی۔

''زینو!'' اسے جیسے اس حرکت سے دکھ ہوا تھا۔ ''میں نے کچھ کہا ہے یار!''

''احسن!'' اس نے دونوں پٹ ایک ساتھ بند کیے۔ ''آپ آخر اتنا اصرار کیوں کر رہے ہیں؟ اگر فرخندہ آپا کے آج نہ بھی گئے تو کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟''

''یہی تو میں جاننا چاہتا ہوں کہ اگر ہم چلے بھی جائیں تو کیا نقصان ہو جائے گا تمہارا؟'' وہ زچ ہو گیا تھا۔ ''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں وعدہ کر چکا ہوں وہ کیا خیال کریں گی؟ ہماری ان سے کوئی دشمنی تو نہیں ہے۔ جب سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں ایک مرتبہ انہیں پلٹ کر نہیں پوچھا۔ وہ بے چاری ہر مرتبہ خود ہی چلی آتی ہیں، کتنا بڑا ظرف ہے ان کا۔''

زینب کو محسوس ہوا، اس کی شریانوں میں خون کی رفتار آہستہ آہستہ تیز ہونے لگی تھی۔ پھر وہی فرخندہ آپا کا جھگڑا تھا۔ پھر وہی تذکرہ۔

''تمہیں آخر ان سے ایسی کیا شکایت ہو گئی ہے جو تم ان کی صورت دیکھنے کی روادار نہ رہیں، وہ تو اتنی اچھی خاتون ہیں کہ کسی سے رتی برابر برائی کرنے کا سوچ نہیں سکتیں۔''

''احسن...... احسن پلیز!'' وہ چیخ پڑی۔ ''خدا کا واسطہ ہے آپ کو خاموش ہو جائیں۔ بس بھی کریں آخر ان کی مدح سرائیوں کی کوئی انتہا بھی ہے آپ کے نزدیک یا نہیں؟''

''زینب!'' وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

وہ منہ پھیر کر کمرے سے نکل گئی۔ غصے سے اس کا خون کھول رہا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا وہ فرخندہ آپا کا نام احسن کی زبان سے، دل اور دماغ سے کھرچ کر پھینک دے۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے احسن محض اسے چڑانے کے لئے یہ ذکر نکالتا ہے۔ محض اسے خفت زدہ کرنے کے لئے فرخندہ آپا کی تعریفوں کے پل باندھتا ہے۔

وہ غصے میں جلتی بھنتی دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ بستر پر گر کر زار و قطار رونے لگی۔

کچھ دیر بعد اسے اپنے شانے پر ہاتھ کے لمس کا احساس ہوا تھا۔ وہ احسن تھا۔

''زینو! خاموش ہو جاؤ یار بس کرو۔''

وہ اور زور زور سے رونے لگی۔ نجانے کب سے جمع شدہ آنسو آنکھوں میں بھرے چلے جا رہے تھے۔

''زینب! تم نہیں جانا چاہتیں نا، نہ سہی۔ یوں اپنی انرجی کیوں ضائع کر رہی ہو۔ دیکھو، اس طرح رونا، جلنا کڑھنا تمہاری صحت کے لئے نہایت نقصان دہ ہے۔ پلیز زینو! تم خوش رہو اور مجھے کچھ نہیں چاہیے۔''

وہ اسے بے حد نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

''تم روتی ہو تو مجھے ایسا لگتا ہے تمہارے ساتھ شادی کر کے میں نے تم سے زیادتی کی ہے۔ میں تمہارے معیار، تمہاری توقعات پر پورا نہیں اترا۔''

''ہاں تو اس میں کیا غلط ہے۔'' اس نے ہاتھ کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے سوچا تھا۔ ''میری کس امید کو پورا کیا ہے۔ کس توقع پر

پورے اترے ہیں۔ آپ وہی روایتی شوہر من مانی چاہی کرنے والے، میرے ساتھ شادی کر کے زیادتی ہی کی ہے آپ نے۔"

وہ سوچے جا رہی تھی۔

"اچھا چلو کہیں اور چلتے ہیں۔ چکر لگا کر آتے ہیں تمہاری طبیعت فریش ہو جائے گی۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"نہیں احسن!" وہ بے دلی سے رندھی ہوئی آواز میں بولی۔ "میرا سر درد کر رہا ہے۔ اسی وجہ سے میں جانے سے انکار کر رہی تھی۔ جمیلہ سے کہہ کر چائے بنوالیں۔"

وہ گہرا سانس بھر کر کمرے سے نکلا تھا۔

زینب دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مروڑتے ہوئے نجانے کیا کچھ سوچتی چلی جا رہی تھی۔ نجانے آج کل کیوں اسے ہر لمحے اس بات کا پچھتاوا رہنے لگا تھا کہ اس نے احسن کی کن باتوں سے متاثر ہو کر اس سے شادی کر لی تھی۔ اسے لگتا تھا اس کے دل پر احسن کی محض ایک پرچھائیں سی پڑی تھی جو حقائق کی ذرا سی روشنی پڑنے پر غائب ہو گئی تھی۔ اس کے دل کا آئینہ پہلے کی طرح خالی پڑا تھا۔

یوں ہی بیٹھے بیٹھے اسے میر سکندر علی کا خیال آیا اس روز وہ رملہ کے یہاں ملا تھا...... کیسا شاندار لگ رہا تھا! ہر ہر ادا سے جھلکتی امارت...... ہر ہر نظر سے چھلکتی محبت۔

وہ گہرا سانس بھر کر، گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ یہ اسے کیا ہو رہا تھا...... خیالات گھنے دھوئیں کی مانند ذہن میں بگولوں کی طرح گھوم رہے تھے، اس کا دل بغاوت پر آمادہ کیوں ہو رہا تھا۔

"ہائے! مجھے کیا ہو رہا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے سر کو تھام لیا۔ "میں کیا کروں۔"

وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑی پھر سے رو رہی تھی۔



فارحہ کا خط آیا تھا۔ کتنے دنوں کے بعد زینب لفافہ پا کر خوشی سے جھوم ہی اٹھی۔ وفور شوق سے اس نے لفافے کو چوم لیا تھا۔

"میری اچھی دوست! کہاں غائب ہو گئی تھیں۔" وہ مسکراتے ہوئے لفافہ چاک کرنے لگی لکھا تھا۔

"پیاری زینب!

ہمیشہ خوش رہو۔

"امید کرتی ہوں کہ تمہارے دن بہت خوب صورت، بہت پر مسرت گزر رہے ہوں گے۔ تم سوچتی ہو گی کہ شاید فارحہ تمہیں بھول گئی۔ اجنبی دیس کی بھول بھلیوں میں گم ہو کر اپنے ماضی کی ہر بات فراموش کر گئی۔ نہیں میری دوست! ایسا کچھ نہیں۔ میں اجنبی دیس کی نہیں اپنی ذات کی بھول بھلیوں میں کچھ عرصہ بھٹک کر باہر نکلی ہوں تو ایسا لگتا ہے کہ میں وہی پہلے والی فارحہ ہوں۔ یہ درمیان کے کچھ سال جیسے آئے بغیر ہی گزر گئے ہیں۔ پچھلے کچھ دنوں سے تو یہ عالم ہے کہ میں ہر وقت، ہر لحہ اپنے گھر، اپنے محلے، اور اپنے کالج کی سڑکوں پر پھرتی رہتی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میں انگلینڈ میں نہیں پاکستان میں ہوں۔ ایسے میں کوئی مجھے چونکا دے تو کتنی ہی دیر مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں درحقیقت کہاں ہوں۔

اسی صورتحال سے گھبرا کر سوچتی ہوں، کچھ عرصے کے لئے واپس پاکستان چلی آؤں۔ اپنا ملک، اپنی سرزمین اور اپنے لوگ دیکھنے کے لئے میری آنکھیں ترس رہی ہیں۔

خاص کر تم مجھے بہت یاد آتی ہو۔ تم سے ملنے اور تادیر گفتگو کرنے کو جی مچلتا ہے لیکن ہر بات بندے کے بس میں کہاں ہوتی ہے، تقدیر نے اگلی ملاقات کہاں، کس موڑ پر لکھی ہے، کسے خبر ہے! اور تم کیسی ہو؟ میرا بھانجا یا بھانجی یا جڑواں کیسے ہیں؟ تم ایسی بے مروت ہو مجھے خط لکھ کر خبر تک

نہیں دی۔ کم از کم اس کی کوئی تصویر ہی بھیج دو اور تمہارے عاشق صادق کیسے ہیں؟ کیا بدستور عشق کی جولانیاں اسی عروج پر ہیں؟ کبھی سوچتی ہوں زینب تو خیال آتا ہے تم کس قدر خوش قسمت ہو۔ خدا نے تمہیں حسن، محبت، قدر، سکون، اطمینان سبھی نعمتیں کتنی وافر مقدار میں نوازی ہیں۔ یہ سب نصیب کے کھیل ہوتے ہیں۔ میری تو یہی دعا ہے کہ خدا تمہیں اور خوشیوں سے نوازے۔

''تم بھی میرے لئے دعا کرنا کہ اللہ مجھے سکون دے۔ اطمینان قلب عطا فرمائے۔ ہو سکے تو جواب دینا۔

تمہاری دوست فارحہ۔

خط پڑھ کر وہ کتنی ہی دیر تک ساکت وصامت بیٹھی رہی۔ فارحہ کی تحریر میں نجانے کیسی خلش تھی جو سطر سطر سے جھانک رہی تھی۔ کیسی چبھن تھی جو دل تک محسوس ہوتی تھی۔

''کیا فارحہ خوش نہیں ہے؟'' اس نے سوچا

اس کے پچھلے خط سے بھی زینب نے یہی اندازہ لگایا تھا اور اس بار پھر وہ ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہو چکی تھی۔

''کیا کمی ہے فارحہ کی زندگی میں؟'' اس نے سوچا۔ ''چاہنے والا جیون ساتھی، دولت کی فراوانی، سسرال کے جھگڑوں سے مکمل آزادی، نئی دنیا کا چارم پھر بھی پھر بھی اسے میری قسمت پر رشک آتا ہے؟ ایسا ہے کیا میرے پاس جس پر کوئی رشک کر سکے سچ ہے۔ دور کے ڈھول سہانے ہی لگتے ہیں۔''

گہرا سانس بھر کر اس نے خط ایک طرف ڈال دیا۔

کچھ دن اسی طرح بے دلی کے سے عالم میں گزر گئے تھے۔ صبح سے شام اور شام سے صبح کرنے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی کام نہ تھا۔

اس روز وہ ذرا دیر تک سوئی تھی۔ اٹھ کر کمرے سے نکلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔

''بی بی جی! چائے لاؤں۔'' جمیلہ فارغ بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''ہوں! اچھی سی!'' وہ وہیں بیٹھ گئی۔

بیل بجی تو وہ کتنی ہی دیر کسلمندی کے عالم میں بیٹھی انتظار کرتی رہی کہ شاید جمیلہ دروازہ کھول دے لیکن جمیلہ کا ایسا کوئی ارادہ معلوم نہ ہوتا تھا۔ کچن سے بدستور اس کے گنگنانے کی آواز آ رہی تھی۔

زینب سستی سے اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھی تھی۔

''ارے آپ!'' احسن کو دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔ ''آج تو بڑی جلدی آ گئے ہیں۔''

پھر مزید حیرت اسے احسن کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے دیکھ کر ہوئی۔

''خیر تو ہے!''

''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' وہ اس پر جھک کر مسکرایا تھا۔

''اوہ!'' وہ جھینپ کر پیچھے ہوئی۔ ''کیا واقعی؟ ارے ہاں! مجھے تو یاد ہی نہیں تھا۔''

''تب ہی یوں سوگواروں کا سا حلیہ بنائے بیٹھی ہو۔ چلو، نہاؤ نا فٹ اچھا سا میک اپ کرو۔ پیاری سی شکل نکالو پھر کہیں گھومنے چلتے ہیں۔'' اس نے پھول اسے تھمائے۔

''پہلے یہ بتائیں میرا گفٹ کہاں ہے؟'' وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر لڑنے والے انداز میں بولی تھی۔ ''بس یہ پھول؟''

''میں خود سارے کا سارا تمہارا گفٹ ہوں۔'' وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر ذرا سا آگے کو جھکا تھا۔ ''جی نہیں یہ گفٹ بہت پرانا ہو چکا ہے ہر سال یہی ایک گفٹ پیش کر دیتے ہیں۔ اس مرتبہ مجھے کچھ بہتر گفٹ چاہیے۔''

احسن ہنس پڑا۔

''کچھ شرم کرو۔ شوہر نامدار کے متعلق یہ خیالات؟ اچھا اب جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ وہی کپڑے پہننا جو میں تمہارے لئے لاہور سے لایا تھا۔ ساتھ موتیوں کا سیٹ۔''

''جو حکم سرکار!'' وہ ناز سے کہہ کر کمرے میں گھس گئی۔

آج کتنے لمبے عرصے بعد ایسے لمحات آئے تھے۔ زینب خوش تھی۔ دل و دماغ پر چھائے رنج والم کے بادل جیسے یکدم ہی چھٹ گئے تھے۔ محبت کی چمکیلی دھوپ ہر طرف پھیلی ہوئی تھی۔

بلیک اور میرون کامبی نیشن کا چنری سوٹ اس پر خوب سجا تھا۔ ساتھ ہم رنگ کھسے پیروں کی شان بڑھا رہے تھے۔ وہ کمرے سے نکلی تو احسن چند لمحوں کے لئے اس پر سے نگاہ نہ ہٹا سکا۔

''چلیے جناب!'' وہ اترائی۔

وہ مسکرایا اور گہری سانس بھر کر کھڑا ہو گیا۔ اس روز دونوں نے خوب انجوائے کیا تھا۔ شہر بھر کی سیر کے بعد ایک بہترین ریسٹورنٹ سے کھانا کھا کر وہ رات گئے لوٹے تھے۔ رملی کے دروازے کے آگے سے گزرتے ہوئے زینب نے دیکھا۔ سکندر علی کی لمبی چمکیلی گاڑی کھڑی تھی۔ اسکا مطلب تھا وہ رملی کے یہاں موجود تھا۔

''احسن!'' دونوں اپنے دروازے کے آگے اترے تو وہ بولی تھی۔ ''کتنا مزہ آتا ہمارے پاس بھی گاڑی ہوتی۔ بڑی شاندار سی۔ اس میں بیٹھ کر جہاں سے گزرتے لوگ رشک بھری نظروں سے ہمیں تکا کرتے۔''

''ہمیں یا ہماری گاڑی کو؟'' وہ دروازہ ان لاک کرتے ہوئے مسکرایا۔

''ایک ہی بات ہے۔ شاندار سی گاڑی ہوتی تو رشک تو ہم پر ہی کیا جانا تھا۔'' اس نے منہ بنایا۔

''جیسی سکندر صاحب کی ہے؟ رملی کے برادر محترم کی؟'' وہ قدرے طنز سے بولا تھا۔

زینب دھک رہ گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ احسن ایسی بات کرے گا۔ اسے یہ بھی گمان نہ تھا کہ احسن نے رملی کے دروازے کے سامنے کھڑی گاڑی پر اتنا غور کیا ہوگا۔

''ہاں۔'' وہ قدرے لاپروائی سے بولی تھی۔ ''آدمی وہ کیسا ہی سہی گاڑی البتہ زبردست ہے۔''

''میں کپڑے بدل لوں۔'' وہ باتھ روم میں گھس گیا تھا۔

وہ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر رہ گئی۔



وہ رملی کے گھر بیٹھی خوش گپیوں میں مصروف تھی۔ جب جمیلہ چلی آئی تھی۔

''بی بی! وہ احسن صاحب بلا رہے ہیں۔''

''احسن؟'' اسے بے تحاشا حیرت ہوئی۔ ''خیر تو ہے؟ احسن اتنی جلدی کیسے چلے آئے؟''

پھر اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ صبح کے سوا گیارہ بجے تھے۔ ابھی کچھ دیر قبل تو وہ اٹھی تھی۔ ناشتہ کر کے رملی...... کی طرف چلی آئی تھی۔ پیچھے سے احسن کا بلاوا آ گیا۔

''پتا نہیں جی شاید کچھ لینے آئے ہیں۔'' جمیلہ نے لاعلمی کا اظہار کیا۔

''اچھا چلو چلتی ہوں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''کیا ہے زین! میں نے چائے کا پانی رکھا ہوا ہے۔'' رملی نے منہ بنایا تھا۔ ''پھر آؤ گی نا؟''

''دیکھتی ہوں۔ پتا نہیں احسن کو کیا کام پڑ گیا۔''

وہ سوچتی ہوئی اسکے گھر سے نکلی تھی۔

گھر میں داخل ہوئی تو احسن کہیں نظر نہ آیا۔

''احسن...... احسن۔'' وہ سے الماری میں سر گھسائے کھڑا ملا۔ ''یہ لاکر کی چابی کہاں ہے؟''

''لاکر کی چابی؟'' اس نے ایک لمحے کے لئے سوچا پھر اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

اسے یاد آیا تھا۔ لاکٹ کو لاکر میں چھپا کر اس نے چابی میٹرس کے نیچے رکھ دی تھی۔ اتنے دنوں میں وہ یہ بات جیسے فراموش ہی کر چکی تھی۔

''ہاں، ہاں بولو نا مجھے جلدی ہے یار...... بارہ بجے تک دفتر واپس پہنچنا ہے۔ میرا ایک دوست انتظار کر رہا ہے۔''

''لیکن لاکر سے آپ کو کیا کام ہے؟'' وہ مری مری آواز میں بولی تھی۔

''تم چابی تو لاؤ۔'' وہ قدرے جھنجھلا گیا۔

زینب نے بادل نخواستہ اسے چابی نکال کر تھما دی۔

''ایک دوست کو پیسوں کی اشد ضرورت پڑ گئی ہے۔'' وہ لاکر کھولتے ہوئے بتانے لگا۔ ''میں نے سوچا فرخندہ آپا کی رقم اب تک پڑی ہے، اچھا ہے جب تک کوئی ضرورت مند اپنی ضرورت پوری کرلے کہاں ہیں پیسے؟'' وہ اندر جھانک کر بولا۔ پھر اس نے زیوروں والا ڈبا نکال لیا تھا۔

زینب کی روح جیسے کسی نے جسم سے کھینچ لی تھی۔ وہ چند لمحوں کے لئے ساکت ہی رہ گئی۔ اسے یاد آیا تھا۔ رقم واقعی اسی ڈبے میں تھی۔

احسن نے ڈبا کھول کر دیکھا اور رقم نکال کر جیب میں رکھ لی۔ پھر وہ ڈبا بند کرنے لگا۔

''ارے۔'' وہ یکا یک ٹھٹھکا تھا۔ ''یہ...... یہ کس کا ہے؟''

وہی ہوا تھا جس سے وہ ڈر رہی تھی۔ ہیرے کا وہ خوب صورت لاکٹ اس کی انگلیوں کے درمیان جھول رہا تھا اور وہ استفہامیہ نگاہوں سے زینب کی جانب دیکھ رہا تھا۔



چند لمحوں کے لیے وہ بری طرح سٹپٹا کر رہ گئی تھی۔ فوری طور پر قطعی کوئی فیصلہ نہ کر پائی کہ اسے کیا کہنا ہے اور صورتحال سے کس طرح نپٹنا ہے۔

احسن اس کی طرف سے دھیان ہٹا کر لاکٹ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو دیکھ نہ پایا۔

''بہت قیمتی ہے!'' پھر وہ ستائشی لہجے میں بولا تھا۔

''کس کا ہے زینب؟''

اس کے سوال نے زینب کی مشکل کو آسان بنا دیا۔

''رملی کا!'' وہ جھٹ بول پڑی۔ ''اس روز وہ اتار کر مجھے دکھا رہی تھی پھر ڈریسنگ ٹیبل پر ہی بھول گئی...... میں نے اٹھا کر لاکر میں رکھ

دیا۔“

اس نے آگے بڑھ کر وہ لاکٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔احسن کی تعریف نے اس کی آتش شوق کو کچھ اور بھڑکا دیا تھا، وہ اسے پہن کر احسن کو دکھانے لگی۔

”دیکھیں.....کیسا لگتا ہے؟“ وہ اترا کر پوری گھوم گئی۔

احسن زیر لب مسکرا دیا تھا۔

”تمہاری طبیعت کا بچپنا کب جائے گا زینو؟“ پھر وہ قدرے سنجیدگی سے بولا۔”کچھ اندازہ ہے تمہیں اس کی قیمت کا؟ بلکہ یوں کہا جائے کہ تم اس کی قیمت کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔تم نے پرائی چیز کو اٹھا کر اپنے لاکر میں رکھ لیا۔خدانخواستہ کہیں ادھر ادھر ہو جائے تو کون ذمے دار ہوگا۔فی الفور واپس کرو رملی کو.....ابھی کر کے آؤ!“

زینب بات کے یوں بن جانے پر اب قدرے مطمئن تھی۔اس کے دل کا خوف تقریباً زائل ہو چکا تھا۔وہ آرام سے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

”اب تو میں یہ لاکٹ کچھ دن بعد ہی واپس کروں گی اسے۔“

”کیوں؟“ لاکر بند کرتا احسن چونک اٹھا۔

”خیریت؟ اس نے تمہارا کچھ ادھار وغیرہ چکانا ہے۔کیا؟“

وہ ہنس پڑی۔

”میں نے اس سے کہا ہے کہ یہ لاکٹ کچھ دن میں پہنوں گی۔ مجھے بہت شوق ہے اصلی ڈائمنڈ پہننے کا۔اور رملی تو ایسی باتوں کا بالکل مائنڈ نہیں کرتی۔اس کے پاس تو بہت قیمتی قیمتی چیزیں یونہی پڑی رہتی ہیں۔“

”کہاوت ہے کہ پرایا گہنا پہن کر عورت اپنا روپ بھی کھو دیتی ہے۔“ وہ گہری سانس بھر کر اس کے قریب چلا آیا۔”اور رملی مائنڈ کرے یا نہ کرے میں بہرحال مائنڈ کروں گا۔میں تمہیں اتنی قیمتی جیولری خرید کر نہیں دے سکتا تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم دوسروں سے ادھار مانگ کر پہنتی پھرو۔یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔“

”کیسا لگ رہا ہے میرے گلے میں؟“ وہ اس کی ہر بات کو نظر انداز کر کے مسکرا کر پوچھنے لگی۔

احسن نے نگاہ اس کی صراحی دار، حسین گردن پر ڈالی اور مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

”بہت اچھا لگ رہا ہے خدا سے دعا کرو، وہ ہمیں بھی نوازے اور تب تک صبر شکر کی توفیق عطا فرمائے، جاؤ۔اسے واپس کر آؤ، شاباش!“

وہ اس کا گال تھپتھپا کر باہر نکل گیا۔زینب ایک بار پھر آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔اسے قطعی اندازہ نہ تھا کہ وہ اس قدر آسانی سے احسن کو بے وقوف بنا سکتی ہے۔اب اس کے دل میں کوئی خوف باقی نہ رہا تھا اور احسن کی باتوں سے تو وہ قطعاً متاثر نہ ہوئی تھی۔اب وہ کافی دن تک اس لاکٹ کو پہنے رہنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

”اور رملی سے کہوں گی کہ مجھے میرے شوہر نے گفٹ کیا ہے میری سالگرہ پر!“ اپنی اس چالاکی پر وہ خود ہی خوش ہو کر مسکرا دی تھی۔



شام کو وہ نہا دھو کر تیار ہو گئی تھی۔بہت دنوں کے بعد اس کا کہیں باہر جانے کا موڈ بنا تھا ورنہ اب تو اس نے احسن سے کوئی فرمائش کرنا تقریباً چھوڑ ہی دیا تھا۔

جمیلہ کو چھٹی دے کر وہ کچن میں چلی آئی۔ چائے کا پانی رکھ کر دوسرے چولہے پر کباب تلنے لگی۔ ہولے ہولے گنگناتے ہوئے وہ بے حد فریش موڈ میں شام کی چائے کی تیاری کر رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ احسن کے آنے کا ٹائم ہو چکا تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے دروازہ کھولا۔

''السلام علیکم۔'' باہر کھڑے احسن کو دیکھ کر اس نے سر جھکا کر سلام کیا تھا۔

جواب دینے سے قبل ہی اس کی نگاہ اس کے گلے پر پڑی۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''وعلیکم السلام!'' وہ اندر چلا آیا۔ ''یہ اب تک تمہارے گلے میں جھول رہا ہے؟''

آفس بیگ میز پر رکھ کر وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ جوتوں کے تسمے کھولنے لگا۔

''چائے لاؤں؟ کباب بھی تلے ہیں ساتھ!'' وہ اس کا تلخ سوال نظرانداز کر کے خوش دلی سے پوچھنے لگی۔

''ہوں۔ میں ذرا نہالوں!'' واضح طور پر اس کا موڈ آف ہو گیا تھا۔

مزید کچھ بھی کہے بنا وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ عموماً وہ آفس سے واپسی پر بڑے خوشگوار موڈ میں ہوا کرتا تھا۔ مزاج کے خلاف باتوں کو بھی مسکرا کر نظرانداز کر دیتا تھا۔ لیکن آج نجانے کیوں اس کا منہ بن گیا تھا۔

زینب چند لمحوں کے لیے سوچتی رہی پھر اس نے کندھے اچکا دیئے۔ جھوٹ تو اس نے بولا تھا لیکن اب وہ حقیقتاً تو وہ لاکٹ رملی کو واپس نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے سوچا تھا کچھ روز پہن کر پھر کہیں چھپا دے گی۔ لیکن احسن تو بری طرح سے اس کے درپے ہوا تھا۔

وہ نہا کر نکلا تو وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر لے آئی۔ وہ ٹی وی آن کر کے صوفے پر دراز ہو گیا۔

''کباب لے لیں نا۔ ٹھنڈے ہو جائیں گے!'' وہ اسے رام کرنے کی کوششیں کرنے لگی۔

''چائے نکال دو بس!'' وہ اس کی جانب متوجہ نہ ہوا۔

''میں نے آپ کے لیے ہی تو بنائے تھے۔''

''تمہیں کیوں میری اتنی پروا ہوئی؟'' وہ ناراضی سے بولا۔

''کیا مطلب؟'' اس نے پلیٹ واپس میز پر رکھ دی۔ ''مجھے آپ کی پروا کیوں نہیں ہے؟ کس بات پر یوں منہ بگاڑ کر بیٹھے ہیں؟ اچھا خاصا ماحول خراب کر رہے ہیں؟''

وہ خود بھی منہ پھلا کر بیٹھ گئی۔

احسن نے ذرا خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں تمہارا شوہر ہوں زینب! میرا کتنا حق بنتا ہے تم پر، تمہیں شاید اس کا احساس ہی نہیں ہے۔ میری کسی تنبیہ کو، کسی حکم کو تم خاطر میں ہی نہیں لاتیں۔''

''حکم؟'' وہ ہنس دی۔''ایسا کون سا حکم نامہ جاری کیا تھا آپ نے جسے میں نے پھاڑ کر پھینک دیا، حاکم صاحب! ایک یہ لاکٹ واپس کرنے کو کہا تھا تو میں آج رملی کی طرف جا نہ سکی۔ ایسی کون سی قیامت ٹوٹ پڑی؟ مجھے ہر وقت سرزنش کرتے رہتے ہیں اور خود ذرا سی رائی کا پہاڑ بنا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کہا جو ہے کر دوں گی واپس۔ آپ تو یوں فکر مند ہیں جیسے یہ میرا گلا ہی کاٹ دے گا۔''

''جا نہ سکیں!'' وہ بڑبڑایا۔''ویسے تو دن بھر میں دس چکر لگ جاتے ہیں۔ آج اسے واپس کرنے کو کہا تو تم جا نہ سکیں۔ کم از کم اتار کر ہی رکھ دو۔ یوں پہنے پھر رہی ہو جیسے تمہاری ملکیت ہو جاتی ہو، یہ اس کے شوہر نے اسے لا کر دیا ہو گا تم اپنے گلے کی زینت بنا کر...... کتنا برا محسوس ہو رہا ہے مجھے۔ تمہیں اندازہ ہو جائے تو ابھی اسے اتار پھینک دو۔''

''ایسے ہی پھینک دوں، خوامخواہ!'' وہ بڑبڑائی''عجیب منطقیں جھاڑتے ہیں۔ مت اتنا سیریس لیا کریں ہر بات کو۔ ایسی ہی چھوٹی باتیں فساد کا باعث بن جاتی ہیں۔ ہر وقت مجھ سے نہ لڑا کریں احسن اتنا اسٹیمنا نہیں ہے مجھ میں۔''

احسن ریموٹ ایک طرف پھینک کر کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔ وہ چند لمحے بیٹھی اسے دیکھتی رہی۔ پھر غصے سے اٹھی اور ٹرے اٹھا کر کچن میں چلی آئی۔

''ہونہہ! سمجھتے کیا ہیں خود کو۔ ٹھیک ہے! ضد ہے تو ضد سہی! میں بھی دیکھتی ہوں کب تک اس بات پر بگڑتے ہیں۔ اب مہینہ بھر نہیں اتاروں گی اسے۔''

اس نے مصمم ارادہ کر کے لاکٹ مٹھی میں بھرا تھا۔



پھر شام ڈھلنے کو تھی جب وہ سو کر اٹھا تھا۔ زینب کچن میں تھی۔ رات کے کھانے کے لیے روٹیاں پکا رہی تھی۔ احسن نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔ وہ خاموشی سے روٹیاں پکاتی رہی۔ وہ چپ چاپ کولر کی جانب بڑھ گیا۔

''چائے لا دو!'' پانی پی کر اس نے کہا تھا۔ لہجہ سپاٹ سا تھا۔ نہ ناراضی تھی نہ رضامندی کا اظہار۔

زینب نے روٹیاں کپڑے میں لپیٹیں اور کیتلی میں پڑی شام کی چائے گرم کرنے لگی۔ چائے کا کپ بھر کر اس نے احسن کو تھمایا تو وہ غور سے اسے دیکھنے لگا۔

''کیا دیکھ رہے ہیں؟'' وہ وہیں بیٹھ گئی۔

''دیکھ رہا ہوں...... کہ...... تم بہت نرم و نازک سی لگتی ہو۔''

''پھر؟'' وہ اندر سے خوش ہوئی تھی۔

''لیکن کتنی خود سر اور ہٹیلی ہو، کسی چٹان کی جیسی!'' وہ چائے پیتے ہوئے بولا۔

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے جناب کا؟'' وہ سلگ ہی گئی تھی۔

''جیسا نظر آتا ہوں ویسا ہی ہوں۔'' وہ بالکل سپاٹ لہجے میں بات کر رہا تھا۔

''خوش فہمی، بڑی خوش فہمی۔ آپ مجھ سے پوچھیں۔ کیسے ہیں تو میں بتاؤں۔''

''ہوں۔'' وہ اسے دیکھنے لگا۔

''پیاز جیسے ہیں۔ خول پر خول اترتا چلا جاتا ہے اور اصل ہاتھ نہیں آتا۔ میں تو یہ پرتیں اتار اتار کر تھک گئی ہوں۔''

بڑی بے نیازی سے کہہ کر وہ ٹانگیں ہلانے لگی تھی۔

احسن کچھ دیر تک اس کی بات پر غور کرتا رہا پھر مسکرا دیا۔

''چلو۔ تم بہتری کی امید تو کر سکتی ہو۔ نجانے کون سی پرت اصل نکلے۔ لیکن ایک پتھریلی چٹان سے میں کیا امید رکھوں؟''

زینب ہونق بنی اس کی بات کا مطلب سوچتی رہی۔

''میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔'' وہ چائے کا کپ خالی کر کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ ''گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹوں گا۔ دروازہ لاک کر لو۔''

انگلیوں سے بال سنوار کر وہ کپڑے درست کرتا باہر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ شام سے کی گئی اپنی تیاری پر کف افسوس ملتی رہ گئی۔



اس روز اتوار تھا۔ وہ دونوں ہی کافی دیر سے اٹھے تھے۔ نہا دھو کر وہ ناشتے کے انتظار میں بیٹھا تھا اور زینب جلدی جلدی چیزیں ٹرے میں رکھ رہی تھی۔ جمیلہ آج کپڑے دھونے میں مصروف تھی سو آج یہ ڈیوٹی زینب نے اپنے ذمے لے لی تھی۔

''آپ کہیں جا رہے ہیں؟'' اس کے آگے ٹرے رکھتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹا کر سائیڈ میں رکھا اور سلائس اٹھا کر کھانے لگا۔ ''کچھ کام ہے ہو سکتا ہے دیر بھی ہو جائے۔''

''لیکن آج تو اتوار ہے!'' اس نے احتجاجاً کہا تھا۔

''کم از کم آج کے دن تو فارغ رہا کریں۔ میرا آمنہ سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔''

''تم تیار ہوتیں تو میں چھوڑ دیتا۔'' اس نے ایک نگاہ اس کے ملگجے کپڑوں پر ڈالی۔ ''اب اگر تمہاری تیاری کا انتظار کیا تو میں لیٹ ہو جاؤں گا۔ مجھے ایک آدمی سے ضروری ملنا ہے۔''

''نہیں ابھی نہیں۔ میں تو شام کے لیے کہہ رہی ہوں۔ چار بجے تک آ جائیں گے۔ میں تیار رہوں گی۔''

''اوں ہوں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ناممکن۔ شام کچھ دوستوں کے ساتھ پروگرام ہے تم کسی اور دن پر رکھو۔ میں سات آٹھ بجے سے پہلے نہیں آ سکتا۔''

اس نے کپ خالی کر کے ٹرے میں رکھا اور اٹھ کر دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

''دروازہ لاک کر لو!''

اس کے جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر کھڑی دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ کتنی بے دردی سے اس کی بات کو رد کر گیا تھا۔

''ہے کون میرا اس دنیا میں۔'' ہونٹوں کو دانتوں سے کاٹتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ جیسا چاہے سلوک روا رکھیں۔ جانتے ہیں نا، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کاش میرا بھی کوئی اپنا ہوتا۔ کسی سے حال دل کہہ سکتی۔'' وہ کڑھتی ہوئی کچن میں چلی آئی تھی۔

''ہیلو..... کیا ہو رہا ہے؟''

برتنوں کو سمیٹ کر سنک میں جمع کرتی زینب رملی کی آواز پر چونکی تھی۔

''تم اچھا کیا چلی آئیں۔'' وہ مسکرا اٹھی۔ ''بہت دل گھبرا رہا تھا۔''

''خیریت؟'' وہ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔ ''دل کیوں گھبرا رہا تھا، چھٹی کا دن ہے، شوہر نامدار تو گھر پر ہوں گے۔''

زینب تلخی سے مسکرائی تھی۔

''ایک زمانہ تھا احسن چھٹی کے دن نہ خود کہیں جاتے تھے نہ مجھے جانے دیتے تھے۔''

''اب؟'' اس نے گہرا سانس بھرا۔ ''اب وہ شام کو بھی جلدی آنے پر تیار نہیں ہوتے۔''

''ارے غم نہ کرو میری جان! یہ نسل ہی ایسی ہے۔'' رملی نے اسے پچکارا۔ ''سانپ پر غصہ نہیں ہوتے کہ اس نے کیوں ڈسا؟ اس کی فطرت میں ڈسنا ہے وہ ضرور ڈسے گا۔ کبھی بار بار بیٹھے تو اس پر جھنجلانا نہیں چاہیے کہ اس کی فطرت ہے۔ جب ایک مرتبہ دوسرے کی فطرت سے واقفیت ہو جائے تو اس سے سمجھوتا کر لینا چاہیے۔ پھر غصہ نہیں آتا۔ اپنا جی بہلا کر دوسرے کے دن کو تنہائی آشنا کرنا ان مردوں کی فطرت ہے۔ یہ اس سے باز نہیں آسکتے۔ ان کی فطرت سے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے سمجھیں؟''

زینب نے عجیب سی الجھن کے ساتھ اسے دیکھا۔

''پتا نہیں کیا کہہ رہی ہو!'' وہ ساس پین دھونے لگی۔ ''چائے پیو گی؟''

''ہاں بالکل۔ جیسے تمھارے گھر آ کر چائے پینا میری فطرت میں لکھا ہے۔ تمھیں مجھ سے پوچھنا نہیں چاہیے۔''

زینب کو ہنسی آ گئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ چائے کی پتی کیبنٹ سے نکال رہی تھی جب یکا یک رملی بولی تھی۔

''سکندر نے تمھیں ڈنر پر انوائٹ کیا ہے۔''

زینب جہاں تھی وہیں رک گئی۔ پھر اس نے پلٹ کر بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

''کیا؟ کیا کہا تم نے؟ سکندر نے مجھے انوائٹ کیا ہے؟ ڈنر پر؟ کیا بکواس ہے'' پھر وہ قدرے خفگی سے بولی۔

زینب الجھن سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ رملی بظاہر بڑی بے نیازی سے یہ سب کچھ کہہ رہی تھی لیکن لگتا تھا۔ اندر سے کوئی کچوکے دے رہا ہو اس کا چہرہ بار بار رنگ بدلتا تھا۔

''اس نے مجھے بلایا ہے۔ تمھیں نہیں؟'' وہ پھر بے یقینی سے بولی۔

''مجھے بھی بلایا ہے۔'' وہ کھوکھلی سی ہنسی ہنسی۔

''لیکن در پردہ اس نے یہ سارا اہتمام تمھارے لیے کیا ہے۔ خیر، اس میں حرج بھی کیا ہے۔''

''تمھارے بھائی کا دماغ مجھے اپنے ٹھکانے پر نہیں لگتا۔'' وہ قدرے خفگی سے بولی۔ ''میرا اسکا کیا تعلق جو میں اس کی سالگرہ مناتی پھروں۔ میرا میاں شوٹ کر دے گا مجھے۔''

رملی کے چہرے کے رنگ بحال ہونے لگے تھے۔ وہ مسکرا دی۔

''اور تمھیں مجھ سے ایسی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔'' پھر اس نے رملی کو جھاڑا۔ ''وہ بے عقل ہے لیکن تم تو اچھی خاصی سمجھ دار ہو۔ کیا کہنا چاہیے کیا نہیں، تمھیں اندازہ ہونا چاہیے۔''

''سوسوری زین! دراصل سکندر اتنے یقین بات کر رہا تھا کہ میں...... خیر لیو اٹ! لاؤ میرا کپ دو۔ چائے پینے کا دل چاہ رہا ہے۔''

اس نے جہازی سائز مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

زینب نے خفگی کا اظہار تو کر لیا تھا لیکن اندر سے وہ بالکل چور ہو رہی تھی۔ سکندر کا رملی سے اس کے بارے میں یوں یقین سے کہنا اسے چور بنا ڈالنے کے لیے کافی تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے رملی کو ہر بات کا علم ہو۔ جیسے وہ اسے ابھی طعنہ دے ڈالے گی کہ جب تم اس سے اتنا قیمتی

تحفہ وصول کرسکتی ہو تو اس کی سالگرہ بھی منا سکتی ہو۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ آخر تمھارے بھائی کو سوجھی کیا؟" وہ ایک بار پھر دل کا بوجھ ہلکا کرنے کی خاطر بولی تھی۔ "میرے اس سے ایسے کون سے دوستانہ روابط ہیں جو وہ مجھے انوائٹ کرے۔ یونہی ایک آدھ مرتبہ تمہاری نسبت سے ملاقات ہوگئی ہے۔"

"میں اسے خوب سناؤں گی۔" رملی مسکرائی تھی۔ "شاید وہ مجھے بے وقوف بنا رہا تھا۔"

"اور تم بن بھی گئی ہو۔"

"اچھا میں چلتی ہوں۔" پھر رملی کپ خالی کر کے کاؤنٹر پر رکھتے ہوئے بولی۔ "آج اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ گھر کا کچھ کام کروں گی۔"

"تم جاؤ گی شام کو؟" وہ یونہی سرسری سے انداز میں بولی تھی۔

"آں..... شاید! بلکہ یقیناً۔" وہ سوچ کر بولی۔

"سکندر کہہ رہا تھا، لینے آئے گا۔ ویسے اگر تم چلنا چاہو تو کچھ حرج بھی نہیں۔ میری طرف سے دعوت سمجھ کر چلو۔" اب کے وہ بڑے پرخلوص انداز میں کہہ رہی تھی۔

"نہیں، نہیں۔ اچھا نہیں لگتا۔" وہ رواداری سے مسکرا دی۔

اچانک ہی رملی کی نگاہ اس کے دوپٹے میں سے جھانکتے لاکٹ پر پڑی۔

"زین!" اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا دوپٹہ ہٹا دیا۔

"یہ..... یہ....."

وہ ہکلا کر رہ گئی تھی۔ زینب بھی ایک لمحے کو گڑبڑا گئی۔

"آں..... ہاں..... کیا ہوا؟"

"یہ اصلی ہے نا؟"

"احسن لائے تھے..... میری سالگرہ پر۔" وہ جلدی سے بول پڑی۔

"واؤ۔ بڑے امیر ہیں تمہارے احسن صاحب!"

وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی تھی۔ "بڑے قیمتی تحفے دیتے ہیں بیگم کو۔"

زینب عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ رملی نے گہرا سانس بھرا تھا۔

"چلتی ہوں۔"

"خدا حافظ۔" وہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی تھی۔

"آدمی ہے کہ الجھن ہے۔" پھر وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی آئی۔ "ہر موڑ پر میرے لیے کوئی مشکل کھڑی کر دیتا ہے۔ میرے لیے ایک معمہ بنا دیتا ہے صورت حال کو....."

وہ کچن میں گھس گئی تھی۔



شام تک جمیلہ بھی چلی گئی۔ وہ اکیلے گھر میں اداسی سے پھرتی رہی۔ نجانے زندگی کو کیا ہو گیا تھا۔ ہر امنگ، ہر خوشی، ہر تمنا جیسے روٹھتی جا رہی تھی۔ ایسے ہی چلتے چلتے وہ ذرا دیر کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر رکی تھی۔ اپنا تھکا ہوا، پژمردہ وجود دیکھ کر اس کی مایوسی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ وہ شادی سے پہلے والی زینب شاہ کو کھوجنے لگی۔ تازہ دم اور زندگی سے بھرپور۔ جس کے رخساروں کی تمازت چاند سورج کو ماند کرتی تھی۔ جو ہر دم اجلی اجلی، نکھری نکھری رہتی تھی۔ جسے اپنی آئندہ زندگی سے بہت سی توقعات، بہت سی امیدیں تھیں اور یہ زینب شاہ جو اس وقت آئینے کے سامنے تھی، یہ تو کوئی اور تھی۔ زرد، تھکی ماندہ۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے اور رخساروں پر نمایاں ہوتی کمزوری کی لکیریں۔ اس کا لباس ملگجا ہو رہا تھا اور بال چٹیا سے نکل کر چہرے اور گردن سے چپکے ہوئے تھے۔

کتنی ہی دیر وہ اپنا عکس دھندلائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتی رہی تھی۔ کال بیل کی آواز نے اسے اس کے خیالات کی دنیا سے کھینچ نکالا۔ دیوار گیر گھڑی پر ایک نگاہ ڈال کر وہ دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

''ہیلو۔'' باہر رملی کھڑی تھی۔

سبز رنگ کے قیمتی لباس میں وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔ زمرد کا سیٹ لباس کا ہم رنگ تھا اور عجب بہار دکھلا رہا تھا۔ سلیقے سے بنائے ہوئے بال اور نفاست سے کیا گیا میک اپ اسے بڑا باوقار بنا گیا تھا۔ وہ اس قدر اچھی لگ رہی تھی کہ زینب کافی دیر تک اسے دیکھتی ہی رہی۔ اس سے کچھ بولا نہ جا سکا۔

''اندر آ سکتی ہوں؟'' بالآخر وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

زینب جھینپ گئی۔ ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دیا۔ وہ اندر چلی آئی۔

''اکیلی ہو؟ احسن بھائی ابھی تک نہیں آئے؟''

اس نے ایک نگاہ گھر پر دوڑائی تھی۔

''پتا نہیں کہاں رہ گئے۔'' زینب نے ایک نگاہ آٹھ بجاتی گھڑی پر ڈالی تھی۔ ''بیٹھو۔ تیاری کہاں کی ہے؟''

''جیسے تمہیں خبر نہیں۔'' اس نے خفگی سے اسے دیکھا۔ ''میں تو تمہیں بھی لینے آئی ہوں۔ بتایا تو تھا نا سکندر کے انوی ٹیشن کا۔''

''ہاں...... لیکن......'' وہ الجھ گئی۔ ''میں نے تو تمہیں منع کر دیا تھا۔''

''بس تو!'' عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

''سکندر نے بھی پروگرام کینسل کر دیا، باہر جانے کا، اب گھر میں ہی کچھ اہتمام کر رہے ہیں تم بھی چلو۔''

''نہیں رملی!'' وہ بے حد اداس تھی۔ ''تم جاؤ، میری وجہ سے تم لوگ اپنا پروگرام خراب مت کرو۔ میری طبیعت بھی کچھ اچھی نہیں ہے اور احسن بھی گھر پر نہیں ہیں۔''

''احسن گھر پر ہی ہیں......'' پیچھے سے اچانک ہی آواز ابھری تھی۔

وہ دونوں ہی چونک کر مڑیں۔ احسن مسکراتا ہوا اندر آ رہا تھا۔

''کوئی مسئلہ ہے؟'' ان دونوں کو یوں بیچ راستے میں کھڑا دیکھ کر وہ استفسار کرنے لگا۔

زینب گڑبڑا کر رہ گئی جبکہ رملی نہایت اطمینان سے بولی تھی۔

''مسئلہ کیا ہونا ہے احسن بھائی۔ میری کچھ فرینڈز آئی ہوئی ہیں۔ زینب سے ملنا چاہ رہی تھیں۔ میں اسے لینے آئی ہوں۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو۔''

''نن...... نہیں رملی......'' زینب ہکلا کر رہ گئی۔ رملی کے یوں فراٹے سے جھوٹ بولنے پر وہ حیران رہ گئی تھی۔

''ہاں، ہاں۔ چلی جاؤ۔'' احسن کلائی پر سے گھڑی کا اسٹریپ کھولتا ہوا اندر کی جانب بڑھ گیا۔ ''کھانا میں کھا کر آیا ہوں، کچھ دیر آرام کروں گا۔ تم جاؤ، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔'' وہ کمرے میں گھس گیا۔ زینب نے کچھ خفگی سے رملی کو دیکھا تھا۔ وہ کاندھے اچکا کر مسکرا دی۔

''بائیں ہاتھ کا کھیل ہے چلو بھی اب۔ سکندر انتظار کر رہا ہے۔'' اس نے آواز دھیمی کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔

''رملی!'' زینب بے طرح خوفزدہ ہوگئی۔ ''آہستہ بولو۔''

''چیلنج کرنا چاہو تو کرلو۔'' رملی نے اس پر ایک نگاہ ڈالی تھی۔

اسے رملی پر، سکندر، احسن پر، ہر کسی پر غصہ آرہا تھا بلکہ اسے خود اپنے آپ پر بھی غصہ آرہا تھا۔ وہ عجیب بے بسی کی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ رملی کے ساتھ وہ اس کے گھر پہنچی تو خلاف توقع وہاں کسی قسم کی تقریب کے کوئی آثار نہ تھا۔ میر سکندر علی رملی کے بیڈ پر اوندھا لیٹا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

رملی نے اسے مخاطب کیا تھا۔

وہ چونک کر سیدھا ہوا اور اسے رملی کے ہمراہ دیکھ کر خوش دلی سے مسکرا دیا۔

''ہیلو..... معزز خاتون!'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''کیسی ہیں آپ؟ ہماری اس چھوٹی سی محفل کو رونق بخشنے پر ہم تہہ دل سے مشکور ہیں آپ کے۔''

وہ سر جھکائے خاموشی سے کھڑی رہی۔ سر جھاڑ منہ پہاڑ چلی آئی تھی۔ نک سک سے تیار سکندر علی اور بڑے قرینے سے سجی سجائی رملی اسے خفت میں مبتلا کرنے لگے۔

''محفل؟'' رملی طنز سے ہنسی تھی۔ ''بہت ہی اعلا پائے کی محفل سجائی ہے آپ نے سکندر صاحب! ایسی ہوتی ہیں محفلیں؟ لگتا ہے مجھے اتنی تیاری کے ساتھ کچن میں گھس کر کھانا پکانا پڑے گا۔''

''ارے رملی جان! تم ناراض بہت جلد ہو جاتی ہو۔'' سکندر نے اسے چمکارا۔ ''میں نے ڈرائیور کو بھیجا ہے، ابھی آتا ہی ہوگا، ہر طرح کا سامان لے کر۔ خوش ہو جاؤ گی تم۔ شہر کے بہترین ہوٹل سے کھانا منگوایا ہے۔''

''چلو شکر ہے! اتنا احساس تو ہوا تمہیں۔ اچھا پھر میں برتن وغیرہ سیٹ کرتی ہوں ٹیبل پر، تم لوگ جب تک باتیں کرو۔''

وہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔ زینب نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔

''تشریف رکھیں!'' سکندر نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

''آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا!'' کچھ دیر بعد وہ آہستگی سے بولی تھی۔

''میں سمجھا نہیں..... کیسا؟'' وہ سامنے پڑے صوفے پر دراز ہوا۔ ''اگر آپ مائنڈ نہ کریں تو سگار پی سکتا ہوں میں؟''

''شوق سے۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سگار سلگانے لگا۔ پھر سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''آپ نے یہ لاکٹ پہن لیا۔ آپ میری دلی مسرت کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ تحفے کی قبولیت کا صحیح انداز یہی ہوتا ہے۔ ویسے آپ کی نازک گردن پر یہ بے حد خوب صورت لگ رہا ہے۔''

زینب گھبرا اٹھی۔ اس کے رخسار تپ کر سرخ ہوگئے۔

''ویسے آپ نے وضاحت نہیں کی۔ میری کس حرکت پر سرزنش کرنا چاہتی تھیں آپ؟'' وہ حقیقتاً بڑے دلکش انداز میں بات کر رہا تھا۔ آواز کی گہرائی، لہجے کی ٹھہراؤ یقیناً دل پر اثر کرتی تھی۔

زینب نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔ صوفے کی پشت پر بازو پھیلائے گداز صوفے میں دھنسا وہ بڑے سکون سے بیٹھا سگار پی رہا تھا۔

"آپ کو اس طرح مجھے پیغامات نہیں بھجوانے چاہئیں۔ میں آپ کی دعوت پر آپ کے ساتھ کہیں نہیں جاسکتی۔ یہ آپ کو سوچنا چاہیے۔ پھر مجھے یوں یہاں بلا بھیجنا! اچھا نہیں لگتا۔ رملی کیا سوچے گی۔ اگر میرے شوہر کو اس بات کا علم ہوگیا۔ ان باتوں کا انجام بہت خطرناک ہوتا ہے اور مجھے تو آگ سے کھیلنا بالکل پسند نہیں ہے۔"

"ارے!" وہ ہنس دیا۔ "آپ اتنی بزدل ہیں؟ ہم تو آپ کو بہت بہادر تصور کیے بیٹھے ہیں اور یہ کیا کہا آپ نے کہ آگ سے کھیلنا آپ کو پسند نہیں۔ پھر ہمارے اندر یہ آگ کیوں بھڑکائی آپ نے؟"

وہ بہکنے لگا تھا۔ زینب نے خفگی سے اسے دیکھا۔

"میرا خیال ہے، میں نے آپ سے تحفہ لے کر غلطی کی۔ آپ غالباً اس کا خراج چاہتے ہیں۔"

"ارے......رے......رے...... زینب خاتون!" وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ "بخدا دل میں میل مت لائیے۔ نجانے کیا سمجھ بیٹھی ہیں آپ۔ اجی ہم تو دیوی کی پجاریوں کی طرح ہیں۔ نذر پر چڑھا کر دیوی سے اس کا بدلہ مانگنا پجاریوں کا شیوہ نہیں ہوتا۔ آپ بدگمان نہ ہوں۔ آپ کہیں تو ہم آپ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ سونپ دیں۔"

"مجھے ایسا کچھ کہنے یا سوچنے کی ضرورت نہیں۔ مجھ سے ایسی باتیں نہ کریں۔" وہ بے بسی سے سر ہلا کر بولی تھی۔

میر سکندر علی مسکرایا۔ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر سگار سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ پھر بولا۔

"زینب! آپ کو دیکھنے کو جی چاہ رہا تھا، سو ایک بہانا نکال لیا، ہم سے دیوانوں سے اس سے آگے کی کچھ توقع نہ کریں۔ آپ شدید غلط فہمی کا شکار ہو رہی ہیں۔"

"مجھے دیکھنے کو بھلا آپ کا جی کیوں چاہ رہا تھا؟" اس نے اسے چبھتی نظر سے دیکھا۔

"اس سلسلے میں مجبور ہے یہ دل۔" وہ دلکشی سے مسکرا دیا۔ "اس روز آپ نے پوچھا تھا نا...... میں روز یہاں کیوں آتا ہوں؟ آج جواب سن لیجئے۔ آپ کے جلتے بھڑکتے حسن کے آگے سر تسلیم خم کر کے میرا دل سورج مکھی کا پھول بن گیا ہے۔ بس اتنا گناہ ہے اس دل کا۔ جہاں آپ ہیں یہ اپنا رخ ادھر ہی رکھنا پسند کرتا ہے۔ ہاں! اس سے زیادہ کی اس کی تمنا نہیں۔ نجانے آپ اتنی خفا خفا سی کیوں ہیں؟"

"میری دنیا میں ان سب باتوں کی گنجائش نہیں ہے سکندر صاحب۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "میں یہ کہوں گی کہ آپ ناحق خود پر ظلم کر رہے ہیں۔"

"شکر ہے، آپ نے یہ نہیں کہہ دیا کہ میں آپ پر ظلم کر رہا ہوں۔" وہ شرارتاً مسکرایا۔

"یہ کہوں تو بھی سچ ہوگا۔" وہ منہ پھیر کر بولی تھی۔

"چچ چچ چچ...... دیوانے دل پر اتنا بڑا الزام تو نہ لگائیں۔ ہم اور آپ کا برا چاہیں! ہو ہی نہیں سکتا۔ بس کبھی کبھار کی یہ سرسری سی، رسی سی ملاقات! آپ اتنا بھی نہیں کر پائیں گی؟"

اس کے انداز میں عجب التجا تھی۔ زینب بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اسے بڑی گہری نظر سے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے اختیار کنفیوز ہو کر نظریں جھکا گئی۔

"زینب! ایک بات کہوں......؟" دفعتاً وہ بے حد دھیمی آواز میں بولا۔

"کہیے!"

"آج آپ کا یہ روپ کسی کے بھی ہوش و حواس اڑا دینے کے لیے کافی ہے۔ یہ بے پروا، بکھرا بکھرا، خفا خفا سا حسن! آپ کیوں بجتی سنورتی ہوں گی۔ آپ تو یوں بکھر کر بے پناہ حسین نظر آتی ہیں۔"

اس کی تعریف نے زینب کو بے پناہ خجل کر دیا۔

اس کا چہرہ بالکل سرخ ہو گیا۔ اتنے کھلے، بے باک الفاظ تو اس نے کبھی احسن کے لبوں سے نہ سنے تھے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہ سکی۔ اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔

''یہ بکھرے بکھرے بال، یہ شکن آلود لباس، یہ بجھا بجھا، دبا دبا سا انداز! کاش میں اس لمحے کو مجسم کر سکتا۔''

''پلیز سکندر صاحب!'' وہ مدھم آواز میں محض اتنا ہی کہہ پائی۔

''چلیں بھئی۔'' مصروف سے انداز میں رملی اندر داخل ہوئی تھی۔ ''تیاری مکمل ہے۔ ارے آپ دونوں تو یوں خاموش بیٹھے ہیں جیسے کسی نے فردِ جرم پڑھ کر سنائی ہو۔''

''کہاں غائب ہو گئی تھیں تم؟'' زینب نے اسے گھورا۔

''میں ٹیبل لگا رہی تھی بھئی...... اگر تم بور ہو رہی تھیں تو باہر آ جاتیں۔'' اس کے لہجے میں جتانے کے تمام انداز نمایاں تھے۔ ''چلو سکندر! کیک کاٹو۔ تمہارا ڈرائیور سامان دے گیا ہے۔ ویسے ماننے والی بات ہے۔ آج کا ڈنر زبردست ہوگا۔''

''تم تو کھا کر بھی نہیں مانو گی۔'' اس نے رملی کے سر پر چپت لگائی تھی۔ ''پکی نمک حرام ہو۔''

رملی چلتے چلتے رک گئی۔ اس نے پلٹ کر سکندر کو دیکھا تھا۔

''نہیں سکندر! میں نمک حرام نہیں ہوں۔''

نجانے کیوں زینب کو لگا جیسے اس کی آواز رندھی ہوئی ہو۔ اس نے چونک کر رملی کی جانب دیکھا لیکن وہ اپنی کیفیت پر قابو پا چکی تھی۔ سکندر علی نے کیک کاٹا اور پورا پیس اٹھا کر رملی کے منہ میں ٹھونس دیا تھا۔ وہ منہ بھرا ہونے کے باعث احتجاج بھی نہ کر پائی تھی۔ بس غوں غاں کر کے رہ گئی۔ دوسرا پیس اس نے زینب کی جانب بڑھایا تھا۔ زینب نے رسانیت سے پلیٹ بڑھا کر اس میں رکھ لیا۔

پھر باقی کا سارا وقت وہ دونوں ایسی ہی چھوٹی چھوٹی سرارتیں کرتے اور ہنستے رہے۔ کھانا انہوں نے کھایا کم اور ضائع زیادہ کیا۔ زینب بھی جھجک کے باعث زیادہ نہ کھا سکی تھی۔ پھر وہ جلد ہی جانے کے لیے کھڑی ہو گئی۔

''میں اب چلوں گی۔'' اس نے بے تحاشا ہنستی ہوئی رملی کو مخاطب کیا تھا۔

''زینب...... پلیز بیٹھیں!'' میر سکندر علی بولا تھا۔ ''ابھی تو گپ شپ رہ گئی۔''

''ہاں زین! ابھی گھنٹہ بھر تو ہوا ہے تمہیں آئے۔''

رملی بھی بولی۔

''احسن انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔ ''اچھا...... چلتی ہوں۔''

میر سکندر علی کی گہری نظروں نے دروازے تک اس کا تعاقب کیا تھا۔

وہ گھر میں داخل ہوئی تو احسن ٹی وی لگائے بیٹھا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا۔

''مل آئیں رملی بی بی کی سہیلیوں سے۔'' وہ خوش گوار موڈ میں تھا۔

''جی......'' وہ چور سی بن گئی۔

''پوچھا نہیں انہوں نے کون سا واشنگ پاؤڈر استعمال کرتی ہو۔'' اس نے مسکراہٹ دبائی تھی۔

''جی؟'' وہ ایک لحہ کو گڑبڑائی پھر شرمندہ ہو گئی۔

وہ یقیناً اس کے حلیے پر چوٹ کر رہا تھا۔ آج صبح سے اس نے نہ تو کپڑے تبدیل کیے تھے نہ بال بنائے تھے۔

''ایک ڈرامہ چلا کرتا تھا ٹی وی پر۔'' وہ مزید بولا۔''عینک والا جن'' قسم سے اس میں ایک چڑیل کا بالکل یہی حلیہ بناتے تھے۔ کم از کم بالکل تو بالکل کیسے......''

زینب قریب رکھا کشن اٹھا کر اسے مارنے والے انداز میں بڑھی تھی۔



رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ نینداس کی نگاہوں سے کوسوں دور تھی۔ کھلی آنکھوں سے چھت پر گھومتے ہوئے پنکھے کو دیکھ کر وہ نجانے کیا کیا کچھ سوچے چلی جا رہی تھی۔

میر سکندر علی سے ملاقات، اس کی باتیں، اس کا انداز...... وہ جتنا سوچتی جا رہی تھی، ذہن الجھتا چلا جاتا تھا۔ اندر ایک کشمکش چھڑی ہوئی تھی۔ وہ بے چین تھی۔ بے حد بے چین، کسی کل قرار نہ آتا تھا۔ ضمیر تھا کہ ملامت کیے چلا جاتا تھا۔ دماغ الگ دلیلیں پیش کرتا تھا۔ دل الگ حجتیں کرتا تھا۔

''کیوں چلی گئی تھی وہ اس کے بلاوے پر، کیوں جا بیٹھی اس کے مقابل، کیوں اس کے الفاظ سے اپنی سماعتوں کو آلودہ کیا، کیوں اس کی نگاہوں سے اپنے حسن کا خراج وصول کیا...... کیوں...... کیوں...... کیوں۔ کوئی اس کے اندر چلائے جاتا تھا۔ اس نے بے چینی سے کروٹ بدل لی۔

''لیکن اس میں ہرج بھی کیا ہے۔'' پھر کہیں کوئی چپکے بولا تھا، سرگوشی میں۔''اس بے رنگ، بے کیف، سپاٹ انداز میں گزرتی زندگی میں اگر کہیں سے کچھ انوکھے، چنچل، شوخ رنگ آ کر ملتے ہیں تو ملنے دو۔ زندگی کا بہتا دریا ان رنگوں سے آلودہ نہیں ہوتا۔ ذرا آگے گیا اور پھر وہی صاف شفاف پانی، پھر وہی ہموار سپاٹ، ایک سی زندگی اور تم نے کیا ہی کیا ہے۔ حسن تو قدرت کی دین ہے۔ اس نے جی بھر کر نوازا ہے۔ اور سراہنا انسانی آنکھ کی مجبوری، وہ سراہے گی۔ بیچ میں تمہارا قصور کہاں نکلتا ہے۔ بس ذرا دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ اندر سکون سا اترتا ہے۔ مٹیالے پانی میں کچھ رنگ آ کر ملتے ہیں، منظر پل بھر کو بدلتا ہے، قوس قزح کچھ دیر کو نمودار ہوتی ہے اور بس! اس سے زیادہ کی خواہش تو نہ تمہیں ہے نہ اسے۔ یہ معصوم سی خطا اگر سرزد ہوتی بھی ہے تو ہوتا رہنے دو۔ زندگی بھر میں بس اتنی سی خطا۔ بس ذرا سی بے ایمانی سب ہی کرتے ہیں۔ تم کیوں بے چین ہو زینب؟''

اس نے ذرا سا رخ بدل کر بے خبر سوئے ہوئے احسن کو دیکھا۔

''یہ وہ شخص تھا جو کہتا تھا کہ نہ تمہارے بغیر نیند آتی ہے اور نہ تمہارے پاس ہوتے ہوئے سو سکتا ہوں۔ آخر میں کیا کروں زینو! اور آج یہ میرے بغیر بھی اطمینان کی نیند سو سکتا ہے اور میری قربت بھی اس کے سکون پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ آتش فشاں ٹھنڈا ہو چلا ہے۔ جوار بھاٹا اتر گیا ہے۔ بس اب سکون ہی سکون ہے اور میرا جی اس شہر خموشاں جیسے سکون میں گھبراتا ہے۔ کچھ سوچنے کو نہیں، کچھ کرنے کو نہیں۔''

وہ بستر سے اتر آئی۔ دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا جی چاہ رہا تھا، وہ گھر سے بھی نکل جائے۔ باہر ٹھنڈی سڑک پر ننگے پیر چلتی دور چلی جائے اور وہ راہ گزر کسی جنگل کو جاتی ہو۔ وہ رستہ بھٹک جائے اور مدتوں بے مقصد یہاں سے وہاں پھرتی رہے۔ اس کا کسی سے کوئی سمبندھ کوئی تعلق نہ ہو۔ اس کا کوئی شناسا کوئی آشنا نہ ہو۔ کچن میں جا کر اس نے فریج کھولا اور ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر غٹ غٹ پانی چڑھا گئی۔

''زینو!'' اپنے پیچھے احسن کی آواز پر وہ بے طرح چونکی تھی۔

''جی...... جی......'' احسن نے گویا اسے کسی طلسم سے آزاد کیا تھا۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے اندر آ کر کچن کی لائٹ جلائی۔''طبیعت ٹھیک ہے تمہاری؟''

''جی ہاں...... پانی پینے آئی تھی...... نیند ہی نہیں آ رہی تھی۔''

وہ اس کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔

''دن میں کم سویا کرو نا۔ دن بھر سوتی رہتی ہو۔ رات پھر کہاں نیند آئے گی۔'' وہ بڑبڑا رہا تھا۔



دل پر بے تحاشا بوجھ تھا۔ وہ بوجھ تھا۔ وہ پھر آمنہ کے ہاں چلی آئی تھی۔

آمنہ حسب معمول اسی خوشی اور گرم جوشی سے ملی۔ زینب اس کے ہاں آ کر ایسا محسوس کرتی تھی جیسے آمنہ کی عید ہو گئی ہو۔

''ہاں تو تم عید کا چاند ہی تو ہو میرے لیے۔'' اس کے اظہار پر آمنہ بے تحاشہ ہنسی۔ ''کبھی کبھار اترتی ہو میرے آنگن میں۔''

''کبھی پروا کا جھونکا بن کر تم بھی گزر جایا کرو، میرے آنگن سے۔'' زینب مسکرا دی۔ ''تم پر کوئی پابندی تو نہیں لگائی ہوئی انوار بھائی نے؟''

''ارے نہیں۔'' آمنہ بڑی محبت سے ہنسی تھی۔ ''انوار کی تو میں جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ وہ بہت اچھے، نیک سیرت انسان ہیں۔ مجھے ان سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔''

''اچھا۔'' زینب نے سانس بھری تھی۔ ''نجانے تم دونوں میں سے کون جنتی ہے۔ کوئی ایک تو ضرور ہے۔'' آمنہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''انوار ہی ہیں۔ مجھے یقین ہے لیکن تمہارے لہجے میں یہ طنز کیسا؟ احسن بھائی کا شمار تو بہت اچھے شوہروں میں ہوتا ہے۔''

''شاید میرا شمار اچھی بیویوں میں نہیں ہوتا۔'' زینب نے بے پروائی سے کاندھے اچکا دیے۔

''ایسا مت کہو!'' آمنہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''تم تھوڑی سی بدھو ضرور ہو لیکن دل کی بہت اچھی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ، کیا پکاؤں تمہارے لیے؟ آج تو انوار بھی دوپہر کا کھانا گھر پر ہی کھائیں گے۔ کہہ کر گئے تھے۔ میں تم دونوں کے لیے کوئی اچھی سی چیز بنانا چاہتی ہوں۔''

''مجھ غریب کا نام درمیان میں کیوں لاتی ہو؟''

زینب نے اسے شرارت سے دیکھا۔ ''یہ کہو نا کہ اپنے شوہر نامدار کے لئے کوئی اچھی سی چیز بنانا چاہ رہی ہو۔''

آمنہ ہنس دی۔

''تمہارے سامنے مجھے وضاحتوں کی ضرورت نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ انوار جب بھی گھر کھانا کھانے آتے ہیں میرا جی چاہتا ہے ان کے لیے اچھی اچھی چیزیں بناؤں۔ وہ دستر خوان پر بیٹھیں تو انہیں کھانا نہیں میری محبت چنی ہوئی نظر آئے۔ لیکن تمہارے لیے بھی میں ایسا ہی چاہتی ہوں محترمہ! بتاؤ نا کیا پکاؤں؟''

زینب جو اس کی بات سن کر کچھ سوچنے لگی تھی، چونک اٹھی۔

''آں۔ کچھ بھی بنالو آمنہ...... اچھا ایسا کرو پلاؤ بنالو۔ تمھیں پتا ہے ناں مجھے تمہارے ہاتھ کا پلاؤ کتنا پسند ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' آمنہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ''ساتھ میں قیمہ فرائی کر لیتی ہوں اور حیدر آبادی بینگن...... انوار کو بہت پسند ہیں۔ ٹھیک ہے نا؟''

''اتنا کچھ؟ تم تو کچن میں سارا دن لگا دو گی۔'' زینب بور ہوئی۔

''سارا دن؟'' آمنہ حیران رہ گئی۔ ''گھنٹہ ڈیڑھ میں سارا کام ہو جائے گا۔ ایسے ہی تو نہیں میں پورے گھر کا کام چند گھنٹوں میں نمٹا لیتی ہوں۔''

زینب پھر تیلی سی آمنہ کو مختلف کام انجام دیتے دیکھتی رہی۔ وہ واقعی بہت جلد کام ختم کر لیتی تھی۔ احمد کے سو کر اٹھنے سے پہلے پہلے وہ اپنا آدھے سے زیادہ کام ختم کر چکی تھی۔

گھر سمیت کر اس نے جھاڑو لگائی تھی۔ پھر کچن میں گھر گئی تھی۔ دونوں چولہوں پر مختلف چیزیں چڑھا کر اس نے منٹوں میں برتن دھو لیے تھے۔ ساتھ ساتھ زینب سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔

انوار بھائی کے آنے سے پہلے پہلے وہ بالکل فارغ ہو کر اسکے ساتھ کمرے میں آ بیٹھی تھی۔

''اماں حج سے لوٹ آئیں تو ذرا مجھے احمد کی طرف سے اطمینان ہو جائے گا۔ وہ اسے سنبھال لیتی ہیں۔'' وہ احمد کو لٹا کر فیڈر تھما رہی تھی۔

''تم تو بہت تھک جاتی ہوگی آمنہ۔'' زینب نے اسے تاسف سے دیکھا تھا۔ ''کیسی گھن چکر بنی رہتی ہو۔''

''اپنا گھر تھکاتا نہیں ہے۔'' وہ مسکرا دی۔ ''سکون بخشتا ہے۔''

زینب غور سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے زندگی میں پہلی مرتبہ آمنہ بہت بناوٹی سی محسوس ہوئی تھی۔

''ہر وقت پر سکون مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھے آمنہ بیزار نہیں ہو جاتی؟'' اس نے سوچا تھا۔ ''اس قدر بے تحاشا کام جو گدھے کو بھی ہانپنے پر مجبور کر دے اور یہ دھان پان سی لڑکی کہتی ہے کہ یہ سب کچھ کر کے اسے سکون ملتا ہے۔ ہو ہی نہیں سکتا۔''

دوپہر تک کنزیٰ بھی اسکول سے آ گئی تھی۔ آمنہ اسے لباس تبدیل کروانے لگی۔

''اب آپ منہ ہاتھ دھو کر آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ابو آتے ہی ہوں گے۔ پھر ہم سب مل کر کھانا کھائیں گے۔'' اس کا لہجہ حقیقی ماؤں جیسا شفیق اور نرم تھا۔

''جی امی! ٹھیک ہے۔'' وہ سعادت مندی سے کہہ کر کمرے سے نکل گئی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟'' آمنہ گہرا سانس بھر کر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

متضاد سی سوچوں کا شکار زینب چونک اٹھی۔

''کچھ نہیں!''

''بور ہو گئی ہو یقیناً!'' آمنہ قدرے شرمندگی سے مسکرائی تھی۔

''نہیں، نہیں...... بس ایسے ہی ذرا سستی ہو گئی ہے۔'' اس نے خود کو سنبھالا دیا۔

''حقیقت یہی تھی کہ آج وہ یہاں آ کر بہت بوریت اور کوفت کا شکار ہوئی تھی۔ اپنے گھر اور گھر کے افراد پر آمنہ کی بے پناہ توجہ اور یکسوئی اسے بیزار کر گئی تھی۔

''شاید آمنہ مجھے اپنے سلیقے اور سگھڑاپے سے متاثر کرنا چاہتی ہے۔'' اس نے سوچا تھا۔ نہایت بیزاری کے سے عالم میں۔ ''لیکن اس کی ضرورت کیا ہے۔ میں تو پہلے ہی معترف ہوں۔''

''وہ اطمینان سے بیٹھ کر آمنہ کے ساتھ بہت سی باتیں کرنے کے لئے آئی تھی۔ لیکن لگتا تھا کہ آمنہ کے پاس اسے دینے کے لیے بالکل وقت نہ تھا۔ اس کا سارا وقت اب اس کے گھر کے کاموں کے لیے تھا۔

انوار علی آ گئے تو آمنہ نے دستر خوان لگایا۔ کمرے کے صاف ستھرے فرش پر چھوٹی سی دری بچھا کر اس نے کھانا چنا تھا۔ وہ سب لوگ نیچے ہی بیٹھ گئے۔

انوار علی شائستہ مزاج کے نفیس سے انسان تھے۔ نہایت کم گو۔ انہوں نے زینب سے دعا سلام کرنے کے بعد محض احسن کا حال احوال پوچھا تھا۔ پھر سر جھکا کر کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔

آمنہ وقتاً فوقتاً انہیں مختلف چیزیں بڑھا بڑھا کر دے رہی تھی۔

''آپ یہ پلاؤ اور ڈالیں نا...... بس ذرا سا ڈال کر بیٹھے ہیں۔''

''یہ چٹنی ڈالیں...... چاولوں کے ساتھ بہت مزہ دیتی ہے۔''

''یہ بینگن دیکھیں۔ کیسے بنے ہیں۔''

''سلاد اور لیں۔''

ایسا نہ تھا کہ وہ زینب کی جانب متوجہ نہ تھی۔ زینب کے ساتھ بھی اس کا حسن میزبانی یہی تھا لیکن انوار علی کے سامنے وہ بچھی بچھی جا رہی تھی۔ جواباً وہ ایک آدھ رسمی سا جملہ بول دیتے تھے۔

''جی...... میں لے لیتا ہوں۔''

''آپ اپنی دوست کا بھی خیال کریں نا۔''

''میں ٹھیک سے کھا رہا ہوں آمنہ...... آپ فکر نہ کریں۔''

زینب ان دونوں کے اس رسمی انداز سے چڑ سی گئی۔

''بھلا میاں بیوی کا اس قدر پرتکلف انداز میں گفتگو کا کیا جواز؟'' اس نے سوچا تھا۔

کھانا کھا چکنے کے بعد اس نے آمنہ سے ذکر بھی کیا تھا۔

''آمنہ! یہ تم دونوں آپس میں اتنے تکلف سے کیوں بات کرتے ہو؟ میاں بیوی کے بجائے دور پرے کے رشتے دار معلوم ہو رہے تھے۔''

آمنہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''انوار نے شروع سے ہی اسی انداز سے بات کی تھی مجھ سے۔ پھر مجھے بھی عادت پڑ گئی۔''

''ہونہہ۔ نرا تکلف۔ بیچ میں محبت تو کہیں دکھائی نہیں دیتی۔''

لمحے بھر کو آمنہ کا چہرہ اترا تھا۔ پھر وہ متانت سے مسکرا دی تھی۔

''انوار کے دل میں میری بہت قدر ہے زینب! وہ اعتراف کریں یا نہ کریں۔ ان کا رواں رواں یہ اعتراف کرتا ہے اور یہی وہ حاصل ہے جو میں چاہتی ہوں۔''

زینب نے چائے بناتی آمنہ کو نگاہ بھر کر دیکھا تھا۔ سادہ اور معمولی لباس، ہاتھوں میں چند ایک کانچ کی چوڑیاں، گلے میں پڑی زنجیر اور کانوں کی وہی موٹی موٹی بالیاں جو وہ ہمیشہ پہنے رہتی تھی۔ آمنہ کا یہ حلیہ اسے ازبر تھا۔ بس کبھی کبھار وہ آنکھوں میں کاجل ڈال لیا کرتی تھی۔ اس سادہ معمولی سی لڑکی نے ہمیشہ ایسی ہی معمولی معمولی خواہشات کا اظہار کیا تھا۔

''انوار علی کے دل میں اس کی خدمتوں کی قدر ہو بس اس کے علاوہ آمنہ کو کچھ اور نہیں چاہیے۔'' زینب کو آج نجانے کیوں اس پر غصہ آ رہا تھا۔ ''آج احساس ہو رہا ہے کہ یا تو تم خود کو دھوکا دیتی ہو یا دنیا کو...... بڑی ولی اللہ ہو نا۔'' اس نے گہرے طنز سے سوچا تھا۔



''مل کے کام سے لاہور جانا ہے۔'' رات کے کھانے کے بعد اسے احسن نے اطلاع دی تھی۔

برتن سمیٹتی زینب چونک اٹھی تھی۔

''کتنے دن کے لیے؟'' اس کے لہجے میں ناگواری کی جھلک نمودار ہوئی تھی۔

''چار دن تو لگ ہی جائیں گے۔ ایک آدھ دن زیادہ بھی لگ سکتا ہے۔ کیوں نہ تم بھی میرے ساتھ چلو؟'' پھر دفعتاً وہ بولا تھا۔ ''کچھ گھوم

پھر بھی لیں گے۔"

"میں؟" وہ سوچ میں پڑ گئی۔ "لیکن آپ تو مل کے کام سے جا رہے ہیں۔ ٹھہریں گے کہاں؟"

"ہوٹل میں۔ لیکن اگر تم ساتھ ہوئیں تو میرا ایک دوست رہتا ہے ماڈل ٹاؤن میں، وہاں رکیں گے۔"

"رہنے دیں!" وہ بیزار ہو گئی۔ "آپ سارا دن ہیڈ آفس میں جان کھپایئے گا اور میں انجان لوگوں کے گھر بیٹھی بور ہوتی رہوں گی۔"

"اس کی بیوی سے گپ شپ لگایا کرنا۔ شام کو گھوما پھرا کریں گے۔"

وہ برتن اٹھا کر کچن میں چلی آئی۔

"ہونہہ۔ جب گھومنے پھرنے کے دن تھے تب صاحب بہادر کے مزاج نہیں ملا کرتے تھے۔ ابھی پیسے نہیں ہیں۔ ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ ابھی یہ مسئلہ ہے ابھی وہ۔ اب مل کے کاموں سے جا کر احسان میرے سر لادنا چاہتے ہیں۔ میں ایسے ہی بھلی ہوں۔"

گزرے دنوں کی یاد نے اسے تلخ کر دیا۔ کتنا شوق تھا اسے احسن کے ساتھ کہیں جانے کا۔ دم نکلتا تھا اس کا لیکن کتنی بے دردی سے اس معصوم خواہش کا قتل کر ڈالا تھا۔ اس نے اور اب۔

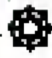
"پھر...... جواب نہیں دیا تم نے؟"

وہ کچن سمیٹ کر نکلی تو وہ پھر ذکر نکال بیٹھا۔

"سوچوں گی۔ فی الحال تو موڈ نہیں۔" اس نے روکھے پن سے جواب دیا تھا۔

"سوچنے کا وقت نہیں ہے۔" اس کے لہجے میں بھی خفگی در آئی۔ "مجھے سیٹوں کی بکنگ کرانی ہے اور موڈ نہیں ہے تو رہنے دو...... پھر سہی۔"

"ٹھیک ہے پھر سہی!" وہ سر جھٹک کر کمرے میں آ گئی تھی۔ "مجھے کیا ضرورت ہے اب یہ احسان سر لینے کی۔ اب میں ہر خواہش سے دستبردار ہو چکی ہوں۔ میرا دل خالی کر ڈالا ہے تم نے احسن ایاز!"



اس نے رملی کو بتایا تو وہ خاموش سی ہو گئی تھی۔

"اکیلی کیسے رہو گی اتنے دن؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا تھا۔

زینب چپ چاپ اسے دیکھنے لگی۔ شاید رملی کا خیال تھا کہ وہ اسے ساتھ رہنے کا کہے گی حالانکہ اس بار اس کا اپنا ارادہ رملی پر یہ بار ڈالنے کا نہ تھا۔

"میں جمیلہ سے کہوں گی...... وہ کچھ دنوں کیلئے میرے ساتھ رہ جائے گی۔"

"ہاں! اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔ ویسے تم احسن بھائی کی بات مان کر چلی کیوں نہیں جاتیں؟ اس میں آخر حرج ہی کیا ہے۔ اچھا ہے تھوڑی آب و ہوا کی تبدیلی ہو جائے گی۔ طبیعت پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ آدمی خود بخود منفی خیالات کے اثر سے باہر آ جاتا ہے۔"

زینب کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کون سے منفی خیالات کی بات کر رہی تھی۔ شاید اس نے احسن سے زینب کی ناراضی کو یہ نام دیا تھا۔

"منفی خیالات تو خیر ایسے کوئی خاص نہیں۔" وہ متانت سے بولی۔ "بس فی الحال میرا موڈ نہیں ہے سفر کرنے کا۔ بھاگتے ہوئے جاؤ، دوڑتے ہوئے واپس آ جاؤ۔ یہ کون سا طریقہ ہوا آب و ہوا بدلنے کا۔ ہاں، کچھ دن بعد کہوں گی احسن سے۔ کچھ دن کی چھٹی لے کر اطمینان سے جائیں گے۔"

اس نے اپنی طرف سے بات صاف کر دی تھی۔ رملی کو یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ وہ احسن سے ناراض نہیں ہے۔

کچھ دیر کے بعد وہ اٹھ کر اپنے گھر چلی آئی تھی۔ رملی کا رویہ آج کل اس کی فہم سے بالاتر ہوتا چلا جا رہا تھا۔ شروع شروع میں وہ بہت اچھی اور نائس لگی تھی۔ پھر جب سے سکندر علی والا معاملہ شروع ہوا تھا وہ کچھ روڈ ہو گئی تھی۔ لیکن اب تو وہ پل میں تولہ پل میں ماشہ والا حساب کتاب کر رہی تھی۔ کبھی نہایت مہربان نظر آتی تو دوسرے ہی لمحے بدتمیزی کی حد تک بے مہر۔

"اس کا بھائی اگر مجھ میں مسلسل انٹرسٹ لے رہا ہے تو اس میں آخر میرا کیا قصور ہے؟" اس نے سوچا تھا۔ "اسے چاہیے کہ اپنے بھائی کو سمجھائے۔ اس کے آگے تو بھیگی بلی بنی رہتی ہے اور مجھے نہ جانے کیا کچھ جتانا چاہتی ہے اور پھر یہ خود ہی تو تھی جس نے مجھے اس سے متعارف کرایا تھا۔"

آج کل اس کا یہ حال تھا کہ وہ گزرتی ہوا تک سے بھی بدگمان ہو جایا کرتی تھی۔



تین روز بعد وہ چلا گیا تھا۔ نجانے کیوں وہ اسے جاتے سمے بہت اداس محسوس ہوا تھا۔

"تم بھی عجیب ہو زینو!" اس نے اپنا بیگ اٹھا کر اسے خدا حافظ کہنے سے قبل کہا تھا۔ "کس کس طرح سے آزمائے چلی جاتی ہو۔ کیا تھا جو مان جاتیں میری بات۔"

زینب نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں شکایت تھی۔

"میں نہیں چاہتی تھی، میری وجہ سے آپ کے کام میں کوئی حرج ہو۔" اس نے کہا۔ "گھومنا پھرنا، سیر و تفریح تو فراغت کے ساتھ ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔"

اس نے دل کی بات جتا دی تھی۔ احسن اداسی سے مسکرا دیا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تم سے جدا ہونا بہت برا لگتا ہے۔"

"کبھی کبھی کی جدائی سود مند ہوتی ہے۔" وہ شرارت سے مسکرا دی تھی۔

''مت اتنا آزمایا کرو مجھے!'' اس نے جھلا کر اس کی چٹیا کھینچی تھی۔ ''سارے کس بل نکل جاتے ہیں میرے۔''

وہ کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔ وہ چلا گیا تو اس کے جانے کے بعد گھر اسے بھی کاٹ کھانے کو دوڑنے لگا۔ وہ کچھ دیر چھوٹے موٹے کام نمٹاتی رہی پھر اس کا جی بری طرح سے گھبرا گیا۔

''کیوں نہ چلی گئی میں بھی۔'' اس نے سوچا۔ ''اب کیا کروں گی ہفتہ بھر......؟''

جمیلہ کچن میں دوپہر کے کھانے کے برتن سمیٹ رہی تھی۔ زینب اپنے کمرے میں آکر لیٹ گئی اس کو نجانے کیوں رہ رہ کر ایک ہی سوال پریشان کر رہا تھا۔

وہ احسن کے ساتھ لاہور کیوں نہیں گئی تھی؟ کیوں؟'' اپنے رویے کی وجہ خود اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اپنے انکار کے جتنے جواز اس کی سمجھ میں آتے تھے ان میں سے کوئی بھی قابل تسلیم نہ لگتا تھا۔ وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ سخت خوفزدہ۔ خود سے، اپنی سوچوں سے، اپنے خیالات سے، اسے ہر چیز سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

''جب انسان کا خود پر اختیار نہ رہے تو وہ اپنے آپ سے ڈرنے لگتا ہے۔'' اس نے آزردگی سے سوچا تھا۔ ''ڈرنا چاہیے۔''



رملی دوسرے دن ہی چلی آئی تھی۔ خلاف توقع بے حد خوشگوار موڈ کے ساتھ۔

''ہوں۔ تو تنہائی منائی جا رہی ہے۔'' اس نے اکیلی زینب کو بستر پر لیٹے دیکھ کر کہا تھا۔

پھر وہ آکر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ زینب اسے دیکھ کر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''راوی چین ہی چین لکھتا ہے؟ شوہر کو لاہور بھیج کر؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

زینب مسکرا دی۔

''کیا پروگرام ہے پھر؟'' وہ دفعتاً پوچھنے لگی۔

''کیا مطلب؟'' وہ ناسمجھی سے بولی۔

''چلتی ہو بہترین ڈنر کے لئے؟ سکندر کہہ رہا ہے، وہ آفر ابھی تک برقرار ہے۔''

زینب کو غصہ آگیا۔ رملی کا مطلب پوری طرح سے اس کی سمجھ میں آگیا تھا۔

''کیا سمجھ رہی ہو رملی تم؟'' وہ خفگی سے بولی۔ ''کیا میں اس لئے احسن کے ساتھ نہیں گئی کہ تمہارے بھائی کے ساتھ گھومتی پھروں گی؟''

رملی لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوگئی۔ اسے زینب سے اتنے تلخ جواب کی توقع نہ تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔

''سنو زینب! کوئی ایک فیصلہ کرلو۔ انسان بیک وقت دو کشتیوں کا سوار نہیں ہوسکتا۔''

زینب فق رہ گئی۔

''کک......کیا مطلب؟'' وہ ہکلائی۔

''مطلب یہ......'' اس نے گہرا سانس بھرا۔ ''کہ یہ لاکٹ جو تم اتنے دنوں سے پہنے گھوم رہی ہو...... یہ میں اچھی طرح سے پہچانتی ہوں۔ یہ اسی ڈائمنڈ شاپ سے خریدا گیا ہے جہاں سے سکندر نے مجھے اکثر جیولری خرید کر گفٹ کی ہے۔ تمہارے ہسبینڈ جیسے اوسط درجے کے لوگ اس کو محض باہر سے دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں ہی بھر سکتے ہیں۔ اس کے اندر گھسنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔''

زینب کا چہرہ پہلے سرخ ہوا اور پھر بالکل زرد پڑ گیا۔ ''اور سکندر کو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ وہ اپنی بات کا پکا ہے۔ بالآخر اس نے تمہیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر ہی دیا۔''

''تم...... تم...... غلط سمجھ رہی ہو رملی۔'' اس نے ہونٹوں پر زبان پھیر کر کچھ کہنا چاہا۔

حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ اس کے پاس کہنے کے لئے کچھ تھا ہی نہیں۔ وہ اپنی صفائی کسی طور پیش نہ کر سکتی تھی۔

''یہ درست ہے کہ یہ لاکٹ مجھے سکندر نے ہی دیا ہے...... لیکن...... لیکن اس کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ میں......''

رملی اس کی صورت دیکھ کر طنز سے مسکرا دی۔

''اس بات کا کوئی بھی مطلب نکل سکتا ہے، میری جان!''

''یوں میری تذلیل نہ کرو رملی!'' وہ سلگ اٹھی تھی۔

''خیر!'' وہ کھڑی ہو گئی۔ ''اب لاحاصل بحث سے چلا جائے تو بہتر ہے۔ میں تم سے یہ کہنے آئی تھی کہ رات کو تیار رہنا۔ آٹھ بجے سکندر آئے گا۔ پھر کسی اچھی سی جگہ سے ڈنر کریں گے۔''

''لیکن میں جانا نہیں چاہتی۔'' اس نے احتجاج کیا۔

''تمہیں جانا چاہیے۔'' وہ بولی۔ ''آج تو ضرور جانا چاہیے۔ سکندر تم سے بڑی خاص بات کرنا چاہتا ہے۔ بے حد ضروری۔ آج کی ملاقات تم دونوں کے لیے بے حد اہم ثابت ہو سکتی ہے۔''

''خاص بات؟ ضروری بات؟'' وہ گھبرا گئی۔ ''کیا بات ہے رملی؟ بتاؤ مجھے!''

''یہ تو میں نہیں جانتی۔ میسج بس اتنا ہی تھا۔'' اس نے کاندھے اچکا دیے۔ ''خیر رات کو خود ہی جان لوگی۔ تیار رہنا۔''

وہ باہر کی جانب بڑھ گئی۔

''رملی...... رملی...... سنو تو۔''

اس نے رملی کو پکارا لیکن وہ رکی نہیں تھی۔



رملی کو آوازیں دیتے دیتے وہ دروازے تک چلی آئی تھی لیکن رملی شدید غصے کی کیفیت میں تھی۔ وہ اس کی ہر آواز کو نظر انداز کرتی، زور سے دروازہ بند کر کے جا چکی تھی۔

زینب کچھ دیر تک وہیں دروازے کے قریب کھڑی رہی پھر ایک گہری سانس بھر کر اس نے اپنی پیشانی بند دروازے سے ٹکا دی۔ اس کا ذہن بالکل ماؤف ہو رہا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو رہی تھیں۔ شدید ترین خجالت کا احساس اب خوف میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ حقیقتاً خوفزدہ ہو گئی تھی۔

اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ بات اس طرح کی صورت حال اختیار کر لے گی۔ یہ مبہم، بے معنی سا تعلق یوں اچانک اس طرح سے معنی خیزیت اختیار کر لے گا، اس کے ذہن کے کسی گوشے میں نہ تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر لاکٹ کو اپنی گرفت میں لیا اور پھر ایک جھٹکے سے کھینچ کر خود سے علیحدہ کر لیا۔ چند لمحے وہ اسے مٹھی میں بھر کر بے دلی سے دیکھتی رہی۔ پھر زور سے فرش پر دے مارا۔

یہی لاکٹ تو سارے فساد کی جڑ تھا۔ جب سے اس کی ملکیت میں آیا تھا اسے ذہنی طور پر انتشار میں مبتلا کر دیا تھا اور اب تو نوبت یہاں

تک آ پہنچی تھی۔

''آج رملی کو اس تعلق کی خبر ہوئی ہے، کل کسی اور کو ہو گی اور پھر بالآخر احسن کو!'' اس نے لب بھینچ کر سوچا۔''اور پھر کیا انجام ہو گا اس سارے قصے کا.....''

اسے میر سکندر علی پر تاؤ آنے لگا۔

''کیا چاہتا ہے آخر یہ شخص؟ کیا یہ میری زندگی تباہ کر کے رہے گا؟ یہ چند ملاقاتیں، چند بے معنی باتیں اس کے لئے تو کوئی حقیقت نہیں رکھتیں لیکن میں کہیں کی نہ رہوں گی..... اگر احسن کو اس سارے معاملے کی بھنک بھی پڑ گئی تو میں ساری عمر کے لیے ان سے نظریں ملا کر بات کرنے کے قابل نہ رہوں گی۔ کوئی تصفیہ ہونا چاہیے اس جھگڑے کا۔ ہاتھ جوڑ کر کہوں گی کہ بابا، میرا پیچھا چھوڑ دو..... دونوں بھائی بہن!''

وہ زمین پر پڑے لاکٹ پر نظریں جمائے کتنی ہی باتیں سوچتی گئی۔

''پہلے ہی زندگی کیا کم بیزار کن ہے جو اس میں مزید الجھنیں در آئی ہیں۔ ذہن ہر لمحہ ہر لحظہ الجھا ہی رہتا ہے۔ اف! یہ میر سکندر علی! ایک مسلسل خوف بن کر رہ گیا ہے یہ نام!''

''آج کی ملاقات تم دونوں کے لئے بہت اہم ثابت ہو سکتی ہے۔'' اسے رملی کے الفاظ یاد آئے۔

''وہ تم سے بے حد ضروری بات کرنا چاہتا ہے۔''

وہ گھبراہٹ کے عالم میں کمرے میں چلی آئی۔ اسے بے حد خوف محسوس ہو رہا تھا۔ کچھ دیر قبل رملی اس سے جس انداز میں بات کر کے گئی تھی اس نے اسے عجیب سی کیفیت میں مبتلا کر دیا تھا۔ اسکے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو رہے تھے اور رگوں میں سنسناہٹ دوڑ رہی تھی۔ دماغ کسی نکتے پر مرکوز ہونے پر آمادہ نہ تھا۔

منتشر خیالی کے عالم میں وہ آ کر اپنی الماری کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ پٹ وا کر کے کپڑوں پر نگاہ دوڑانے لگی۔ وہ ہر وقت احسن سے کپڑوں اور دیگر اشیاء کی کمی کا رونا روتی رہتی تھی۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کے پاس کپڑوں کی کمی نہ تھی۔ احسن اسے ہر موسم اور ہر موقع پر کپڑے بنوا کر دیتا تھا۔

''کیا مجھے جانا چاہیے۔ کپڑوں پر نگاہ دوڑا کر اس نے سوچا۔''کیا یہ ٹھیک لگتا ہے؟ ایک اجنبی مرد کے ہمراہ.....''

''لیکن رملی کہہ رہی تھی کہ یہ ملاقات ضروری ہے۔'' پھر اس نے خود کو ایک بودی سی دلیل پیش کی۔''اور پھر میں اس کے ساتھ تنہا تو نہیں ہوں گی..... رملی ہمارے ساتھ ہو گی۔ اس کی بہن۔ اس کی موجودگی میں وہ بھلا مجھ سے کیا کہہ سکتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مجھے جانا چاہیے!''

وہ ایک مرتبہ پھر الماری کے پاس چلی آئی۔ پھر سے کپڑوں پر نگاہ دوڑانے لگی۔

''اور پھر اس روز روز کی نت نئی باتوں سے جان چھوٹنی چاہیے اور یہ تب تک ممکن نہیں جب تک میر سکندر علی سے ایک فیصلہ کن ملاقات نہیں ہو جاتی۔ میں رملی کے سامنے اس سے کہہ دوں گی کہ اب یہ تماشا بہت ہو گیا۔ مزید سہنے کی مجھ میں سکت نہیں۔ میری ازدواجی زندگی متاثر ہو سکتی ہے۔ آج رملی اتنا کچھ کہہ سن کر گئی ہے، کل کو کوئی اور مجھے یوں ہی ذلیل کرے گا اور میں کچھ نہ بول پاؤں گی۔ بہتر ہے کہ اس قصے سے جان چھڑائی جائے۔ ہاں، مجھے جانا ہی ہو گا۔''

اس نے زرد رنگ کا وہی لباس نکالا جو احسن کو بہت پسند تھا۔ پھر نجانے کیوں اسکے دل کو عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے وہ لباس واپس رکھ دیا۔ ہلکے سبز رنگ کا ایک اور لباس منتخب کر کے اس نے بستر پر ڈال دیا۔ پھر کمرے سے نکل آئی۔ اس کا پھینکا ہوا لاکٹ اب تک وہیں پڑا تھا۔ اس نے لاکٹ اٹھا لیا تھا۔

''آج یہ بھی میر سکندر علی کو لوٹا دوں گی۔ اس کے بل بوتے پر وہ مجھے پیغامات بھیجتا رہتا ہے۔ خراج وصولنا چاہتا ہے۔ اس کی بہن کے

سامنے اس کے منہ پر ماردوں گی۔"

وہ غم وغصہ میں گھری سوچے جارہی تھی۔اس نے گھڑی کی جانب دیکھا۔آٹھ بجنے میں بہت دیر تھی۔وہ مزید منصوبے بنانے لگی۔



ٹھیک آٹھ بجے بیل بجی تھی۔آئینے میں اپنے عکس کو گھورتی ہوئی زینب چونک اٹھی۔اس نے گھڑی کی جانب دیکھا جو پورے آٹھ بجارہی تھی۔اسے اپنے دل کی دھڑکنیں تیزی سے بڑھتی ہوئی محسوس ہوئیں۔نجانے وہ کیا کرنے جارہی تھی۔خوداسے پوری طرح سے علم نہ تھا۔پھراس نے ایک مرتبہ پھر آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا۔ہلکے سبز رنگ کے لباس میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔ہر چند کہ اس نے تیاری میں بہت سادگی اوراحتیاط کو ملحوظ رکھا تھا۔پھر بھی وہ بہت اچھی لگ رہی تھی۔بہت دن بعد اس نے کہیں جانے کے لئے خود پر توجہ کی تھی اور یہ توجہ اس کے وجود سے پوری طرح واضح ہورہی تھی۔سادہ مگر دیدہ زیب لباس،ہلکی سی میچنگ جیولری اور پرفیوم کی سحرانگیز خوشبواس کے پورے سراپے کو نہایت قابل توجہ روپ بخش رہے تھے۔

وہ تیسری بیل ہونے سے قبل ہی کمرے سے نکل آئی۔جمیلہ لاؤنج میں ٹی وی لگائے بیٹھی تھی۔

"سنو جمیلہ!میں رملی بی بی کے ساتھ جارہی ہوں۔تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گی۔تم دروازہ اندر سے بند کرلو!"

"اچھا جینو بی بی!" وہ سادگی سے بولی۔

"کھانا کھالینا اور پڑ کر سوجانا میں چابی ساتھ لے جارہی ہوں،خود ہی دروازہ کھول لوں گی۔" وہ باہر نکلتے نکلتے پھر بولی تھی۔

"جی بی بی۔"اس نے محض اتنا ہی کہا پھراس کے عقب میں دروازہ لاک کرلیا تھا۔

زینب اپنا چھوٹا سا پرس سنبھالتی گاڑی تک چلی آئی۔رملی بیل بجا کر پھر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔اسے آتا دیکھ کر اس کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوگئی تھی۔

"ہیلو۔"زینب کے قریب آنے پر اس نے لہک کر کہا تھا۔"تو تم تیار ہو!"

زینب خاصا جزبز ہوئی مگر کچھ کہہ نہ پائی۔

"اچھی لگ رہی ہو......بائی داوے؟"اس نے زینب کیلئے اگلا دروازہ وا کردیا۔"بیٹھو!"

"میں؟تم آگے بیٹھ جاؤ!"زینب قدرے بوکھلائی۔

میر سکندر علی کے برابر بیٹھنے کا بھلا اس کے پاس کیا جواز تھا۔

"کیا فرق پڑتا ہے یار۔"اس نے زور دے کر کہا اور زینب کا بازو پکڑ کر اسے سیٹ سے نزدیک کردیا۔"بیٹھ جاؤ۔سکندر بہت شریف ہے۔"

اپنی بات پر اس نے خود ہی ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اس سے پیشتر کہ زینب کچھ کہتی وہ پچھلا دروازہ کھول کر پیچھے بیٹھ گئی۔زینب نے مزید تماشا لگانے کے بجائے آگے بیٹھ جانا ہی مناسب جانا۔ہر چند کہ اسے رملی کی یہ حرکت نہایت ناگوار محسوس ہوئی تھی۔لیکن فی الوقت بات بڑھانے سے کچھ حاصل نہ تھا اور پھر وہ تو بات ختم کرنے کے ارادے سے ان دونوں کے ساتھ آئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہی اسے میر سکندر علی کے وجود سے اٹھتی زبردست مہک کا احساس ہوا تھا۔اس نے کوئی نہایت قیمتی اور نفیس پرفیوم استعمال کیا تھا۔پوری گاڑی کی فضا خوشبو سے بوجھل تھی۔

"خوش آمدید۔"زینب کے بیٹھتے ہی وہ چہکتی ہوئی آواز میں بولا تھا۔"اس گاڑی کی صحیح قیمت تو آج محسوس ہورہی ہے،ہمیں زینب

خاتون جب آپ نے اسے عزت بخشی!"

زینب خاموش رہی۔ میر سکندر علی کی اس قدر قربت اسے پوری طرح سے محسوس ہو رہی تھی۔ اسے بہت برا محسوس ہو رہا تھا۔ رملی پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے؟" وہ کچھ دیر کے بعد بولا۔ "آپ اتنی خاموش ہیں کہ خفا لگتی ہیں کچھ تو بولیں۔"

"کہنا تو بہت کچھ ہے۔" وہ قدرے جل کر بولی۔ "لیکن آرام سے بیٹھ کر۔"

"ضرور۔" وہ بولا۔ "ویسے میں آج تک اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ میری گاڑی بہت اچھی اور آرام دہ ہے۔"

اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا رملی بھی اس کی ہنسی میں شریک ہوئی لیکن زینب مسکرا بھی نہ سکی۔ نجانے کیوں اسے میر سکندر کا انداز مذاق اڑاتا ہوا محسوس ہوا تھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔ "میں چاہتی ہوں کہ جو کچھ میں کہوں، اسے آپ پورے اطمینان اور توجہ سے سنیں۔ ہر بات پر سے توجہ ہٹا کر اور فی الحال آپ کا دھیان سامنے سڑک پر ہونا چاہیے۔"

"آئی ایم سوری مادام! آپ شاید برا مان گئیں۔ بہرحال اٹ واز اونلی آ جوک۔" آج وہ کچھ زیادہ ہی خوش دلی اور شگفتگی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"تمھارے جوکس کی عادت آہستہ آہستہ ہی پڑتی ہے سکندر۔" رملی نے گویا اسے پچکارا تھا۔ "زینب کو بھی پڑ جائے گی۔"

میر سکندر علی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا تھا جبکہ اس کی اس بات پر بھی زینب تلملا کر رہ گئی تھی۔ آج اسے رملی پر بے طرح غصہ آ رہا تھا۔

گاڑی فائیو اسٹار ہوٹل کی عالی شان عمارت کے سامنے جا رکی۔ زینب گاڑی سے اتر کر لمحہ بھر کے لئے پزل ہو گئی۔ باوردی دربان نے مؤدب انداز میں ان کے لئے گلاس ڈور وا کیا تھا۔ خوبصورت، جھلملاتے فانوسوں سے سجے لاؤنج سے گزرتے ہوئے وہ لوگ ڈائننگ ہال میں جا کر بیٹھے تو زینب کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ ایسی جگہ پر آنا تو اس کے لئے ایک خواب تھا۔ ایک سحر انگیز خواب۔ ایسا خواب جس سے اس کی پلکیں عرصہ ہوا رضاکارانہ طور پر دستبردار ہو گئی تھیں۔ ایسی ہی زندگی کی خواہش تو کی تھی اس نے۔ لمبی، جگمگاتی گاڑی، روشن چمکدار راتیں جو دن کو ماند کرتی ہوں، قیمتی اشیاء سے سجی دوکانیں جہاں ہر شے دسترس میں لگتی ہو اور فائیو اسٹار ہوٹلوں کے مدھم مدھم خوابناک روشنی سے بوجھل ماحول والے ڈائننگ ہال، جہاں مقابل بیٹھے افراد صرف ایک دوسرے کے وجود کو محسوس کرتے ہوں اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہوں۔ فکروں سے آزاد، ہواؤں میں اڑتی زندگی، ایسی ادھار کی خوشیوں پر وہ کب تک خوش رہ سکتی تھی۔ وہ یہ سب کچھ سوچ کر چند لمحوں کے لیے افسردہ ہو گئی تھی۔

مقابل بیٹھے میر سکندر علی نے بغور اسکا چہرہ پڑھا تھا۔

"آپ کے چہرے پر مسکان بھلی معلوم ہوتی ہے زینب خاتون......" اس کی جانب قدرے جھکتے ہوئے وہ بولا تھا۔ "مسکرایئے! ہر غم کو بھول کر۔"

"میں ذرا واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔" رملی کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ضرور، ہم تب تک آرڈر دیتے ہیں۔" میر سکندر نے مسکرا کر رملی کو دیکھا تھا۔

رملی کے جانے کے بعد وہ بڑے اطمینان سے مینو کارڈ دیکھنے لگا۔ زینب نے ایک نگاہ فسوں خیز ماحول پر اور سامنے بیٹھے میر سکندر علی پر ڈالی تھی۔ آرام دہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے، ابرو قدرے اوپر کو چڑھائے وہ مینو کارڈ پر نگاہ دوڑا رہا تھا۔

زینب کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ آدمی وہ حقیقتاً شاندار تھا یا شاید اس کے وجود کے روئیں روئیں سے جھلکتی امارت کا احساس تھا۔ جو اسے متاثر کن شخصیت کے روپ میں پیش کرتا تھا۔

''ارے۔'' پھر وہ قدرے چونکا۔ ''آپ اسی طرح بیٹھی ہیں۔ بھئی دیکھیں کارڈ ڈشز سلیکٹ کیجئے مہمان تو آپ ہیں۔ ہم آج آپ کی پسند کا کھانا کھائیں گے۔''

زینب اسی طرح بیٹھی رہی۔

''میں.....میں یہاں کھانا کھانے نہیں آئی ہوں سکندر صاحب!'' پھر وہ آہستگی سے بولی۔ ''کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''ضرور، ضرور۔ بہت سی ضروری باتیں ایسی ہیں جو مجھے بھی کہنی ہیں۔ لیکن سب کہی سنی کھانے کے بعد۔ آپ یقین کیجئے، ایک ضروری میٹنگ میں الجھ کر آج لنچ تک نہ کر سکا۔ اب خالی پیٹ مجھ سے نہ کچھ کہا جائے گا، نہ سنا جائے گا۔''

زینب خاموش ہو گئی۔ پھر سکندر علی نے خود ہی آرڈر دیا تھا۔ نہایت لمبا چوڑا آرڈر۔ ویٹر کو اس نے کتنی ڈشز کے نمبر نوٹ کروائے تھے وہ اندازہ نہ کر سکی۔ منہ کھولے حیرانی سے وہ سکندر علی کو دیکھتی رہی جو اب ویٹر کو یہ بتا رہا تھا کہ کھانے کے بعد وہ کون کون سے ڈیزرٹ لینا پسند کرے گا۔

''آپ اتنا کھاتے ہیں؟'' ویٹر کے جانے کے بعد وہ حیرانی سے بولی۔

وہ مدھم سروں سے ہنسنے لگا۔

''میں نے آپ سے کہا نا، آج آپ ہمارے مہمان ہیں۔ ہم اپنے مہمانوں کی تواضع ایسے ہی کیا کرتے ہیں۔''

زینب سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفعتاً اسے خیال آیا تھا۔

''یہ رملی کہاں رہ گئی؟''

''میرا خیال ہے، وہ واپس چلی گئی ہے۔'' میر سکندر علی بے حد اطمینان سے بولا تھا۔

''کیا؟'' زینب کو جھٹکا لگا، واپس؟ کہاں.....کہاں چلی گئی؟''

''گھر.....'' وہ اس کی حالت سے لطف اندوز ہوا، ٹھنڈے پانی کا گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے بولا تھا۔

زینب کی سمجھ میں تھوڑی دیر کے لیے کچھ بھی نہ آسکا۔ وہ اسے حیرانی بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''وہ گھر چلی گئی ہے زینب۔'' پانی کا گلاس آدھا خالی کر کے میز پر رکھتے ہوئے وہ بولا تھا۔ ''دراصل ہم دونوں کے درمیان اپنی پوزیشن اسے آکورڈ لگ رہی تھی۔ میں اسے اچھی طرح سے جانتا ہوں۔''

زینب جواب تک قدرے اطمینان سے تھی، یکا یک پریشان ہو اٹھی۔

''اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا میں، میں اس پر بھروسا کر کے آئی تھی یہاں وہ مجھے بتائے بغیر کیسے چلی گئی؟''

''ایزی زینب ایزی!'' سکندر علی گمبھیر تا سے بولا۔ ''میں ہوں نا آپ کے ساتھ۔ آپ کو کسی اور کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ پریشان مت ہوں پلیز دیکھئے! آپ کی پریشانی ماحول کے حسن کو بری طرح سے ڈسٹرب کر رہی ہے۔ ماحول کی خوب صورتی، اس مدھم سروں میں بجتی، اپنا پتا دیتی تنہائی کو محسوس کیجئے۔ آئندہ کی زندگی کا لائحہ عمل ترتیب دیجئے۔ ہم اسی لیے تو یہاں مل کر بیٹھے ہیں۔''

''آئندہ زندگی؟'' زینب ہر بات بھول کر اسے دیکھنے لگی۔ ''کیا مطلب؟''

''میرا خیال ہے زینب! ہمیں اپنے تعلق کو ایک فیصلہ کن موڑ دینا چاہیے۔''

''تعلق؟'' وہ ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھتی رہی۔

''میں سمجھتا تھا زینب۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا کہ ''میں آپ کو پسند کرتا ہوں۔ جیسے کہ میں ہر حسین چیز کو پسند کرتا ہوں کیاری میں

کھلے کسی گلاب کو کسی نیلی جھیل کے پانیوں پر تیرتے گلابی کنول کو، بارش کی نرم بوندوں کو، میں سمجھتا تھا زینب کہ میں آپ کو صرف پسند کرتا ہوں۔ آپ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں اور بس، لیکن، لیکن میں غلط سمجھتا تھا زینب!''

وہ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوا۔ زینب اسے ساکت بیٹھی دیکھتی رہی۔

''......اور......اور...... میں یقیناً غلط ہی سمجھتا تھا۔ کیونکہ مرد اتنی سچائی اور خلوص سے بے جان چیزوں کو تو پسند کر سکتا ہے لیکن ایک جیتی جاگتی عورت کو نہیں۔ پسندیدگی کا جذبہ بہت جلد خواہش اور خواہش سے جنون میں بدل جاتا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں، میرا جذبہ بدل چکا ہے۔ زینب! میں تمہیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ضرور اور ہمیشہ کے لیے۔''

زینب کا دل ایک لمحے کو رکا اور پھر پوری تیزی سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ وہ آنکھیں پھیلائے اس کی گفتگو سنتی رہی۔

''اور میں سمجھتا ہوں کہ میرا ساتھ کسی بھی عورت کے لیے خوشی اور فخر کا باعث ہو سکتا ہے۔ اسے خوش فہمی مت سمجھنا! میں نے عورتوں کو اپنی جانب اس طرح مائل ہوتے دیکھا ہے جیسے لوہا مقناطیس کی جانب مائل ہوتا ہے۔''

''وہ عورتیں اور ہوتی ہیں سکندر صاحب!'' وہ بمشکل بولی تھی ''جنہیں آپ کے ساتھ کی خواہش ہوتی ہوگی......وہ، جنہیں یقین ہوتا ہوگا کہ وہ آپ کو اپنا بنا سکتی ہیں۔ میں تو...... میں تو ایک شادی شدہ عورت ہوں میرا ایک شوہر ہے......ایک گھر ہے۔''

''کم آن زینب!'' اس نے قدرے ناگواری سے جیسے ناک پر بیٹھی مکھی اڑائی تھی ''ان فرسودہ، دقیانوسی بندھنوں کو میں قطعاً اہمیت نہیں دیتا۔ وہ ڈولی اور جنازے جیسے الفاظ پر مشتمل نصیحتوں والے زمانے بیت گئے۔ یہ نیا دور ہے۔ مشینی دور۔ کھٹا کھٹ نئے نئے فیصلے کرنے اور ان پر عمل کر گزرنے کا دور۔ پڑھے لکھے لوگوں کا دور۔ زندگی میں کہیں کوئی فیصلہ غلط کر بھی لیا تو اس پر ملال کیسا؟''

''مجھے...... مجھے اپنے کسی فیصلے پر کوئی ملال نہیں ہے!'' اس نے جیسے احتجاج کیا تھا۔ ''آپ، آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ میں اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش ہوں۔''

''اوہ زینب!'' اس نے بے حد برا منہ بنایا تھا۔ جیسے کوئی بے حد کڑوی شے نگل لی ہو۔ ''جھوٹ مت بولو......فار گاڈ سیک......جھوٹ مت بولو۔ یہ منافقت تم جیسی لڑکی پر سوٹ نہیں کرتی۔ تم ان باتوں سے بہت اوپر ہو۔ میں جانتا ہوں، تم اس شخص کے ساتھ خوش نہیں ہو۔ کیسے خوش ہو سکتی ہو تم؟ تمہاری زندگی میں کچھ بھی تمہارے شایانِ شان نہیں، ایک چیز بھی نہیں۔ کبھی اس کے ساتھ خود کو آئینے میں دیکھا ہے؟ تمہارا شوفر لگتا ہے وہ۔''

زینب خفت سے لبوں کو کاٹنے لگی۔ سکندر علی کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

''میرے پاس چلی آؤ۔ میں شدت سے تمہارا منتظر ہوں!''

''ایسا ممکن نہیں۔'' وہ سخت خوفزدہ تھی۔

''اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے سویٹ ہارٹ!'' وہ مسرور لہجے میں بولا۔ ''اتنا مشکل مت لو اس بات کو۔ صرف یہ کہو کہ تم ایسا چاہتی ہو۔''

''نہیں، میں ایسا نہیں چاہتی!'' وہ بے حد کمزور لہجے میں بولی۔ ''میں اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش ہوں۔''

''ہاں!'' اس نے اپنا ہاتھ چہرے پر رکھ لیا۔ ''پھر منافقت!''

ویٹر ٹیبل پر کھانا چننے لگے تھے۔ وہ دونوں خاموش ہو گئے۔ سکندر گلدان سے ایک پھول نکال کر اسے بغور دیکھنے لگا تھا۔ زینب اپنی مرتعش انگلیوں کو دیکھنے لگی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ وہ کسی بات کو اٹل قرار دینے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔ سکندر کی باتوں نے اس پر بہت نہیں تو تھوڑا اثر ضرور کیا تھا۔ وہ جو کچھ کہنے اور کرنے آئی تھی، اب خود میں اس کی ہمت نہیں پاتی تھی۔

ان دونوں نے کھانا قدرے خاموشی کے عالم میں کھایا تھا۔ شاید سکندر علی کھانے کے دوران زیادہ گفتگو کا عادی نہ تھا۔ اپنا نیپکن گھٹنوں پر پھیلا کر وہ بڑے نفیس انداز میں کانٹے چھری سے کھانا کھانا شروع ہو گیا تھا۔ زینب کی بھی بھوک مر چکی تھی۔ اس کا دماغ انتشار کا شکار تھا۔ طرح طرح

کی ڈشز دیکھ کر بھی اس کی بھوک نہ چمکی۔ اپنی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول ڈال کر وہ بے دلی سے چمچے چلاتی رہی۔ کبھی کبھی پانی کا گھونٹ بھر لیتی۔

''یہ لاہوری چکن ٹیسٹ کرو نا...... بڑی عمدہ ڈش ہے۔''

اس کی بے دلی اور کھانے کی رغبت نہ دیکھ کر سکندر علی نے خود ہی اسے مختلف چیزیں دینا شروع کیں۔

''یہ فرائیڈ رائس لو...... یہاں کا براؤن میٹ بہت عمدہ ہوتا ہے ٹیسٹ کیا تم نے؟''

زینب اس کے ہاتھ سے ڈش لے کر واپس ٹیبل پر رکھ دیتی تھی۔ اس کے ذہن میں تو تب سے اب تک ایک ہی جملہ اٹکا ہوا تھا۔

''کبھی اس کے ساتھ خود کو آئینہ میں دیکھا ہے؟ تمہارا شوفر لگتا ہے وہ''

کھانے کے بعد میٹھے کا اور پھر بلیک کافی کا دور چلا۔ زینب کو وقت گزرنے کا احساس تھا لیکن وہ مجبور تھی۔ پھر اسے سکندر علی کی ہمراہی میں وہاں بیٹھنا برا بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ کچھ دیر اور وہاں گزارنا چاہتی تھی جانے زندگی میں پھر کبھی وہاں آنا نصیب بھی ہونا تھا یا نہیں۔

دونوں باہر نکلے تو زینب کی جھجک قدرے زائل ہو چکی تھی۔ ماربل کے چکنے فرش پر پھسل کر گر جانے کے خوف سے بے نیاز ہو کر اس نے کھٹ کھٹ سیڑھیاں اتری تھیں اور گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ گاڑی آگے بڑھی تو باوردی دربان نے بڑا زوردار سلام جھاڑا تھا۔

''کیا خیال ہے سمندر چلیں'' میر سکندر علی نے گاڑی کو اسپیڈ میں لا کر اس کی جانب دیکھا۔ ''مون لائٹ نائٹ ہے...... بڑا لطف رہے گا۔''

زینب نے اس کی جانب دیکھ کر سر جھکا لیا۔

''پھر سہی'' مدھم سروں میں اس نے کہا تھا۔

اس ''پھر سہی'' میں کئی ان کہے افسانے پوشیدہ تھے۔ سکندر علی نے مسکراتے ہوئے گاڑی کو گھر کے رستے پر ڈال دیا۔



سکندر نے اسے گھر کے سامنے اتارا تھا اور گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔ زینب بڑے اطمینان اور سکون سے دروازہ ان لاک کر کے اندر داخل ہوئی اور اندر سے پھر لاک لگا لیا۔

''میں ہوں جمیلہ سو جاؤ!'' وہ لائٹ جلا کر کچن میں چلی آئی۔ کولر سے پانی کا گلاس بھرنے لگی۔

''بی بی جی۔'' جمیلہ اٹھ کر اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔ ''کہاں رہ گئی تھیں آپ...... میں تو بڑی ڈر گئی تھی۔''

''کیوں؟'' اس نے گلاس لبوں سے ہٹا کر ابرو چڑھا کر پوچھا۔ ''ڈرنے کی کیا بات تھی؟''

''رات کا ایک بجا ہے جی...... رملی بی بی تو کب کی گھر آ گئیں...... میں سوچ رہی تھی...... آپ نجانے کہاں رہ گئی ہیں۔''

زینب کا حلق کڑوا ہو گیا۔ اسے رملی کی حرکت یاد آئی اور اس پر از سر نو غصہ آنے لگا۔

''کوئی بات نہیں۔ اب تو میں آ گئی ہوں نا۔ آرام سے سو جاؤ!'' وہ قدرے رسانیت سے بولی۔

جمیلہ پلٹ گئی تو وہ کچھ دیر وہیں کھڑی کچھ سوچتی رہی۔ پھر لائٹ بجھا کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ دروازہ بند کر کے وہ اپنے آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

جانے سے قبل اس کا دل جتنا بوجھل اور ان گنت وسوسوں کا شکار ہو رہا تھا، اب اتنا ہی ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔

وہ خود میں بے حد تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔

''کیا شاندار زندگی ہے میر سکندر علی کی۔'' ٹاپس اتارتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ ''آدمی ہے کہ کسی دیس کا راجا۔ کیسی آن بان ہے۔ کیسے

ٹھاٹ باٹ ہیں۔ آہ، یہی سب کچھ تو چاہا تھا میں نے، ایسے ہی شہزادے کا انتظار کرتی تھی۔ لیکن اماں! ہائے، انہیں بہت جلدی تھی۔ کیا تھا جو میں چند سال اور کنواری رہتی تو آج میرے سارے سپنے میرے اپنے تو ہوتے۔ ستارے بن کر میرے آنچل میں بھر جاتے اور میں اپنا تاروں بھرا آنچل آسمان پر پھیلا دیتی۔ ایک دنیا مجھے دیکھتی، میرے نصیب کو سراہتی کم از کم کوئی مجھے یہ تو نہیں کہتا کہ، کہ وہ شخص میرے ساتھ کھڑا میرا شوفر لگتا ہے! ہائے!"

دل کو ٹھیس سی لگتی تھی۔ وہ پیروں کو سینڈلوں کی قید سے آزاد کر کے بستر تک چلی آئی۔ بستر پر کہنی کے بل دراز ہو کر سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

"اور وہ کہتا ہے کہ زندگی میں سب ہی کچھ ممکن ہے۔ میں کہتی ہوں ضروری نہیں کہ جو ممکن ہو، وہ سہل بھی ہو، کبھی کبھی مشکل، ناممکن کا روپ ہوتی ہے۔ اور یہ سب کچھ جو وہ چاہتا ہے اگر ناممکن نہیں تو بھی بے حد مشکل ہے بے حد مشکل۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے ایک لمحے کیلئے اس مشکل کو آسان بنا کر سوچا۔ ناممکن کو ممکن بنا کر دیکھا پھر دوسرے ہی لمحے آنکھیں کھول دیں۔ اسے جھرجھری سی آئی تھی۔

اسے بچپن میں کبھی سنی ہوئی اپنی ماں کی دعا یاد آ گئی۔ وہ بھری جوانی میں بیوہ ہوئی تھیں۔ زینب اکثر انہیں جائے نماز پر بیٹھا دیکھتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرتی تھیں۔

"اے اللہ، اے میرے مالک! تو نے ایک مرد کا منہ دکھایا ہے...... بس اب قبر کا منہ دکھائیو۔"

زینب کا حلق خشک ہو گیا۔ اسے لگا بستر پر کانٹے اگ آئے ہوں۔ وہ گھبرا کر بیٹھ گئی تھی۔



دوسرے دن صبح ہی رملی چلی آئی تھی۔ جمیلہ کچن میں مصروف تھی جب دروازہ بجا۔ زینب سو کر اٹھی ہی تھی۔ بکھرے ہوئے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے سمیٹتی ہوئی وہ دروازے تک چلی آئی۔

"اوہ، تم ہو!" دروازے پر کھڑی رملی کو دیکھ کر اس کا انداز قدرے روکھا ہو گیا۔ "آ جاؤ۔" وہ ہٹ کر اس کو راستہ دینے لگی۔ رملی کا انداز بھی اکھڑا اکھڑا سا تھا۔ وہ چند قدم ہی اندر آئی۔

"ابھی اٹھی ہو؟"

"ہوں۔"

"رات خاصی دیر ہو گئی ہو گی۔"

زینب نے پلٹ کر اسے خشمگیں نظروں سے گھورا تو اس نے کاندھے اچکا دیے۔

"اپنی وے میں کہنے آئی تھی کہ تمہارے ہسبینڈ کا فون آیا ہے لاہور سے......"

"احسن کا فون...... " زینب چونک اٹھی۔ "کیا کہہ رہے تھے کوئی میسج؟"

"میسج یہی ہے کہ وہ آدھے گھنٹے بعد فون کریں گے آ کر سن لینا۔"

"اچھا!" زینب سوچتے ہوئے بولی۔ "خیر آدھے گھنٹے بعد ہی کریں گے نا...... آؤ تم تو بیٹھو۔ چائے پی لو۔"

"نہیں میں چلوں گی اب! اماں گھر پر نہیں ہیں، اس لئے مجھے آنا پڑا۔ دروازہ بھی لاک نہیں کیا ہے میں نے۔ تم آؤ گی تو چائے وہیں پی لیں گے!"

وہ جانے کے لئے مڑ گئی۔ بظاہر دونوں ہی قدرے رواداری اور مروت کا مظاہرہ کر رہی تھیں۔ لیکن لہجے دونوں کے بے تاثر ہو رہے تھے۔

دونوں ایک دوسرے سے سخت نالاں نظر آتی تھیں۔

رملی چلی گئی تو زینب کچن میں آ کر جمیلہ کو کھانے کے متعلق ہدایات دینے لگی۔ اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ تو دل میں بہت دن تک رملی کے گھر نہ جانے کا ارادہ باندھے ہوئے تھی۔ وہ اس سے قطعی طور پر بات چیت بند کر لینا چاہتی تھی لیکن یہاں تو الٹا اسے اپنا ہی کام آن پڑا تھا۔ پھر اسے احسن کے فون کا سن کر بھی عجیب سی بے چینی لاحق ہو گئی تھی۔ نجانے اس نے فون کیوں کیا تھا۔ پہلے تو اس نے کبھی اس طرح کا پیغام نہیں چھوڑا تھا۔ بس خیر خیریت کی اطلاع کہلوا دیتا تھا۔ اسے وہاں سے ایسی کون سی ضروری بات یاد آ گئی تھی۔ دل کا چور خواہ مخواہ ہی زینب کو پریشان کرنے لگا تھا۔

آدھا گھنٹہ اس نے بمشکل کاٹا تھا۔ بال سنوار کر ہلکی سی لپ اسٹک لگا کر وہ کچھ پہلے ہی رملی کی طرف چلی آئی تھی۔

''ابھی تو دس منٹ باقی ہیں۔'' رملی اسے دیکھ کر مسکرا دی تھی۔ ''بڑی جلدی ہے شوہر نامدار کا فون سننے کی!'' اس کا لہجہ بظاہر شرارتی تھا لیکن زینب جانتی تھی کہ وہ طنز کر رہی ہے۔

''تم مجھے چائے کی آفر کر کے آئی تھیں۔'' وہ سادہ لہجے میں بولی۔ ''میں نے سوچا، شاید تم چائے بنا کر میرا انتظار کر رہی ہو گی۔''

''ہاں ضرور تم بیٹھو، میں چائے بناتی ہوں۔ اماں کو تو میں نے چند ضروری اشیاء لینے کے لئے مارکیٹ بھیجا ہوا ہے۔ تب تک فون بھی آ جائے گا۔''

وہ ہمیشہ زینب کو اپنے ساتھ کچن میں ہی لے جایا کرتی تھی۔ لیکن آج وہ اسے وہیں ڈرائنگ روم میں بٹھا کر چلی گئی تھی۔ زینب صوفے کی پشت سے سر لگا کر اس کے رویے کے متعلق سوچنے لگی۔

ٹیلی فون کی بیل نے اسے خیالات سے چونکایا تھا، وہ فوراً ہی اٹھ کر فون تک پہنچی تھی۔

''ہیلو۔''

''ہیلو...... زینو! کیسی ہو؟'' دوسری جانب سے احسن نے اس کی آواز پہچان کر کہا تھا۔

''جی میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟'' وہ آہستگی سے بولی۔

''بس جناب! چل رہے ہیں کام!'' وہ قدرے بشاشت سے بولا۔ مزدور لوگ ہیں...... ہر حال میں خوش۔''

''کیسے فون کیا...... خیریت ہے ناں۔''

''ہاں...... خیریت ہی ہے۔ دراصل کام کچھ طویل ہو گیا ہے۔ لگتا ہے چند دن مزید لیٹ ہو جاؤں گا۔ تمہاری جانب سے فکر ہو رہی ہے۔ اکیلی کیسے گزارو گی یہ دن؟'' اس کے لہجے میں تشویش در آئی تھی۔

''اوہ احسن!'' اسے شدید قسم کی کوفت نے آن گھیرا۔ ''کچھ تو میرا خیال کیجئے کس قدر بوریت ہے اور آپ مزید دیر سے آنے کی نوید سنا رہے ہیں۔ میرا تو کوئی میکہ بھی نہیں جو اس قسم کی کسی صورت حال میں میں وہاں چلی جایا کروں۔''

''یار! تم سے کہا تو تھا چلو میرے ساتھ...... لیکن یہ جو ضد ہے ناں تمہارے اندر، یہ سارا کام خراب کر دیتی ہے اب دیکھو، میں یہاں بور ہو رہا ہوں اور تم وہاں۔ ساتھ مل کر بور ہونے میں جو مزہ ہے وہ علیحدہ علیحدہ کہاں۔''

زینب ہولے سے ہنس دی۔

''خیر یہ کہو، کسی طرح کی کوئی پریشانی تو نہیں ہے نا؟''

''نہیں، نہیں...... سب ٹھیک ہے۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔''

''کیا لاؤں تمہارے لیے؟''

''جو آپ کا جی چاہے!''

''اچھا، پھر میں دہی بھلے اور سری پائے لیتا آؤں گا...... پھر شکایت مت کرنا۔''

''اچھا۔'' وہ ہنس دی۔ ''خدا حافظ۔''

''خدا حافظ۔ بہت سا پیار!''

لائن منقطع ہو گئی تھی۔ وہ فون رکھ کر پلٹی تو چونک اٹھی۔ رملی چائے کے برتن میز پر رکھے، صوفے پر بیٹھی تھی۔ نجانے وہ کب چلی آئی تھی۔ اس کے وال ٹو وال بچھے دبیز قالین کسی کی آمد کا پتا نہ چلنے دیتے تھے۔

''ہو گئی بات؟'' وہ ناخن دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''ہاں ہو گئی۔'' وہ گہرا سانس بھر کر بیٹھ گئی۔

''کوئی خاص بات''

''نہیں، خاص بات کیا ہونی ہے۔ کہہ رہے تھے کچھ دن اور لگ سکتے ہیں۔ فکر مند نہ ہوں۔''

''فکر مند!'' رملی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ''تم نے بتایا نہیں کہ تم بالکل فکر مند نہیں ہو...... بلکہ بہت خوش ہو، ہاں ٹھیک ہی ہے۔ سکندر علی ایسی ہی شے ہے۔ بندہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتا ہے۔

''رملی......'' زینب تنبیہی آواز میں بولی۔ ''یہ مت سمجھو کہ میں تمہاری الٹی سیدھی ہر بات کو خاموشی سے سہ لوں گی آخر تم کیا سوچ کر یہ سب کچھ بول رہی ہو جس کا مطلب شاید تمہیں خود بھی نہیں پتا۔

''نہیں زینب!'' رملی بے حد سنجیدہ ہو گئی۔ ''میں جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں۔ اس کا مطلب میں اچھی طرح سے جانتی ہوں۔ لیکن میں کیا غلط کہتی ہوں۔ کب تک تم چہرے پر جھوٹی پارسائی کا یہ نقاب ڈالے رکھو گی۔ کیا یہ جھوٹ ہے کہ تم اور سکندر میری نظروں میں دھول جھونک کر میرے گھر میں ہی محبت کی پینگیں بڑھاتے رہے ہو۔''

''جھوٹ...... سراسر الزام!'' زینب چیخ اٹھی۔

''کیا یہ بھی جھوٹ ہے کہ وہ ہر ہر موقع پر تمہیں کارڈز پھول اور نجانے کیا کیا کچھ دیتا رہا اور تم اس کے تحائف خوش دلی سے وصولتی رہیں۔''

''میں نے ہمیشہ تمہیں آگاہ کیا تھا رملی اس کی بھیجی ہوئی ہر چیز دکھائی تھیں۔'' وہ احتجاجاً بولی۔

''ہاں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔ ''بمعہ اس لاکٹ کے جسے تم اپنے شوہر کا دیا ہوا گفٹ قرار دے رہی تھیں...... میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جانتی ہو زینب بیگم! کسی مرد کی تحفتاً دی ہوئی چیز کو عورت قبول کرے اور اسے پہن کر گھومے تو اس کا کیا مطلب نکلتا ہے؟''

اس بار زینب کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔

''میرے ذہن میں کوئی غلط خیال نہ تھا رملی۔'' پھر بالآخر وہ کمزور لہجے میں بولی تھی۔ ''میرا یقین کرو!''

''ہاں...... بہت خوب!'' رملی طنز سے مسکرائی ''بہت صاف دل ہے نا تمہارا...... ویسا ہی صاف ستھرا ذہن پھر تو تم نے اپنے شوہر سے کوئی بات نہ چھپائی ہو گی۔ اسے بھی سکندر کے تحائف کے متعلق بڑی صفائی سے بتایا ہو گا اور اس نے خوش دلی سے تمہیں اجازت بھی دی ہو گی یہ تحفے برتنے کی، ہیں نا!''

زینب غصے سے کھڑی ہو گئی۔ اس کا پور پور کانپ رہا تھا۔ رملی کے الفاظ برچھیاں بن کر اس کے اندر گڑ رہے تھے۔

''رملی تم اچھی طرح سے جانتی ہو، تمہارا بھائی ہی میرے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ تب تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں آتا تھا۔ تم اسے بہت پاکباز اور دیوتا جانتی تھیں۔ پھر وقت نے تمہیں دکھایا کہ میں سچ کہتی تھی اور آج بھی میں تم سے کہتی ہوں کہ مجھے تمہارے بھائی سے یا تم سے کچھ لینا دینا نہیں

ہے۔ میں کل تمہارے ساتھ محض اس لیے جانے پر رضامند ہوئی تھی کہ تمہاری موجودگی میں اسے سمجھا سکوں اور اس کا وہ لاکٹ واپس کردوں لیکن تمہارا رویہ تو تمہارا رویہ تو کسی......"

وہ لب بھینچ کر اس گالی کو روک پائی جو اس کے لبوں سے نکلنے کو تھی۔ لیکن پھر بھی رملی اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ اس کی رنگت سیاہ پڑ گئی۔

"شٹ اپ زینب!" وہ دانت پیس کر بولی۔ "ایک لفظ آگے نہیں۔ میں اچھی طرح تمہاری پارسائی کے اس ڈھونگ کو سمجھ چکی ہوں۔ اندر کچھ، باہر کچھ، سکندر علی کی وجہ سے تم اپنے شوہر کے ساتھ نہیں گئیں تاکہ اس کی غیر موجودگی میں یہاں خوب دوستانہ بڑھا سکو اسے فون پر سب ٹھیک ہے سب اچھا ہے کا راگ سناتی ہو، اور آدھی آدھی رات تک غیر مرد کے ساتھ باہر گھومتی پھرتی ہو۔ یہی تمہاری وہ پارسائی ہے جس کا یقین دلا رہی ہو مجھے؟ اگر تم جانے سے انکار کرتیں تو کوئی طاقت نہیں تھی۔ زینب! جو تمہارا ہاتھ کھینچ کر تمہیں اس گاڑی میں بٹھا سکتی......لیکن تمہارے تو اپنے دل میں چور ہے، تم کیا انکار کرو گی۔"

زینب کا جی چاہا کہ وہ چائے کی گرم کیتلی اٹھا کر رملی کے اوپر انڈیل دے۔ اپنے جذبات پر قابو پانا اس کے لئے دشوار ہو گیا تھا۔

"لعنت ہو تم پر، لعنت!" کپکپاتی ہوئی آواز میں وہ بس اتنا ہی بول پائی پھر تیزی سے چلتی ہوئی اس کے گھر سے نکل آئی۔

گھر تک آتے آتے جتنی گالیاں اسے یاد تھیں۔ وہ سب کی سب اس نے رملی کو دے ڈالی تھیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ اس عورت کا خون کر ڈالتی۔

"بی بی جی۔" جمیلہ اس کے چہرے پر نگاہ ڈال کر پریشان ہو اٹھی۔ "خیر ہے؟ آپ کو کیا ہوا ہے؟"

"جمیلہ! ٹھنڈے پانی کا جگ بھر کر لاؤ۔" وہ اپنے کمرے میں گھس گئی۔

پنکھا فل اسپیڈ پر چلا کر وہ گرنے والے انداز میں بستر پر بیٹھی تھی۔ سامنے آئینے میں اسے اپنا چہرہ لال انگارے کی مانند دکھائی دے رہا تھا۔

جمیلہ پانی لائی تو وہ ایک سانس میں آدھا جگ خالی کر گئی۔

"گھر بلا کر میری بے عزتی کی ہے تم نے رملی بیگم...... یہ حساب یاد رکھنا تم!" وہ طیش کے عالم میں سوچ رہی تھی۔

اگلے روز نہایت غیر متوقع طور پر سکندر علی آ گیا تھا۔ جمیلہ نے جب زینب کو اس کی آمد کے بارے میں بتایا تو وہ چند لمحوں کے لیے گم صم رہ گئی۔

"وہ......ڈرائنگ روم میں بٹھا دوں جی انہیں؟" وہ اسے خاموش دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"آں......ہاں!" اس نے سانس بھری تھی۔ "بٹھاؤ، میں آتی ہوں۔"

ایک نگاہ اپنے کپڑوں پر ڈال کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ بال بنا کر وہ کمرے سے نکلی اور جمیلہ کو چائے کا کہتی ہوئی ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔

"ہیلو......زینب!" وہ اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"تشریف رکھیے!" وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

"ضرور، میرا آنا مائنڈ تو نہیں کیا تم نے؟" وہ بیٹھتے ہوئے بولا۔

زینب گہری سانس بھر کر رہ گئی۔

''آپ کو اس طرح یہاں نہیں آنا چاہیے۔'' وہ دبے دبے انداز میں بولی تھی۔ ''میرے لیے پرابلمز ہو سکتی ہیں۔''

''ہوں، جانتا ہوں!'' وہ کچھ سوچنے لگا۔ ''سگار پی سکتا ہوں اگر تم مائنڈ نہ کرو تو......''

زینب کی جانب سے کسی جواب کا انتظار کیے بنا وہ سگار نکل کر سلگانے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی گہری سوچ کی پرچھائیں تھی۔ زینب کو نجانے کیوں وہ آج کافی پختہ عمر کا لگا۔ شاید اس کی سنجیدگی کی وجہ سے۔ وہ چپ چاپ اسے دیکھتی گئی۔

''میں......دراصل رملی کی جانب گیا تھا۔'' پھر وہ بولا تھا۔ ''مجھے علم ہوا ہے تم دونوں کے مابین کچھ رنجش وغیرہ ہو گئی ہے۔''

''آپ کی بہن نہایت بدتمیز اور بداخلاق ہے۔'' زینب سلگ اٹھی تھی ''اسے علم نہیں کہ کس سے کس طرح سے بات کرنی چاہیے اور کون سی بات کرنی چاہیے اور کون سی نہیں۔ جو اس کے منہ میں آتا ہے وہ کہتی چلی جاتی ہے۔ آپ کے حوالے سے مجھ پر جھوٹے الزامات عائد کرتے ہوئے اسے شرم آنی چاہیے تھی۔ بہرحال مجھے بہت افسوس ہوا ہے اور رہے گا۔''

''اوہ......اوہ......زینب پلیز!'' وہ پریشان نظر آیا ''اس کی جانب سے میں تم سے معذرت خواہ ہوں۔ رملی بہت احمق لڑکی ہے۔''

''وہ بدتمیز اور بداخلاق ہے۔'' زینب نے زور دیا۔

''دراصل......وہ اس ساری صورت حال سے ڈپریسڈ ہو گئی ہے۔'' وہ شاید اس کی سائیڈ لے رہا تھا۔

''کیسی صورت حال؟'' زینب برہم تھی۔ ''ہر طرح کی صورت حال کے ذمہ دار آپ اور آپ کی بہن ہیں۔ میرا اچھے میں کہیں کوئی قصور نہیں نکلتا۔''

''ریلیکس ریلیکس۔'' وہ ہاتھ اٹھا کر اسے دھیما ہونے کے لیے کہنے لگا۔

زینب کو احساس ہوا کہ جوش جذبات میں اسکی آواز بلند ہو رہی تھی۔ وہ قدرے شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ اسی دوران جمیلہ چائے کی ٹرے لیے اندر داخل ہوئی تھی۔ دونوں نے ہی اس کی موجودگی میں گفتگو سے احتراز کیا۔ جمیلہ چائے بنا کر چلی گئی تو زینب اپنے کپ میں چمچہ ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

''دیکھو زینب! میں یہ تو نہیں کہتا کہ رملی اپنی جگہ درست ہے یا جو کچھ اس نے تم سے کہا وہ مبنی بر حقیقت ہے۔ لیکن یہ بھی تو دیکھو کہ اچانک یہ سب کچھ جان کر اسے دھچکا لگنا لازمی تھا۔ وہ ڈپریسڈ ہو گئی کہ اس پر اعتبار نہیں کیا گیا۔''

''سکندر صاحب! میری پوزیشن خراب مت کیجیے پلیز!'' اس نے احتجاج کیا۔ ''آپ کے کہنے کا مطلب تو یہ نکلتا ہے کہ میں آپ کے ساتھ انوالو رہی ہوں......اس سے چھپ کر۔''

''میں تو بہرحال انوالو رہا ہوں۔'' وہ آہستگی سے مسکرایا۔ ''اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ تم محض دنیا سے ڈرتی ہو ورنہ ناپسند مجھے تم بھی نہیں کرتیں۔''

''میں فی الحال کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔'' زینب نے سر جھکا لیا۔

''سوچ لو زینب اچھی طرح غور کر لو میں، تمہیں جبراً قائل نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہاں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ تمہارا یہ مقام نہیں ہے جہاں تم موجود ہو۔ جب کبھی بھی تم نے اس بات کو سمجھ لیا تم مجھے ''یس'' کہو گی اور پھر اسکے بعد ہمیں رملی کی ضرورت نہیں ہو گی۔ بس میں تمہیں یہی بات سمجھانے کے لیے آیا ہوں اس سے مخالفت مول مت لو۔''

''یہ بات آپ نے اپنی بہن کو نہیں سمجھائی۔'' وہ تپ کر رہ گئی تھی۔

''سمجھائی ہے بابا! اسے بھی سمجھائی ہے اس سے کہا ہے کہ وہ فوری طور پر تم کو سوری بولے تم سے ایکسکیوز کرے اور وہ آئے گی۔ مجھے یقین ہے۔ وہ میری باتوں کو کبھی رد نہیں کرتی۔''

زینب خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔ نجانے کیوں آج میر سکندر علی کی باتیں اسے ایک ان دیکھے جال کی مانند محسوس ہو رہی تھیں۔ ایسا جال جو اسے چاروں جانب سے جکڑتا جا رہا تھا۔ اسے راہ فرار ملتی ہی نہیں پاتی تھی۔

''کیوں..... کیوں، یہ مجھے باور کرانا چاہتا ہے کہ میں بھی یہی سب کچھ چاہتی ہوں۔'' وہ پریشانی سے سوچ رہی تھی۔ ''کیا اسے کالا جادو آتا ہے، کیا یہ ہپناٹائز کرنا جانتا ہے۔ میں میں کیوں نہیں سمجھ پاتی کہ میری اپنی مرضی کیا ہے۔ میں درحقیقت کیا چاہتی ہوں، میں اس کے کہے پر کیوں چل پڑتی ہوں۔''

''پریشان مت ہو زین! وہی ہوگا جو تم چاہو گی۔'' وہ بولا تو زینب چونک اٹھی تھی۔

''جی؟''

''میں چلتا ہوں!'' وہ کھڑا ہو گیا۔ ''رملی جلد آ جائے گی۔ پلیز! تم اسے معاف کر دینا۔ وہ احمق ہے اور جذباتی، میں اسے مزید سمجھا دوں گا۔''

وہ باہر نکل گیا۔ زینب کو ڈر لگنے لگا۔ وہ بری طرح سے خوفزدہ ہو گئی۔ اسے ایک انجانا جال اپنے اردگرد سمٹتا محسوس ہونے لگا۔ آج اسے میر سکندر علی کے خیال سے ہی خوف آ رہا تھا۔



میر سکندر علی نے درست کہا تھا وہ دوسرے دن ہی چلی آئی تھی۔ زینب کو اس کی صورت دیکھ کر دھچکا لگا۔ بڑی ٹیپ ٹاپ سے رہنے والی رملی کا آج روپ ہی دوسرا تھا۔ اسکے بال بکھرے ہوئے تھے اور لباس شکن آلود تھا۔ اس کی آنکھیں قدرے سوجی سوجی سی تھیں۔ نجانے وہ رات کو سو نہیں پائی تھی یا روتی رہی تھی۔ اس کا چہرہ بالکل اترا ہوا تھا۔

زینب سے کچھ بھی کہے بغیر وہ صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ اور ایک ہاتھ سے سر تھام لیا تھا۔

''کیا بات ہے بی بی جی! طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' زینب کے کچھ کہنے سے پیشتر جمیلہ بول پڑی تھی۔

''جمیلہ! مجھے ایک گلاس پانی پلاؤ..... پھر ایک کپ اچھی، اسٹرونگ سی چائے!'' وہ بوجھل آواز میں بولی۔

جمیلہ اسے پانی پلا کر چلی گئی تو وہ سر اٹھا کر زینب کو دیکھنے لگی۔

''زین! تم ناراض ہو مجھ سے؟''

''نہیں۔'' وہ کچھ دیر کے بعد قدرے طنز سے بولی۔ ''بہت خوش ہوں۔ تمہارا پرسوں کا رویہ ایسا ہی تھا۔'' رملی خاموشی سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی۔ وہ بہت تھکی ہوئی لگ رہی تھی۔ زینب کو اس کی کیفیت سمجھ میں نہ آئی۔ وہ اس کے سوجے ہوئے پپوٹے دیکھتی رہی۔

''زین.....! ایک عورت کو دوسری عورت کے جذبات بغیر کہے سمجھ لینے چاہئیں..... ہیں نا! تمہارا کیا خیال ہے؟'' زینب کو اس کی بات قطعاً سمجھ میں نہ آئی تھی۔ اس لیے وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''تم میرے جذبات سمجھنے کی کوشش کرو تو شاید مجھے تم سے ایکسکیوز کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔'' پھر وہ مزید بولی۔

''میں صرف اتنا کہوں گی کہ تم میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو۔'' زینب نے لب کھولے۔

''میں بہت بے وقوف عورت ہوں۔'' یک لخت اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''میں ہمیشہ ہر کسی کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہوں اور بعد میں پچھتاتی ہوں۔ بہرحال زین! آئی ایم سوری میں اپنے سارے اگلے پچھلے رویوں کی معافی چاہتی ہوں اور یہ کہ آج کے بعد میں تمہارے بارے میں کبھی کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں گی۔ بس؟''

وہ اپنی سوچی ہوئی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگی۔ زینب نے نظریں چرالیں۔

"اور...... اور میں نے یہ بھی فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ میں کبھی، کسی کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں گی جو غلط فہمی کا شکار ہو وہ بڑی آسانی سے شکار ہو جاتا ہے۔ زین! تم تو کہیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو؟"

زینب ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھنے لگی۔ رملی اس وقت کوئی مخبوط الحواس عورت لگ رہی تھی۔ وہ قطعاً سمجھ میں نہ آنے والی باتیں کر رہی تھی۔ زینب نے ہمدردی سے اس کے شانے کو چھوا۔

"تم شاید ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی ہو رات کو، تمہارا ذہن پریشان ہے۔ تھوڑی دیر آرام کرلو، یہیں لیٹ جاؤ میرے کمرے میں۔"

رملی نے ایک نگاہ اسے دیکھا پھر ہنسنے لگی۔ آہستہ آہستہ اس کی ہنسی میں شدت آتی گئی۔ کچھ دیر کے بعد وہ پاگلوں کی طرح ہنس رہی تھی۔ زینب احمقوں کی طرح سے منہ کھولے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"دیکھو زین! مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔" کچھ دیر کے بعد وہ اپنی ہنسی پر قابو پا کر بولی۔ "میں، میں ذرا مختلف عورت ہوں میں کسی دوسری عورت کے کمرے میں نہیں سو سکتی۔ مجھے اسی کمرے میں سونا اچھا لگتا ہے جو میرا ہو پورے استحقاق کے ساتھ میرا اور سنو زین! میں اپنا کمرہ کسی اور کے ساتھ شیئر بھی نہیں کر سکتی!" دفعتاً وہ آہستگی سے رازدارانہ انداز میں بولی تھی۔

جمیلہ ٹرے میں چائے سے بھرے کپ لے آئی تھی۔

"سنو جمیلہ!" رملی نے التجائی انداز میں اسے مخاطب کیا۔ "اگر سر درد کی گولیاں ہوں تو مجھے لا دو پلیز، میرے سر میں بڑا درد ہو رہا ہے۔"

جمیلہ نے زینب کی جانب دیکھا۔

"میرے پلنگ کی اوپری دراز میں گولیوں کا پتا پڑا ہے۔ نکال لاؤ۔"

جمیلہ گولیاں نکال لائی تو زینب نے رملی کو گولیاں کھلائیں اور چائے کا کپ تھمادیا۔

"میرا خیال ہے، تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس کے چائے پی لینے کے بعد اس نے کہا تھا۔ "اب تم تھوڑی دیر آرام کرلو۔ اندر چل کر کمرے میں لیٹ جاؤ۔"

"نہیں۔" اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ "میں نے کہا نا میں کسی دوسری عورت کے بستر پر نہیں لیٹ سکتی۔ میں، میں یہیں لیٹ جاتی ہوں۔ یہیں صوفے پر ہی۔"

اس کی دماغی کیفیت بالکل نارمل نہیں تھی۔ زینب کو اس پر ترس آنے لگا۔

"ہاں ہاں یہیں لیٹ جاؤ۔ جیسے تمہاری مرضی!"

رملی بچوں کی طرح سمٹ کر لیٹ گئی تو زینب وہیں اس کے پاس بیٹھی رہی۔ کچھ ہی دیر کے بعد اس کے سانسوں کا زیر و بم سنائی دینے لگا۔ وہ گہری نیند سو چکی تھی۔



احسن کو گئے ہوئے چھٹا روز تھا اور ان چھ دنوں میں کوئی دن ایسا نہ گزرا تھا جب کوئی غیر متوقع بات نہ ہوئی ہو۔ زینب سوچتی تھی تو اسے حیرانی ہوتی تھی۔ نجانے یہ کیسے دن تھے۔ نہایت تیز رفتار اور حیران کن۔ ایسے دن اس کی زندگی میں پہلے کبھی نہیں آئے تھے۔

اس روز بھی کال بیل کی آواز پر دروازہ کھولنے پر اسے سکندر علی کھڑا نظر آیا تو وہ چند لمحوں کیلئے سوچتی رہ گئی کہ اس کے ساتھ آخر ہو کیا رہا ہے؟

''اندر نہیں بلائیں گی زینب خاتون؟'' وہ ادا سے مسکرایا تھا۔

زینب لب کاٹنے لگی۔

''چلیں پھر باہر آ جائیں۔'' وہ اسے سوچ میں گم پا کر بولا تو وہ چونک اٹھی۔

''جی؟ میں سمجھی نہیں؟''

''میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔ ہم کہیں جا رہے ہیں۔''

''کہاں؟'' وہ پریشان ہو اٹھی۔ ''سکندر صاحب! میں، میں یہ سب کچھ افورڈ نہیں کر سکتی۔ خدارا میری پریشانیوں میں اضافہ مت کیجیے۔''

سکندر علی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی بولتی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ کوئی سوچ تھی جو جگمگا رہی تھی۔

''میں...... آج آخری بار آپ سے ملنے آیا ہوں زینب......! آخری بار!'' وہ بولا ''میرا یقین کیجیے۔ ہم آج کے بعد پھر کبھی اس طرح نہیں ملیں گے...... آئی پرامس یو!''

''لیکن۔'' وہ زچ ہو گئی۔ ''ہم جائیں گے کہاں؟''

''ہے ایک جگہ۔'' وہ مسکرایا۔ ''جلدی آ جائیں۔ میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں۔''

وہ مڑ گیا۔ زینب پریشانی کے عالم میں کھڑی سوچتی رہی۔ نجانے یہ سب کچھ کیا ہو رہا تھا۔ اس ساری کہانی کا انجام کیا تھا۔ یہ راستہ جس پر وہ کچھ چاہتے ہوئے اور کچھ نہ چاہتے ہوئے چل نکلی تھی۔ اسے کہاں لے جانے والا تھا۔

''بی بی جی۔'' جمیلہ اندر سے نکل کر آئی تھی۔ ''کون آیا تھا؟ گھنٹی بجی تھی۔''

''آں۔'' وہ چونک اٹھی۔ ''جمیلہ! میں ذرا سے کام سے جا رہی ہوں۔'' دروازہ بند کر لو۔ کچھ دیر میں لوٹ آؤں گی۔''

''کس کے ساتھ بی بی جی؟''

جمیلہ نے پوچھا تو وہ چونک اٹھی۔ اس نے آج سے پہلے کبھی اس طرح سے سوال جواب نہ کیے تھے۔

''رملی بی بی...... باہر گاڑی میں بیٹھی ہیں۔'' نجانے کیوں اس کے لبوں سے جھوٹ بات نکلی تھی۔ شاید دل کا چور ہر کسی سے ڈر جاتا ہے۔

وہ مزید کچھ بھی کہے باہر نکل آئی تھی۔ جمیلہ نے اس کے عقب میں دروازہ بند کر لیا تھا۔

''اگر تم جانے سے انکار کرتیں تو کوئی طاقت نہیں تھی زینب! جو تمہارا ہاتھ پکڑ کر تمہیں اس گاڑی میں بٹھا سکتی۔''

وہ گاڑی کے قریب آئی تو رملی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج اٹھے تھے۔ ایک لمحے کے لیے اس کے قدم ڈگمگا گئے۔

سکندر علی نے اس کے لیے اگلا دروازہ وا کیا ہوا تھا۔ وہ چپ چاپ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی بڑی آہستگی سے آگے بڑھ گئی تھی۔

''مجھے ایسی ہی عورتیں پسند ہیں۔'' سکندر علی مسرور لہجے میں بولا تھا۔ ''خوش اعتماد، باوقار...... اپنے فیصلے آپ کرنے والی...... بہادر عورتیں!''

اس کے الفاظ جادو اثر تھے۔ ''زینب......! آئی ایم رئیلی امپریسڈ......''

''ہم جا کہاں رہے ہیں...... بائی دا وے!'' اس نے قدرے رملی والے اسٹائل میں پوچھا تھا۔

''دیکھ لینا آج میں تمہیں ایک سرپرائز دینا چاہتا ہوں پھر ایک چوائس تمہارے سامنے رکھوں گا۔''

''آپ تو کہہ رہے تھے۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی۔'' زینب نے اسے کچھ یاد دلایا، کچھ جتایا۔

''ہاں...... بالکل...... چوائس یہی تو ہو گی تمہارے پاس...... ویسے میں نے کہا تھا...... ''اس طرح'' یہ ہماری آخری ملاقات ہو گی!'' اس نے ''اس طرح'' پر زور دے کر ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا۔

زینب خاموش ہوگئی۔ اب وہ اس سرپرائز کی منتظر تھی۔ سکندر علی کے انداز اور گفتگو نے اسے قدرے تجسس میں مبتلا کر ڈالا تھا۔ وہ دھیمے سروں میں کسی انگریزی گانے کے بول گنگناتے ہوئے سکندر علی پر سے دھیان ہٹا کر سیاہ سڑک کو تیزی سے گاڑی کے قدموں تلے بچھتے ہوئے دیکھتی رہی۔

زندگی کا یہ انداز اسکے لیے بے حد تعجب خیز اور نیا تھا۔ لیکن یہ امر حقیقت تھا کہ اسے برا معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ اسے جستجو سی تھی، کہانی کا اگلا صفحہ موڑنے کی عجلت بھی تھی۔ نجانے قسمت کی کتاب میں اس کے لیے کیا کچھ لکھا ہوا تھا۔

وہ اپنے دھیان سے اس وقت چونکی تھی جب گاڑی ایک عالیشان کوٹھی کے سیاہ، چوبی، طویل و عریض دروازے کے سامنے جا رکی تھی۔

زینب نے چونک کر سکندر علی کی جانب دیکھا۔ وہ گاڑی بند کر کے اس کی جانب دیکھتے ہوئے مسکرا رہا تھا۔

''یہ، یہ تو کسی کے گھر لے آئے ہیں آپ مجھے۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

سکندر علی کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔ اس نے ایک نگاہ بند دروازے پر ڈالی۔ پھر بولا۔

''کسی کے نہیں، تمہارے ہی گھر لایا ہوں تمہیں۔''

زینب کی آنکھیں لحہ بھر کے لیے پھیلی تھیں۔

''یہ کوٹھی میں نے خریدی ہے زینب......! آج یہ مکمل طور پر میری ملکیت ہے اور میں تمہیں اس محل کی رانی بنا کر لانا چاہتا ہوں۔''

اس نے گاڑی پھر سے اسٹارٹ کر کے ہارن دیا تھا۔ چند لمحوں میں چوبی دروازہ واک ہوا۔ قیمتی سیاہ پتھر سے بنی ہوئی عمارت ان کی نگاہوں کے سامنے یوں منکشف ہوئی تھی جیسے آنکھ کھلتے ہی کسی حسین خواب کی تعبیر سامنے آجائے۔ سکندر علی گاڑی کو اندر لے گیا تھا۔ چوکیدار نے دروازہ بند کر دیا۔

''آؤ زینب! میں تمہیں کوٹھی دکھاتا ہوں۔'' سکندر علی نے اس کے لیے دروازہ کھولا تھا۔

وہ کسی خواب کے سے عالم میں گاڑی سے اتر آئی سیاہ، عالی شان عمارت کی تمام کھڑکیاں سنہری تھیں اور شام کی ڈھلتی ہوئی روشنی میں دھیرے دھیرے سلگتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

سیاہ، ٹنٹڈ گلاس ڈور کھول کر سکندر علی نے اسے اندر داخل ہونے کا اشارہ کیا تھا۔ زینب کو یوں محسوس ہوا وہ رستہ بھول کر کسی راج محل میں چلی آئی ہو۔ وسیع و عریض ہال فانوسوں کی تیز روشنی سے بقعہ نور بنا ہوا تھا۔ پورے ہال میں چار جھومر تھے اور چاروں پوری آب و تاب سے چمک رہے تھے۔ لائٹ گرے دبیز کارپٹ اور سیاہ آبنوسی فرنیچر اپنا انتخاب کرنے والے کے ذوق کی بھرپور داد وصول کر رہے تھے۔

زینب حیران پریشان سی کھڑی چاروں جانب دیکھ رہی تھی۔ وہاں اتنی روشنی تھی کہ اس کی آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

''آؤ اوپر چلیں۔ تمہیں کمرے دکھاتا ہوں۔''

سکندر علی نے دھیرے سے اس کی کمر کو چھوا تھا...... زینب کسی سحر کے عالم میں اس کے ہمراہ سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ قیمتی انڈور پلانٹس جا بجا رکھے نظر آتے تھے۔ دیواروں میں نصب تمام فینسی لائٹس آن تھیں۔ زینب کو بچپن میں پڑھی طلسم ہوش ربا یاد آگئی۔ اس کے ساتھ چلتا ہوا شخص یقیناً کوئی جادوگر تھا۔ اسے مسحور کر دینے کا فن آتا تھا۔

''یہ...... خواب گاہ۔'' سکندر علی نے ایک بند دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھا۔ ''اسے دیکھنے سے قبل باور کر لو کہ اسے خاص تمہارے لیے بنایا گیا ہے۔ میں تمہیں اس گھر میں، اس خواب گاہ میں دیکھنے کا متمنی ہوں، تم ہی وہ عورت ہو جو یہاں سج سکتی ہو۔ یہ در و دیوار بہت حساس اور حسن پرست ہیں۔ اپنی ناقدران سے برداشت نہ ہوگی اور ان کی قدر تب ہی بڑھ سکتی ہے جب ان کے درمیان تمہارے جیسا وجود ہو، نادر اور حسین۔''

اس نے دروازہ کھول دیا۔ زینب کا دل ایک لمحے کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔

''یہ...... یہ سب میرے لیے؟'' وہ دیوانوں کی طرح سوچ رہی تھی ''میں اتنی قیمتی ہوں۔ اتنی نایاب اور مجھے آج علم ہی نہ ہو سکا میں بے قدرے ہاتھوں میں رلتی رہی۔''

وسیع و عریض خواب گاہ کے عین وسط میں بچھے خوب صورت اور قیمتی سفید و سنہری پلنگ کے چاروں جانب جالی کا باریک پردہ تھا۔ پھر بھی زینب اس بستر کے گداز اور حسن کو محسوس کر سکتی تھی۔ آئینوں سے مزین وارڈ روب دیوار کے ایک کونے سے شروع ہوتی تھی تو دوسری دیوار کے آخر تک جاتی تھی۔ سفید و سنہری سنگھار میز پلنگ کے عین سامنے بڑی شان سے ایستادہ تھی اور اس کے آئینے میں پورے کمرے میں لگے آئینوں کا عکس در عکس تھا۔ قیمتی اور نایاب ڈیکوریشن پیسز جا بجا سجے اپنے مالک کے ذوق کی داد وصول کر رہے تھے۔ ہر شے میں سفید اور سنہری رنگ کا حسین امتزاج نظر آتا تھا۔

''میں نے پہلی مرتبہ تمہیں دیکھا زینب! تو خیال آیا، مصر کی ملکہ قلو پطرہ بالکل ایسی ہی ہوگی۔ ایسے ہی جادو اثر حسن کی مالک جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔''

سکندر علی کہہ رہا تھا۔

''اور جب میں نے اس کوٹھی کو دیکھا تو مجھے لگا، میری قلو پطرہ کے لیے اس سے اچھا تحفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا اس کی راجدھانی جہاں وہ روز بج سنور کر میری منتظر ہو...... میں نے یہ کوٹھی تمہارے لیے ہی خریدی ہے۔ یہ میری جانب سے تمہارے لیے شادی کا تحفہ ہوگا۔''

زینب نے ہراساں ہو کر اس کی جانب دیکھا۔ وہ عجیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''یہی چوائس ہے تمہارے آگے...... اس شخص کو چھوڑ کر چلی آؤ میرے پاس، اپنی اس راجدھانی میں ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔''

زینب گم صم کھڑی آئینوں کے عکس در عکس دیکھ رہی تھی۔



وہ گھر پہنچی تو یوں لگ رہا تھا جیسے اپنا دل اسی محل کے کسی گوشے میں چھوڑ آئی ہو۔ عجب احساس زیاں تھا جو اس کے اندر گھر کر رہا تھا۔ غائب دماغی کے ساتھ وہ اپنے کمرے تک پہنچی ہی تھی کہ جمیلہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔ زینب نے اس کے چہرے پر نگاہ ڈالی تو بری طرح سے چونک اٹھی۔ دھواں دھواں چہرہ لیے جمیلہ کچھ بولنے کی کوشش کر رہی تھی، مگر الفاظ اس کے حلق سے برآمد نہ ہو پا رہے تھے۔

''جمیلہ......'' زینب نے حیرانی سے اسے دیکھا ''کیا بات ہے؟''

''وہ جی...... بی بی جی...... وہ...... رملی بی بی آئی تھیں۔''

''ہاں تو پھر؟''

وہ۔ میں کیسے بتاؤں جی۔'' وہ ہاتھ مسلنے لگی۔ اسی لمحے رملی آندھی طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی۔

''زین، کہاں گئی تھیں تم؟'' وہ گھبراہٹ کے عالم میں بولی پھر اس کی جانب سے کسی بھی جواب کا انتظار کیے بغیر وہ مزید بولی تھی۔ ''احسن بھائی کے آفس سے کسی عاشر نامی آدمی کا فون آیا تھا...... تمہارے لیے ایک بری خبر ہے زینب!''

زینب کے دل کو دھچکا سا لگا۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ وہ پلک جھپکائے بنا رملی کو دیکھ رہی تھی۔

''احسن بھائی جس ٹرین سے واپس آ رہے تھے اس میں بم دھماکہ ہوا ہے۔ اسی بوگی میں جس میں احسن بھائی تھے۔'' زینب نے دل تھام لیا۔ اگر جمیلہ اسے آگے بڑھ کر سہارا نہ دیتی تو وہ یقیناً گر جاتی۔

''کل رات کو یہ حادثہ پیش آیا۔ تمام زخمی افراد اسپتال میں ہیں۔ تمہیں فوراً اسپتال جانا ہوگا۔''

''اوہ خدایا!'' زینب نے کانپتے ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔ ''رملی...... میں، میں...... مر جاؤں گی...... یہ کیسی ہولناک خبر سنائی ہے تم نے۔''

''حوصلہ رکھو زین۔'' رملی اس کے قریب چلی آئی اور اس کا سر سہلانے لگی ''احسن بھائی شدید زخمی تو ہوئے ہیں، لیکن زیادہ خطرے کی حالت سے باہر نکل آئے ہیں۔ وہ شخص انہیں دیکھ کر آ رہا تھا۔ میں نے اس سے تفصیلی بات کی ہے لیکن تم وقت ضائع مت کرو...... فوراً اٹھو۔ ہمیں فوراً وہاں پہنچنا ہوگا۔ فون آئے ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے۔ میں دو تین مرتبہ تمہیں دیکھنے آئی لیکن نجانے تم کہاں تھیں؟''

زینب اچھی طرح جانتی تھی کہ رملی تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی تھی۔ وہ جاتے وقت جمیلہ سے یہی کہہ کر گئی تھی کہ وہ رملی کے ساتھ جا رہی ہے۔ رملی کو اچھی طرح سے علم تھا کہ وہ کہاں اور کس کے ساتھ گئی تھی۔ لیکن فی الحال وہ شاید مروت برت رہی تھی۔ ادھر جمیلہ کو بھی علم ہو گیا تھا کہ زینب رملی کے ساتھ نہیں گئی بلکہ اس سے غلط بیانی کر کے گئی ہے۔ لیکن فی الحال وہ ان باتوں پر سوچ کر اپنا وقت ضائع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔

گالوں پر بہتے ہوئے آنسوؤں کو پونچھتی وہ رملی کے ساتھ ہو لی۔ اس کی گاڑی باہر ہی کھڑی تھی۔ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ رملی نے گاڑی شہر کے راستوں پر ڈال دی۔ وہ کافی تیز رفتاری سے گاڑی چلا رہی تھی۔

''احسن خیریت سے ہیں نا رملی......'' زینب نے گلوگیر لہجے میں پوچھا۔

''مل لینا......'' وہ مختصراً بولی تھی۔

''پھر بھی وہ آدمی کیا کہہ رہا تھا؟'' وہ اپنی تسلی چاہ رہی تھی۔

''وہ تو یہی کہتا تھا کہ حالت خطرے سے باہر ہے۔''

اس کا انداز بذات خود کسی خطرے کی علامت تھا۔

زینب کا دل بیٹھنے لگا۔ رملی کا مبہم انداز اسے اندر سے مارے ڈال رہا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا، وہ اسے بھرپور یقین دلا دے کہ احسن بخیریت ہے۔ اسے کچھ نہیں ہوا۔ لیکن وہ نچلا لب دانتوں سے دبائے، خاموشی سے کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

خدا خدا کر کے اسپتال آیا تو زینب جو راستہ ختم ہونے کا شدت سے انتظار کر رہی تھی، عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئی۔

''رملی تم اندر چلی جاؤ!'' کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی ''خدا کی قسم میری ٹانگوں میں کھڑے ہونے کی سکت بھی نہیں ہے۔''

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' وہ سنجیدگی سے بولی ''زندگی سے یہ توقع مت کرو کہ وہ تمہارے لیے اچھے برے، تلخ و شیریں سارے ہی موڑ آتے ہیں اور پھر تم اتنی فکرمند کیوں ہو؟'' وہ نا جانے آگے کیا کہنا چاہتی تھی۔ کچھ سوچ کر خاموش ہو رہی۔

''چلو گاڑی سے اترو!'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتر گئی۔

زینب بمشکل تمام گاڑی سے باہر آئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی اسے پھانسی گھاٹ کی جانب لے چلا ہو۔ کاؤنٹر سے پوچھنے پر علم ہوا کہ حادثے کا شکار ہونے والی ٹرین کے تمام زخمی جنرل وارڈ میں ہیں۔ وہ لوگ جنرل وارڈ میں چلی آئیں۔ وہاں عجب افراتفری کا عالم تھا۔ تڑپتے ہوئے زخمیوں اور روتے ہوئے عزیز و اقربا کو دیکھ کر زینب کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ وہیں فرش پر بیٹھ کر رونے لگی۔ رملی نے پریشان نظروں سے اسے دیکھا پھر وہیں بیٹھا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ وہ احسن کا بیڈ تلاش کر رہی تھی۔

چند لمحوں میں ہی وہ واپس پلٹ آئی تھی۔

''چلو زین! احسن بھائی یہاں نہیں ہیں۔ صبح آپریشن کے بعد انہیں پرائیویٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا ہے!''

''آپریشن؟'' زینب رونا بھول کر اس کی صورت تکنے لگی ''لیکن کیوں؟ کیوں ہوا ہے ان کا آپریشن؟'' رملی نے نظریں چرا لیں۔

اس سے نظر چرا کر پھر وہ وہاں رکی نہیں تھی۔ باہر نکل گئی تھی۔ زینب نے مردہ ہوتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ اس کا پیچھا کیا۔ رملی نے ایک مرتبہ پھر کاؤنٹر کا رخ کیا تھا۔ پھر وہاں سے درست معلومات حاصل کر کے وہ اس کی جانب مڑی۔

''روم نمبر سترہ۔ سیکنڈ فلور! چلیں؟'' اس کی جانب سے کسی بھی جواب کا انتظار کیے بغیر وہ آگے چل پڑی۔

زینب وہیں کھڑی رہ گئی۔ اس کے ذہن میں اتنے سوالیہ نشان بن اور مٹ رہے تھے کہ ذہن مزید کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہ تھا۔ ہر سوچ ان ہی سوالیہ نشانوں کے بیچ چکرا رہی تھی۔

اپنی دھن میں تیزی سے کاریڈور سے نکلتا ایک وارڈ بوائے اس سے ٹکرایا تو وہ حواسوں میں آئی۔ ادھر ادھر دیکھنے پر رملی دکھائی نہ دی۔ وہ شاید زینب کو اپنے پیچھے آتا تصور کر کے لفٹ میں سوار ہو گئی تھی۔

''سنیئے!'' زینب بڑی ہمتوں سے کاؤنٹر پر پہنچی ''سیکنڈ فلور، روم نمبر سترہ میں جس پیشنٹ کا آپریشن ہوا ہے...... انہیں...... انہیں کیا ہوا تھا؟''

کاؤنٹر پر موجود نرس نے چشمے کے پیچھے سے اسے بغور دیکھا۔

''ٹرین ایکسیڈنٹ؟''

''جی!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔

''ان کی دائیں ٹانگ حادثے میں ضائع ہو گئی تھی...... آپریشن سے علیحدہ کی گئی ہے!'' دھڑ دھڑ دھڑام ہاسپٹل کی ساری چھت اچانک اس پر آ گری تھی اور وہ اپنی جگہ سے حرکت بھی نہ کر پائی۔ منجمد نظروں سے وہ اس نرس کو تکے جا رہی تھی جو اب فون کی بیل سن کر دوسری جانب مصروف ہو گئی تھی۔ اس کے ہلتے ہوئے لب زینب کو نظر آ رہے تھے لیکن وہ کیا کہتی تھی، یہ سنائی نہ دیتا تھا۔ اسے محض اپنے اندر اٹھتے طوفانوں کا شور سنائی دیتا تھا۔ پرشور لہروں کی آوازیں تھیں، چیختی چنگھاڑتی ہواؤں کی روح میں سوراخ کرتی سیٹیاں تھیں، بادلوں کی بے رحم گرج تھی، خاکستر کر ڈالنے والی بجلی کی کڑک تھی وہ بڑے شدید طوفان کی لپیٹ میں تھی۔

''زینب...... زینی'' رملی نجانے کہاں تک جا کر واپس پلٹی تھی۔ اس کے قریب کھڑی اس کا بازو ہلا رہی تھی۔

زینب نے پتھرائی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''رملی...... رملی......'' پھر وہ اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔



سفید چادر سینے تک اوڑھے وہ بڑی بے جان سی نظروں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ ان نگاہوں میں نہ کوئی سوال تھا نہ کوئی کہانی۔ نہ کوئی جستجو نہ کوئی پیغام۔ زینب کو ایسا لگا جیسے وہ اس کے آر پار دیکھ رہا تھا۔ وہ زینب کو نہیں، زینب سے پرے کچھ دیکھ رہا تھا۔

''جب سے آئی ہو، یونہی خاموش بیٹھی ہو۔'' رملی نے اسے ٹہوکا دیا تھا ''احسن بھائی سے کوئی بات کرو۔''

زینب نے بہت سے آنسو حلق کے رستے اپنے اندر اتار لیے۔ وہ رملی سے کیا کہتی، اسے کیا بتاتی کہ وہ کچھ کہنے، کچھ بولنے کے قابل نہ تھی۔ آنسوؤں کا ایک سیل رواں تھا جو اس کی آنکھوں سے ٹپکنے کے بجائے اس کے اندر گر رہا تھا۔ اس بہتے آبشار نے اس کی زبان بند کی ہوئی تھی۔ اس کے لفظوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ وہ اگر بولنے کی کوشش بھی کرتی تو اسے پھندا لگ جاتا، اس کا سانس رک جاتا وہ تو بس ٹکر ٹکر بستر پر لیٹے زرد احسن کو تکے جا رہی تھی۔ اس کے ذہن میں تو بس یہ کیا ہو گیا، یہ کیسے ہو گیا، یہ کیوں کر ہوا، جیسے الفاظ کی گردان تھی۔ اس سے آگے سوچ کی پرواز جاتی ہی نہ تھی۔ وہ احسن سے کیا کہتی، کیسے کہتی؟

''میں ذرا گھر پر ایک فون کر کے آتی ہوں۔'' رملیٰ کھڑی ہوئی تھی ''اماں کو چند ہدایات دے دوں۔ وہ کھانا تیار کر لیں گی تو میں جا کر لے آؤں گی۔''

وہ شاید جان بوجھ کر کمرے سے نکل گئی تھی۔ اس کا خیال غالباً یہ تھا کہ وہ دونوں اس کی موجودگی میں ایک دوسرے سے کچھ کہہ سن نہ پا رہے تھے۔ ان دونوں کے وہاں آنے سے قبل احسن کا کوئی دوست وہاں موجود تھا انہیں دیکھ کر وہ بھی باہر نکل گیا تھا۔ اور اب رملیٰ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد ان کے درمیان تیسرا کوئی نہ تھا۔ زینب ایک گہرا سانس بھر کر آنکھیں موند کر لیٹے ہوئے احسن کو دیکھنے لگی پھر اس کی نگاہ اس کے سرہانے کھلی کھڑکی سے باہر کھڑے درختوں کی ٹنڈ منڈ شاخوں سے الجھنے لگی۔ کتنے ہی لمحے یونہی رینگ رینگ کر آگے بڑھ گئے تھے جب احسن کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ اسے پکار رہا تھا۔

''زینو..... زینب!''

''جی..... جی.....'' وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہوئی۔

''ادھر آؤ..... میرے پاس!'' اس کی آواز میں بے تحاشا نقاہت تھی۔

زینب سست روی سے چلتی ہوئی وہاں تک پہنچی تھی۔ احسن نے اپنا کپکپاتا ہوا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا تو اس نے آہستگی سے تھام لیا۔

''زینو'' اس نے تھوک نگل کر اپنے لہجے کی نمی پر قابو پانے کی کوشش کی تھی۔

''جی!'' اس کی آواز رندھ گئی۔ پھر وہ اپنی سسکیوں پر قابو نہ پا سکی تھی۔

وہ بے بسی سے اس کی جانب دیکھتا رہا۔

''پلیز زینب!'' پھر وہ بولا تھا ''میرے شکست خوردہ اعصاب کو مزید اذیت میں مبتلا مت کرو۔ تم روتی رہو گی تو میں..... میں اس ناقابل بیان اذیت سے چھٹکارا حاصل نہ کر پاؤں گا۔ میں تھوڑی سی تسلی چاہتا ہوں زینو! تھوڑا سا حوصلہ میں..... میں اپنے اندر اتنی طاقت نہیں پاتا کہ خود کر حوصلہ دے سکوں، اپنے اعصاب کو تھپک سکوں میری سوچ کا ہر تار اپنی آخری حد تک کھنچا ہوا ہے۔ میرا سانس رک رہا ہے زینب پلیز، پلیز مجھے تسلی دو، میرا حوصلہ بڑھاؤ میرے، اعصاب کو تھپک کر سوچوں کے اس تناؤ کو ختم کر دو پلیز!''

زینب کی سسکیاں مزید تیز ہو گئیں۔ وہ اسے کیا حوصلہ دیتی، اس کی اپنی ہمتیں اس کے اندر دم توڑ رہی تھیں۔ اس کے ذخیرہ الفاظ میں تسلی اور تشفی کے تمام لفظ مٹے ہوئے تھے۔ ذہن میں جا بجا خالی خانے اس کا منہ چڑاتے تھے۔

ایک خوبرو ڈاکٹر دو نرسوں کے ساتھ غالباً راؤنڈ پر اندر آیا تھا۔ زینب خاموشی سے پیچھے ہٹ گئی تو وہ اس کا چیک اپ کرنے لگا۔

''ڈاکٹر'' وہ مدھم آواز میں بولا تھا ''مجھے..... نیند کی اشد ضرورت ہے..... میں کچھ دیر کے لیے دنیا و مافیہا سے غافل ہونا چاہتا ہوں..... پلیز! مجھے کوئی ٹرنکولائزر دیجیے!''

ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھپک کر نرس کو کچھ ہدایات دیں اور کمرے سے نکل گیا۔ نرس اپنی ٹرے سائڈ ٹیبل پر رکھ کر سرنج میں کوئی انجکشن بھرنے لگی۔ پھر اس نے وہ انجکشن احسن کو لگایا اور باہر نکل گئی۔

''یہ اب سوئیں گے۔ انہیں ڈسٹرب مت کیجیے گا!'' اس نے جاتے جاتے زینب سے کہا تھا۔

وہ تو اپنی کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس نے غالباً سنا بھی نہ تھا کہ نرس نے اس سے کیا کہا تھا۔



دو ہفتے بعد اسے ڈسچارج کر دیا گیا تھا۔ رملی ان لوگوں کو اپنی گاڑی میں اسپتال سے لے کر آئی تھی۔ احسن فرنٹ سیٹ پر بیٹھا تھا جب کہ زینب پچھلی سیٹ پر سامان کے ہمراہ بیٹھی ہوئی تھی۔ دیگر سامان کے علاوہ دو بیساکھیاں بھی تھیں جو اس کے گھٹنوں سے لگی ہوئی تھیں۔

رملی اور احسن ہلکی پھلکی گفتگو کر رہے تھے مگر زینب جیسے ان کے بیچ نہ تھی۔ اس کا سارا دھیان ان دو بیساکھیوں کی جانب تھا جو اس سے لگی ہوئی تھیں۔

زینب کو ان سے دوزخ کی تپش نکلتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا بدن لمحہ بہ لمحہ تپتا جا رہا تھا، اس کی روح جھلسنے لگی تھی۔

''ساری عمر کا عذاب؟ ساری عمر کا عذاب؟'' اس کی سوچ چلا رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ احتجاج کر رہی تھی۔ وہ پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔

''زینب..... زین.....! کہاں کھوئی ہو؟'' وہ حواسوں میں آئی تو اسے احساس ہوا کہ رملی نجانے کتنی دیر سے اسے پکار رہی تھی۔

''آں..... کیا بات ہے؟'' وہ بہت چونک کر بولی تھی۔

رملی اور احسن کو اس کی غائب دماغی سے اس کے جذبات کا احساس ہوا۔ وہ دونوں کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر چند لمحوں کے بعد رملی بولی تھی۔

''میں کب سے تمہیں پکار رہی تھی۔ سو گئی تھیں کیا؟''

''نہیں۔'' وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولی ''سو کیسے سکتی ہوں، سولی پر نیند آنا محض محاورہ ٹھہرا ورنہ سولی پر کس کو نیند آتی ہے۔ میں کچھ سوچ رہی تھی۔''

''آج کل تم کچھ زیادہ ہی سوچنے لگی ہو!'' رملی عجیب سے لہجے میں بولی تھی ''خیر یہ بتاؤ گھر پر فروٹ وغیرہ ہیں یا راستے سے لے لیں؟''

''گھر پر؟'' وہ سوچنے لگی۔

''رہنے دو یار فروٹ وغیرہ کو۔'' دفعتاً احسن بولا تھا۔ پھر وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیا۔

''فی الحال جتنے پیسے بچتے ہیں، بچانے چاہئیں کیوں زینب؟''

''تم گاڑی روکو تو میں اتر کر لے لیتی ہوں۔'' زینب نے اس کی مذاق میں کہی گئی تلخ بات کا جواب دینے کے بجائے بڑی سنجیدگی سے رملی سے کہا تھا۔

رملی نے ایک جگہ پھل وغیرہ دیکھ کر گاڑی سائیڈ میں کھڑی کی پھر بنا کچھ کہے دروازہ کھول کر اتر گئی تھی۔

''بہت نائس عورت ہے!'' احسن بولا ''آج کل کے اس مادہ پرست دور میں کون کسی کا اتنا خیال کرتا ہے۔''

زینب خاموش ہو گئی۔ نجانے احسن نے یہ بات کیوں کہی تھی۔ وہ شاید ہر بات کا منفی پہلو دیکھنے کی عادی ہو چکی تھی۔ رملی کچھ دیر میں پلٹ آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں پھلوں کے لفافے تھے جو اس نے پچھلی سیٹ پر رکھ دیے۔

''کتنے پیسے ہوئے رملی؟'' احسن نے شائستگی سے پوچھا تھا۔

''خلوص کی کوئی قیمت نہیں ہوتی احسن صاحب!'' رملی نے مسکرا کر اسے دیکھا ''آپ کے گھر عیادت کے لیے آنا تو تھا ہی..... اور عیادت کے لیے خالی ہاتھ آنا اچھا نہیں لگتا۔''

''بہت پر خلوص خاتون ہیں آپ! میں آپ کے جذبے سے متاثر ہوا ہوں۔'' احسن بولا تھا۔

''ہاں۔'' اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''پر خلوص تو میں ہوں اور اپنی اس کوالٹی پر نازاں بھی ہوں میں اپنے ہر جذبے میں بہت فیر رہتی ہوں..... چاہے وہ جذبہ خلوص کا ہو، محبت کا یا نفرت کا میرا ہر جذبہ بہت پیور ہوتا ہے۔ بناوٹ، تصنع اور جھوٹ سے پاک!''

زینب بری طرح کلس رہی تھی۔ اسے احسن کا رملی کی یوں کھلی تعریف کرنا بہت ناگوار محسوس ہوا تھا۔ دوسری جانب رملی کے الفاظ نے

اسے آگ لگادی تھی۔ اسے احساس تھا رملی نے ساری بات اسے سنانے کے لیے کی تھی۔ وہ رملی کی احسان مند ضرور تھی لیکن اس کی باتوں ہی باتوں میں اصل بات جتا ڈالنے والی عادت اسے زہر لگتی تھی۔

گھر آیا تو رملی اپنی طرف کا دروازہ کھول کر اتری۔

''میں سامان اندر کرتی ہوں زین! تم احسن بھائی کو سہارا دے کر اتارو۔ انہیں اندر لے چلو!'' زینب بیساکھیاں لے کر اتری۔ اس کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا تھا۔ اس نے بمشکل احسن کے اترنے میں اس کی مدد کی پھر اسے بیساکھیاں پکڑائیں۔ احسن کے چہرے پر نا قابل بیان اذیت کے تاثرات رقم تھے پھر بھی وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید اس نے اتنے دنوں میں خود کو حوصلہ دینا، اپنی ہمت آپ بڑھانا سیکھ لیا تھا۔

بیساکھیوں کے سہارے وہ اندر چلا آیا۔ اس کے ہر ہر قدم پر زینب کے دل میں برچھی گڑی تھی۔ بیساکھی کی ٹک ٹک اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ احسن کو بیڈ تک پہنچا کر اس کی بیساکھیاں اس نے سائیڈ میں کھڑی کیں۔

''میں واش روم سے ہو کر آتی ہوں۔'' پھر اس کی جانب دیکھے بنا وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔ وہ بہت دیر تک رونا چاہتی تھی۔



وہ عجیب غائب دماغی کی کیفیت کا شکار تھی۔ دن کس طرح گزر رہے تھے، رات کیسے کٹ جاتی تھی، اسے علم نہ ہو پاتا تھا۔ کسی روبوٹ کی طرح وہ اپنے کام نمٹاتی پھرتی تھی۔ زندگی میں یک لخت ایک بہت بڑے خلا کا احساس پیدا ہو گیا تھا۔ اس خلا سے زہر بھری تلخ، ناامید سوچیں ہر وقت اس پر یلغار کیے رکھتی تھیں۔

طرح طرح کے سوال اس کے ذہن میں ابھرتے تھے جن میں کسی کا جواب اس کے پاس نہ ہوتا تھا۔

سب سے بڑا سوال تھا ''اب کیا ہوگا؟'' وہ جواب نہ پا کر جھنجھلا جاتی۔

اس روز بھی وہ کسی معمولی سی بات پر جمیلہ پر برس پڑی تھی۔ وہ بے چاری سی مسکین عورت تھی۔ سر جھکا کر اس کی ساری بکواس سنتی رہی پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔ زینب بڑبڑاتی ہوئی کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

بستر پر دراز احسن نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔

''کیا بات ہوئی؟'' اس نے پوچھا تھا۔

''کچھ نہیں بات کیا ہونی ہے۔'' وہ قدرے بیزاری سے بولی ''یہ جمیلہ کچھ زیادہ ہی پر پرزے نکالنے لگی ہے۔ اچھا بھلا کام کرتے کرتے بگاڑ دیتی ہے۔ چاولوں میں اس قدر پانی ڈال دیا ہے کہ ان کی لئی سی بن گئی ہے۔ دال میں نمک زیادہ ہے۔ کبابوں کی صورت بگاڑی ہوئی ہے۔ دن بدن نکمی، ہوتی جارہی ہے۔''

احسن نے ایک گہری سانس بھری پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اٹھنے بیٹھنے اور بیساکھیوں کے سہارے کھڑے ہونے میں اسے ابھی حد درجہ دقت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ زینب اسے بیٹھتے ہوئے دیکھتی رہی۔

''زینو'' وہ جو واپس مڑنے کا خیال کر رہی تھی، چونک اٹھی۔

''ادھر آؤ ذرا یہاں بیٹھو!''

اس کے لہجے میں خاص قسم کی سنجیدگی تھی۔

زینب اسے محسوس کرتی ہوئی اس کے پاس آبیٹھی۔

''زینو'' وہ اس سے پرے کہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوچ تھی ''میں چند دنوں سے تم سے کچھ کہنا چاہ رہا تھا۔ تم میری

بات سمجھنے کی کوشش کرنا اور کسی قسم کا کوئی غلط مطلب اخذ نہ کرنا۔''

''ہوں...... '' وہ اس کا چہرہ تکنے لگی'' کہیے!''

''زینب! میری حالت تم دیکھ رہی ہو...... نجانے کب اس قابل ہوتا ہوں کہ روانی سے چلنا پھرنا شروع کروں یا پھر سے جاب پر جانے کے قابل ہوسکوں۔ جمع شدہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تم جانتی ہو...... میرا خیال ہے کہ ہمیں فی الوقت ہر طرح کی بچت کی شدید ترین ضرورت ہے تمہارا کیا خیال ہے؟'' وہ جو اس پر سے نظریں ہٹا کر کچھ سوچنے لگی تھی، چونک اٹھی۔

''جی؟...... جی ہاں۔ میں کوشش کر رہی ہوں کہ بجٹ تھوڑا کم کرسکوں......''

''کیوں نہ ہم کچھ عرصے کے لیے جمیلہ سے معذرت کرلیں؟'' وہ قدرے شرمندگی سے بولا تھا'' یہ سات آٹھ سو جو ہم اسے دیتے ہیں، ہمارے بہت کام آسکتے ہیں۔''

زینب کچھ گم صم سی ہو کر اس کا چہرہ تکنے لگی تھی۔ جمیلہ تو اس کی راسخ عادت بن چکی تھی۔ اس کے بغیر گزارا کرنے کا تصور سوہان روح تھا۔

''لیکن...... لیکن۔'' وہ ہکلائی'' جمیلہ بے چاری کے گھر کا چولہا ہی ان پیسوں سے چلتا ہے اس کے ساتھ زیادتی ہو جائے گی۔''

''مجھے اس کا احساس ہے۔ یہ بے چاری تو بہت معصوم سی عورت ہے، اس کے ساتھ واقعی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ میں عارف صاحب سے کہہ سن کر اسے کہیں کام پر لگوا دوں گا، اس کی تم فکر مت کرو۔ یوں بھی بندوں کا رزق خدا دیتا ہے۔ ہم تم تو وسیلہ ہوتے ہیں، میں تو اصل تمہاری رضامندی چاہ رہا تھا۔ تم پر کام کا بہت بوجھ آپڑے گا تا کرلوگی یہ سب کچھ؟''

وہ بے حد نادم نظر آرہا تھا۔ زینب ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

''جیسی آپ کی مرضی!'' مزید کچھ بھی کہے بنا وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

اس کی اپنی مرضی کیا تھی، یہ اس کا رویہ بزبان خود کہہ گیا تھا۔



فرخندہ آپا، توصیف بھائی اور صوفیہ آئے تھے۔

کمرے کا منظر بیحد جذباتی ہو رہا تھا۔ فرخندہ آپا احسن کو سینے سے لگائے زار و قطار رو رہی تھیں۔ صوفیہ خاموش کھڑی تھی مگر آنسو اس کی آنکھوں سے تواتر سے گر رہے تھے، جنہیں وہ بار بار اپنی سیاہ چادر میں جذب کرلیتی تھی۔ زینب کچھ دیر خود پر ضبط کرتی تھی پھر اس کی سسکیاں لبوں کا قفل توڑ کر نکلیں تو ہچکیوں میں بدل گئیں۔

صوفیہ لپک کر اس تک آئی تھی۔

''زینب...... زینب...... حوصلے سے کام لیں۔''

اس نے اپنی چادر کے پلو سے اس کے آنسو پونچھے'' اگر آپ ہمت ہاریں گی تو ان کا حوصلہ کون بڑھائے گا؟''

''یہ کیسی قیامت ٹوٹ پڑی ہے ہم پر...... خدا ان قاتلوں کو غارت کرے، اپنا عذاب ان پر نازل کرے جو لوگوں کے گھروں میں آگ لگاتے پھرتے ہیں۔''

فرخندہ آپا آنسو پونچھتے ہوئے باآواز بلند بولی تھیں'' میرا گبھرو جوان بھائی...... چلتا تھا تو میں نظر جھکا لیتی تھی کہ کہیں میری ہی نظر نہ لگ جائے۔''

''آپا...... میری آپا!'' احسن نے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے'' اس طرح مت روئیں کہ میں بھی خود پر اختیار کھو دوں۔ اپنا

گھبرو، جوان بھائی بچوں کی طرح روتا بلکتا اچھا لگے گا آپ کو؟'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ لبوں پر لاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

''رو لے میرے بچے۔ جی کا بوجھ تو ہلکا ہوگا نا۔''

انہوں نے اسے پچکارا۔

''نہیں آپا!'' اس نے ایک گہری سانس بھر کر بیڈ کی پشت سے کمر لگائی تھی۔ ''میرے جی پر بوجھ نہیں ہے۔ میرے اندر کوئی بے چینی، اضطراب نہیں۔ ذہن کی سطح پر سوالوں کے بھنور بھی نہیں ہیں۔'' اس نے ایک نگاہ زینب کو دیکھا تھا۔ اس نے نگاہیں چرالیں۔

''میں پرسکون ہوں۔ بس یہ میرا ساتھ دے اور مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' اس کا اشارہ زینب کی جانب تھا۔ زینب اس کی بات پر حیران رہ گئی۔ اسے امید نہیں تھی کہ احسن سب کے سامنے ایسی بات کہے گا۔

''ارے یہ تو تیرے سکھ کی دکھ کی ساتھی ہے۔ ایسے ہی رشتے میں بندھی ہوئی ہے تجھ سے۔ اس ڈور کو تو موت ہی توڑتی ہے۔ ایسی پکی اور مضبوط ڈور۔'' فرخندہ آپا نے اسے تسلی دی پھر پلٹ کر زینب کو دیکھا تھا ''زینب! ادھر آؤ بچی چند دنوں میں کیسی صورت نکل آئی ہے دکھ جوایسا ہے۔'' انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر اسے اپنے قریب بٹھالیا۔

''دیکھو، کیا کہہ رہا ہے یہ۔'' انہوں نے پیار سے اسے دیکھا ''تمہاری جانب سے تجدید وفا چاہتا ہے۔ محبتوں کی یقین دہانی بیٹی، یہی تو انسان کی اصل طاقت ہے۔ اس کے جینے کا سہارا۔ زندہ رہنے کے لیے سانس کی ڈور اتنی ضروری نہیں جتنی کہ پیار محبت کی ڈور یہ آدمی کو زندگی سے باندھے رکھتی ہے۔ ورنہ جیتا جاگتا انسان بھی اندر سے مرجائے تو اسے زندہ تو نہیں کہتے اور احسن بیٹا!'' وہ احسن کی جانب متوجہ ہوئی تھیں۔

''محبتوں پر کامل یقین رکھنا پڑتا ہے۔ اپنے اعتبار کو مضبوط کرنا پڑتا ہے۔ خود پر بھی اعتبار اور محبوب پر بھی اعتماد زندگی سہل ہو جاتی ہے۔ چھوٹی موٹی خامیاں، چھوٹے موٹے خلا تو ہر کسی کی زندگی میں ہوتے ہیں۔ حادثات سب کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ آدمی خود کو اندر سے ختم کر ڈالے۔ جینے کی امید باقی رہنی چاہیے۔''

زینب نے دیکھا۔ صوفیہ بڑی خاموشی سے نظریں جھکائے اپنے ہاتھ کی لکیروں کو کھوج رہی تھی۔

''شادی کے چند برس گزر جانے کے بعد بھی جب ہمارے ہاں اولاد نہ ہوئی تو فرخندہ بیگم بہت پریشان ہوگئی تھیں۔'' توصیف صاحب نے دیوار پر نگاہ جما کر کہنا شروع کیا تھا۔

''لوگ ہمیشہ کمزور پر وار کرتے ہیں۔ مجھ سے کوئی کچھ نہ کہتا لیکن ان سے چپکے چپکے بہت کچھ کہہ دیا جاتا تھا۔ میرے گھر والے، عزیز و اقارب، ملنے جلنے والے ہر ملاقات پر ان سے استفسارات کرتے۔ ان کا دل دکھاتے۔ میری دوسری شادی کروانے کے مشورے دیتے۔ ایسے میں یہ بہت ڈپریسڈ ہوگئی تھیں۔ ذہنی پریشانی کا نتیجہ جسمانی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ بیمار رہنے لگیں۔ ڈر کے مارے مجھ سے کچھ نہ کہتی تھیں۔ ایک دن میں نے قسم دے کر پوچھا تو انہوں نے مجھے یقین دلایا...... بھرپور یقین...... اپنی محبتوں کا، اپنی وفا کا ساری عمر ساتھ نبھانے کا یقین، اس خامی کو نظرانداز کر کے ہمیشہ دوسری خوبیوں کی نگاہ میں رکھنے اور ان کا اعتراف کرتے رہنے کا یقین۔''

''اور مانو میں مرتے مرتے پھر سے زندہ ہوگئی۔'' وہ سب کچھ یاد کر کے فرخندہ آپا کے لب مسکرانے لگے تھے۔

''اور اب تک اسی یقین کے سہارے زندہ ہوں۔ پھر کبھی میں بیمار نہ پڑی، پھر کبھی مجھے کسی ذہنی اذیت سے دوچار نہ ہونا پڑا۔ اولاد کی کمی بہت بڑی حقیقت سہی لیکن توصیف کی بے پناہ محبت نے اس کمی کا احساس اس قدر زائل کر دیا کہ میں دوسروں کے بچوں کو پیار کر کے ہی نہال ہو جایا کرتی تھی۔ پھر احسن مل گیا تو میرے سینے میں مچلتی ممتا کو قرار آگیا۔ بہت دل سے چاہا اسے میں نے۔''

''تو زینب بیٹا!'' توصیف صاحب نے اس کا سر سہلایا ''محبت میں بڑی طاقت ہے اور اظہار محبت اس سے بھی بڑی طاقت۔ انسان مرتے مرتے جی اٹھتا ہے۔ اظہار محبت تو عیسیٰ کا قم ہے بچے!'' زینب نے احسن کی جانب دیکھا۔ وہ مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ زینب کی

نظریں جھک گئیں۔

وہ لوگ رخصت ہوئے تو وہ چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

''ایک بات تو بتائیں!'' ٹرے میں جھوٹے برتن اکٹھے کرتے کرتے اس نے سر اٹھایا تھا ''آپ نے آپا سے یہ کیوں کہا کہ...... کہ......''

غم، غم نہیں بھی نا!'' وہ اطمینان سے بولا۔

''کوئی خوف ہے آپ کو؟'' وہ آہستگی سے پوچھنے لگی۔

احسن گہری سانس بھر کر چھت کو دیکھنے لگا۔

''زینو!'' پھر وہ بولا تھا ''تم نے سنا تھا، توصیف بھائی کا جملہ! محبت بڑی طاقت اور اظہار محبت اس سے بھی بڑی طاقت۔ دل میں محبت ہو تو دوسرے کو بھرپور یقین دلانا پڑتا ہے۔ بس یہی بتانا چاہ رہا تھا تمہیں اور تم اتنی بے وقوف ہو کہ تم سے پہلے میرے دل کی بات فرخندہ آپا اور توصیف بھائی نے سمجھ لی۔''

''محبت کا احساس اہم ہے۔'' وہ محض اتنا بولی۔

''پوٹینشل انرجی جب تک کائنیٹک انرجی میں تبدیل نہ ہو کائنات رواں نہیں ہوتی بے وقوف لڑکی۔'' وہ قدرے شوخی سے بولا تھا۔

زینب برتن لیے کچن میں چلی آئی تھی۔ آج جمیلہ نہیں آئی تھی۔ وہ برتن دھونے لگی۔ برتن دھو کر اس نے دھلے برتن شیلف پر رکھے اور گیلی اسفنج سے کاؤنٹر صاف کرنے لگی۔

''تمہاری زندگی میں کچھ تمہارے شایان شان نہیں۔ ایک چیز بھی نہیں۔'' اچانک ہی اس کے کانوں میں کچھ الفاظ گونجے تھے۔ وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''اس شخص کو چھوڑ کر چلی آؤ۔ میرے پاس اپنی اس راجدھانی میں۔''

زینب کو دل کی دھڑکنوں پر قابو پانا دشوار ہو گیا۔

گیلا اسفنج کاؤنٹر پر پڑا چھوڑ کر وہ کچن سے نکل آئی۔



اس نے رملی سے کہہ کر انوار علی کے آفس فون کروایا تھا۔ آمنہ دوسرے دن ہی چلی آئی تھی۔ وہ زینب کی واحد مونس تھی۔ زینب اس سے لپٹ کر روئی تو آمنہ کو اس سے علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا۔

''بس کرو زینب!'' اس نے زینب کا شانہ تھپکا ''بندوں کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ خدا کی طرف سے ہوتا ہے یہ سب کچھ، ہمت سے، صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔''

''کر تو رہی ہوں صبر۔'' اس نے آنسو پونچھے ''مر نہ جاتی ورنہ۔''

''صبر اور جبر میں، بہت فرق ہے زینو!'' احسن آہستگی سے بولا تھا۔ ''اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کو صبر کے ساتھ تسلیم کرنا سیکھو ورنہ جبر کے ساتھ تو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ صبر کا مطلب ہے انسان پرسکون ہو جائے، اسے خدا سے شکایت رہے نہ اس کے فیصلوں سے۔''

''احسن بھائی بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' آمنہ نے فوراً تائید کی۔ ''یہ حادثہ ان پر گزرا ہے مگر تم سے زیادہ حوصلے اور برداشت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ بالکل نارمل نظر آ رہے ہیں۔ پتا بھی نہیں چل رہا ہے کہ کچھ دن قبل ان کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہے۔''

''زندگی اسی کا نام ہے آمنہ بی بی۔'' احسن اس کی بات سن کر قدرے افسردہ ہو گیا تھا۔ ''ہم روز اخبار میں اس طرح کی خبریں پڑھتے ہیں

لوگوں پر قیامتیں بیت جاتی ہیں اور ہم سطروں پر سے نظریں گزار کر مطمئن انداز میں چائے کی پیالی لبوں سے لگا لیتے ہیں۔ علم تو اس وقت ہوتا ہے جب قیامت اپنے سر پر پڑے۔"

وہ سر بیڈ کی پشت سے ٹکا کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔

"مجھے جب اس بات کا علم ہوا کہ میری ٹانگ ضائع ہوگئی ہے تو لگا کہ اب میں جی نہیں پاؤں گا...... میں سوچتا تھا کہ میں جس ڈپریشن کا شکار ہوں اس کا انجام پاگل پن یا خودکشی کی صورت میں نکلے گا۔ تیسرا کوئی رستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میں نارمل ہوتا گیا۔ میری سوچ میں واضح تبدیلی آتی گئی۔ وجہ جانتی ہیں کیا تھی؟" اس نے ایک نگاہ آمنہ اور زینب پر ڈالی۔

"وجہ وہ اسپتال اور اس کے مختلف کمروں اور وارڈوں کے مریض تھے، وہاں میں نے جانا کہ دکھ درحقیقت کیا ہوتا ہے اور اسے کیسے برداشت کیا جاتا ہے۔ مجھے علم ہوا کہ اس بھری دنیا میں تنہا دکھی نہیں ہوں، میں پہلا اور آخری شخص نہیں ہوں۔ جس کے سر پر قیامت ٹوٹی ہے یا جس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آیا ہے اس دنیا میں تو دکھوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ روتے بلکتے، سسکتے لوگ قدم قدم پر موجود ہیں جو مجھ سے زیادہ دکھی ہیں، جو مجھ سے زیادہ تکلیف میں ہیں۔ میں نے تو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے مجھے اس قدر اچھی حالت میں رکھا ہے...... بس پھر...... اس کے بعد اپنی تکلیف بہت معمولی لگی اپنا غم بہت ہلکا لگا جانتی ہو زینب! اس ٹرین میں ایسی ماں بھی تھی جس کے تین بچے اس حادثے میں جاں بحق ہوگئے اور وہ خود زندہ رہی! ذرا سوچو، اس ماں کا دل کتنے ٹکڑوں میں بٹا ہوا ہوگا کیا زندگی بھر وہ سو پائے گی؟ کیا وہ اس تکلیف دہ منظر کو بھلا سکے گی؟ او گاڈ! ایک ماں کے لیے اس سے زیادہ اذیت ناک بات اور کیا ہو سکتی ہے! پھر بھی وہ زندہ تھی اور اس غم کو سہہ رہی تھی۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہیں احسن بھائی آپ!" آمنہ کی پلکیں نم ہوگئی تھیں۔ "اس دنیا کا ہر ذی روح اپنے اپنے حصے کے دکھ اور خوشیاں لکھوا کر لایا ہے خوشیوں کو پا کر تو سب ہی خوش ہو لیتے ہیں، دکھوں پر صبر کرنا اصل حقیقت ہے۔" احسن نے چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنی پلکوں پر اتر آنے والی نمی کو غیر محسوس طریقے سے چھپایا پھر مسکرا دیا۔

"بہر حال! آپ تشریف لائیں بہت شکریہ! اب ذرا اپنی دوست کو بھی سمجھائیں ذرا سی عقل ادھار دیں یہ تو چہرے پر "میں بہت غم زدہ ہوں۔" کا ٹیگ لگائے پھر رہی ہے۔ عیادت کے لیے آنے والا پہلے اس سے مل لے تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ میرے لیے تعزیت کرے یا عیادت۔" وہ ہنس پڑا تھا۔ زینب نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"اچھا اب اور ڈرامائی بن کر مت دکھاؤ...... میں ویسے بھی بستر علالت پر ہوں......" وہ سہم گیا۔

آمنہ ہنس پڑی تھی۔

"جاؤ...... اپنی دوست کو چائے وائے پلاؤ...... کچھ خاطر کرو۔ کیوں بھی آمنہ! ہمارے دوست نہیں آئے؟"

اس کو دفعتاً انوار علی کا خیال آیا تھا۔

"وہ آفس گئے ہیں نا...... واپسی میں آئیں گے۔"

آمنہ کے لبوں پر ہلکی سی مسکان تھی۔

زینب اسے لے کر باہر چلی آئی۔ احسن کچھ دیر کے لیے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

آمنہ اور زینب کچن میں چلی آئی تھیں۔ زینب اسے اسٹول دے کر چائے کا پانی رکھنے لگی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آمنہ...... اب کیا ہوگا!"

کچھ دیر کے بعد وہ فکرمندی سے بولی تھی۔

"خدا پر بھروسہ رکھو زینب! ایسے کلمات کیوں منہ سے نکالتی ہو؟" آمنہ رسانیت سے بولی۔

"جو بھی ہونا ہے وہ خدا کا لکھا ہوا ہے۔ ہم تم اس فکر میں کیوں گھلتے رہیں۔ اس نے آزمائش لکھی ہوگی تو ہمارے مقدر میں صبر بھی ہوگا اسی کا عطا کردہ۔ مشکل ہوگی تو راستہ بھی بنایا ہوگا اس مشکل سے نکلنے کا۔ تم بے وقوف لڑکی! احسن بھائی ہی سے سبق سیکھو! کتنے پرسکون اور مطمئن ہیں۔"

"وہ مطمئن نہیں ہیں۔" وہ آمنہ کی طرف مڑی۔

"وہ ہرگز مطمئن نہیں ہیں۔ محض دکھانے کے لیے یہ اطمینان کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں۔ انہیں بھی فکریں ستا رہی ہیں۔ کل کے اندیشے ڈرا رہے ہیں۔ جانتی ہو آمنہ! احسن کے کہنے پر میرے خیال میں ہمیں اپنا بجٹ بہت محدود کر لینا چاہیے لیکن بجٹ خواہ کتنا ہی محدود ہو جائے...... انسان جینا تو نہیں چھوڑ دیتا نا، اس کی ضروریات مکمل طور پر تو ختم نہیں ہو جاتیں۔ آخر کو ایک دن ایسا آئے گا اور پھر پھر کیا ہوگا؟"

"کچھ بھی نہیں! کیا ہونا ہے۔" آمنہ سکون سے بولی۔ "احسن بھائی تب تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے انشاء اللہ!"

"بالکل ٹھیک؟" زینب نے اسے یوں گھورا جیسے اس کی دماغی حالت پر اسے شبہ ہوا ہو۔

"ہاں دنیا میں بہت سے لوگ ہوتے ہیں جو اس طرح کی مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ کام کرتے ہیں، ہر طرح کا کام! نوکریاں کرتے ہیں، اپنی زندگی نارمل لوگوں کی طرح گزارتے ہیں۔ تم کیا سوچ بیٹھی ہو؟"

"پتہ نہیں آمنہ!" وہ لبوں کو کاٹنے لگی "میں، میں شاید بہت کم ہمت ہوں۔ مجھ میں مشکلات کا سامنا کرنے کی صلاحیت نہیں۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے، دنیا ختم ہوئی، زندگی بس یہیں تک تھی، اب کوئی امید نہیں، کوئی آسرا نہیں۔"

آمنہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔ اسے زینب سے شاید اتنی کم عقلی کی امید نہ تھی۔

"زینی! وہ عورتیں بھی ہوتی ہیں جن کے شوہر سفر پر جاتے ہیں تو پلٹ کر نہیں آتے۔ جن کے ساتھ بچوں کی ذمہ داری بھی ہوتی ہے...... جو کبھی گھر کے دروازے سے آگے نہیں گئی ہوتیں وہ بھی جیتی ہیں نا! اپنے بچے بھی پالتی ہیں، اصل میں تمہارا ایمان کمزور ہے زینب! تمہیں خدا کی ذات پر کامل بھروسہ نہیں۔" زینب نے چائے اور دیگر اشیاء ٹرے میں رکھیں۔

"اگر ایسا ہے بھی تو میں نے اپنا دکھ خود تو نہیں بنایا؟" وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولی تھی "اچھا...... آؤ باہر چل کر چائے پئیں۔"

آمنہ گہرا سانس لے کر کھڑی ہوئی تھی۔



جمیلہ کے چلے جانے سے زندگی بے پناہ مصروف ہوگئی تھی۔ سارا دن اس کے کام ختم ہونے میں نہیں آتے تھے۔

ایک کام سے نکلتی تو دوسرا اس کا منتظر ہوتا۔ پھر احسن ابھی بیڈ پر تھا۔ اس کے زیادہ تر کام بستر پر ہی سرانجام پاتے تھے۔ زینب چند دنوں ہی میں گھبرا گئی۔ سویرے اٹھ جانا، احسن کی اٹھنے میں اس کی مدد کرنا، اسے باتھ روم تک لے جانا، پھر اس کا ناشتہ بنانا، اس کی شیونگ کا سامان اس کے آگے سیٹ کرنا، پھر اٹھانا اس کے کپڑے وغیرہ تبدیل کروانا، میلے کپڑے دھونا ان کاموں میں ہی اس کا آدھا دن نکل جاتا کچن یونہی پھیلا ہوا ہوتا۔ ہانڈی روٹی کرتے کرتے اسے چار بج جاتے۔ وہ تھک کر چور ہو جایا کرتی تھی۔

وہ بھی ایسا ہی ایک دن تھا۔ اس نے سبزی والے سے مٹر لیے تھے اور اب تین بجے بیٹھ کر مٹر چھیل رہی تھی۔ ساتھ ہی اپنی عقل کو کوستی جاتی تھی۔

"ضرورت کیا تھی مجھے یہ منحوس سبزی لینے کی۔" وہ پھلیوں کے چھلکے بھنا بھنا کر ادھر ادھر پھینک رہی تھی۔ "کوئی اور چیز لے لیتی۔ لیکن کیا لیتی ہر چیز مہنگی، آگ لگی ہوئی لوگ پتا نہیں کیسے کم پیسوں میں گزارا کرتے ہیں۔" ڈور بیل بجی تو وہ گھڑی پر نگاہ ڈال کر بھناتی ہوئی دروازے تک آئی۔ لاک کھول کر اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔ پھر اس پر منوں اوس پڑ گئی۔

باہر رملی اور میر سکندر علی کھڑے تھے۔ ان کے کپڑوں سے اٹھتی پرفیومز کی مسحور کن مہک وہ اتنی دور سے بھی محسوس کر سکتی تھی۔ سکندر علی تو سدا کا خوش لباس آدمی تھا، آج رملی بھی بڑی نفاست سے تیار ہو کر آئی تھی۔

''اندر آنے کو نہیں کہو گی۔'' رملی نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

وہ کسی روبوٹ کی طرح ایک طرف کو ہو گئی۔ وہ دونوں اندر چلے آئے تھے۔ بے ڈھنگے انداز میں پھیلا ہوا گھر، گندا کچن اور سب سے بڑھ کر وہ خود تھی، گندے، میلے لباس میں ملبوس، بالوں کو جوڑے کے انداز میں سر پر لپیٹے ہوئے۔

زینب کو یاد نہ تھا کہ اسے زندگی میں کبھی اتنی شرمندگی ہوئی تھی، جتنی آج ان دونوں سے محسوس ہو رہی تھی۔ رملی تو اس کے ہر روپ کی عادی تھی لیکن میر سکندر علی! زینب کو اپنے کانوں کی لوویں تک سرخ ہوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ وہ جو اسے کسی دیوی کی طرح پوجتا تھا..... قلوپطرہ کہتا تھا اپنی قلوپطرہ کا یہ روپ دیکھ کر اس نے نجانے کیا سوچا ہوگا۔

''ہم لوگ احسن بھائی سے ملنے آئے ہیں۔'' اسے بالکل خاموش دیکھ کر رملی بولی تھی۔ ''سکندر کو آج میں نے اس سانحے کے متعلق بتایا تو یہ ضد کر کے چلے آئے..... تمہارے ہسبینڈ سے ملنے۔''

میر سکندر علی ادھر اُدھر نہیں دیکھ رہا تھا۔ بس ہلکے ہلکے مسکرا رہا تھا۔ زینب سے نظر ملی تو چونک اٹھا۔

''آئی ایم ویری سوری زینب خاتون! مجھے یہ سب جان کر افسوس ہوا ہے۔ کہاں ہیں آپ کے ہسبینڈ؟'' زینب گہرا سانس لے کر انہیں احسن کے کمرے تک لے آئی تھی۔ احسن بھی بیل کی آواز سے جاگ چکا تھا۔ زینب نے کمرے کی لائٹ جلائی تو بازو آنکھوں پر سے ہٹا کر دیکھنے لگا۔

''احسن..... رملی اور اس کے بھائی آئے ہیں آپ سے ملنے۔'' اس نے اندر آ کر اسے بیٹھنے میں مدد دی۔ میر سکندر علی نے احسن سے مصافحہ کیا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

''افسوس ہوا..... آپ کے اس حادثے کے بارے میں جان کر۔'' وہ رسماً بولا تھا۔

پھر اپنا سگار نکال کر سلگانے لگا۔ زینب نے احسن کے ناگوار تاثرات کا معائنہ کیا پھر سر جھکا کر کمرے سے نکل گئی۔

کچھ دیر وہ وہیں دروازے کے پاس رکی تھی پھر کچن میں چلی آئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر وہ کچن صاف کرنے لگی اندر جا کر بیٹھنے کے خیال سے اسے ہول آ رہے تھے۔ نجانے کھلی کھلی، صاف گفتگو کرنے والا میر سکندر علی احسن سے کیا باتیں کر رہا تھا اور احسن جس کے چہرے کا ہر نقش ناگواری کا واضح اظہار کر رہا تھا..... اسے کیا جواب دے رہا تھا اور رملی! جو آج کل طنز سے بھری، معنی خیز گفتگو کرنے لگی تھی کیا کیا اشارے دے رہی تھی۔

اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرے کا پسینہ صاف کیا۔ رہ رہ کر اسے رملی پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر اسے ضرورت کیا تھی سکندر علی کو یہاں لے کر آنے کی۔ وہ سب کچھ جانتی تھی، سب کچھ پھر احسن اور سکندر کی یہ ملاقات کروانے کا آخر کیا جواز تھا۔

''کیا بات ہے کچھ ڈپریس ہو؟'' وہ چونک اٹھی تھی۔ رملی کچن کے دروازے پر کھڑی تھی۔ مسکراتی ہوئی اندر چلی آئی۔

''ہم نے تمہیں پریشان کر دیا شاید؟''

''نہیں پریشانی کیسی؟'' زینب جان بوجھ کر پرسکون لہجے میں بولی ''احسن کی عیادت کے لیے تو دن رات کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔ اب تو میں عادی ہو گئی ہوں۔''

''سکندر ہی نے ضد کی ورنہ میں تو۔''

''رہنے دو!'' زینب نے اس کی بات کاٹ دی ''میں نے کہا نا میں عادی ہوں۔'' رملی نے بغور اسے دیکھا۔

پھر کاندھے اچکا کر رہ گئی۔

زینب کپوں میں چائے نکال رہی تھی جب سکندر علی اٹھ کر چلا آیا۔

''ویل..... اب ہمیں چلنا چاہیے..... رملی؟''

''چلو!'' وہ فوراً بولی زینب نے پریشان نظروں سے اسے دیکھا۔ آخر وہ اتنی جلدی کیوں اٹھ گیا تھا۔ ان دونوں کے درمیان ایسی ویسی کوئی بات تو نہیں ہوگئی تھی۔ اسے وہم ستانے لگے۔

''بیٹھیں، میں نے چائے بنائی ہے۔ پی کر جائیں۔'' وہ کچن کے دروازے تک چلی آئی۔

''آپ کے گھر آنا ہی ہمارے لیے اعزاز ہے زینب خاتون!'' وہ مسکرا دیا'' چائے کی خاص ضرورت نہیں۔''

''پھر بھی.....'' وہ دبا دبا سا اصرار ہی کر پائی۔

''پھر سہی۔'' رملی بولی تھی'' اچھا میں ذرا احسن بھائی سے دعا سلام کرلوں۔'' وہ کھٹ کھٹ کرتی کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ زینب نے سکندر علی کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ طمانیت سے بھرپور مسکراہٹ۔

''پھر کوئی فیصلہ کیا؟'' وہ پوچھ رہا تھا۔

''جی..... جی؟'' اپنے گھر میں ہی اس سوال پر ہراساں ہوگئی۔

''میرا خیال ہے فیصلے مزید آسان ہوگئے ہیں تمہارا کیا خیال ہے؟'' زینب تھوک نگل کر خاموش ہو رہی۔

''جلد آجاؤ میں منتظر ہوں اور بہت سی خوشیاں۔''

رملی لوٹ آئی تھی۔

''چلیں۔'' سکندر علی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

اس نے محض سر ہلایا تھا۔



احسن کا موڈ کچھ خراب ہو گیا۔ زینب نے کمرے میں تین چار چکر کاٹے مگر وہ خاموشی سے ٹی وی دیکھتا رہا۔ کچھ دنوں پہلے ہی زینب نے ٹی وی کمرے میں سیٹ کر دیا تھا کہ وہ سارا دن کام میں مصروف رہتی تو احسن بور ہوتا رہتا۔ اب وہ ٹی وی لگا کر بیٹھا رہتا تھا۔

وہ سیب کاٹ کر لائی تو وہ بے تاثر چہرہ لیے ٹی وی اسکرین کو گھور رہا تھا۔

''یہ شخص کیوں آیا تھا؟'' وہ اچانک پوچھ بیٹھا۔

زینب حیران رہ گئی۔ پھر خود پر قابو پا کر بولی تھی۔

''آپ کی عیادت کے لیے اور بھلا اس کی آمد کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟''

''عیادت!'' وہ ہنس دیا'' اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک اس قدر گہری تھی زینب کہ اب تک مجھے اپنے جسم پر چبھتی محسوس ہو رہی ہے۔''

زینب کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ وہ اس بات کی تردید نہ کر سکتی تھی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی۔

''تم نے انھیں اندر لا کر حماقت کی۔ باہر سے ہی ٹال دیتیں، بہانا کر دیتیں کوئی۔'' احسن کو جیسے کوئی چبھن سی تھی۔

زینب کو احساس ہوا کہ وہ اس سے ناراض نہ تھا بلکہ اسے میر سکندر علی کے انداز نے دکھ پہنچایا تھا۔ ان نظروں میں فتح اور سرشاری کا جو عجیب سا انداز ہلکورے لے رہا تھا، اس سے احسن کے احساسات کو ٹھیس پہنچی تھی۔

''دراصل وہ رملی کے ساتھ آیا تھا اس لیے میں منع نہیں کر سکی۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔

''تم نے رملی کا لاکٹ واپس کر دیا؟'' احسن نے اچانک پوچھا۔ وہ گڑبڑا کر رہ گئی۔ اس موقع پر اچانک پوچھے جانے والے اس سوال کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آیا تھا۔ وہ لاکٹ اب تک اس کے پاس موجود تھا۔ یہ درست تھا کہ اس نے کتنی بار اسے لوٹانے کا قصد کیا تھا لیکن ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ ایسی بات ہو جاتی تھی کہ وہ لاکٹ اس کے پاس ہی رہ جاتا تھا۔

''نہیں کیا؟'' اسے سوچ میں گم دیکھ کر احسن نے آہستگی سے پوچھا۔

''جی؟'' وہ چونکی ''نہیں ہاں کر دیا۔''

نجانے کیوں احسن کے لبوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ آ گئی تھی۔

''زینو۔'' کچھ دیر کے بعد وہ بولا تھا ''ہمارے لیے مشکل دور شروع ہوا ہے۔ نجانے تم ان مشکلات کو فیس کر پاؤ گی یا نہیں، تم بہت کمزور ہو۔''

زینب خاموش بیٹھی رہی۔

''میری تمام توقعات تم سے وابستہ ہیں۔ زندگی میں اب بس تم ہی تم ہو...... اور کچھ نہیں۔ پہلے بھی ایسا ہی تھا مگر اب اس حقیقت میں شدت آ گئی ہے۔ کبھی کبھی میں اس حقیقت پر غور کروں تو خوف زدہ ہو جاتا ہوں۔ مجھے کبھی کبھی اعتبار دلایا کرو اپنا، اپنی محبت کا۔''

اس نے زینب کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ وہ بے بسی سے سر جھکائے بیٹھی رہی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو میر سکندر علی نے کہا تھا۔

''فیصلے مزید آسان ہو گئے ہیں۔''

''جلد آ جاؤ...... میں منتظر اور بہت سی خوشیاں۔''

وہ اسے جواباً کچھ بھی نہ بول پائی تھی اور اب احسن ایاز اس سے محبتوں کا اعتبار مانگ رہا تھا۔



عاشر حسین آیا تھا۔ وہ احسن کا بہت اچھا دوست تھا۔ غالباً سب سے اچھا۔ شادی کے بعد ان لوگوں کی سب سے پہلی دعوت بھی اسی نے کی تھی۔ مل میں وہ احسن کے ساتھ ہی ہوتا تھا۔ زینب سے بھی اس کی اچھی دعا سلام تھی احسن اسپتال میں تھا تو اس شخص نے اس کی بہت خدمت کی تھی۔

بہت ساتھ دیا تھا ان لوگوں کا۔

زینب نے احسن کے کمرے تک اس کی رہنمائی کی پھر چائے وغیرہ بنانے کے لیے کچن میں چلی آئی۔ اسے عاشر کا انداز قدرے عجیب محسوس ہوا تھا۔ افسردہ افسردہ سا، شرمندہ شرمندہ سا۔

وہ چائے بنا کر کمرے میں آئی تو وہ دونوں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ احسن کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ زینب نے چائے میز پر رکھی تو احسن نے وہ لفافہ اس کی جانب بڑھا دیا۔

''یہ سنبھال کر رکھ دو۔ الماری میں۔''

''کیا ہے اس میں؟'' زینب نے اسے تھام لیا۔

''پیسے ہیں۔''

زینب نے یونہی ذرا سا کھول کر دیکھا۔ اس میں ہزار ہزار کے کئی نوٹ تھے۔ وہ خوش ہو گئی۔

''یہ ہمارے پیسے ہیں احسن؟'' احسن نے ایک نگاہ اس کے چہرے پر ڈالی پھر افسردگی سے مسکرا دیا۔

''ہمارے ہی ہیں۔ مل والوں نے دو ماہ کی تنخواہ اور دیگر واجبات بھجوائے ہیں۔''

احسن نے بے بسی سے عاشر کو دیکھا تھا۔ جیسے اپنی بیوی کی کم عقلی پر متاسف ہو۔

''بھائی! نجانے کیوں آپ لوگوں کو بری خبر سنانے کی ذمہ داری میرے کندھوں پر آ گئی ہے۔'' عاشر شرمندگی سے بولا تھا۔ ''احسن کی جگہ جنرل منیجر نے نیا بندہ رکھ لیا ہے۔ احسن کے جو واجبات مل کی طرف نکلتے ہیں، یہ وہ رقم ہے۔''

''اوہ!'' اس کی ساری کی ساری خوشی غارت ہو گئی۔

تو گویا وہ اس کے ملازمت سے فارغ کیے جانے کی خبر لے کر آیا تھا۔ وہ رقم نجانے کتنی تھی، لیکن جس قدر بھی تھی، ایک طویل عرصے کے لیے انہیں ان ہی پیسوں میں گزارا کرنا تھا۔

ایک گہری سانس بھر کر وہ الماری تک آئی تھی۔

چند لمحوں قبل اسے جو لفافہ پھولا پھولا اور بھاری محسوس ہوا تھا، اب ایک دم ہلکا ہو گیا تھا۔ اس میں موجود رقم بے حد قلیل معلوم ہوتی تھی۔

لفافہ الماری میں رکھ کر وہ بے دلی سے باہر آ گئی۔ وہ دونوں مل کی پالیسیوں پر بحث کر رہے تھے۔ زینب کو ان باتوں سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اس کے دماغ میں چکراتے رہنے کے لیے یہ بری خبر ہی کافی تھی۔

عاشر چلا گیا تو وہ چائے کے جھوٹے برتن کچن میں رکھ کر کمرے میں آئی۔ احسن دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کر کچھ سوچ رہا تھا۔

''آپ کے مل والے تو انتہائی خود غرض اور احسان فراموش ہیں۔'' وہ قدرے غصے سے بولی تھی ''آخر کو آپ مل ہی کے کام سے گئے تھے نا۔ انہیں اس بات کا احساس کرنا چاہیے تھا۔ لے کر ملازمت سے ہی فارغ کر دیا۔''

''ہر کوئی اپنا فائدہ، اپنی آسانی دیکھتا ہے زینب!'' وہ ہولے سے مسکرا دیا ''میرا کام ہی ہر وقت بھاگ دوڑ کرنے والا تھا۔ اب ظاہر ہے، میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ پھر یہ کہ زخم وغیرہ ٹھیک ہونے میں نجانے کتنا عرصہ لگ جائے۔ اتنے عرصے تک وہ میرا انتظار تو نہیں کریں گے نا! انہیں تو اپنا کام کروانا ہے۔ خواہ میں کروں خواہ کوئی اور۔''

''اب کیا ہو گا۔؟'' وہ فکرمندی سے بولی ''یہ قلیل رقم بھلا کب تک ہمارا ساتھ دے گی۔''

''اللہ مالک ہے، تم پریشان کیوں ہوتی ہو۔ میرے زخم ٹھیک ہو جائیں تو میں کوئی جاب ڈھونڈوں گا۔ بیٹھ کر تو میں اب بھی سارا دن کام کر سکتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے، میرے ہاتھ، میری آنکھیں، میرا دماغ سلامت ہے۔''

زینب کو احساس ہوا کہ وہ اس کی باتوں کو مائنڈ کر رہا تھا۔ زینب کی پریشانی اسے احساس جرم میں مبتلا کر رہی تھی۔

''آج کل نوکری ملنا کون سی آسان بات ہے۔'' وہ پھر بھی کہہ گئی تھی ''مہینوں خوار ہونا پڑتا ہے۔''

پھر؟'' وہ زچ ہو گیا تھا ''کیا کروں پھر؟ میں نے جان بوجھ کر اپنے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہے میں ذمہ دار ہوں ان ساری باتوں کا؟''

''میں نے یہ کب کہا؟'' وہ گھبرا گئی ''میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ میں اگر پریشان ہوں تو بے وجہ نہیں ہوں۔''

''پریشان مجھے ہونا چاہیے۔ میں ابھی زندہ ہوں پریشان ہونے کے لیے۔'' وہ تیز آواز میں بولا ''تم فکر مت کرو۔ بھیک بھی مانگنا پڑی تو تمہیں بھوکا نہیں ماروں گا۔''

''اوہ احسن!'' وہ کپکپاتے لبوں سے بولی پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رو دی۔ احسن ہولے ہولے اپنی پیشانی پر کے مارنے لگا۔

''تم.....تم کیا کسی کا حوصلہ بڑھاؤ گی۔'' وہ بڑبڑانے لگا تھا ''تم کیا شیئر کرو گی کسی کی فکر کو۔ تم سے تو یہ توقع ہی عبث ہے۔''

زینب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی سسکیاں بلند تر ہو گئیں۔

''زینب پلیز! مجھے تنگ مت کرو۔'' وہ تنگ کر بولا تھا ''ایسے ہی ماتم کرنا ہے تو باہر چلی جاؤ۔''

وہ اٹھ کر بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی تھی۔



دن اداسیوں سے اتنے بوجھل ہوئے تھے کہ زینب کا سانس رکنے لگا تھا۔ بہت دنوں کے بعد وہ رملی کی طرف آنکلی۔ رملی اکیلی بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔

ڈرائی فروٹ سے بھری ٹرے اس نے نزدیک رکھی ہوئی تھی زینب کو دیکھ کر مسکرا دی۔

''زہے نصیب! آؤ ادھر ہی آجاؤ۔'' زینب اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''تم اس طرح اکیلے کیسے رہ لیتی ہو رملی؟ میرا تو دو دنوں میں جی الجھنے لگتا ہے۔''

''بندے کے اندر ہی تنہائی آبسی ہو تو اسے باہر کی زیادہ پرواہ نہیں رہتی۔'' وہ قدرے بے فکری سے بولی۔ ''لو ڈرائی فروٹ کھاؤ۔''

''نہیں شکریہ!'' اس نے اداسی سے سر ہلا دیا ''میرا فی الوقت کچھ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔''

''احسن بھائی کیسے ہیں؟'' اس نے بھی ہاتھ جھاڑ کر ٹرے ایک طرف سرکا دی۔

''اب طبیعت بہت بہتر ہے۔ کچھ چڑچڑا پن آ گیا ہے مزاج میں.....'' وہ پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

''ہاں یہ تو خیر ایک نیچرل بات ہے، ایک وقتی اثر ہے حالات کا، نارمل ہو جائیں گے۔ میں بھی کبھی کبھی بہت چڑچڑی ہو جاتی ہوں تم نے فیل کیا ہو گا۔''

''ان کی جاب بھی چھوٹ گئی ہے نا۔'' زینب آج بے حد افسردہ تھی ''اس کی بھی ٹینشن ہے۔''

''اماں.....چائے تو لے آئیں۔'' رملی نے پکار کر کہا پھر اس کی جانب متوجہ ہو گئی ''ایک بات کہوں زینب۔''

''ہاں کہو۔ باتیں کرنے ہی تو آئی ہوں۔ دل بہت اداس ہو رہا تھا!''

''احسن بھائی کے لیے یہ بے حد کڑا وقت ہے۔ بہت تکلیف دہ۔ بہت اذیت ناک۔ یوں سمجھ لو، وہ ایک ایسے بھنور میں پھنسے ہوئے ہیں جہاں سے خود نکلنا ان کے لیے بہت مشکل ہے۔ انہیں کسی کی مدد درکار ہے اور وہ ''کسی'' تمہارے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔''

''بھنور؟'' زینب نے اسے دیکھا۔

''ہاں سوچوں کا بھنور...... یہ بھنور بہت خطرناک ہوتا ہے۔ اچھے بھلے بندے کو پاگل بنا دیتا ہے۔ ایسے میں کسی سچے ہمدرد کی، کسی چاہنے والے ساتھی کی، کسی بے لوث غمگسار کی شدت سے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اس وقت بھنور کی زد میں ہیں۔''

''میں نے تو ایسا کچھ محسوس نہیں کیا۔'' وہ حیرانی سے بولی۔

''شاید اس لیے کہ تمہارے احساسات آج کل آدھے آدھے بٹے ہوئے ہیں۔'' اس نے زینب کی آنکھوں میں جھانکا تھا زینب کی نگاہیں جھک گئیں۔

''میں بہت تجربہ کار عورت ہوں زین۔'' رملی صوفے کی پشت سے سر اور میز کے کنارے پر ایڑی ٹکا کر اطمینان سے نیم دراز ہوگئی۔ ''ہر طرح کے حالات سے گزری ہوئی ہر طرح کی سچویشن فیس کی ہوئی ہے میں نے، دھوکے بھی کھائے ہیں لیکن ان سے تجربوں کو پختگی ملی ہے، میں تمھیں ایک بالکل سیدھا، سچا مشورہ دینا چاہتی ہوں۔ ایک سچے ہمدرد کی حیثیت سے۔''

زینب منہ کھولے اسے دیکھتی رہی۔

''تم خوش قسمت ہو جو تمہیں احسن جیسا جیون ساتھی ملا ہے۔ اس کی قدر کرو اور اپنے دل کی دنیا میں اسے بسا کر باہر، نو چانس، کا سائن بورڈ لگا دو۔ تم بہت حسین ہو بہت زیادہ حسین اتنی کہ تمہیں دیکھ کر عورتوں کا دل بے ایمان ہونے لگتا ہے۔ مرد تو پھر مرد ہیں لیکن زین! اپنے تجربوں سے میں نے یہی سیکھا ہے۔ کہ حسن ہمیشہ پارسائی کا محتاج رہتا ہے۔ پارسائی نہیں تو حسن نہیں۔ محض بدصورتی...... داغ داغ چہرہ اپنی زندگی پر خدا کا شکر ادا کرو زینب اور اپنا بسا بسایا گھر بسا ہی رہنے دو۔''

زینب چند لمحے سر جھکا کر بیٹھی رہی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ رملی اسے کیا باور کرانا چاہ رہی تھی۔

اماں چائے لے آئی تو ان دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی در آئی۔ چائے کا کپ لے کر رملی سیدھی ہو بیٹھیں۔

''میری تنہائی تمہیں کوفت میں مبتلا کر دیتی ہے نازین۔'' پھر وہ بولی تھی۔ ''اسی لیے میں تمہیں خوش قسمت کہتی ہوں کہ تمہارا ''اندر'' آباد ہے۔ تمہیں تمہارے شوہر کی بھرپور توجہ، محبت اور اعتبار حاصل ہے۔ اسے اپنی زندگی کا حاصل سمجھو۔ چاند تاروں کی تمنا مت کرو۔ ان سے کسی کی جھولی نہیں بھرتی۔ ہاں دل میں سوراخ ہوتے جاتے ہیں۔'' زینب نے چند گھونٹوں میں چائے ختم کر کے پیالی میز پر رکھ دی تھی۔ ایسی سنجیدہ معنی خیز باتیں اسے ہمیشہ ہی کوفت میں مبتلا کرتی تھیں۔

''میں چلوں گی اب'' وہ کھڑی ہوگئی۔

''اچھا!'' رملی نے گہرا سانس بھرا اور خود بھی پیالی رکھ کر کھڑی ہوگئی۔

آج خلاف معمول وہ اسے چھوڑنے دروازے تک آئی تھی۔

''احسن کو میری طرف سے پوچھنا بہت اچھے انسان ہیں وہ۔''

''ہاں ضرور۔'' زینب رسما بولی۔

''اور...... اور...... انہیں اس بھنور سے نکالنے میں ان کی مدد کرنا جو میں نے محسوس کر لیا نجانے تم کیوں نہ کر سکیں......'' آخر میں وہ لبوں میں ہی بڑبڑائی تھی۔

زینب تیز رفتار قدموں سے گھر کی سمت چل دی تھی۔



دوسری صبح اس کی آنکھ کھلی تو وہ حیران رہ گئی۔ احسن اپنی جگہ پر نہ تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھی تھی۔

''احسن......احسن۔'' وہ آوازیں دیتی ہوئی باہر آئی تو دیکھا۔ وہ کچن میں تھا ایک بازو کے نیچے بیساکھی دبائے دوسرے ہاتھ سے چائے کا پانی رکھ رہا تھا۔

زینب نے جلدی سے برتن اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''یہ آپ کیا کر رہے ہیں اور آپ نے مجھے جگایا کیوں نہیں؟''

''کیا ہو گیا ایسا؟'' وہ پرسکون انداز میں بولا۔''چائے ہی بنا رہا ہوں، کوئی پہاڑ تو نہیں کھود رہا۔ تم گہری نیند میں تھیں۔ دو تین مرتبہ آواز دی لیکن تمہاری آنکھ نہیں کھلی۔ میں نے سوچا، تمہیں ڈسٹرب نہ کروں۔''

''لیکن اتنی صبح کیوں اٹھ گئے آپ؟ منہ بھی دھو چکے ہیں؟ میری مدد کے بغیر ہی؟'' وہ حیران تھی۔ وہ متانت سے مسکرا دیا۔

''زینو! ساری عمر تم پر بوجھ بنا رہوں گا کیا؟ میں اب ٹھیک ہوں۔ اپنے کام خود کر سکتا ہوں اور مجھے عادت ہونی چاہیے۔ لوگ تو ہاتھوں سے محروم ہوتے ہوئے اپنے کام سرانجام دے سکتے ہیں، میں تو پھر ایک ٹانگ سے ہی محروم ہوا ہوں۔''

زینب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''اچھا آپ بیٹھیں۔'' اس نے رخ موڑ لیا۔''باہر جائیں میں چائے لا رہی ہوں۔''

''میں چائے پی کر ذرا کام سے جاؤں گا۔''

''ہائیں۔'' وہ چونک اٹھی۔''لیکن کہاں۔''

''ایک دوست کے پاس جاب کی بات کرنی ہے۔''

''لیکن کیسے جائیں گے؟'' وہ حیران تھی۔''موٹر سائیکل پر کیسے بیٹھیں گے؟''

''ٹیکسی سے جاؤں گا۔'' وہ آہستگی سے کہہ کر باہر نکل گیا۔

زینب کو احساس ہوا، اس کے سوالات احسن کی دل شکنی کا باعث بن جاتے تھے۔ اسے اپنے رویے کا احساس ہوا لیکن وہ بے ساختگی میں ایسی باتیں کر جاتی تھی۔ وہ سر جھٹک کر چائے بنانے لگی تھی۔

احسن ناشتہ کر کے اپنی بیساکھی سنبھالنے لگا۔ زینب ایک ٹک اسے دیکھنے لگی۔ کس قدر بے چارگی تھی۔ اس کے انداز میں وہ کتنا ادھورا معلوم ہو رہا تھا۔

''اچھا زینو میں ذرا دیر سے آؤں گا۔'' وہ جا رہا تھا۔

زینب جواب میں کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ بیساکھی کی ٹک ٹک اس کے دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

''کیا رہ پاؤں گی ساری عمر ایک ادھورے انسان کے ساتھ۔''

وہ سانس روکے سوچ رہی تھی۔

''ایک بہترین آپشن ہوتے ہوئے بھی......''



سوچنے کے لیے اس کے پاس بہت کچھ تھا لیکن دماغ کچھ سوچنے پر آمادہ ہی نہ ہوتا تھا۔ ایک سناٹا سا اس کے اندر گھر کر رہا تھا۔ وہ اس سناٹے سے خوفزدہ تھی۔

دن بھر یونہی خالی الذہنی کے عالم میں گزرا۔ زندگی بھر کے فیصلوں کی ڈور ہاتھ میں تھامے وہ بے حس وحرکت بیٹھی رہی تھی۔ کس ڈور کو ہلانا تھا، کس کو پکڑنا کس کو چھوڑنا تھا، وہ قطعی طور پر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ ہاں، اس قدر طے تھا کہ حالات کے جس حصے سے وہ گزر رہی تھی، وہ بے حد تکلیف دہ تھا۔ آنے والا وقت اسے ایک تندو تیز سیلابی ریلے کی مانند اپنی جانب بڑھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور اپنا وجود کسی تنکے کی مانند حقیر!

زندگی کے لیے بہت خواب بنے تھے اس نے! رات رات بھر جاگ کر اپنے لیے سپنوں کے سندر محل تعمیر کیے تھے۔ وہ سپنے اور ان میں چمکتے وہ محل اس کے لیے بہت قیمتی تھے۔ لیکن نجانے کیا ہوا تھا۔ اس سے فیصلہ کرنے میں غلطی ہوئی تھی یا تقدیر کو ہی اس سے کچھ بیر تھا۔ کچھ بھی تھا لیکن سپنے روٹھ رہے تھے۔ ایک ایک کر کے تمناؤں کے محل زمیں بوس ہوئے جاتے تھے۔ من آنگن سونا، ہوا جاتا تھا اور یہ سونا پن اس کے لیے سوہان روح تھا۔ ایسی روتی، سسکتی، بلکتی زندگی جینے سے حاصل بھی کیا تھا۔ اس سے تو بہتر بندہ قبر میں جا کر سکون سے لیٹے۔

وہ کافی دیر کے بعد لوٹا تھا۔ زینب کے گم صم انداز اسے چونکا گئے تھے۔

''خیریت؟'' پانی کا گلاس تھامنے کے بعد وہ اس کا چہرہ تکتے ہوئے بولا ''تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

ہر چند کہ خود اس قدر مشقت سے اس کا سانس پھول رہا تھا اور چہرہ بالکل زرد ہو رہا تھا۔ زینب نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میکانکی انداز میں اس کی بیساکھیاں اٹھا کر سائیڈ میں رکھیں اور خود کمرے سے باہر نکل آئی۔ کچن میں آ کر کھانا گرم کرنے لگی۔

کھانا ٹرے میں رکھ کر وہ واپس کمرے میں آئی تو تھکا ہارا، پژمردہ احسن آنکھوں پر بازو رکھے تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔

''کھانا کھا لیں!'' اس نے ٹرے اس کے آگے رکھ دی۔

احسن نے چونک کر بازو ہٹایا تھا۔ غالباً وہ کسی بہت گہری سوچ میں تھا۔

''تم نے کھا لیا ہے؟'' وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''نہیں، مجھے بھوک نہیں!'' اس کا سابقہ میکانکی انداز برقرار تھا۔

احسن ایک مرتبہ پھر اسے غور سے دیکھنے پر مجبور ہوا۔

''کیا بات ہے زینو؟'' وہ بڑی رسانیت سے بولا تھا ''تھک گئی ہو یا طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہاری؟''

''کیا ہوا ہے مجھے؟ ٹھیک تو ہوں!'' وہ قدرے حیرانی سے بولی ''نجانے کیوں آپ کو ایسا لگ رہا ہے۔''

احسن کے لبوں پر ایک اداس مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی۔ وہ محبت سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

''تمہیں کسی کی خبر رہے نہ رہے زینو! مجھے تمہارے ہر انداز کی خبر رہتی ہے۔؟''

زینب کی نظریں بے اختیار ہی جھک گئی تھیں۔

''زینو! ادھر آؤ میرے پاس آؤ۔'' وہ اسے اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''ادھر ہی تو ہوں آپ کے پاس ہی۔''

''نہیں، یہاں آؤ!'' اس نے محبت بھرا اصرار کیا۔

زینب اٹھ کر اس کے برابر جا بیٹھی ہر چند کہ اس کے انداز میں سادہ پن صاف ظاہر تھا۔

''زینو'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر محبت سے لبریز لہجے میں بولا ''میری جان! میں جانتا ہوں، تم بہت نازک ہو۔ ذرا سی تیز، ذرا سی گرم ہوا تمہیں مرجھا دیتی ہے۔ حالات کی ذرا سی سختی سے تم خوفزدہ ہو جاتی ہو گھبرا جاتی ہو۔ لیکن زینو! زندگی گزارنی ہے تو اپنے اندر حوصلہ بھی پیدا کرنا ہوگا یہ زندگی ہر انسان کے ہاتھ میں ایک سوالنامہ ضرور تھماتی ہے اور اس پر لکھے سوال اس قدر مشکل ہوتے ہیں کہ ذہن ماؤف ہونے لگتا ہے، عقل ساتھ چھوڑنے لگتی ہے۔ صرف ہمت اور حوصلے سے ہی اس امتحان سے سرخرو ہو کر گزرا جا سکتا ہے۔ پریشان ہونے سے، دماغ لڑانے سے، خود کو تھکانے

سے کچھ حاصل نہیں ہوتا زینب!'' وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔

زینب اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

''اور یہ خیال رکھو کہ تمہاری ہمت، میری ہمت ہے۔ تمہارا حوصلہ، میرا حوصلہ ہے۔ جہاں تمہارے قدم ڈگمگائے میں وہیں ٹھوکر کھاؤں گا، گر جاؤں گا...... میرا ساتھ دو زینو! مجھے اس وقت تمہاری مسکراہٹ کی، تمہاری آنکھوں میں چمکتی روشنی کی، تمہارے ہاتھوں کی پر اعتماد حرارت کی ضرورت ہے...... میرا یقین کرو، میں تمہیں مایوس نہیں کروں گا۔ میں تمہارا سائبان ہوں، مجھ پر بھروسا رکھو حالات کی گرم دھوپ میں تمہیں جھلسنے نہیں دوں گا بس بدقسمتی یہی ہے کہ فی الحال اس سائبان کو تمہارے ہی سہارے کی ضرورت ہے، اپنا وجود برقرار رکھنے کے لیے!''

زینب نظریں جھکائے اپنے دوپٹے کا کونا انگلی کے گرد لپیٹتی اور کھولتی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر احسن کی تمام گفتگو کے جواب میں کوئی تاثر نہ ابھر سکا تھا۔

''زینو'' اس نے شہد آگیں لہجے میں اسے مخاطب کیا۔

''جی!''

''کچھ سمجھی ہو؟ میں نے کیا کہا ہے تم سے؟''

''جی!''

''ادھر دیکھو میری طرف!'' اس نے اس کا چہرہ اونچا کیا۔

زینب نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ہر چند کہ مرجھا رہی تھی مگر پھر بھی محسوس ہوتی تھی۔ یقین مانگتی محبت امید و بیم کے سمندر میں کبھی ڈوبتی ابھرتی نظر آتی تھی۔ وہ اس سے کچھ چاہ رہا تھا، کچھ مانگ رہا تھا، دست سوال دراز کر رہا تھا۔ اعتماد، یقین، محبت، حوصلہ اور زینب کو اپنا دامن دل خالی لگتا تھا۔

اس نے جلدی سے اپنی نظریں جھکالی تھیں، مبادا وہ اس کے دم توڑتے جذبات کی لاشیں اس کی آنکھوں میں تیرتی دیکھ لیتا۔!

احسن نے ایک گہری سانس بھری تھی۔ اس سانس میں کراہ تھا کہ زینب کو محسوس ہوا۔

''زینو!''

''جی؟''

''کھانا ابھی لے جاؤ یار! مجھے بھوک نہیں ہے میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔''

زینب نے ٹرے اٹھائی تو وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر دراز ہو گیا۔



دن بے حد سست رفتاری سے گزر رہے تھے وہ اکتائی ہوئی تھی۔ صبح اٹھ کر روٹین کے کاموں میں لگ جانا اور رات تک لگے رہنا۔ پھر بے خواب آنکھوں کے بستر پر کروٹیں بدلتے بدلتے رہنا۔ اس پر جھنجھلاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔ احسن بھی کچھ گم صم سا تھا۔ ایک دو دوستوں سے اس نے ملازمت کی بات کی تھی مگر کہیں بھی بات بنتی نظر نہ آئی تھی۔ وہ سارا دن اسے مختلف حیلے بہانوں سے اپنے پاس بلاتا رہتا تھا۔ دو گھڑی پاس بیٹھنے کو کہتا، وہ مزید چڑ جاتی۔

''یا اللہ احسن! ایک ایک منٹ کے بعد آواز لگاتے ہیں آپ، مجھے کچھ کرنے تو دیں نا۔ سارا کام سر پر پڑا ہے۔''

''ہو جائے گا کام بھی، کام ہمارے لیے ہے۔ ہم کام کے لیے نہیں ہیں۔ کیوں جان کھپا رہی ہو۔ دو گھڑی ادھر آ کر بیٹھو، میں کب تک ٹی

وی دیکھوں؟'' وہ بے چارگی سے کہتا۔

''جی ہاں۔'' وہ طنز سے کہتی ''دو گھڑی بعد آپ تو خواب خرگوش کے مزے لوٹیں گے اور میرا کام وہیں کا وہیں موجود ہوگا۔ میں معافی چاہتی ہوں ایسی گھڑیوں سے۔''

اس دن بھی وہ اس کے کپڑے پریس کر کے ہینگر میں لگا رہی تھی جب وہ کمرے سے آوازیں دینے لگا۔

''جی۔'' وہ اس کی شرٹ تھامے مصروف سے انداز میں کمرے میں آئی تھی ''کیا کہہ رہے ہیں؟''

''کیا کر رہی ہو؟'' وہ ٹی وی کا ریموٹ ایک طرف رکھ کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ کے کپڑے پریس کر رہی ہوں۔''

''یہ ذرا ٹی وی کی آواز کم کر دو۔''

زینب نے پہلے حیرانی پھر قدرے غصے سے اس کی سمت دیکھا۔ اس کے لبوں میں دبی دبی شرارت تھی۔

''یہ آپ کے ہاتھ میں کس مرض کی دوا ہے؟''

''یہی تو رونا ہے۔ جو پاس ہے، وہ کسی مرض کی دوا نہیں اور جو دور ہے وہ......''

''احسن پلیز!'' وہ مڑ گئی تھی ''تنگ نہ کریں۔''

''ارے بابا، بات تو سنو یار! یہ ریموٹ کام نہیں کر رہا ہے۔ سیل ختم ہیں۔''

ناچار وہ ٹی وی تک جا کر آواز کم کرنے لگی۔ پھر دروازے تک ہی پہنچی تھی کہ وہ پھر پکار بیٹھا۔

''ہوں، اب کیا ہے؟'' وہ زچ ہوئی۔

''اب!'' وہ بے چارگی سے سوچنے لگا۔

''ہاں، یہ ذرا کھڑکیاں کھول دو، کمرے میں حبس ہے۔ کچن میں جو پالک اور میتھی تم نے چولہے پر رکھی ہوئی ہے اس کی بو پورے گھر میں پھیلی ہے۔''

''اس میں میرا کیا قصور ہے۔'' وہ لبوں میں ہی بڑبڑاتے ہوئے کھڑکیاں کھولنے لگی۔

دفعتاً ہی اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔ میر سکندر علی کی شاندار، چمکتی گاڑی نے ابھی ابھی سڑک کا موڑ کاٹا تھا۔ اس کی ایک جھلک زینب کو نظر آئی تھی۔ سرخ و سپید رنگت پر سیاہ گلاسز لگائے وہ بے حد خوبرو دکھائی دیتا تھا۔ وہ کھڑکی کا پٹ تھامے کافی دیر تک وہیں کھڑی سڑک پر اڑتی دھول کے ذروں کو دیکھتی رہی۔ پھر یکایک اسے احساس ہوا۔ اس کا دل ایک خوشگوار انداز میں دھڑک رہا تھا۔ بیزار کن سناٹے سے بھرے ہوئے دل میں کوئی خوب صورت سی دھن دھیرے دھیرے بجنے لگی تھی۔ سناٹے کا زور ٹوٹ گیا تھا۔

زندگی پر چھایا بیزاریت کا جمود ٹوٹا تھا۔ ٹھنڈی مہکتی ہوا کا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرا کر اس کی ساری جھنجھلاہٹ ختم کر گیا۔

وہ مڑی تو ایک خوب صورت مسکان نے اس کے چہرے کا احاطہ کر رکھا تھا۔

''لو جی کھڑکی بھی کھل گئی۔'' احسن سوچنے لگا تھا۔

''اب کون سا کام کہوں؟ میرا اسر دبا دو۔''

''سنیے!'' اس نے جیسے اس کی بات سرے سے سنی ہی نہ تھی ''میں ذرا رملی کی طرف جا رہی ہوں۔''

''ہائیں!'' اسے تعجب ہوا ''یہ ایکا ایکی تبدیلی کیسی۔ ابھی تو تمہارا موڈ سخت آف تھا۔ تمہیں بے شمار کام نپٹانے تھے۔ میرے پاس بیٹھ کر وقت ضائع کرنے کی فرصت نہ تھی۔ یہ اچانک رملی کا خیال کیوں تڑپا گیا تمہیں؟''

زینب نے قدرے خفگی سے اس کی جانب دیکھا۔

''میں اپنی مرضی سے، اپنی خوشی کے لیے بھی کچھ کر سکتی ہوں یا نہیں؟''

احسن چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کندھے اچکا دیے۔

''او کے ایز یو وِش مادام! اگر آپ کی خوشی کا سوال ہے تو ضرور جایئے۔ آپ کی خوشی کی بات سامنے آئے تو ہر بات پس منظر میں چلی جاتی ہے۔''

زینب کو شرمندگی کا جھٹکا لگا پھر وہ سنبھل گئی۔

''آپ کو چائے بنا کر دے جاؤں، کھانے میں تو ابھی دیر ہے۔''

''میں بنا لوں گا۔ تم جاؤ!'' وہ مسکرایا ''خال خال ہی تو تمہیں کسی کی یاد ستاتی ہے۔ خوش آئند بات ہے۔''

وہ چند لمحے خاموش کھڑی تذبذب کا شکار کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس کی سوچتی ہوئی نظریں احسن سے ٹکرائیں تو وہ چونک گئی۔ وہ بڑے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا میں جاتی ہوں۔ تھوڑی دیر میں لوٹ آؤں گی۔''

''جب تک جی چاہے بیٹھی رہنا۔ میری طرف سے پوری اجازت ہے۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا دیا تھا۔

زینب کا ارادہ کپڑے تبدیل کرنے کا تھا لیکن کچھ سوچ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ اس نے کبھی رملی کے گھر جانے کے لیے کپڑے تبدیل کرنے کی زحمت نہیں کی تھی پھر یہ اچانک تبدیلی احسن کو متوجہ کر سکتی تھی۔ یوں بھی اس کا حلیہ ٹھیک ہی تھا۔ کل شام ہی نہا کر اس نے سفید کاٹن کا سوٹ پہنا تھا۔ بالوں کو لپیٹ کر جوڑے کی شکل دے کر وہ باہر نکل آئی۔

اس کا اندازہ درست تھا۔ میر سکندر علی کی گاڑی رملی کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ بیل بجا کر اس کی گاڑی کا جائزہ لینے لگی۔

''شاندار آدمی ہے، چیزیں بھی شاندار رکھتا ہے۔''

دل میں ایک سوچ خود بخود ابھری تھی۔

''اسی لیے تمہارا طلبگار ہے۔'' کسی نے اس کے اندر سرگوشی کی۔

زینب کے گال اپنی ہی سوچ سے سرخ ہوئے تھے۔ اسی لمحے دروازہ کھل گیا۔ زینب کی اٹھی ہوئی نظریں میر سکندر علی کی نظروں سے الجھیں پھر اس نے گھبرا کر نگاہیں جھکا لیں۔

''اوہ خوش نصیبی؟'' وہ بشاشت سے مسکرایا تھا۔

''ویلکم!''

''رملی؟'' وہ بس اتنا ہی پوچھ سکی۔

''اندر ہے، تشریف لائیں۔'' وہ ذرا سا ترچھا ہوا تاکہ وہ اندر آ سکے۔

زینب اندر چلی آئی۔ لاؤنج اور کچن میں اسے رملی دکھائی نہ دی تو وہ اس کے کمرے تک چلی آئی۔ رملی کو وہاں بھی نہ پا کر وہ مڑی۔

سکندر علی اپنا سگار سلگانے میں مصروف تھا۔

''رملی کہاں ہے؟'' وہ قدرے پریشان ہوئی تھی۔

ایک لمحے کے لیے اسے خیال آیا تھا کہ سکندر نے اسے دھوکے سے اندر بلایا ہے۔ اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی تھی۔

''شاور لے رہی ہے۔ آپ تشریف رکھیے، پریشان کیوں ہوتی ہیں، ہمارے لیے آپ بے حد قابل احترام ہستی ہیں۔'' اس کے لبوں پر

ہلکی ہلکی مسکان تھی جیسے وہ لمحہ بھر میں اس کے دماغ کی تہوں میں ڈوب کر ابھر آیا تھا۔ زینب کو بے حد شرمندگی محسوس ہوئی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں، میں بالکل پریشان نہیں ہوں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائی تھی۔

''آیئے لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔'' سکندر علی نے ہاتھ سے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

زینب اس کے ساتھ لاؤنج میں چلی آئی۔ کشادہ صوفے میں دھنستے ہوئے سکندر علی نے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ زینب اس کے مقابل بیٹھی تو وہ آنکھوں کو قدرے سیکڑ کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''مرجھا رہی ہو زینب!''

''جی؟'' وہ چونک اٹھی۔

''حالات کی تیز دھوپ نے تمہارے چہرے کے گلابوں کی شگفتگی کو متاثر کیا ہے۔ کیا آئینہ دیکھنا چھوڑا ہوا ہے آج کل؟''

زینب پر منوں اوس آ گری یہ وہ شخص تھا جو اس کے حسن کے قصیدے پڑھتا نہ تھکتا تھا۔ جس نے خراب، میلے حلیے میں بھی اس کی اس طرح تعریف کی تھی کہ وہ اپنی ہی ذات پر نازاں ہو گئی تھی۔ جس کے لیے وہ مصر کی رانی قلوپطرہ جیسی تھی۔ اگر وہ اس کی شگفتگی کے متاثر ہونے کو محسوس کر گیا تھا تو یقیناً اس کا چہرہ کسی صحرا کا منظر پیش کر رہا ہوگا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

''کیوں ختم کر رہی ہو خود کو؟ مجھ پر اتنا بڑا ظلم مت کرو زینب!'' وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا ''میرے پاس آؤ، میں تمہیں گلاب کی مانند کھلا دوں گا، مہک اٹھو گی۔ وہ شخص تو جیسے سلو پوائزننگ کر رہا ہے۔''

زینب کی آنکھ سے ایک قطرہ ٹپک کر اس کی ہتھیلی میں آ گرا۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا وہ آئینہ دیکھتی تھی تو اپنا آپ پہچاننا مشکل ہو جاتا تھا۔ کتنی بدل گئی تھی وہ احسن ایاز کی دسترس میں آ کر بلکہ اب تو اس کا من ہی نہیں کرتا تھا کہ وہ آئینہ دیکھے۔

''ویسے...... ایک بات کہوں'' وہ راکھ جھاڑتے ہوئے بولا۔

زینب نے نظریں اٹھا کر اس کی سمت دیکھا۔

''میرا خیال بلکہ مجھے یقین ہے کہ تم فیصلہ کر چکی ہو۔ بس اسے لفظوں میں ڈھالنے کی دیر ہے۔ لیکن تم کتنی دیر لگاؤ گی زینب؟''

''بس چند دن اور'' وہ کسی تذبذب سے باہر آ کر بولی۔

میر سکندر علی گہری مسکراہٹ لبوں پر سجا کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس کی آنکھوں کی فاتحانہ چمک نے زینب کو نروس کر دیا۔

''تھینک یو زینب...... ! تھینک یو۔ ایک مرتبہ میرے پاس آ کر دیکھو، میرے پاس تمہیں دینے کے لیے کیا کچھ ہے۔ اتنا بدل جاؤ گی کہ خود کو پہچان نہ پاؤ گی۔''

کھٹکے کی آواز پر دونوں چونک اٹھے تھے۔ رملی گیلے بال تولیہ سے رگڑتے ہوئے باہر آ رہی تھی۔ ان دونوں کو یوں آمنے سامنے بیٹھا دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر ہی رک گئی تھی۔

''آؤ رملی مائی ڈیئر! رک کیوں گئیں۔'' میر سکندر علی بے پناہ خوش تھا ''یہاں آؤ، ہمارے ساتھ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرو۔''

''خوشی!'' وہ خالی الذہنی کے عالم میں چند قدم آگے بڑھ آئی تھی۔

''ہاں خوشی! تمہاری فرینڈ نے آخر میرے حق میں اپنا فیصلہ سنا دیا ہے۔'' اس کے ہونٹوں پر کسی جنگ جیتے ہوئے بادشاہ جیسی مسکراہٹ تھی۔ پرسکون اور فتح کے بھرپور احساس میں ڈوبی ہوئی۔

''فیصلہ!'' رملی کا چہرہ بالکل سفید پڑ گیا تھا۔ اس کے لبوں نے بے حد معمولی سی حرکت کی تھی۔ پھر اس نے اپنی خالی خالی، بے اعتبار نظریں زینب کے چہرے پر ٹکا دیں۔

نجانے ان نظروں میں کیا تھا۔ زینب کا سر لحظے کے لیے جھک گیا۔

یکا یک میر سکندر علی اپنی جگہ سے اٹھا اور رملی کو دونوں بازوؤں سے تھام کر گھما ڈالا۔

''چیئر اپ رملی! چیئر اپ مائی ڈارلنگ! تم جانتی ہو کہ میں اس وقت کس قدر خوش ہوں۔ میری خوشی میں حصہ دار بنو......''

رملی نے دونوں بازو بمشکل چھڑائے تھے۔ پھر لبوں پر ایک پھیکی اور بے جان سی مسکراہٹ لا کر اس نے سکندر علی کو دیکھا تھا۔

''ٹھیک کہتے ہو سکندر! تمہیں واقعی خوش ہونا چاہیے یہ ایک بڑی کامیابی ہے......'' پھر وہ زینب کے پاس آ بیٹھی ''جانتی ہو زین! میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ تم ایسا کوئی فیصلہ بھی کر سکتی ہو۔ سکندر کی ایسی باتوں پر میں اس سے گھنٹوں بحث کرتی تھی۔ خیر تمہیں بھی مبارک ہو جو کچھ تم زندگی سے چاہتی تھیں، تمہیں ملنے والا ہے۔''

''میری لگن سچی تھی'' میر سکندر علی نے ہلکا سا قہقہہ لگایا تھا ''اس لیے مجھے یقین تھا، زینب ایک دن میرے پاس ضرور آئے گی۔ تم نے دیکھا رملی! سچی لگن کیسے جیتتی ہے؟''

''ہاں!'' وہ جیسے کسی صدمے کی سی حالت میں تھی۔ زیر لب بولی ''میں نے دیکھا سکندر! سچی محبت کیسے ہارتی ہے۔''

پھر اس نے تاسف سے زینب کو دیکھا تھا۔

''وہ شخص سچی محبت کرتا ہے تم سے اور تم!'' پھر سے دھیرے سے ہنسی ''میں تو خود کو ہی برا سمجھتی تھی۔''

''کم آن رملی!'' میر سکندر علی آگے بڑھ آیا۔

صوفے پر بیٹھی ہوئی رملی کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اس نے ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا۔

''تم تو ایسی باتیں مت کرو۔ ایسا لگتا ہے غنیم کے لشکر سے جا ملی ہو۔''

اپنی بات پر اس نے خود ہی قہقہہ لگایا تھا۔ وہ واقعی بے حد خوش تھا۔ اس بات کا اظہار اس کی ایک ایک حرکت سے عیاں تھا۔

رملی اب کسی بت کی مانند بے حس و حرکت بیٹھی تھی اور زینب، زینب کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی بند مٹھیوں میں ریت بھری ہوئی تھی اور اس کے ہاتھ تیزی سے خالی ہوئے جاتے تھے۔



بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے وہ بڑی دیر سے خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ اس وقت تک عموماً وہ دونوں ہی سو جایا کرتے تھے۔ لیکن ٹی وی پر میچ آ رہا تھا جو احسن نہایت ذوق و شوق سے دیکھ رہا تھا۔ جبکہ اس کی تو کیفیات ہی کچھ اور تھیں۔ ارد گرد کے ماحول سے بالکل بے خبر وہ اپنی متضاد سوچوں کا شکار کسی اور ہی جہاں میں تھی۔

فیصلہ کر آئی تھی لیکن فیصلہ کرنا اس قدر مشکل نہ تھا۔ فیصلہ سنانا جیسے پل صراط پر سے گزرنا تھا۔ وہ کیسے کہتی احسن سے۔ وہ کیسے کہہ سکتی تھی؟ سب کچھ کہہ کر وہ اس کی جانب کیسے دیکھتی؟ وہ اس کی نظروں سے کس طرح نظر ملاتی۔ وہ ان آنکھوں میں ٹوٹتے یقین، بکھرتے اعتبار اور دم توڑتی محبت کو کس طرح دیکھتی کیا وہ دیکھ سکتی تھی؟

احسن نے ٹی وی پر سے لمحے بھر کے لیے نظر ہٹا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کسی بے جان مورتی کی مانند ساکت و صامت بیٹھی دیوار کو گھور رہی تھی۔ بکھرے ہوئے بال اس کے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھے اور پھیلی ہوئی آنکھوں میں عجیب سی وحشت تیر رہی تھی۔

''زینو!'' وہ قدرے پریشان ہوا ''تم ٹھیک تو ہو؟''

''ہاں۔'' وہ خوفزدہ ہو کر چونکی پھر اسے دیکھنے لگی۔

''جی؟ جی؟ کچھ کہا آپ نے؟''

''میں نے پوچھا ہے، تم ٹھیک ہونا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر فکر مندی سے بولا ''اس طرح کیوں بیٹھی ہو، یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر جاگی ہو۔''

زینب نے چند لمحوں کے لیے اسے الجھی الجھی نظروں سے دیکھا پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ احسن مسکرا دیا۔

''کیا واقعی نیند میں ہو، قصہ کیا ہے؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے سوچ کے کسی طلسم میں مقید ہو.....''

زینب کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ صحیح کہہ رہا تھا وہ۔ ایک طلسم ہی تو تھا جس میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ اس کو سجھائی نہ دیتا تھا۔

''اوہ تم رو رہی ہو زینو۔'' اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کر دیا ''کیا بات ہے، دل گھبرا رہا تھا یا کچھ اور بات ہوئی مجھ سے کہیں تو، اکیلی بیٹھی نجانے کیا سوچے جا رہی ہو۔''

''نہیں کچھ نہیں۔'' اس نے آنکھیں رگڑ ڈالیں ''آپ پریشاں نہ ہوں۔''

''کیسے پریشان نہ ہوں۔ ذرا چہرہ دیکھو اپنا، بالکل زرد ہو رہا ہے اور آنکھوں میں کیسی تھکن ہے، کیسی اداسی۔''

''میرے لیے اتنا پریشان مت ہوا کریں۔'' وہ جھنجھلا گئی۔

یہی تو بیڑیاں تھیں جو اس کے پیروں میں پڑی تھیں۔ یہی تو وہ پنجرہ تھا جس میں وہ اب تک قید تھی کہ اڑان بھرنے کی طاقت ہوتے ہوئے بھی اس پنجرے سے نکلتے دل کو کچھ ہوتا تھا۔

''زینب! میری جان!'' احسن نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ بھرا ''آئی ایم سوری۔ شاید میں تمہیں وہ توجہ، وہ وقت نہیں دے پا رہا جو تمہارا حق ہے.....شاید اپنے ساتھ پیش آنے والے اس حادثے کے گرداب میں میں ایسا پھنسا ہوں کہ توجہ چاہتی تمہاری نگاہیں مجھے نظر نہیں آتیں۔ میں واقعی اتنے دن سے تمہیں نظر انداز کر رہا ہوں۔''

اس نے زینب کو خود سے قریب کر لیا۔

''اچھا چلو یوں کرتے ہیں۔ آج ساری رات جاگتے ہیں۔ جو کچھ تمہارے دل میں ہے، وہ تم کہو اور کچھ میرے دل میں ہے وہ میں کہتا ہوں۔ سارے شکوے شکایت جو تم نے چپکے چپکے اپنے دل کی ڈائری میں درج کیے ہوئے ہیں وہ آج سنا ڈالو۔ میں وہ ساری باتیں کہتا ہوں جو میں آہستہ آہستہ اپنے دل کے کسی خفیہ خانے میں محفوظ کرتا جاتا ہوں اور تم سے کہہ نہیں پاتا۔ آج اپنے اپنے دلوں کو خالی کر ڈالتے ہیں یقین جانو! بڑا سکون ملتا ہے۔''

اس کے لہجے میں عجیب سی شرارت در آئی تھی۔

نظروں میں ہلکا سا خمار اتر آیا۔ اس کا یہ روپ زینب کے لیے نیا نہ تھا۔ بارہا اس نے احسن کو اس موڈ میں دیکھا تھا۔ اس کے جذبوں کے پاگل پن کو اس کے روئیں روئیں سے جھلکتے دیکھا تھا۔ اس کی دیوانگیوں پر حیران ہو گئی تھی۔

لیکن اس وقت اتنے دن کے بعد اور اس کے ادھورے پن کے احساس نے نجانے کیسا خوف اس کے اندر بھرا وہ ایک جھٹکے کے ساتھ اس سے علیحدہ ہوئی اور بستر سے اتر آئی۔

احسن کی نظروں میں حیرت اتنی شدت کے ساتھ نمودار ہوئی تھی کہ زینب کو اس سے نگاہ ملانا دشوار ہو گیا، وہ نظریں جھکا کر دیوار کے ساتھ لگی کھڑی رہی۔

''زینب!'' اس کے لبوں سے نکلی آواز کسی سرگوشی سے مشابہ تھی ''مجھے بتاؤ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔''

''احسن!'' وہ کپکپاتی آواز میں بولی ''پلیز اس وقت مجھے مت چھیڑیں۔ پلیز! میں خود اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ میں...... میں۔''

وہ چند لمحے اس نادم کر ڈالنے والی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اس نے تکیے پر سر ڈال دیا تھا۔

''لائٹ بند کر دو اور دوسرے کمرے میں جا کر سو جاؤ۔'' کچھ دیر کے بعد اس کی آواز ابھری تھی۔

زینب کچھ دیر کھڑی گہری گہری سانسیں بھرتی رہی پھر دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ سر تھام کر وہ پلنگ کے کنارے ٹک گئی تھی۔

''یہ کیا ہو گیا ہے مجھے، احسن کا قریب آنا اس قدر ناگوار کیوں گزرا۔ اس کے ادھورے پن کے احساس نے مجھے اتنا خوفزدہ کر دیا ہے کہ میں اس سے ہی ڈرنے لگی ہوں...... اوہ خدا!''

وہ سوچے جا رہی تھی۔

''نہیں...... نہیں رہ سکتی میں اس طرح، مر جاؤں گی میں یوں گھٹ گھٹ کر۔ اس سے پیشتر کہ ہم ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگیں، ہمیں اپنی راہیں الگ کر لینی چاہئیں۔''

اس کے دل میں ایک مصمم ارادہ ابھرا تھا۔

''میں نے بالکل ٹھیک کیا میر سکندر علی کو مثبت جواب دے کر۔ زندگی کا صحرا سامنے پھیلا ہوا ہے اور ساتھ ہی پھولوں بھری راہ نظر آتی ہو تو کون بے وقوف صحرا کا انتخاب کرے گا۔ کم از کم میں خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی۔''

ایک اپاہج انسان کے ساتھ ساری زندگی سسک سسک کر گزار دوں، اس طرح کہ میں خود اپنے آپ کو اپاہج لگنے لگوں، ناممکن! ایک بہترین جیون ساتھی، ایک بہترین زندگی کے ساتھ میرا منتظر ہے۔ تو کیوں نہ بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لوں...... مجھے احسن سے کھل کر بات کرنی ہو گی، بہت جلدی کرنی ہو گی۔ کہیں خوش قسمتی کی یہ ڈور میرے ہاتھ سے نکل نہ جائے۔''

وہ بے حد حقیقت پسندی کے ساتھ فیصلے کرتی جا رہی تھی۔



اس کا ارادہ بے حد مصمم تھا لیکن وہ اس سے کچھ بات نہ کر پائی تھی۔ دوسری جانب وہ بھی بالکل نارمل تھا۔ اس کی باتوں سے بالکل اظہار نہ ہوتا تھا کہ وہ زینب سے خفا تھا یا اس رات والے واقعے نے اسے ہرٹ کیا تھا۔ شاید وہ اس کی کیفیات کو سمجھ رہا تھا یا سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بہرحال اسے اپنے جذبات پر قابو پانا اور انہیں خود تک محدود رکھنا آ گیا تھا۔ زینب کے ساتھ اس کا رویہ بالکل مناسب اور روٹین والا تھا۔ مگر ایک تبدیلی اس میں یہ آئی تھی کہ وہ اپنے سارے کام خود کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کمرے میں بیٹھ کر اسے بار بار آوازیں دینے اور جان بوجھ کر تنگ کرنے کی شرارت اس نے ترک کر دی تھی۔

اسے اگر پانی کا گلاس بھی چاہیے ہوتا تو وہ خود کچن میں جا کر لے آتا تھا۔

اس وقت بھی وہ لاؤنج میں بیٹھی بے دھیانی سے دال چاول صاف کر رہی تھی جب وہ کمرے سے نکلا، زینب اس وقت اپنی کسی سوچ میں گم تھی۔ بیساکھی کی ٹک ٹک پر بھی اس نے سر اوپر کر کے نہ دیکھا تھا۔ وہ کچن کی طرف جا رہا تھا جب اچانک ہی راستے میں رکھی چھوٹی تپائی سے ٹکرا کر بیساکھی اس کے بازو کے نیچے سے نکل گئی۔ وہ بڑے زور سے اوندھے منہ زمین پر گرا تھا۔

زینب ہڑبڑا کر اٹھی تھی۔ گود میں رکھا تھال بھی نیچے گرا تھا اور پورے فرش پر چاول بکھر گئے تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی اس تک پہنچی۔

''احسن...... احسن! کیا ہوا ہے؟ انہیں چوٹ تو نہیں لگی کہیں!'' وہ بے اختیار ہی اس کے سر اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر کسی نادیدہ چوٹ کو تلاش کرنے لگی تھی۔

اس کے لبوں پر تکلیف میں ڈوبی، بھنچی بھنچی مسکراہٹ ابھری۔ چند گہری گہری سانسیں بھر کر اس نے خود پر قابو پایا تھا۔

''اتنی زور سے گرے ہیں۔'' اس کی آواز بھرا گئی ''چوٹ نہ لگی ہوگی؟ کیا چاہیے تھا آپ کو۔ مجھ سے کہتے ذرا ذرا سے کام کے لیے بار بار اٹھتے ہیں۔''

اس کے ہاتھ اب تک احسن کے جسم پر چوٹ کا احساس تلاش کر رہے تھے۔

احسن چند لمحے اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں زینو! پریشان مت ہو۔''

نرم آواز میں کہا تھا۔

زینب اسے دیکھنے لگی پھر اٹھنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔ اس کے ہاتھ میں بیساکھی تھما کر وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی کمرے میں آئی تھی۔

''کیا چاہیے تھا آپ کو؟ مجھے آواز دے لیتے۔''

''ساری زندگی بستر پر تو نہیں گزار سکتا میں۔'' وہ بیٹھتے ہوئے بولا تھا ''اپنے کام خود کرنے کی عادت ہونی چاہیے۔ تم کب تک دوڑ دوڑ کر میرے کام کرو گی۔''

اس نے بات یوں ختم کی تھی جیسے زینب کی جانب سے اسے کسی جواب کا انتظار ہو۔ جیسے وہ کسی وعدے کا منتظر ہو۔

''کب تک؟ کب تک؟ کب تک؟'' اس کے لہجے کی آس زینب کے اردگرد چکرانے لگی۔ جیسے وہ منتظر تھا کہ زینب اسے جواب دے گی یقین دلائے گی۔ اصرار کرے گی۔

''ہمیشہ آخری سانس تک، قیامت تک تمہارے ساتھ رہوں گی، تمہارا ساتھ دوں گی، تمہارا سہارا بنی رہوں گی، تمہیں کسی کمی کا احساس نہ ہوگا۔''

زینب سوچوں کے بیچ اکیلی کھڑی تھی جب اس کے پکارنے پر چونک اٹھی۔

''زینو!'' کیا سوچ رہی ہو، ادھر آؤ۔''

وہ اس کے قریب چلی آئی۔ احسن نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ ٹھنڈے سرد ہاتھ اس کے ہاتھوں کی حرارت سے گرم ہونے لگے۔

''میرے لیے کتنی فکر مند ہو گئی تھیں تم؟'' وہ محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا ''مجھے بہت اچھا لگا۔'' زینب نے بے اختیار ہی نظر چرائی تھی۔

''مجھے اپنے گرنے کا، چوٹ لگنے کا احساس نہ رہا۔ بس یہ احساس رہا کہ تم مجھ سے کس قدر محبت کرتی ہو۔ تمہاری ہر ہر حرکت سے اس بات کا اظہار ہو رہا تھا۔''

زینب کا سانس رکنے لگا۔ وہ کیا کہہ رہا تھا، کیا سوچ رہا تھا اور وہ کیا چاہتی تھی، کس قدر متضاد باتیں تھیں۔

''ارے ظالم لڑکی۔ کبھی تو اقرار کر لیا کرو'' اس نے زینب کے بازوؤں کو ہلکا سا جھٹکا دیا۔ ''اپنے منہ سے نہ سہی، میرے منہ سے سن کر ہی اقرار میں سر ہلا دیا کرو۔ تم تو پتھر لگتی ہو کبھی کبھی۔''

زینب ہاتھ چھڑا کر شرمندگی سے مسکرا دی۔

''کیا لینے گئے تھے آپ کچن میں؟'' اس نے بات ٹالی تھی۔

''چائے پینے کا موڈ ہو رہا تھا۔'' اس نے گہری سانس بھری ''میں نے سوچا، بیگم صاحبہ تو بار بار کی فرمائش سے خفا ہوتی ہیں، میں خود ہی بنا لیتا ہوں۔ لیکن رستے میں جو افتاد ٹوٹی اب تو لگتا ہے گرم دودھ میں ہلدی ڈال کر پینا پڑے گا۔''

زینب نے خفگی سے اسے گھورا۔

''میں کہاں خفا ہوتی ہوں۔ جھوٹا الزام تو نہ لگائیں۔''

''اکتا تو جاتی ہونا میرے کاموں سے۔'' وہ نجانے کیا سننے کا متمنی تھا۔

''جی نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''اکتا تو سکتی ہو۔''

زینب نے اسے گھورا اور مڑ گئی۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔''



رات اس کی آنکھوں میں نیند نہ اتری تھی۔ جاگ کر، کروٹیں بدل بدل کر وہ تھک گئی تھی مگر نینداس سے روٹھ کر نجانے کہاں چھپ کر بیٹھ گئی تھی۔

وہ آہستگی سے اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔ احسن گہری نیند سو رہا تھا۔ اس کے سانسوں کا مدوجزر اس کی نیند پرسکون اور گہری ہونے کی گواہی دیتا تھا۔

زینب کتنی ہی دیر تک اسے دیکھتی رہی، اس کا جائزہ لیتی رہی۔

''کیسے رہ پائے گا یہ میرے بنا'' اس کے اندر سرگوشی ابھری تھی۔ ''یہ تو وہ سانس نہیں بھرتا جس میں میرا تصور نہ ہو، ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔''

''ایسا نہ ہوا تو تم اندر ہی اندر گھل کر ختم ہو جاؤ گی۔'' کوئی بولا تھا۔ ''کیا ہوگا، کیا نہیں کے اندیشوں کا شکار ہیں تو کوئی فیصلہ نہ کر پاؤ گی یونہی شمع بن پگھلتی رہو گی۔ ناقدری کا احساس دیمک بن کر چاٹتا رہے گا تمہیں۔ جنہیں آسمانوں میں اڑان بھرنی ہو وہ مڑ مڑ کر زمین کو نہیں دیکھتے ورنہ نہ آسمان تک پہنچ پاتے ہیں نہ زمین کے ہی رہتے ہیں۔ خلا میں معلق دنیا کے لیے تماشا بن جاتے ہیں۔''

''لیکن لیکن یہ! اس کا سہارا کون بنے گا۔''

''یہ سوچنا تمہارا کام نہیں اپنے فیصلے یہ خود کرے گا۔''

''بیچ منجدھار میں کسی کو اکیلا چھوڑنا ظلم ہے۔''

”بھنور میں پھنسے شخص کا ہاتھ تھامنے کا مطلب آپ بھنور میں جا گرنا ہے۔ بے وقوف لڑکی! جذباتیت کا شکار مت ہو۔ حقیقت پسندی سے کام لو! ابھی سب کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ حسن تمہارا، جوانی تمہاری، وقت تمہارا ہے۔ کل کو گزرے وقت کو روؤ گی اور حسرت ویاس سے زندگی ایک مرتبہ پھر مل جانے کی دعا کرو گی لیکن کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ تم زلیخا نہیں ہو عقل سے کام لو۔ یہ زندگی بس ایک مرتبہ، حسن بس ایک مرتبہ، یہ جوانی بس ایک مرتبہ، یہ موقع بس ایک مرتبہ۔“

اس کی سانسوں میں ارتعاش پیدا ہو گیا۔

”لیکن یہ سمجھتا ہے کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں۔“

تم جانتی ہو کہ تم اس سے محبت نہیں کرتیں۔ اس کو اور خود کو دونوں کو دھوکا مت دو۔ جو سچ ہے اسی کا انتخاب کرو۔ اور سچ یہ ہے کہ زندگی سے تم نے جو گلزار مانگا تھا، وہ تمہارے سامنے پھیلا ہوا ہے۔ ہمت کر کے قدم بڑھاؤ اور جذباتیت کے حصار سے نکل آؤ باہر، یہی بہتر ہے تمہارے لیے!“

زینب نے گہری سانس بھر کر سائیڈ لیمپ کی لائٹ گل کی اور آہستگی سے بستر پر دراز ہو گئی۔



دوسرے دن وہ بے حد بوجھل پن کا شکار تھی۔

سارا دن اس نے سو کر گزار دیا تھا پھر بھی تھکن اور سستی دور نہ ہوتی تھی۔

شام کو نہا دھو کر اس نے کاٹن کا نسبتاً ہلکے رنگ کا لباس پہنا تا کہ طبیعت میں سکون پیدا ہو سکے پھر چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر احسن کو جگانے کمرے میں چلی آئی۔

وہ جاگ چکا تھا۔ نیم دراز کوئی رسالہ دیکھ رہا تھا۔

”چائے بن رہی ہے۔ باہر آجائیں۔“ وہ رک رک کر بولی۔

وہ اس سے اس موضوع پر گفتگو کا آغاز چاہتی تھی۔

”اچھا! میں ذرا منہ دھولوں۔“ اس نے رسالہ ایک طرف ڈال دیا۔

زینب پھر کچن میں چلی آئی۔ دل ان گنت سوالوں کی زد میں تھا۔ کیا کہنا تھا، کیسے کہنا تھا، آغاز کیا ہونا تھا اور اختتام کیا۔ ساری صورت حال جگسا پزل کی مانند بے ترتیب ٹکڑوں میں تقسیم تھی۔

چائے بنا کر وہ باہر لائی تو احسن لاؤنج میں آچکا تھا۔

زینب نے ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔

اس لمحے بیل بج اٹھی تھی۔ دونوں کی نظریں ملیں۔

”میں دیکھتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر دروازہ کی سمت بڑھی تھی۔

باہر رملی کی بوڑھی ملازمہ کھڑی تھی۔

”سلام بی بی جی رملی بی بی نے بلا بھیجا ہے آپ کو۔“

”رملی نے؟“ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ ”اچھا! کوئی خاص کام؟“

”یہ تو مجھے نہیں پتا۔ آپ چلیں میرے ساتھ۔“

”تم چلو اماں۔ میں ذرا دیر میں آتی ہوں۔“

وہ اسے رخصت کرکے اندر چلی آئی۔احسن کپ میں چائے نکال چکا تھا۔گرم چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے اسے استفسار طلب نظروں سے دیکھنے لگا۔

''رملی کی ملازمہ تھی،رملی نے مجھے بلایا ہے۔''

''خیریت؟''وہ عام سے انداز میں پوچھنے لگا۔

''یہ تو جاکر ہی پتا چلے گا۔''وہ ڈسٹرب سے انداز میں بولی تھی۔''میں جاؤں؟''

''آں،ہاں جاؤ لیکن ذرا جلدی آجانا۔میں اکیلا بور ہوجاؤں گا۔نجانے تم عورتیں گھر میں کیسے رہ لیتی ہو۔میرا تو چند دنوں میں دم گھٹنے لگا ہے۔''

وہ بڑبڑانے کے سے انداز میں بولا تھا۔زینب اپنا کپ یونہی میز پر پڑا چھوڑ کر باہر نکل آئی۔چند لمحوں کے بعد وہ رملی کے دروازے پر تھی۔دروازہ کھلا تھا وہ اندر چلی آئی۔

رملی اپنے کمرے میں تھی۔بیڈ پر تکیوں کے سہارے بیٹھی وہ کوئی فلم دیکھ رہی تھی۔زینب کو آتا دیکھ کر اس نے آواز کم کردی۔

''آؤ یہیں آجاؤ!''وہ سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''خیریت!تم نے بلایا ہے؟''

اس کے انداز میں بلا کی سرد مہری تھی۔

''سکندر نے بلایا ہے۔''

''سکندر؟''زینب نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا۔

''ہاں اس کا فون آیا تھا۔وہ کچھ دیر میں پہنچ رہا ہے۔''وہ لاتعلقی سے اسکرین پر نگاہ جماتے ہوئے بولی۔

''اور اب یہ مت کہنا کہ میں نے تمہیں بلا کر غلطی کی،مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا،وغیرہ وغیرہ۔''

زینب سن ہوکر رہ گئی۔جواب میں کچھ کہنے کے لیے اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔وہ خاموش بیٹھی رہی۔

رملی کی ملازمہ چائے لے آئی تھی۔وہ دونوں کو چائے ڈال کر دینے لگی۔

''گولی بھی لادیں اماں۔''رملی بولی تھی۔''سر میں سخت درد ہے۔''

''کتنی گولیاں کھاؤ گی بیٹی!''اماں نے تشویش سے اس کی سمت دیکھا''صبح سے چار پانچ تو کھا چکی ہو۔''

''لادیں اماں!بحث نہ کریں۔''وہ قدرے جھنجلا کر بولی تھی۔

زینب اس سارے ماحول میں خود کو بے حد ان ایزی محسوس کررہی تھی۔رملی کے رویے کا بے حد روکھا پن اگرچہ اس کے لیے غیر متوقع نہ تھا پھر بھی اس سے ہضم نہ ہو پارہا تھا۔

وہ خاموشی سے بیٹھی چائے کے گھونٹ زہر کے گھونٹوں کی طرح بھر رہی تھی جب باہر گاڑی کا ہارن بج اٹھا۔دونوں نے بے اختیار ہی ایک دوسرے کی جانب دیکھا تھا۔پھر رملی نے نگاہ پھیرلی۔

''اماں۔''اس نے آواز لگائی تھی۔''دروازہ کھولیں۔سکندر آیا ہے۔''

زینب نے اپنے دل کی دھڑکنوں سے اپنے جذبات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی لیکن اسے کچھ خاص کامیابی نہ ہوسکی۔چند لمحوں بعد ہی وہ دروازے میں کھڑا تھا۔

''ہیلو.....معزز خواتین!''ہمیشہ کی طرح اس کے لب پراسرار انداز میں مسکرا رہے تھے۔

کچھ دیر دروازے میں ہی کھڑا رہ کر وہ اندر چلا آیا۔

''میں نے تمہیں پریشان تو نہیں کیا؟'' وہ زینب سے پوچھ رہا تھا۔

وہ کوئی جواب نہ دے سکی۔ محض سر جھکا کر رہ گئی۔ ساری صورت حال فی الوقت اس کے لیے بے حد ندامت سے بھرپور تھی۔ وہ کسی کی بیوی تھی، کسی کا اعتبار!

''مجھے پریشان کیا ہے!'' دفعتاً رملی قدرے جارحانہ انداز میں بولی تھی ''تم دونوں کو جو کرنا ہے، ذرا جلدی کرو۔ میں بیچ کی اس پیغام رسانی سے تنگ آ گئی ہوں۔ تم دونوں کو ہونہ ہو، مجھے اس صورت حال سے شرمندگی ہوتی ہے۔''

''شرمندگی!'' سکندر نے ہلکا سا قہقہہ لگایا ''واٹ آ جوک رملی''

زینب نے دیکھا، رملی کا رنگ تپ کر سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر سکندر علی کو دیکھتی رہی۔

''سکندر!'' پھر اس نے تنبیہی لہجے میں کہا تھا۔

''اوکے ڈیئر اوکے!'' وہ ہنستا ہوا قریبی صوفے پر دراز ہوا ''کافی پلاؤ اچھی سی، تمہارے ہاتھ سے بنی ہوئی کافی۔''

رملی خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

سکندر علی کچھ دیر بیٹھا اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتا رہا پھر اپنا سگار سلگانے لگا تھا۔

''آپ نے مجھے بلایا تھا!'' وہ چند لمحوں بعد بے چین ہو کر بولی تھی۔

''ہوں!'' وہ اطمینان سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''پھر کہیں؟'' اس نے پہلو بدلا۔

''اس قدر جلدی کیا ہے۔'' زینب کی کیفیات اسے جیسے کوئی لطف بخش رہی تھیں ''آخر ہم بھی تو کب سے محو انتظار ہیں۔ ہمارا خیال کیا آپ نے؟''

''سکندر صاحب پلیز!'' اس کے اندر کوئی تھا جو اسے مسلسل کچو کے دے رہا تھا۔ دل میں جب سے احساس بے وفائی نے جگہ بنائی تھی اندر کوئی کراہتا رہتا تھا۔

''کچھ پوچھنا ہے، کچھ کہنا ہے لیکن یہ جگہ مناسب نہیں، میرا خیال ہے ہم باہر چلتے ہیں۔''

''باہر......''

''ہوں کسی خوب صورت سی جگہ پر مثلاً سمندر پر! وہاں سے ہم شاپنگ کے لیے جائیں گے۔ تم اپنے لیے ہر وہ چیز خریدنا جو تمہارا جی چاہیے...... ہر چیز! پر ہم کسی اچھی سی جگہ سے ڈنر کر کے واپس آ جائیں گے۔ کیسا پروگرام ہے؟''

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ سارا پروگرام کوئی تین چار گھنٹوں پر محیط تھا۔ وہ اتنی دیر گھر سے باہر نہیں رہ سکتی تھی۔ پھر بھی وہ کہیں جانا چاہتی تھی۔ فریش ہونے کا کوئی بہانا درکار تھا اسے۔ کب سے گھر میں بند کولہوں کے بیل کی مانند روٹین میں جتے جتے وہ تھک آ گئی تھی۔

''اتنی دیر تو نہیں کی جا سکتی۔'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی ''بس ایک آدھ گھنٹہ!''

''اب ڈرنے کی کیا بات ہے زینب! جب کہ تم فیصلہ بھی کر چکی ہو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی میں نے اب تک اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی ہے۔'' وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

''ہوں!'' اس نے راکھ جھاڑی ''تو ٹھیک ہے ہم کہیں سے اچھی سی کافی پی کر آ جاتے ہیں۔''

''یہ مناسب ہے۔'' وہ مطمئن ہو گئی۔

آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ دونوں کمرے سے باہر نکلے تو رملی کافی کی ٹرے لیے اندر آ رہی تھی۔ انہیں نکلتا دیکھ کر وہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

''سکندر! کافی نہیں پیو گے؟'' وہ زینب کو نظر انداز کر کے سکندر سے بولی تھی۔

''ڈارلنگ تم کافی پیو! ہم ذرا باہر جائیں گے اوکے'' اس نے پیار سے رملی کے گال کو چھوا۔

زینب کے لیے رملی سے نگاہ ملانا دشوار تھا۔ وہ نظریں جھکا کر نکل آئی۔

گاڑی میں بیٹھ کر اس نے اپنے حواس بحال کیے اور تیزی سے پیچھے کو دوڑتی سڑک کو دیکھنے لگی۔ کتنے دنوں کے بعد وہ گھر سے نکلی تھی۔ ارد گرد بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے اندر اعتماد اور اطمینان محسوس کیا۔

''تم پریشان تو نہیں ہو رہیں؟'' سکندر نے اس کی جانب دیکھا۔

''نہیں!'' وہ مسکرا دی۔

وہ حقیقتاً پریشان نہیں تھی۔ سارے اندیشے اور واہمے فی الوقت اس نے اپنے ذہن سے جھٹک دیے تھے فی الحال وہ صرف ذہنی سکون چاہتی تھی۔ اس نے سکندر علی کو دیکھا۔ بڑی سی، چمکتی، شاندار گاڑی پر غور کیا، اپنی اہمیت کو محسوس کیا اور مطمئن انداز میں سیٹ سے پشت ٹکا کر بیٹھ گئی۔

یہی تعبیر تھی اس خواب کی جو شعور سنبھالتے ہی اس نے پلکوں سے اٹھا کر ہتھیلی پر دیپ کی مانند روشن کیا تھا کب سے اس دیپ کو اپنی نیندوں کا لہو پلا رہی تھی، کس کس طرح اس دیپ کی حفاظت کی تھی اس نے۔

''کیا کہنا چاہتے تھے آپ!'' وہ مسرور انداز میں پوچھنے لگی۔

''تمہارا پروگرام۔ کیا کرنا ہے، کیسے کرنا ہے؟''

''بس چند دن اور۔ میں احسن سے طلاق کا مطالبہ کرنے والی ہوں آج یا کل میں۔''

''اور...... اگر وہ نہ مانا تو؟''

''مجھے اپنی بات منوانا آتا ہے۔'' وہ اعتماد سے بولی تھی ''یوں بھی میں احسن کی طبیعت سے واقف ہوں۔ وہ زبردستی مجھے خود سے باندھ کر نہیں رکھیں گے۔''

نجانے کیوں اس کی بات پر سکندر علی نے اسے مسکرا کر دیکھا تھا۔

فائیو اسٹار ہوٹل کے خوب صورت اور طمانیت بھرے ماحول میں بیٹھ کر انہوں نے کافی پی تھی۔ آج زینب کے دل میں نہ کوئی ڈر تھا نہ جھجک۔ وہ ہر بات کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ بس اب ہر بات طے شدہ تھی۔

''میں آج رات ہی احسن سے بات کروں گی۔''

اس نے میر سکندر علی کی چمکتی نگاہوں کو اپنے چہرے پر ٹکا پا کر دھیرے سے کہا۔

''اس سے کہو شرافت سے ڈائی ورس پیپرز سائن کر دے ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔''

میر سکندر علی کے لہجے میں حقارت در آئی پھر وہ زینب کا رنگ بدلتا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیا۔ ''کب سے تمہارے اس خوب صورت وجود پر تسلط جمائے بیٹھا ہے۔ مجھے تو اب غصہ آنے لگا ہے۔''

پھر اس نے زینب کا ہاتھ تھام لیا۔

''اس حسین وجود کو میں جلد سے جلد اپنی بانہوں میں دیکھنا چاہتا ہوں...... ہوں؟''

زینب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

''میرا خیال ہے، اب ہمیں چلنا چاہیے۔'' وہ بولی تھی۔

گناہ کے شدید احساس نے اچانک ہی اس کے دل و دماغ پر حملہ کیا تھا۔ اندر کوئی کراہنے لگا تھا۔ میر سکندر علی کی آنکھیں مسکرائیں۔

''میں کچھ دیر اور تمہاری ہمراہی میں گزارنا چاہوں گا حسین خاتون!''

''ہمیں ساتھ ساتھ ہی رہنا ہے کچھ دن بعد۔''

''اوہ کس قدر پر مسرت دن ہوں گے وہ!'' سکندر علی نے خوشی کا اظہار کیا ''تم میری زندگی میں آنے والی ہر عورت سے مختلف ہو زینب! اتنا بے قرار تو مجھے کسی نے نہیں کیا۔''

زینب کو اس کی بات پر اچھنبا ہوا وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ اب تک اس کی زندگی میں کتنی عورتیں آ چکی ہیں لیکن شاید سکندر علی کو خود بھی اپنی کہی ہوئی بات کا احساس ہو گیا تھا۔

''چلو ہم کچھ شاپنگ کرتے ہیں۔'' وہ اچانک ہی کھڑا ہو گیا۔

''نہیں۔'' زینب گھبرا گئی۔ ''پھر سہی۔ یوں بھی ہمیں گھر سے نکلے ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ احسن کو اس بات کا علم ہو کہ میں آپ کے ساتھ باہر گھومتی پھری ہوں۔''

''سو واٹ؟ اب تمہیں میرے ساتھ ساری زندگی گھومنی ہے۔ اس چھوٹے سے گھر میں بسنے والے اس چھوٹے سے آدمی کا خوف کیوں تمہیں اتنا پریشان کر رہا ہے زینب؟''

زینب خاموش ہو گئی۔ نجانے کیوں وہ اداس سی ہو گئی تھی۔

میر سکندر علی نے اس کی ایک نہ سنی تھی۔ وہ اسے ایک شاندار جیولرز شاپ پر لے آیا تھا۔ وہاں رکھے زیورات نے نظروں کو خیرہ کر ڈالا۔ وہ دونوں کافی دیر وہاں بیٹھے مختلف زیورات نکلوا کر دیکھتے رہے۔ کبھی زینب کو کچھ پسند نہ آتا تھا کبھی سکندر علی کو۔ چھ ہیرے جڑی ایک نہایت قیمتی اور خوب صورت انگوٹھی پر دونوں متفق ہو گئے۔

سکندر نے وہیں انگوٹھی اس کے ہاتھ کی انگلی میں ڈال دی۔

واپسی پر وہ خوش تھی بے حد خوش۔ اس کی نگاہ بار بار اپنے ہاتھ پر پڑتی اور تفاخر کے احساس سے اس کی گردن اونچی ہو جاتی تھی۔ اس کے دل سے فی الحال دوسری ہر بات نکل گئی تھی۔

''رملی کے ہاں چلو گی پہلے؟'' سکندر نے پوچھا تو وہ چونک اٹھی۔

''کیا وقت ہوا ہے؟''

''نو بجنے والے ہیں۔'' وہ قدرے بے فکری سے بولا تھا۔

زینب کا دل نہایت تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اسے گھر سے نکلے تین گھنٹے ہونے والے تھے۔ احسن نے اس کا کس قدر انتظار کیا ہو گا۔ وہ کتنا بے چین ہو گا۔ اس نے کیا کچھ سوچا ہو گا۔ وہ اس تصور سے پریشان ہو گئی۔

''اسے صاف صاف بتا دینا تم کہاں سے آئی ہو۔''

سکندر علی بولا تو وہ چونک اٹھی۔

''ہوں...... جی!''

''اس کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا، عورت ساتھ رہنے پر آمادہ نہ ہو تو مرد اسے چھوڑنے میں دیر نہیں لگاتا۔''

''جی!'' وہ سر جھکا کر رہ گئی۔

گھر کے سامنے وہ اتری تو اس کا دل بے تابی سے دھڑک رہا تھا۔ اب تک وہ خود کو جتنا مضبوط اور بہادر تصور کرتی رہی تھی، اتنی ہی گھبراہٹ اور پریشانی اسے لاحق ہو رہی تھی۔ احسن کا سامنا کرنے کے تصور سے اس کے قدم ڈگمگا رہے تھے۔

دروازہ اسے کھلا ہوا ملا تھا۔ وہ اندر پہنچی تو احسن اکیلا لاؤنج میں بیٹھا ہوا تھا۔ اسکے چہرے پر اتنے عجیب تاثرات رقم تھے جو زینب سمجھ نہ پائی۔

''زینو۔'' اسے دیکھتے ہی وہ پریشانی سے بولا ''کہاں چلی گئی تھیں تم!''

''میں۔'' اس نے نجانے کیا کچھ سوچا تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ بول پائی ''میں رملی کے گھر تھی!''

''رملی کے؟ تم رملی کے گھر تھیں؟''

''جی......جی......''

وہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں دکھ کی ایک گہری کیفیت تھی۔

''تم رملی کے گھر نہیں تھیں زینب! میں خود گھنٹہ بھر پہلے پوچھ کر آیا ہوں......''

زینب کو احساس ہوا جس طوفان سے وہ بے طرح خوفزدہ ہو رہی تھی، اس کا آغاز ہو گیا تھا۔ طوفانی ہوائیں چلنے لگی تھیں۔ سیٹیاں سی بجتی سنائی دے رہی تھیں۔

''بولو، بولو زینو! مر جاؤں گا میں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا ''اوہ خدایا!''

''احسن، احسن۔'' وہ اس کی اس بدلتی کیفیت سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگی۔

''زینب! مجھے بتاؤ تم کہاں گئی تھیں۔'' پھر وہ زور سے چیخا تھا ''بتاؤ!''

زینب کو لگا اس کے گلے کی شریانیں پھٹ جائیں گی۔

''بتاؤ کس کے ساتھ گئی تھیں تم! مجھ سے چھپ کر، مجھ سے جھوٹ بول کر۔''

زینب چند لمحے اسے دیکھتی رہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس تک پہنچی اور اس کے قریب دوزانو بیٹھ کر دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''احسن! احسن! آپ کو خدا کا واسطہ ہے، خود کو اور مجھ کو مت آزمایئے گا۔ جو میں کہوں آپ نے وہی کرنا ہے۔''

وہ خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی بے یقین نگاہوں میں حیرانی کا سایہ لہرایا تھا۔

''احسن...... میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ مجھے طلاق دے دیں، مجھے آزاد کر دیں احسن پلیز!''

پھر وہ اٹھ کر بھاگتی ہوئی کمرے میں پہنچی اور دروازہ بند کر لیا۔



ساری رات جاگتے اور روتے ہوئے گزری تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کیوں رو رہی ہے۔ بس اسے بے اختیار اور بے تحاشا رونا آیا تھا۔ روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ پھر نجانے کب اس کو نیند آ گئی تھی۔ اس کی آنکھ کھلی تو کمرے کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے دھوپ اندر آ گئی تھی۔ دس ساڑھے دس کا عمل تھا۔ رات کی باتیں اسے کسی خواب کی مانند یاد آنے لگیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا اور سوجے ہوئے پپوٹے پوری طرح کھلنے سے انکاری تھے۔ آنکھوں میں بے تحاشا جلن محسوس ہو رہی تھی۔ اسے یاد آیا، رات کو کیا ہوا تھا۔ اس نے احسن سے کیا کہا تھا۔ اس کا ردعمل کیا تھا۔ یکا یک اس کو احساس زیاں نے آ لیا۔ کسی بڑے نقصان کا احساس تنگ کرنے لگا۔

''یہ، یہ میں نے کیا کیا۔'' وہ بڑبڑائی۔ ''یہ کیا کر دیا ہے میں نے۔''

پھر وہ اٹھی اور بھاگتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

گھر خالی پڑا تھا۔

''احسن، احسن۔'' وہ آوازیں دیتی پورے گھر میں پھری۔

بیرونی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ پھر اس کی نگاہ میز پر پڑے سفید لفافے پر پڑی ایک لمحے کے لیے جیسے اس کی سانس رک گئی تھی۔

وہ مرے مرے قدموں سے لفافے تک پہنچی تھی۔ اس میں دو الگ الگ اوراق تھے۔

''میں احسن ایاز بقائمی ہوش وحواس اپنی بیوی زینب شاہ کو طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔''

پہلے کاغذ پر لکھی تحریر پڑھ کر وہ بہت دیر تک کے لیے گم صم کھڑی رہ گئی تھی۔



شام کے سنہری پر آہستہ آہستہ رات کی تاریکیوں میں تحلیل ہوتے جا رہے تھے۔ پرندے کب کے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ فضا میں سناٹا بولنے لگا تھا۔

زینب نے آنکھیں کھولیں تو اسے گھر میں پھیلے مہیب سناٹے اور تاریکی کا احساس ہوا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھی خود کو تنہائی کو اور سناٹے کو محسوس کرتی رہی پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

سوئچ بورڈ تک جا کر اس نے ساری لائٹس جلا دیں پھر وہیں کھڑی بے دلی سے ایک ایک شے کو دیکھتی رہی۔ صبح سے رات ہو چکی تھی ایک طویل دن اس نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے گزار دیا تھا۔

ایک بار پھر اس نے میز پر پڑے لفافے اور اس کے پیچھے سے جھانکتے کاغذوں کو دیکھا۔ ایک بار پھر اسے خالی پن کے احساس نے آلیا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے پھر وہ کاغذ اٹھائے۔

''میں احسن ایاز بقائمی ہوش وحواس اپنی بیوی زینب شاہ کو طلاق دیتا ہوں۔ طلاق دیتا ہوں۔''

''آہ!'' اس نے سرد آہ بھری تھی۔

کب سے وہ منتظر تھی اس اسم اعظم کی، جو اسے اس قید سے رہائی دلاتا، لیکن نجانے کیا ہوا تھا۔ جتنی مرتبہ اس نے ان لفظوں کو پڑھا تھا ایک جان لیوا تکلیف دہ احساس اسے اندر تک کاٹتا چلا گیا۔ یہ چند لفظ اس کے اندر زلزلے کی سی کیفیت پیدا کر دیتے تھے۔

صبح سے وہ ان الفاظ کو پڑھتی تھی۔ روتی تھی، پھر پڑھتی تھی۔ اس آنکھ مچولی میں گھر میں رات اتر آئی تھی۔

احسن اس کے نام ایک خط بھی چھوڑ کر گیا تھا۔

اسے زینب محض ایک مرتبہ ہی پڑھ سکی تھی دوبارہ اسے پڑھنے کی ہمت وہ اپنے اندر جمع نہیں کر سکی تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

زینب!

خوش رہو

ہر چند کہ تمہیں مخاطب کرنے کا اختیار کھو دیا ہے میں نے، پھر بھی چند باتیں ایسی ہیں جو تم سے ضرور کہنا چاہوں گا۔

تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں، معذرت خواہ ہوں...... اتنا طویل عرصہ تمہارے اور تمہاری خوشیوں اور تمناؤں کے درمیان حائل تھا۔

بہ خدا زینب! کبھی احساس ہی نہ ہوا کہ میں نے تمہیں، محبت کی نہیں، جبر کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔ کبھی گمان بھی نہ گزرا کہ اپنی محبت کا طوق زبردستی تمہارے گلے میں ڈال کر تمہارے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کر بیٹھا ہوں۔ تمہاری نازک گردن جو بیش قیمت ہیروں سے سجائے جانے کے لائق ہے میرے فرسودہ اور کم قیمت جذبوں کا طوق نہ سہار سکی تو یہ تمہاری نہیں میری خطا ہے۔

چاہے جانے والی شے کو ہر کوئی چاہتا لیکن اسے حاصل کرنے سے پہلے چاہنے والے کو اپنی جانب ضرور دیکھ لینا چاہیے۔

تمہاری محبت کی فسوں خیز روشنی میں، میں خود کو نہ دیکھ پایا، زینب! آسمان پر چمکتے چاند کو اپنی کوٹھڑی میں چھپانے کی تمنا حماقت ہے، دیوانگی ہے۔ میں احمق، دیوانہ تھا، مجھے تسلیم ہے۔ تمہارے سر کوئی گناہ نہیں، الزام نہیں جو کچھ ہمارے مابین ہوا اس کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں آزاد کر دیا ہے۔ تم اپنی نئی زندگی کی شروعات کر سکتی ہو۔ یا شاید شروعات تو تم کر چکی ہو۔ میری جانب سے مبارک باد قبول کرو۔

میری دعا ہے، تمہیں وہ سب کچھ ملے جس کی تم نے تمنا کی اور جو میں تمہیں کبھی نہ دے پایا۔ میری دعا ہے ان چاند تاروں سے تمہاری جھولی بھر جائے جو میری دسترس میں رہ کر تمہاری دسترس سے ہمیشہ دور ہے۔

میں جا رہا ہوں، ہر رشتہ، ہر تعلق توڑ کر، کہاں تک جاؤں گا مجھے بھی علم نہیں۔ لیکن خدا اور تقدیر پر میرا ابھرو سا ئل ہے۔ اتنا طے ہے کہ آئندہ ہم دونوں کبھی نہیں ملیں گے۔ کبھی نہیں اور کہیں نہیں۔ تم اپنے نئے محل میں جانے سے قبل کچھ عرصہ یہیں گزار سکتی ہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی، الماری میں اتنی رقم موجود ہے جو چند ماہ تک تمہارے لیے کافی ہوگی۔

میں نے تمہارے لیے دل سے دعا کی ہے زینب! تو بھی دعا کرنا کہ خدا مجھے سکون دے۔ سکون دے۔

احسن ایاز

بیل کی آواز نے اسے سناٹے کی قید سے آزاد کرایا تھا۔ نجانے کیوں بیل کی آواز نے بھی اس کو اذیت سے دوچار کیا۔ یہ آواز احسن کے آنے کا مژدہ سنایا کرتی تھی۔ اس آواز سے تو احسن کا جیتا جاگتا احساس وجود میں آتا تھا۔ وہ ننھی سی چڑیا جو بیل میں سے سر نکال کر چوں چوں کرتی تھی اسے احسن کی آمد کی نوید سنایا کرتی تھی۔

وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اسے رملی کی صورت نظر آئی تو چند لمحوں کے لیے وہ گم صم ہو کر رہ گئی۔

''اندر آ سکتی ہوں؟'' وہ چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولی تھی۔

زینب کسی روبوٹ کی طرح ایک طرف ہو گئی۔ وہ اندر چلی آئی۔ لاؤنج تک زینب اس کے پیچھے پیچھے چلتی آئی۔ پھر رملی مڑی۔

''میں دراصل دیکھنے آئی تھی کہ تم گھر پر ہو یا نہیں صبح میں نے اماں کو بھیجا تھا وہ دروازہ بجا بجا کر واپس چلی آئی لیکن کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ تم اور احسن بھائی کہاں گئے تھے؟''

زینب نے نظریں جھکا لیں۔

''میں گھر پر ہی تھی۔'' وہ بمشکل بولی۔

''پھر......تم نے دروازہ کیوں نہ کھولا؟''

''مجھے خبر نہ ہوئی۔'' اس کے انداز کھوئے کھوئے سے تھے۔

''حیرت ہے، اتنا بڑا گھر تو نہیں جس میں تمہیں بیل کی آواز نہ سنائی دے یا دروازہ بجنے کا علم نہ ہو۔ احسن بھائی کہاں ہیں؟''

''وہ......چلے گئے ہیں۔''

رملی نے بات نہ سمجھنے کے انداز میں اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''کیا مطلب؟ کہاں چلے گئے ہیں؟''

زینب نے میز پر سے دونوں خط اٹھا کر اس کی جانب بڑھا دیے۔ رملی نے کچھ سوچتے ہوئے وہ اوراق اس سے لے لیے۔

"اوہ گاڈ!" اس کے لبوں سے نکلا تھا، وہ چند لمحوں تک اس کو دیکھتی رہی پھر دوسرا خط پڑھنے لگی۔ چند لمحوں بعد اس نے دونوں خط میز پر ڈال دیے۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ میں کیا کہوں؟" وہ صدمے سے بیٹھ گئی "تمہیں...... مبارکباد دوں یا تم سے افسوس کا اظہار کروں۔ تم یہی کچھ چاہتی تھیں نا زینب...... یہ کچھ! لیکن...... لیکن میں تمہیں مبارک باد نہیں دے سکتی، اس تباہی پر میں تمہیں مبارکباد نہیں دے سکتی۔ اوہ گاڈ!" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔

"معلوم نہیں رملی! میں کیا چاہتی تھی...... اس وقت تو ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ دنیا ختم ہوگئی سب کچھ ختم ہوگیا بس ایک خالی پن بول رہا ہے۔ بس ایک خالی پن، جو کہہ رہا ہے کہ میں اب کبھی بھی مسکرا نہ پاؤں گی۔ احسن کے چلے جانے سے لگ رہا ہے، تقدیر مجھ سے روٹھ کر چلی گئی ہے۔"

اس کی آواز رندھ گئی۔ رملی نے افسوس سے اس کی صورت دیکھی۔

"سب کچھ تمہارا اپنا کیا دھرا ہے زینب! پھر بھی مجھے تم پر ترس آ رہا ہے۔"

"رملی!" وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر رو دی تھی۔



اگلے دن تک وہ ذہنی طور پر سنبھل نہ سکی تھی۔ اندرونی صدمے کی کیفیت اس قدر گہری تھی کہ اسے اپنے اندر محض ایک خلا کا احساس ہو رہا تھا۔ ذہن ماؤف تھا۔ اسے یقین نہ آتا تھا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ ایک کہانی شروع ہو کر ختم ہو چکی تھی۔ اس کے ذہن میں تصویریں بن بن کر مٹ رہی تھیں۔ اس کے کنوار پن کے وہ روشن اور خوشگوار دن، جب دل و دماغ مستقبل کی حسین تصویر میں رنگ بھرنے میں ہمہ وقت مصروف رہا کرتے تھے۔ الہڑ پن اور بے فکری کے دن، پھر احسن ایاز کا اس کی زندگی میں داخل ہونا اس کے دل و دماغ کا اس کی جانب مائل ہونا، ان دونوں کا یک جا ہو جانا، اور پھر...... پھر اس کے ذہن میں آندھی کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ سب کچھ مٹنے لگتا تھا برباد ہونے لگتا تھا۔ اور وہ اپنے برباد ہونے کا ماتم کرنے لگتی تھی۔

سکندر علی کا اچانک ہی چلے آنا گو کہ اس کے لیے تعجب کی بات نہ تھی پھر بھی اسے ایک عجیب سے احساس نے آ گھیرا۔ نجانے کیوں، اسے کبھی کبھی اپنے اندر سے کراہنے کی آوازیں آنے لگتی تھیں۔ اکیلے گھر اور سکندر علی کی آنکھوں کی چمک نے اسے چند لمحوں کے لیے ہراساں کر دیا تھا۔

"آپ...... آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"دیٹس رائٹ! اب تو تمہیں میرے گھر آنا ہے۔"

وہ خوش دلی سے بولا "میں تو محض بلا مقابلہ ہی جیت جانے کی خوشی کی شیئر کرنے آیا تھا۔ کچھ دیر کے لیے، ہر چند کہ آج میری بہت امپارٹنٹ میٹنگ بھی ہے۔ پھر بھی میں تمہارے پاس چلا آیا تھوڑا سا ٹائم نکال کر، کافی پلا دو اچھی سی۔" وہ بے فکری سے صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔

"نہیں پلیز!" وہ بے چین ہو اٹھی۔ "آپ سمجھنے کی کوشش کریں فی الحال ہمارا ملنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں...... سمجھتا ہوں ہم فوراً شادی نہیں کر سکتے۔ کچھ عرصے کے لیے ہمیں علیحدہ رہنا ہوگا۔ وہ کیا کہتے ہیں...... عدت! ہاں عدت میں ہو نا تم۔"

زینب کو لگا کسی نے اس کا دل مسل کر پھینک دیا ہو، وہ ہونٹ بری طرح سے کاٹ کر رہ گئی۔

"لیکن ڈارلنگ! اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ہم مل بھی نہیں سکتے، میں نے تو تمہارے لیے ایک علیحدہ گھر کا بندوبست بھی کیا تھا۔ میرا خیال

تھا وہ شخص طلاق دے کر تمہیں گھر سے جانے کے لیے کہے گا۔ لیکن خیر...... تمہاری مرضی ہے تم یہاں سے شفٹ کرنا چاہو تو عدت کے دن اس گھر میں بھی گزار سکتی ہو۔ اس کی نسبت وہ بہت زیادہ آرام دہ اور لگژری ہے۔ بہت خوبصورت۔"

"نہیں...." وہ آہستگی سے بولی "میں فی الحال یہیں ٹھیک ہوں۔"

"ابھی تو میری میٹنگ ہے۔" اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تھی۔ "شام کو کہیں چلتے ہیں۔ اس خوشی میں بہترین ساڈنر کرتے ہیں ٹھیک ہے۔؟"

"آج نہیں...." وہ بے چین ہو اٹھی "پھر کبھی، پلیز کچھ دن تک آپ یہاں مت آیئے گا۔" سکندر علی نے کاندھے اچکا کر گہری سانس بھری تھی۔

"بے حد مشکل عورت ہو تم، سمجھ میں ہی نہیں آتا کس وقت کیا کہنا چاہتی ہو، بہرحال ابھی تو میں جا رہا ہوں کافی پلانے پر بھی تم راضی نہیں ہو۔ اگلی ملاقات کا وقت بھی نہیں دے رہی ہو۔ یوں کرو...... یہ میرا موبائل رکھ لو...... اور ہاں یہ رکھو۔"

اس نے ہزار ہزار کے کئی نوٹ بٹوے سے نکال کر میز پر رکھ دیے۔

"نہیں نہیں......!" وہ گھبرا گئی "اس کی ضرورت نہیں پلیز۔"

"ارے ڈارلنگ! تکلف مت کرو، اب یہ سب کچھ تمہارا ہی تو ہے نا۔" اس نے پیار سے زینب کا گال چھونا چاہا۔ وہ تڑپ کے پیچھے ہٹی تھی۔

"اوہ...... شائی گرل!" وہ ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنسا "خیر...... کبھی تو......"

وہ پھر ہنسا تھا، اس کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک میز پر بکھرے نوٹوں کو دیکھتی رہی۔ فی الوقت اسے ان میں بھی کشش محسوس نہ ہوئی تھی، کوئی شے اس کے ذہن میں نہ آتی تھی۔ جسے وہ خریدنا چاہتی ہو یا جس کی اسے ضرورت ہو۔ ہر شے سے دل بھرا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان نوٹوں کو یونہی میز پر بکھرا ہوا چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔ دروازہ بند کرتے ہوئے اسے احسن کا خیال آیا، وہ کس طرح اسے دروازے کھڑکیاں بند رکھنے کی ہدایت کرتا تھا، وہ گھر کے دروازے بند ہی رکھتی تھی۔ نجانے دل کا دروازہ بند کرنا کیسے بھول گئی۔ کہاں کون سی چور کھڑکی کھلی رہ گئی نقب کیسے لگی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "جانا ہی تھا تو مجھ سے خوب لڑ تو لیتے۔ مجھے غلیظ گالیاں دیتے۔ مجھ پر تھوکتے، میرے کردار پر لعنت بھیجتے، میرے تصور پر لاحول پڑھتے۔ مجھے گھر سے نکال باہر کرتے۔ مجھے اتنی، اتنی زیادہ اذیت تو نہ ہوتی۔ جتنی محبت سے اپنایا تھا۔ اتنی ہی محبت سے چھوڑ گئے ہو...... اور...... کہاں گئے ہو، کہاں...... یوں خالی ہاتھ، خالی دامن، خالی دل لے کر تم کہاں چلے گئے...... یہ تصور کیا مجھے چین سے جینے دے گا؟ کیا اب کبھی مجھے قرار آپائے گا، کہاں گئے احسن تم؟"

کالی سڑک پر نگاہیں جمائے وہ بے بسی سے آنسو بہاتی رہی۔



وہ دن جو پہلے پر لگا کر اڑا کرتے تھے، اب جیسے کسی کالے دیو کی قید میں آ گئے تھے۔ گھڑی کی سوئیاں رک رک کر آگے بڑھا کرتی تھیں۔ سورج نکل کر غروب ہونا بھول جاتا تھا، رات آتی تھی تو اپنی ظالم آغوش سے دن کو نکلنے نہ دیتی تھی۔

زینب گھڑیاں گن گن کر تھک جاتی تھی۔ وہ گھر جہاں کبھی کام ختم ہونے میں نہ آتے تھے وہاں اب کرنے کو کچھ تھا ہی نہیں ایک کمرے سے نکلتی تو دوسرے کمرے میں جا گھستی وہاں سے نکل کر پھر پہلے کمرے میں آ جاتی۔ کسی سے بات کرنے کو اس کی زبان ترس گئی تھی۔ سکندر علی کا موبائل فون اس کے پاس تھا لیکن اس نے بھی اب تک اس کو ایک مرتبہ بھی فون نہیں کیا تھا۔ غالباً اس روز زینب کے رویے نے اسے محتاط کر دیا تھا۔

پھر بے حد اکتا کر اور اس جان لیوا سناٹے سے ہار مان کر وہ رملی کی طرف چلی آئی......رملی اسے دیکھ کر کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔ پھر بالآخر وہ بولی۔

''تمہیں گھر سے نہیں نکلنا چاہیے زینب! تم عدت میں ہو۔''

''آہ!'' اس کے اندر سے خود بخود ہی سرد سانس نکلی تھی ''میں مر جاتی رملی......! تنہائی کسی بچھو کی طرح میرے سینے میں پنجے گاڑ رہی تھی۔ تمہیں اتنا ترس بھی نہ آیا مجھ پر کہ آ کر میرا حال پوچھ جاتیں۔''

''ترس......'' وہ طنز سے ہنس دی ''ترس مظلوم کے لیے ہوتا ہے نا کہ ظالم کے لیے۔ تم پر ترس کیوں کھاؤں میں، یہ چند دن مجبوری کے ہیں جو تمہیں کاٹنے ہی پڑیں گے، اس میں ترس کی کیا بات ہے۔ پھر تم ہو گی اور تمہاری خواہشات کی تکمیل کا نا ختم ہونے والا سلسلہ جو چاہو گی وہ تمہاری دسترس میں ہو گا میری جان...... بڑی دھوم دھام سے بیاہ کر جانا میر سکندر علی کی کوٹھی ہاں......''

زینب کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

''آخر تم مجھ سے اتنا چڑنے لگی ہو رملی۔!'' پھر وہ بولی تھی۔ ''ٹھیک ہے اگر اپنی زندگی سے متعلق کوئی فیصلہ میں نے کیا بھی تو تمہارے ساتھ کون سا ظلم کیا ہے؟ اگر کچھ غلط بھی ہوا تو اس کا تمہاری ذات پر تو کوئی اثر نہیں پڑا۔ تمہارا کوئی نقصان نہیں کیا میں نے۔ سکندر پہلے بھی تمہارا بھائی تھا۔ اب بھی رہے گا۔''

رملی نے سانس بھر کر منہ پھیر لیا تھا۔

''ہر شخص اپنی زندگی سے متعلق فیصلہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہے۔'' وہ مزید بولی ''اگر اس فیصلے سے تمہارا نقصان ہوتا تو تمہارا یہ رویہ سچا بھی ہوتا لیکن مجھے تو حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اس سارے قصے سے تمہارا کوئی تعلق نہیں پھر بھی سب سے زیادہ سخت ردعمل تمہارا ہی ہے۔''

''میرا تعلق نہیں؟'' رملی جارحانہ انداز میں بولی ''میرا تعلق کیسے نہیں ہے۔ جتنا نقصان تم نے میرا کیا ہے اتنا تو اپنا بھی نہیں کیا ہے۔''

''رملی ڈارلنگ!'' اچانک ہی میر سکندر علی کی پرسکون آواز نے ماحول کو یکدم جیسے اپنے ٹرانس میں لے لیا تھا۔ رملی اور زینب چونک کر دروازے کی جانب متوجہ ہو گئی تھیں جہاں وہ ہمیشہ کی طرح پرسکون انداز میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''کس بات پر بحث ہو رہی ہے فرینڈز؟'' اور چلا آیا۔

نجانے اس نے طنز کیا تھا یا وہ سنجیدہ تھا۔ زینب کو اس کا لہجہ سمجھ میں نہ آ سکا۔ رملی خاموش ہو کر گہرا سانس بھرنے لگی تھی۔ سکندر علی اسی کی جانب متوجہ تھا۔

''غصے میں لگتی ہو؟'' وہ لب بھینچ کر مسکرایا۔

''نہیں، غصہ کیسا۔'' وہ ٹھنڈی پڑ گئی ''تم بیٹھو میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔''

وہ اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔ سکندر علی اس کے مقابل بیٹھ کر نا قابل فہم انداز میں مسکرانے لگا تھا۔

''دیکھا تم نے زینب! میزبانی ایسے کی جاتی ہے تم بھی یہ گُر سیکھو رملی سے، ہر چند کہ وہ خفا ہے پھر بھی کافی پلائے بغیر جانے نہیں دیتی۔''

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ اس کے دماغ میں کچھ دیر قبل کہی گئی رملی کی باتیں گونج رہی تھیں سکندر علی بغور اس کو دیکھتا رہا۔

''اور کتنے دن ہیں زینب؟'' پھر اس نے پوچھا تھا۔

''بس، کچھ دن اور ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''میرے صبر کا اور کتنا امتحان لینا ہے تم نے......'' وہ مسکرایا۔

زینب کا دل دھڑکنا بھولنے لگا۔ وہ اسے دیکھ کر تھوک نگل کر رہ گئی۔

''ہم خاموشی سے، چھپ کر شادی نہیں کریں گے۔'' وہ بولا ''بڑی دھوم دھام سے ہوگی۔ اس رات میں پورے شہر میں چراغاں کر دوں گا۔ تمہیں شاپنگ کے لیے کب لے چلوں؟''

''شاپنگ؟'' اس نے غائب دماغی سے اسے دیکھا۔

''ہاں ہاں...... جی کھول کر پیسہ خرچ کرنا تم، میری طرف سے کوئی پابندی نہ ہوگی۔ تمہارا عروسی لباس میں اس شہر کی سب سے بہترین ڈیزائنر سے تیار کروا رہا ہوں۔ اس کا کلر کمبی نیشن، اس کی ڈیزائننگ، اس پر کیا گیا کام، سب کچھ تمہارے لیے ایک سرپرائز سے کم نہ ہوگا۔ دیکھو گی تو کھل اٹھو گی۔ اس کے ساتھ کی جیولری بھی میں نے پسند کی ہے۔ باقی سب کچھ تمہاری پسند پر چھوڑا ہے جو کچھ خریدنا چاہو خریدنا۔''

رملی ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

اس نے سکندر علی کی گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا۔ وہ زینب کو دیکھ کر طنزاً مسکرائی۔

''ہاں کیوں نہیں، اسے جی بھر کر شاپنگ کروانا، اسے یوں بھی شاپنگ کا کریز ہے، اس کا غم بھی کچھ غلط ہوگا۔'' وہ بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں بولی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی ٹرے اس نے ان کے درمیان رکھ دی۔

اس نے بے حد بچی بات کہی تھی مگر زینب اندر تک سلگ گئی تھی۔ اس نے کڑی نگاہوں سے رملی کو گھورا۔

''سکندر! باقی باتیں تو بعد میں طے ہوتی رہیں گی لیکن پلیز'' آپ اس کو اچھی طرح سمجھا دیں، یہ مجھ پر ہر وقت کی چوٹ کرنا چھوڑ دے...... ورنہ......!''

''ورنہ......'' وہ تمسخرانہ انداز میں مسکرا دی ''ورنہ کیا کرو گی زین تم؟ سکندر سے شادی نہیں کرو گی؟ ہاں...... یہ پہلی اور آخری دھمکی ہے جو تم دے سکتی ہو۔''

''رملی!'' وہ چلائی تھی۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر رو دی۔

''اوہ......اوہ......'' سکندر علی اس صورتحال سے گھبرا اٹھا ''کم آن زینب! یہ کیا حرکت ہے۔ رملی از جسٹ جوکنگ...... رملی! یار اسے چپ کراؤ تم بھی کبھی کبھی لمٹس کراس کر جاتی ہو۔ اب بھلا ایسے مذاق کی کیا ضرورت تھی۔''

''نجانے تم کس بات کو مذاق کہہ رہے ہو۔'' اس نے بے پروائی سے کاندھے اچکائے ''میں نے کوئی بات بھی مذاق میں نہیں کہی۔ اینی وے، اس کو چپ کرانا تمہارا درد سر ہے۔ میں فی الحال اس رومینٹک سچویشن میں مخل نہیں ہونا چاہتی۔ میں کچھ دیر سوؤں گی۔''

وہ کمرے سے نکل گئی تھی۔

''زینب! مائی ڈارلنگ...... بی ایزی!'' وہ اس کا شانہ تھپکنے لگا ''آنسو پونچھو...... مسکراؤ...... شاباش، چیئر اپ۔ روتی ہوئی عورتیں بہت عجیب لگتی ہیں مجھے۔''

زینب نے ٹشو سے چہرہ صاف کیا۔ اسے رملی سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

''کافی لو......'' سکندر نے مگ اس کی جانب بڑھایا۔

''نہیں......'' اس نے ناگواری سے مگ پرے کر دیا۔ ''مجھے نہیں پینا یہ کافی۔''

''اوہ......'' وہ خوش دلی سے ہنسا ''چلو کہیں باہر چلتے ہیں۔''

''بالکل موڈ نہیں ہے۔'' اس نے نفی سے سر ہلایا۔

''کیسا موڈ ہے پھر بتاؤ! اس حساب سے پروگرام سیٹ کرتے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کچھ شاپنگ ہو جائے۔ آج سے شادی کی تیاریوں کی

شروعات کرتے ہیں۔ چلو، تمہارے لیے ڈریسز وغیرہ پسند کرتے ہیں۔"

زینب خاموش ہو کر سوچنے لگی۔ ان باتوں کا کتنا شوق تھا اسے۔ احسن سے شادی سے قبل اس کا کیا کیا شے خریدنے کے لیے دل مچلتا تھا، وہ بازار جا کر یوں لوٹتی تھی، جیسے پیاسا کنوئیں کے قریب جا کر لوٹ آئے۔ اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کی شادی شہزادیوں کی سی آن بان سے ہو۔ جو دیکھے وہ عش عش کرے۔

اب اسے یہ سب ارمان پورے کرنے کا موقع مل رہا تھا لیکن دل..... یوں لگتا تھا وہ دل سینے سے نکل کر کہیں روٹھ کر جا بیٹھا تھا۔ یہ سب کچھ کرنے سے پہلے اپنے دل کو ڈھونڈنا اشد ضروری تھا۔

"کیا سوچنے لگیں ڈرالنگ! یہ کمپیوٹر کا دور ہے۔ سوچنے کے لیے اتنا وقت ضائع کرنا ٹھیک نہیں میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا ہے تمہیں۔ میری طرح فیصلے کیا کرو۔ فوری، جامع اور فائدہ مند فیصلے۔"

زینب نے چند لمحوں کے لیے سوچا پھر بولی۔

"میرا خیال ہے..... یہ سب باتیں کچھ دن کے لیے مؤخر کر دی جائیں۔"

سکندر علی کا ندھے اچکا کر رہ گیا تھا۔



بالآخر وہ روتے، اونگھتے دن تمام ہوئے تھے۔ زینب جذباتیت اور مردہ دلی سے اس حصار سے پوری طرح نہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور باہر نکل آئی تھی۔ احسن کی یادیں پہلے پہل بارش کی طرح موسلا دھار برسی تھیں پھر ان کی شدتوں میں کمی آ گئی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ وہ دھندلانا شروع ہو گئی تھیں۔ نئے عکس بننے لگے تھے۔

اس کے اندر سوئی ہوئی چند برس پرانی زینب انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ جسے چاہ تھی، شوق تھا، حرص تھی، تمنا تھی۔ ہر شے سے دامن بھر لینے کی۔ ہر خوشی کو چھو کر دیکھنے کی۔ جذباتیت کے اس حصار سے نکلنے میں میر سکندر علی نے اس کی بہت مدد کی تھی۔ اس کے منع کرنے کے باوجود اس سے ملنے آتا رہا تھا۔ اسے فون کرتا رہا تھا۔ اس کی باتوں نے اسے سوچوں کے اس گرداب سے باہر نکالا تھا جس میں وہ گلے گلے تک جا پھنسی تھی۔

"بھول جاؤ کہ تمہاری زندگی میں کبھی کوئی معمولی، بے نام سا شخص بھی گزرا تھا، بس ایک ڈراونے خواب کی مانند سمجھو اس کی یادوں کو، جو ذہن میں تو رہتا ہے مگر اس کا سوچوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا، یوں سمجھو، تمہاری آنکھ ابھی ابھی کھلی ہے پیچھے جو کچھ تھا وہ محض خواب تھا۔ آگے جو کچھ ہے وہ حقیقت ہے۔ اور حقیقت یہی ہے کہ تم زینب سکندر علی بننے جا رہی ہو۔"

سکندر علی نے فون پر اس سے کہا تھا اور وہ واقعی پچھلا سب کچھ ایک خواب سمجھ کر بھلانے کی کوشش کرنے لگی تھی۔ احسن کی تمام چیزیں اس نے ایک الماری میں بند کر دی تھیں اس لفافے سمیت جس میں اس کا خط اور طلاق نامہ تھا۔ اس نے اپنے استعمال کے لیے وہ رقم بھی خرچ نہیں کی تھی جو احسن چھوڑ گیا تھا اب وہ میر سکندر کی رقم خرچ کرتی تھی۔ وہ ہر طور احسن ایاز کو بھلا دینا چاہتی تھی۔



"آج میری عدت ختم ہو گئی۔" اس نے سکندر علی کو بتایا "میں خود کو بہت ہلکا پھلکا اور آزاد محسوس کر رہی ہوں۔"

وہ اس کے موبائل پر اس سے باتیں کر رہی تھی۔

"گڈ!" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا "گویا ہم دونوں ہی آزاد ہیں۔ آئی ایم ریئلی ہیپی تمہیں لینے آؤں گا۔"

"جی!" اس نے گہرا سانس بھرا" آج تو...... آج تو واقعی مسکرانے کو جی چاہ رہا ہے۔ یوں لگتا ہے عمر قید بھگتائی ہو۔ کوئی پروگرام بنائیں نا...... اچھا سا...... جو موڈ کو ایک دم ٹھیک کر دے۔"

"ہوں...... میں آ رہا ہوں تمہیں لینے، پروگرام ساتھ مل کر بنائیں گے۔" اس نے فون بند کر دیا۔

زینب موبائل ایک طرف رکھ کر تیار ہونے کے لیے کھڑی ہو گئی۔ آج کا دن اس کے لیے بے حد اہم تھا وہ اپنے کپڑے دیکھنے لگی۔ پچھلے دنوں سکندر علی اس کے لیے ایک بے حد قیمتی ساڑھی لایا تھا۔ زینب نے وہی ساڑھی اپنے لیے منتخب کی۔ نہا دھو کر اس نے اپنے لانبے، سیاہ خوبصورت بال دل لگا کر سنوارے پھر تیار ہونے لگی۔ گہری سبز، باریک ساڑھی میں اس کا سراپا کسی مورتی کی طرح سج اٹھا تھا ہلکی سی جھلک دیتی گوری، نازک کمر اور ہاف سلیوز میں جکڑے چمکتے بازو قیامت ڈھانے لگے۔

گہرے رنگ کی لپ اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جما کر اس نے چہرہ چمکایا اور گلے میں ہیرے والا وہی لاکٹ ڈال لیا جو سکندر علی کی جانب سے اس کے لیے پہلا تحفہ تھا، ہائی ہیل کی سینڈل نے اس کی خوش قامتی میں اضافہ کیا تو وہ ناقابل یقین حد تک حسین نظر آنے لگی۔

سکندر علی آیا تو کچھ دیر کے لیے مسکرا کر اسے دیکھتا رہا۔

"پروگرام یکسر تبدیل ہو چکا، تمہیں یوں دیکھ کر محض ایک ہی پروگرام بن سکتا ہے۔"

"وہ کیا......؟" وہ قدرے چونکی تھی۔

"چلو...... گاڑی میں بیٹھو، پھر بتاتا ہوں۔" وہ کوٹ کی جیب سے سگار نکال کر سلگانے لگا تھا۔

گاڑی میں بیٹھ کر وہ منتظر رہی کہ وہ اسے کیا پروگرام بتاتا ہے مگر وہ خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس کے چہرے پر گہری سوچ کا عکس تھا۔ زینب نے دو تین مرتبہ اسے دیکھا پھر اسے مہر بہ لب پا کر خود بھی خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔

گاڑی کورٹ کی عمارت میں جا کر رکی تو زینب کی نگاہوں میں بے یقینی اور تحیر کی کیفیت نمودار ہوئی۔

"یہاں...... ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"یہاں ہم میرج پیپرز سائن کرنے آئے ہیں۔"

اس کا اطمینان قابل دید تھا۔ "میرے وکیل نے ساری تیاری کی ہوئی ہے بس سگنیچرز کا کام باقی ہے۔ آؤ ڈارلنگ!" اس نے جھک کر اس کی طرف کا دروازہ کھولا۔

"لیکن یوں اچانک......؟" وہ حیران تھی۔

سکندر علی بھرپور انداز میں مسکرا دیا۔

"تم تو یوں پریشان ہو رہی ہو، جیسے میں نے شب خون مارا ہو۔ یہ سب تو طے تھا بس اتنا ہوا کہ تمہیں دیکھ کر میری پروگرامنگ چینج ہو گئی۔ اب مزید انتظار میرے لیے ممکن نہیں چلو آؤ۔"

زینب کو اچانک ہی ایسا محسوس ہونے لگا جیسے وہ کسی شکنجے میں کسی جا رہی ہو۔ حالانکہ میر سکندر علی کے کہنے کے عین مطابق یہ سب تو طے تھا۔ پھر بھی اس کی دل کی کیفیت عجیب ہو گئی۔ ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ ایک مرتبہ پھر کسی کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی تھی۔ اس مرتبہ صورتحال بالکل برعکس تھی۔

سکندر علی نے ٹھیک کہا تھا۔ سارا کام مکمل تھا انہیں کچھ ہی دیر میں میاں بیوی کی حیثیت مل گئی۔

گاڑی ایک مرتبہ پھر سیاہ سڑک پر رواں دواں ہوئی تو زینب بالکل خاموش تھی۔ زندگی یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ اور وہ اس تبدیلی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کر رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ چھوٹے چھوٹے شناسا راستوں سے گزر کر اب ایک بہت طویل انجان شاہراہ پر آ نکلی

ہو۔ ایک انجانا سا خوف اسے پریشان کر رہا تھا۔ ایک نامعلوم سی خوشی بھی کہیں کہیں سانس لیتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے کچے راستوں سے نکلنے کی خوشی، بڑی، شاندار اور ہموار شاہراہ پر چلے آنے کی خوشی، کچھ بن جانے کا غرور، وہ زینب شاہ سے زینب احسن ایاز بنی تھی تو زندگی میں بال برابر معمولی فرق پڑا تھا، آج زینب سکندر علی بن کر اس کے تمام انداز بدل گئے تھے۔ اس کو اپنے اندر ایک برقی رو دوڑتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے سنا، سکندر علی کہہ رہا تھا۔

''تم دل چھوٹا مت کرنا زینب کہ یہ سب کچھ اس قدر سادگی سے، اتنی آسانی سے ہو گیا۔ وہی کچھ ہوگا جو تم چاہو گی۔ میں ایسی پارٹی دوں گا کہ لوگوں کی آنکھیں کھلی رہ جائیں گی۔ تم اپنے سارے ارمان پورے کرنا جو تمہارے دل میں ہیں۔ یوں سمجھو، اب یہ دنیا تمہاری مٹھی میں ہے۔''

زینب اسے دیکھ کر مسکرا دی۔

''اوہ..... لکنگ پریٹی!'' وہ خوش ہوا ''یہ مسکراہٹ تو تمہارا اثاثہ ہے۔ تمہارے ہونٹ کے دائیں جانب جو ڈمپل پڑتا ہے وہ غضب ڈھاتا ہے۔''

وہ بے حد پر جوش تھا، اس کی تعریف کا انداز عجیب سا تھا جیسے وہ اسٹیج پر کھڑی کسی اداکارہ کی تعریف کر رہا ہو۔ زینب کو کچھ خاص خوشی نہ ہوئی۔

سکندر علی نے گاڑی جیولرز شاپ کے سامنے پارک کی تو زینب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''اس خوبصورت موقع کی یادگار کے لیے کوئی خوبصورت سا تحفہ!'' وہ مسکرایا تھا۔ ''یہ جو ساڑھی تم نے باندھی ہے، میچنگ جیولری کے بغیر اس کا تاثر ادھورا ہے چلو آؤ۔''

زینب حیران حیران سی گاڑی سے اتری تھی، واقعی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے دنیا اس کی مٹھی میں ہو۔

سکندر علی کی فرمائش پر شاپ کے مالک نے اسٹون جیولری کا ڈھیر کا ڈھیر ان کے آگے پھیلا دیا تھا زمرد کا ایک بے حد قیمتی اور بھاری سیٹ زینب نے پسند کیا اور اسے پہن کر ہر آئینے سے جھانکتے اپنے عکس کو دیکھتی رہی۔

ایک ہوٹل سے پر تکلف لنچ کر کے وہ نکلے تو زینب تھک چکی تھی۔

''گھر چلیں، میں تھک گئی ہوں۔'' اس نے کہا تو وہ ہنس پڑا۔

''تھک گئیں؟ گاڑی میں بیٹھے بیٹھے تھک گئیں۔ جنہیں دنیا دیکھنی ہو وہ اتنی جلدی نہیں تھکا کرتے۔''

''آپ کا ارادہ آج ہی کے دن دنیا گھما دینے کا ہے؟'' وہ مسکرائی۔

''ہاہاہا.....'' وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا تھا ''گڈ جوک! چلو اگر تم واقعی تھک گئی ہو تو گھر چلتے ہیں اچھی سی کافی پی کر تم آرام کرنا مجھے ذرا کسی سے ملنے جانا ہے۔''

''آج بھی.....؟'' زینب نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اوہ ڈارلنگ! سوری فار ڈیٹ...... لیکن تم جانتی ہو، یہ پروگرام تو اچانک ہی بن گیا۔ میری تو آج کافی میٹنگز طے تھیں۔ کچھ میں کینسل کر دوں گا، لیکن ایک بہت امپارٹنٹ میٹنگ کینسل نہیں کی جا سکتی۔ آئی پرامس، وہ اٹینڈ کر کے میں گھر آ جاؤں گا۔''

زینب باہر دیکھنے لگی۔ حقیقت یہ تھی کہ اسے میر سکندر علی کے جلد گھر آنے سے کوئی خاص دلچسپی فی الوقت محسوس نہ ہو رہی تھی۔ جو کچھ ہوا تھا وہ اس کے لیے ذہنی طور پر تیار نہ تھی۔ سوچنے سمجھنے کے لیے اسے تھوڑا سا وقت درکار تھا، صبح وہ گھر سے محض آؤٹنگ کے لیے اور ذہنی طور پر فریش ہونے کیلئے نکلی تھی۔ یوں اچانک شادی کر کے سکندر علی کے گھر جانے کے متعلق اس کے ذہن میں کوئی گمان تک نہ تھا اسے تو ساتھ بیٹھا سکندر علی بھی اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔ بطور شوہر اس کا دل تسلیم ہی نہ کرتا تھا وہ اپنی سوچوں میں گم تھی جب گاڑی کے رکنے پر اس نے چونک کر سامنے دیا تھا۔

''ارے.....'' اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

''یہ تو.....''

''تمہارا گھر آ گیا'' سکندر علی نے مسکرا کر جملہ مکمل کیا ''ہاں.....ہم یہیں آئے ہیں۔''

''لیکن.....'' وہ حیران تھی۔

''ڈونٹ وری ڈارلنگ.....وہ شاندار کوٹھی آج بھی تمہاری منتظر ہے، لیکن میں چاہتا ہوں تم پورے آنر کے ساتھ اس میں داخل ہو، اس ویڈنگ ڈریس میں جو میں نے خصوصی طور پر تمہارے لیے تیار کروایا ہے۔ ہزاروں نگاہیں تم پر ہوں، تمہیں رشک سے دیکھتی ہوں اس لیے فی الوقت میں تمہیں یہاں لے آیا ہوں، بس چند دن انتظار کرلو۔''

زینب دروازہ کھول کر گاڑی سے اتر آئی۔ وہ گھر میں داخل ہوئی تو سکندر علی اس کے ہمراہ تھا۔

''کافی بناؤں؟''

''بالکل.....!'' وہ صوفے پر بیٹھ کر سگار سلگانے لگا۔

زینب کچن میں گھس گئی مگ میں کافی اور چینی ڈال کر بیٹھے بیٹھے اسے یکا یک ایسا محسوس ہوا جیسے وہ احسن کے لیے کافی بنا رہی ہو گی۔ اس چمچ کی گرش کو روک کر اس نے آنکھیں موند لیں اچانک ہی دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا تھا، کچھ دیر تک وہ یاد کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ کس کے لیے کافی بنا رہی تھی پھر آہستہ آہستہ وہ ہوش و حواس میں لوٹی تھی۔

کافی کا مگ لے کر وہ کچن سے نکلی تو میر سکندر علی کسی سے فون پر محو گفتگو تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے گفتگو مختصر کر دی۔

''کافی!'' زینب نے ہاتھ بڑھایا۔

اس نے زینب کی کلائی تھام کر اسے قریب کرنا چاہا پھر یکا یک چونک اٹھا۔

''ڈارلنگ! آر یو آل رائٹ''

''جی.....!'' اس نے ہاتھ کی پشت سے پیشانی صاف کی۔

''تو.....تو.....'' اس نے سر ہلایا ''بالکل پیلی ہو رہی ہو اور ہاتھ برف کی طرح ٹھنڈے ہیں بتاؤ، کیا بات ہوئی؟''

''بس یونہی.....چکر آ گیا تھا۔'' اس نے بات بتائی۔

''کیوں؟'' اس نے تشویش سے ابرو اچکائے۔

''کوئی خاص بات، بیمار ہو؟ چلو ڈاکٹر کو دکھا کر آتے ہیں؟''

''ارے نہیں۔'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔ ''آپ خوامخواہ ہی پریشان ہو رہے ہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں، بس ذرا سی تکان محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی کافی پیوں گی تو بالکل فٹ ہو جاؤں گی۔''

''ہوں.....'' وہ سوچتی ہوئی نظروں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔

زینب انگلی میں پڑی زمرد کی انگوٹھی سے کھیلنے لگی۔ وہ عین اسی جگہ بیٹھا تھا جہاں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنا کبھی احسن کا پسندیدہ کام تھا۔ اسے محسوس ہوا کہ اس کی پیشانی ایک مرتبہ پھر پسینے سے بھیگنے لگی تھی یہ کیا ہو رہا تھا اسے؟ وہ خوفزدہ ہو گئی۔ احسن سے علیحدگی کو چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا یہ نہیں تھا کہ اس عرصے میں اسے احسن کی یاد بالکل نہیں آئی تھی یا سوچ کے سراب نے اسے پریشان نہیں کیا تھا۔ لیکن آج میر سکندر علی کی قربت میں اس کا ذہن جو آنکھ مچولی کھیل رہا تھا وہ نہ صرف پریشان کن تھی بلکہ اس کی سمجھ سے باہر بھی تھی۔

''میں اب چلوں گا۔'' وہ کافی کا کپ رکھ کر کھڑا ہوا تو وہ چونکی تھی۔

''بیٹھیں کچھ دیر......'' وہ محض اتنا ہی کہہ سکی۔

''ایک ضروری میٹنگ ہے......ورنہ تم جانتی ہو، یہ وقت کتنا قیمتی ہے۔'' وہ مسکرایا تھا ''تم ریسٹ کرو مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگتی۔''

''پھر کب آئیں گے آپ؟''

''ڈیپینڈز'' وہ مسکرایا ''جب ٹائم ملے گا......میں آ جاؤں گا......یو ڈونٹ وری، اور ہاں! مجھے یہ آپ، جناب کے تکلفات پسند نہیں مجھے ''تم'' کہہ کر مخاطب کیا کرو اچھا لگتا ہے۔''

''کوشش کروں گی۔''

''او کے......'' اس نے حسب عادت اس کا رخسار چھوا تھا ''پھر ملتے ہیں۔''

میر سکندر علی کے چلے جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کیا تھا۔ پھر وہ اندر چلی آئی۔ شام کا جھٹپٹا ہو چلا تھا۔ لباس تبدیل کر کے اس نے خود کو قدرے بہتر محسوس کیا۔ وہ ایک کپ چائے پینا چاہتی تھی۔ اسے کافی بہت زیادہ پسند نہیں تھی۔ سکندر علی کا ساتھ دینے کے خیال سے وہ پی تو لیتی تھی۔ لیکن محض اوپری دل سے چائے کی طلب پھر بھی باقی رہتی تھی۔

وہ کچن میں آ کر چائے بنانے لگی۔ اس کے ذہن میں جیسے الجھی ہوئی سوچوں کے جالے لٹکے ہوئے تھے، دھندسی تھی جو کسی طور نہ چھٹتی تھی۔ چائے کی خوشبو اس کے اردگرد پھیلی تو اس نے چونک کر پانی میں جوش کھاتی پتی کو دیکھا۔ وہ خوشبو تھی یا احسن کا احساس۔

''آہ!'' اندر ایک کراہ ابھری تھی ''اسے چائے کس قدر پسند تھی، میرے ہاتھ کی چائے پینا اس کا بے ضرر سا شوق تھا اب وہ کہاں، کس کے ہاتھ کی چائے پیتا ہو گا؟''

''زینو......چائے لے آؤ یار......!''

ذہن کے دریچوں میں ایک بازگشت آ کر ٹکرائی تھی۔

''جانو......یہ چائے بنا رہی ہو یا پائے آ بھی چکو یار!''

سلیب پر رکھا اس کا ہاتھ دھیرے دھیرے کانپنے لگا۔ یہ آواز حقیقت تھی یا سراب، اسے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اندر کمرے میں بیٹھا اسے آوازیں لگا رہا تھا۔

''زینو......آ بھی جاؤ......زینو......زینو......''

اس کے چاروں طرف آوازیں گونجنے لگیں۔

''نہیں!'' اس نے سختی سے کانوں پر ہاتھ جما لیا۔

پھر اس نے چولہا بند کیا اور بھاگتی ہوئی کچن سے نکل آئی۔ مغرب کے وقت کا دھندلکا کھڑکیوں کے شیشوں کو پار کر کے پورے گھر میں پھیل گیا تھا۔ اسے لگا جیسے پورے گھر میں سفید سفید سائے حرکت کر رہے ہوں، زینب کو اپنی تمام عمر میں اتنا خوف کبھی محسوس نہ ہوا تھا، یوں لگتا تھا، دل ابھی حلق کے رستے باہر آ جائے گا۔ اس نے بھاگتے ہوئے راہداری طے کی، بیرونی دروازہ کھولا اور گھر سے نکل آئی۔ بنا دوپٹے دوڑتی ہوئی رملی کے دروازے کے سامنے جا کر رکی تھی۔

ایک تواتر سے بجتی بیل کے جواب میں دروازہ رملی کی ملازمہ نے کھولا تھا۔

''زینب بی بی آپ!'' وہ اسے اچنبھے سے دیکھنے لگی۔

''خیریت تو ہے نا؟''

''مجھے اندر آنے دو۔'' وہ یوں تھوک نگل کر بولی تھی جیسے وہ اسے گھر میں داخل ہونے سے منع کر رہی ہو۔

''ہاں ہاں...... آجائیں......'' وہ سائیڈ میں ہو کر بولی'' ویسے رملی بی بی تو گھر پر نہیں ہیں۔ گاڑی لے کر نجانے کہاں نکلی ہوئی ہیں۔''

زینب مزید کوئی بات کیے بغیر چپاک سے اندر گھس گئی۔

''خیریت ہے نا! یوں بغیر دوپٹے، چہرے پر ہوائیاں لیے چلی آرہی ہیں۔ کچھ بتائیں تو کیا ماجرا ہے؟'' وہ اس کے لیے پانی کا گلاس لے آئی تھی۔ اس نے ایک سانس میں گلاس خالی کر دیا۔

''اکیلی ہیں نا...... ڈر گئی ہوں گی۔'' پھر وہ خود ہی ایک نتیجہ اخذ کر کے تاسف سے بولی تھی۔ ''عورت ذات کتنی ہی بہادر بن لے...... مرد کے بغیر اس کا گزارا نہیں۔''

اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر وہ مڑ گئی۔ وہ رملی کی بہت پرانی ملازمہ تھی۔ ساری کہانیوں کی چشم دید گواہ، اس سے کچھ چھپا ہوا نہ تھا۔

زینب کافی دیر وہاں بیٹھی اپنی حالت پر غور کرتی رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا۔ پھر رملی کے گھر لوٹنے سے قبل ہی وہ وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ فی الحال وہ اس کا سامنا کرنے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں تھی۔



دوسرے دن اس نے سب سے پہلے سکندر علی کو فون کیا تھا۔

''میں یہاں نہیں رہ سکتی۔ جلد سے جلد انتظامات مکمل کر لیں۔'' اس نے کہا تھا۔

''اچھا......!'' اس کی آواز مسکرانے لگی ''یعنی، دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔ والا معاملہ ہے۔''

''کچھ بھی سمجھ لیں......'' وہ پریشان لہجے میں بولی ''میں اکیلی ڈرنے لگی ہوں، رات ٹھیک طرح سے نیند بھی نہیں آتی۔''

''کوئی خاص بات؟'' وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا تھا۔

''کچھ نہیں...... بس توہمات تنگ کرتے ہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔

''اوکے...... ڈارلنگ، ایز یو وِش......'' وہ بولا تھا ''میں انتظامات کرواتا ہوں۔ کل یا پرسوں رات کی پارٹی رکھ لیتے ہیں، ٹھیک ہے؟''

''جی......!'' اس نے فون بند کر دیا تھا۔

کچھ دیر وہ ساکت بیٹھی اپنے اندر کسی احساس، کسی تاثر کو کھوجنے کی کوشش کرتی رہی پھر مایوس ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔



سکندر علی نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ وہ تقریب واقعی نہایت شاندار تھی۔ یوں لگتا تھا کہ فائیو اسٹار ہوٹل کے اس لان میں پورا شہر اُمڈ آیا تھا۔

وہ میر سکندر علی کے ہمراہ چمکتی، شاندار گاڑی سے اتری تو دو خادمائیں اس کا لباس تھامنے کو اس کے دائیں بائیں موجود تھیں۔

سیاہ رنگ کا فرشی غرارہ اس کا عروسی لباس تھا اسے یہ لباس دیکھ کر حیرت بھی ہوئی تھی اور خوشی بھی۔

حیرت اسے اس بات پر ہوئی تھی کہ عروسی لباس کے لیے سیاہ رنگ کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ اور خوشی اس لباس کے نہایت منفرد، قیمتی اور حسین نظر آنے کی تھی۔ سچے موتیوں اور سفید دھاگے کے باریک کام سے مزین وہ سیاہ لباس کسی مغلیہ شہزادی کی حسین یادگار سے کم نظر نہ آتا تھا۔ اسے زیب تن کر کے وہ بہت دیر تک آئینے پر سے نگاہ ہٹانے کے قابل نہ رہی تھی۔ سچے موتیوں کے زیور نے اسے واقعی شہزادیوں کی سی آن بان عطا کر دی تھی۔ شہر کی سب سے ماہر اور مہنگی بیوٹیشن نے اسے تیار کیا تھا۔

سیاہ ڈنر سوٹ میں ملبوس میر سکندر علی کے ہمراہ چلتی جب وہ مختلف لوگوں سے مبارکبادیں وصول کر رہی تھی تو اس کا سر واقعی کسی دیس کی ملکہ کی طرح فخر و غرور سے تنا ہوا تھا۔

ہر جانب اس کے حسن کے قصیدے پڑھے جا رہے تھے، ہر طرف سے آتی آوازیں اس کے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ اپنے اندر اٹھتے جوش اور ولولے سے اس کا سانس پھولنے لگا۔ چہرہ سرخ ہو گیا۔

''ہاں...... یہی سب کچھ تو چاہتی تھی میں...... یہی سب کچھ، یہی شان و شوکت، یہی آن بان، یہ مانگا تھا تقدیر سے میں نے...... جو اپنی تدبیر سے پالیا ہے۔ میں زینب سکندر علی! یہاں سارا شہر جمع ہے۔ مگر کون ہے میرے مقابلے کا......''

''میں تمہیں پہچاننے لگی ہوں۔'' دفعتاً اس کے پہلو میں کھڑی ایک خاتون نے قدرے اچنبھے سے کہا تھا ''تم ایک مرتبہ رملی کے ساتھ آئی تھیں میرے گھر...... یاد ہے۔''

زینب نے پریشانی سے اس بھاری تن و توش کی حامل خاتون کو دیکھا، جس کے چہرے پر خوشحالی اور بے نیازی کی چھاپ تھی۔

''آپ کی تعریف......!'' اسے بھی وہ چہرہ شناسا لگا۔

''مجھے مسز شیخ کہتے ہیں، ایک پارٹی میں تم رملی کے ساتھ میرے گھر آئی تھیں...... ہیں نا......!

''اوہ......!'' اسے پلک جھپکتے میں یاد آ گیا تھا۔

''جی...... جی...... ہاں۔''

''تم تو شاید......'' انہوں نے باقی کی بات کو لبوں میں ہی دبا لیا تھا۔

زینب کو یاد آیا...... وہ ان دنوں پریگننٹ تھی۔ مسز شیخ کو وہ کچھ زیادہ ہی یاد رہ گئی تھی۔

''رملی کو انوائیٹ نہیں کیا تم لوگوں نے...... یا وہ خود نہیں آئی؟'' انہوں نے تجسس سے پوچھا۔

''پتا نہیں......'' وہ پریشان ہو چکی تھی ''سارے انویٹیشن سکندر نے ہی دیے تھے۔ میں تو لاعلم رہی ہوں ہر بات سے ویسے اسے آنا چاہیے تھا۔ آخر کو وہ بہن ہے سکندر کی۔''

''بہن؟'' انہوں نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیں۔ ''ناٹی گرل! ایسے مذاق یوں بھرے مجمع میں نہیں کیا کرتے۔'' وہ مسلسل ہنس رہی تھیں، جیسے زینب نے انہیں کوئی دلچسپ لطیفہ سنایا ہو۔

''تو کیا وہ سکندر کی بہن نہیں ہے؟'' ان کی ہنسی نے اس کے ذہن پر خطرے کی دستک دی تھی۔ ان کا انداز عامیانہ تھا۔

''یہ تو اپنے ڈیئر ہسبینڈ سے پوچھنا...... بابا میں کسی کے پرسنلز کو نہیں چھیڑتی۔'' وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی تھیں۔



پھر بالآخر وہ اس عالی شان محل کی اس شاندار خواب گاہ میں چلی آئی، جس کے تصور نے کتنی ہی راتیں اس کی نیندیں اچاٹ کر رکھی تھیں۔

سکندر علی نیچے اپنے دوستوں کے ساتھ تھا۔ وہ تھکن کا بہانا کر کے اوپر چلی آئی، کتنی ہی دیر آئینے کے مقابل بیٹھی وہ آپ ہی اپنے حسن کو خراج پیش کرتی رہی، پھر بھاری بھر کم دوپٹہ خود سے الگ کرنے کے خیال نے اسے بے چین کیا تھا۔

اچانک ہی فون کی بیل ہوئی تھی، زینب نے چونک کر نازک سے گولڈن فون سیٹ کو دیکھا۔ نہ معلوم نیچے اس کا کوئی ایکس ٹینشن بھی تھا یا نہیں۔

فون ریسیو کرنے کا اس کا ارادہ نہیں تھا، لیکن بیل ایک تواتر سے بج رہی تھی۔ بالآخر اسے ریسور اٹھانا ہی پڑا۔

''ہیلو......!اس نے دھیمے سے کہا تھا۔

''اوہ......'' دوسری جانب سے ایک کھنکتی نسوانی آواز آئی ''تو آپ اس خواب گاہ تک پہنچ گئیں زینب شاہ!''

''آپ کون......؟'' اسے تعجب ہوا۔

''میں سونیا ہوں......سونیا سکندر علی! پاپا کہاں ہیں؟ پلیز فون ان کو دیں مجھے ان سے بات کرنی ہے۔''

''پاپا......؟'' اسے مزید تعجب ہوا تھا ''کون؟''

''میر سکندر علی صاحب۔'' وہ تمسخرانہ انداز میں بولی تھی ''وہ میرے پاپا اور میری ممی کے ہسبنڈ ہیں۔انہوں نے آپ کو بتایا نہیں؟''

زینب کے دماغ کے پرخچے اڑ گئے تھے، دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے دیکھا سکندر علی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔



زینب چند لمحوں کے لیے کچھ بھی کہنے یا سننے کے قابل نہیں رہی تھی۔ ہاتھ میں ریسیور تھامے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے قریب آتے میر سکندر علی کو دیکھتی رہی۔ سکندر علی کو بھی اس کی کیفیت کا اندازہ ہو گیا تھا۔اس نے کچھ بھی کہے بغیر نرمی سے ریسیور لے لیا۔

''ہیلو سکندر اسپیکنگ۔'' وہ بولا تھا۔ پھر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''اوہ جانو مائی سویٹ بے بی ہاؤ آر یو......؟ اوہ نو، نو، خفا مت ہو، تم خفا ہو گی تو پاپا کا کیا بنے گا......؟ یو نو ایوری تھنگ مائی بے بی، ہاں کچھ غلطیاں بھی ہو گئی ہیں، ان کے لیے پاپا سوری کرتے ہیں بیٹا......ٹھیک ہے ٹھیک ہے باقی باتیں بعد میں......اوہ! تھینک یو بیٹا، تھینک یو۔'' اس نے ریسیور رکھ دیا پھر مسکراتے ہوئے زینب کی جانب پلٹا۔

''میری بیٹی ہے سونیا!''

زینب کچھ بھی کہے بنا کھلی آنکھوں سے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھتی رہی کسی ندامت کی پرچھائیں، کسی شرمندگی کی جھلک، کسی احساس جرم کا سایہ وہاں نہیں تھا۔

''بیٹی؟'' پھر اس کی لرزتی آواز نکلی۔ ''اور آپ یہ بات مجھے اب بتا رہے ہیں۔اب؟''

''یہی رائٹ ٹائم ہے ڈارلنگ!'' اس نے زینب کا گال چھوا۔ ''یہ بات پہلے ذرا آکورڈ سی لگتی لیکن تم اتنی پریشان کیوں ہو؟ اس میں غلط کیا ہے؟''

''اس میں کچھ غلط نہیں؟'' اس نے احتجاج کیا۔ ''آپ نے کبھی نہیں بتایا کہ آپ شادی شدہ ہیں، ایک جوان بیٹی کے باپ ہیں، اتنی اہم بات آپ نے مجھ سے چھپائی۔''

''تو کیا فرق پڑ گیا ڈارلنگ!'' سکندر علی اس کی بات کاٹ کر بہلانے والے انداز میں بولا۔ ''تمہیں یہ معلومات ہوتیں بھی تو کیا فرق پڑتا؟ آخر تم بھی تو شادی شدہ تھیں۔ مجھے فرق نہیں پڑا حالانکہ ایک مرد کو اس بات سے زیادہ فرق پڑتا ہے۔''

''لیکن میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں چھپایا۔'' اس نے زور دے کر کہا۔ ''ہر بات آپ کے علم میں تھی، اس لیے آپ کو احتجاج کا حق نہیں ہے لیکن مجھے ہے، مجھے حق ہے کہ میں آپ سے پوچھوں کہ آپ نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟''

''ریلیکس ڈارلنگ ریلیکس!'' وہ اسے بازو سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھاتے ہوئے بولا۔ ''آرام سے بیٹھ کر میری بات سنو! میں نے تم سے کچھ چھپایا نہیں۔ محض اتنا ہے کہ یہ ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا اس لیے کہ میرے خیال کے مطابق میرے شادی شدہ ہونے یا نہ ہونے سے تمہیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ مردوں کی تو چار چار شادیاں ہوتی ہیں اور پھر تمہیں یہ احساس ہونا چاہیے تھا کہ میں فورٹی فائیو کراس کر چکا ہوں بھلا غیر شادی شدہ

کیسے ہو سکتا ہوں۔"

زینب محض اسے دیکھ کر رہ گئی۔ اس کے دل کو یہ بات جان کر سخت صدمہ پہنچا تھا۔

"میں تمہیں وہ سب کچھ دوں گا جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا۔ تم میرے گھر کی اور دل کی رانی بن کر رہو گی۔ یہ محل تمہارے نام ہے، یہاں کی ہر شے تمہاری ہے، راج کرو، جیسے جی چاہے رہو تمہیں اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کہیں میری کوئی بیوی بھی ہے یا بیٹی ہے۔ ان کا تم سے کوئی تعلق نہ ہوگا ہمارے تمہارے بیچ کوئی تیسرا نہیں آئے گا۔"

"پھر بھی مجھے آپ سے ہمیشہ یہ شکوہ رہے گا کہ آپ نے مجھ سے اتنی اہم بات چھپائی۔ یہ ایک حقیقت ہے اور آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے۔"

میر سکندر علی کے لب مسکرا اٹھے۔ وہ اسے مسکراتی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔

"زینب ڈارلنگ!" پھر اس نے ٹھہری ہوئی آواز میں کہا۔ "ایک حقیقت اور بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ سب کچھ تمہارے علم میں ہوتا تب بھی تم مجھ سے شادی کرتیں، یہ بات تمہارے لیے کوئی اہمیت نہ رکھتی۔ ذرا غور کرو کیا تم یہ سب کچھ جان کر مجھ سے شادی سے انکار کرتیں؟ ہرگز نہیں۔ تمہیں میرے پاس آنا ہی تھا۔"

زینب نے اس کی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش کی۔ اسے لگا میر سکندر علی اس پر طنز کر رہا تھا۔ اسے آئینہ دکھا رہا تھا۔ وہ پتھر کے بت کی مانند ہو گئی۔ ساکت اور بے حس۔

میر سکندر علی بے تحاشا مصروف شخص تھا۔ زینب کو ایک دن محض چند ہی گھنٹوں میں اس بات کا احساس ہو گیا تھا۔ وہ چند گھنٹوں کے لیے گھر پر رکا تھا اور اس عرصے میں اس کے بے شمار فون آئے تھے۔ اس نے بمشکل زینب کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کیا تھا پھر تیار ہو کر آفس چلا گیا تھا۔ شام کو جلد آنے کے وعدے کے ساتھ، زینب بہت دیر تک بیٹھی اس بات پر غور کرتی رہی۔ رملی کے گھر آنے والا میر سکندر علی تو اسے بہت پرسکون اور فارغ محسوس ہوتا تھا۔ وہ اکثر رملی کے گھر آتا تھا اور کافی دیر ٹھہرا کرتا تھا۔ یہ تو کوئی دوسرا سکندر علی تھا جو دنیا کا سب سے مصروف شخص دکھائی دیتا تھا۔

اکیلا پن، احساس تنہائی اس کے دل میں گھر کرنے لگا۔ یکا یک اسے احساس ہوا کہ وہ پوری دنیا میں بالکل اکیلی تھی۔ دکھ درد بانٹنے کو، دکھ سکھ کہنے کو کوئی نہ تھا۔

کتنی دیر بیٹھی وہ اس حسین خواب گاہ کے درودیوار کو دیکھتی رہی۔ ایک ایک شے پر غور کرتی رہی لیکن دل کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ ہر شے آج دسترس میں تھی اور ہر شے سے دل بھرا ہوا محسوس ہوتا تھا، وہ اٹھ کر ڈریسنگ روم میں چلی آئی وارڈ روب کھول کر خوبصورت، قیمتی ملبوسات پر نگاہ دوڑانے لگی۔ یہ سب ملبوسات اس نے اپنی پسند سے خریدے تھے۔ ایک سے ایک بہترین لباس کا انتخاب کیا تھا۔ ہر ہر کپڑے کی قیمت ہزاروں سے باتیں کرتی تھی۔ وہ ہر لباس نکال نکال کر دیکھنے لگی لیکن کوئی ملبوس ایسا نہ تھا جسے پہننے کو اس کا جی چاہتا، بے دلی سے وارڈ روب بند کر کے وہ ڈریسنگ روم سے نکل آئی۔

"یہ مجھے کیا ہو گیا ہے، مجھے کیا ہو گیا ہے؟" دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اس نے بے بسی سے سوچا۔

"جس زندگی کو پانے کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگایا آج اسی زندگی میں مجھے کشش محسوس نہیں ہو رہی۔ کیا کسی کی بددعا لگی ہے مجھے؟"

اسے احسن ایاز یاد آیا، دل لحہ بھر کے لیے ٹھہر گیا۔ آنکھیں پھیلیں اور کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز ہو گئیں۔ اسے یکا یک اپنی ناخوشی کی وجہ سمجھ میں آ گئی۔

"تو کیا، تو کیا لاشعوری طور پر میں تمہیں یاد کیے جا رہی ہوں لیکن نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے، میں بیزار تھی تم سے، تمہاری دی ہوئی زندگی سے تمہارے ادھورے پن کے احساس سے، میں نے خود کھویا ہے تمہیں اپنی مرضی سے، اپنی خوشی سے خیر باد کہا ہے تمہیں تم مجھے یاد نہیں آ سکتے۔ آخر تم مجھے

کیوں یاد آؤ گے۔ دیا ہی کیا تھا تم نے مجھے۔ احساس محرومی کے سوا میں تمہیں یاد نہیں کرتی۔ بالکل بھی نہیں۔''

یکا یک اسے اپنے چہرے پر پھیلی نمی کا احساس ہوا۔ اس نے حیرانی سے اپنا چہرہ ٹٹولا۔ وہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

''میں رو رہی ہوں؟ کیوں کس لیے؟ کس کے لیے؟'' وہ محض سوالات کے لاتعداد سلسلوں پر غور ہی کرتی رہ گئی تھی۔



شام تک اس کی طبیعت سنبھل چکی تھی۔ جذباتیت کا بہاؤ گزر چکا تھا۔ نہا کر اس نے میرون کلر کا ایک نہایت دیدہ زیب لباس زیب تن کیا۔ ہونٹوں کو ڈارک میرون لپ اسٹک سے سجایا اور بالوں کو سنوار کر نیچے چلی آئی۔

بڑے ہال میں لگی تمام لائٹیں روشن تھیں۔ فانوس جھلملا رہے تھے۔ زینب آخری سیڑھی پر رک گئی بے حد حسین منظر تھا۔ ایک ایک شے سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ درودیوار جگمگا رہے تھے۔ اس منظر کا حصہ بننے کی خواہش اس کے دل میں ابھری تو وہ آخری سیڑھی سے اتر کر آگے بڑھ آئی۔ اسی لمحے کسی کونے سے نکل کر ملازم تیزی سے اس کی سمت بڑھا تھا۔

''بیگم صاحبہ! چائے لاؤں یا کافی پسند کریں گی۔''

زینب نے لمحہ بھر کے لیے سوچا۔ اس نے صبح کا ناشتہ کیا ہوا تھا۔ بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن کھانا وہ سکندر علی کے ساتھ ہی کھانا چاہتی تھی۔

''چائے لے آؤ۔'' اس نے کہا۔ ''ساتھ میں کچھ ہلکا پھلکا کھانے کے لیے بھی لانا۔''

''جی بہتر!'' وہ مودب انداز میں کہہ کر پلٹ گیا۔

زینب ہال کے ایک کونے میں بنے ریک میں رکھے ٹی وی کی جانب بڑھ گئی۔ صوفے میں دھنس کر وہ ٹی وی کے چینل بدل رہی تھی۔ جب فون کی بیل بج اٹھی۔

ٹیلی فون سیٹ بالکل اس کے قریب ہی رکھا تھا۔ اس نے اٹھ کر فون اٹھالیا۔

''ہیلو۔''

''زینب؟'' دوسری جانب سے آتی رملی کی آواز پہچان گئی۔

نجانے کیوں اسے رملی کی آواز سن کر خوشی ہوئی تھی۔ جیسے اجنبی دیار میں کوئی اپنا نظر آیا ہو۔

''سکندر کو فون دو۔'' وہ بغیر کسی سلام دعا کے کہہ رہی تھی۔

زینب کا دل مرجھا گیا۔

''سکندر تو ابھی گھر نہیں آئے۔'' وہ خود پر قابو پا کر بولی۔ ''تم کیسی ہو؟ ملنے نہیں آؤ گی؟''

''سکندر آئے تو کہنا مجھ سے بات کرلے۔ اس کا موبائل بھی نہیں لگ رہا ہے۔ مجھے ضروری کام ہے۔'' اس نے فون بند کر دیا۔ زینب ریسیور کو دیکھتی رہ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے رملی نے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔

اسے سخت غصہ بھی آ رہا تھا۔

''آخر اس کو ہوا کیا ہے؟ اچھی بھلی تھی میں نے جیسے اس کا کچھ چرا لیا ہو بدتہذیب عورت۔'' وہ زیر لب بڑبڑا کر اپنی بھڑاس نکالنے لگی۔

''ہیلو ڈارلنگ!'' پیچھے کھڑے سکندر علی نے اچانک ہی اس کا گال چھوا تھا۔

وہ بری طرح سے چونک اٹھی۔ وہ اسی طرح دبے قدموں آ کر چونکا دیا کرتا تھا۔ عجب پراسراریت تھی اس کے انداز میں۔

''اوہ..... آپ!'' اسے شک تھا کہ سکندر علی نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی تھی۔

''کس پر غصہ کر رہی تھیں۔'' وہ ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرتے ہوئے اس کے برابر آن بیٹھا۔

اس کا انداز درست تھا، وہ جبراً ہی مسکرائی۔

''نہیں، کسی پر نہیں۔''

''پھر بھی۔'' اس نے بغور اس کا چہرہ دیکھا۔

''رملی کا فون تھا۔'' اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔ ''کہہ رہی تھی آپ اسے فوراً کانٹیکٹ کریں اسے کچھ ضروری کام ہے، پتہ نہیں اس کو کیا چڑ ہو گئی ہے، مجھ سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی۔''

''چھوڑو اس کی فکر.....'' سکندر علی نے اسے خود سے قریب کیا۔ ''اس قدر حسین نظر آ رہی ہو ماتھے کی شکنیں دور کرو چہرے پر مسکراہٹ لاؤ تاکہ حسین تر نظر آؤ۔''

اسی لمحے ملازم چائے کی ٹرالی کھینچتا ہوا لایا۔ زینب نے سکندر علی سے دور ہونا چاہا لیکن اس کے گرد اس کے بازو کی گرفت مضبوط تھی۔ وہ کسمسا کر رہ گئی۔

ملازم بے تاثر چہرے کے ساتھ ٹرالی ان کے آگے کھڑی کر کے چائے بنانے لگا۔

''چینی کتنی بیگم صاحبہ؟'' وہ نیچی نگاہوں کے ساتھ پوچھنے لگا۔

''تم جاؤ میں بنا لوں گی۔'' اسے ملازم کی موجودگی سے خفت محسوس ہونے لگی۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو.....'' اس کے جانے کے بعد وہ قدرے خفگی سے بولی۔ ''کیا سوچتا ہو گا وہ۔''

''اوہ ڈارلنگ فضول سوچوں میں الجھ کر خود کو ضائع مت کرو، وہ میرا سرونٹ ہے وہ اپنے دماغ سے کچھ نہیں سوچتا یوں بھی اسے عادت ہے۔''

''کس بات کی؟'' اس نے چونک کر میر سکندر علی کا چہرہ دیکھا تھا۔

وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔

''چلو چائے بناؤ۔'' وہ قدرے پیچھے کو ہٹ کر بیٹھ گیا۔

زینب اس کی ادھوری بات پر الجھتی چائے بنانے لگی۔ چائے کے ساتھ کئی طرح کے لوازمات تھے۔ ٹرالی پوری طرح بھری ہوئی تھی۔

''رملی آپ کی سگی بہن ہے؟'' چائے کی پیالی اس کی سمت بڑھاتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ یہ گرہ ذہن میں اب تک لگی ہوئی تھی۔ اس نے پوچھ ہی لیا سکندر علی نے چونکے بغیر آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''نہیں۔'' وہ بولا تھا۔

اس کی مسکراہٹ میں کچھ بات تھی۔ زینب کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں مسز شیخ کی باتیں پھر سے گونجنے لگیں وہ چند لمحے منتظر رہی کہ وہ خود ہی کوئی وضاحت کرے گا لیکن وہ محض ایک لفظ کہہ کر بالکل مطمئن تھا۔ اس سے کپ لے کر وہ مطمئن انداز میں گرم چائے کے گھونٹ بھرنے لگا تھا۔

''پھر؟'' اپنا کپ اٹھا کر وہ مزید بولی۔ ''پھر کزن ہے آپ کی؟ یا منہ بولی بہن؟ یا دور پار کی رشتہ دار؟''

''زینب ڈارلنگ!'' اس نے کپ کو پرچ میں رکھا اور بڑے ٹھہرے ہوئے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔ ''میں نے ابھی کہا تمہیں کہ فضول سوچوں میں الجھ کر خود کو ضائع مت کرو۔ وہ باتیں سوچا کرو جس سے تسکین ہو، فائدہ ہو، خوشی ہو درمیانے درجے کی عورتوں کی طرح ہر وقت گھریلو باتیں مت سوچتی رہا کرو۔''

زینب کو اس کے ٹھنڈے لہجے کے پیچھے چھپے اس کے سلگتے غصے کا احساس ہوا۔ وہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر قبل اس کو سخت قسم کی بھوک ستا رہی تھی لیکن اب لوازمات سے سجی ٹرالی میں اسے کوئی کشش محسوس نہ ہوئی۔ ایک نمکین بسکٹ کھا کر اس نے چائے پی۔ چائے بھی قدرے اسٹرونگ تھی۔ اس کا حلق تلخ ہو گیا تھا۔

سکندر علی نے کپ ٹرالی میں رکھا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آؤ اوپر اپنے کمرے میں چلتے ہیں، کچھ دیر بعد فریش ہو کر کہیں چلیں گے۔''

''آپ چلیں میں آتی ہوں۔'' وہ قدرے متامل ہوئی۔

''نہیں اب کچھ بھی تمہارے بغیر نہیں۔'' اس نے زینب کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھڑا کیا اور اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اوپر کی جانب بڑھ گیا۔



''آپ نے رملی سے کونٹیکٹ کیا؟'' اس نے کچھ دن بعد پوچھا تھا۔

وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ ٹائی کی ناٹ لگاتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے۔ وہ آئینے میں سے پیچھے بیڈ پر بیٹھی زینب کو دیکھنے لگا۔

''اسے آپ سے کچھ ضروری کام تھا'' اس نے نجانے کیوں اپنے استفسار کی وضاحت کی۔

''اس کے اور میرے کام ہمارے درمیان ہی رہنے دو ڈارلنگ!'' وہ عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

زینب ٹھنڈی پڑ گئی۔ اتنے دنوں میں اس کے اور میر سکندر علی کے درمیان جو رشتہ قائم ہونے لگا تھا، وہ خوف کا تھا! ایک عجیب طرح کا خوف تھا جو زینب کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ اس کا بظاہر ٹھنڈا لہجہ اور میٹھے الفاظ اپنے اندر نجانے کیسا اثر رکھتے تھے۔ زینب سہم کر رہ جاتی تھی۔ اس کی پر اسرار مسکراہٹ اور ذہن تک رسائی پا لینے والی نگاہ اس کے دل کی دھڑکن کو لمحہ بھر کے لیے ٹھہر جانے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ اس کی قربت میں وہ اپنے مساموں سے پھوٹ نکلنے والے پسینے میں خود کو بھیگا ہوا محسوس کرتی تھی۔ نجانے یہ عجیب، پر اسرار شخص کون سی خصوصیات رکھتا تھا۔ وہ جانے لگا تو اس کی نظریں نیچی کیے دیکھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

''اوکے ڈارلنگ! چلتا ہوں جلد لوٹنے کی کوشش تو کروں گا لیکن......'' اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔

''ہوں منڈے! آج میری چند امپارٹنٹ میٹنگز ہیں۔ تم اکیلی بور ہونے لگو تو کہیں گھومنے چلی جانا ڈرائیور ہر وقت موجود ہے۔ شاپنگ کرنا چاہو، کسی فرینڈ سے ملنا چاہو...... ہوں۔'' اس نے زینب کا گال تھپتھپایا اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس کے چلے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک بیٹھی سوچتی رہی۔ لاتعداد سوچیں تھیں جو ذہن میں دھند سی پھیلائے رکھتی تھیں۔ وہ کچھ سمجھنے کے قابل نہیں ہو پائی تھی۔

کافی دیر کے بعد وہ اٹھی اور کسلمندی دور کرنے کے لیے باتھ روم میں گھس گئی۔ دیر تک شاور لینے کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو ایک سادہ سا لباس زیب تن کر کے وہ نیچے چلی آئی۔

ایک ملازمہ چیزوں کی صفائی کر رہی تھی۔ اسے آتا دیکھ کر سلام کرنے قریب چلی آئی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' اس کے سلام کا جواب دے کر وہ اسے دیکھنے لگی۔

وہ ایک خوش شکل نوجوان لڑکی تھی۔

''میرا نام جمیلہ ہے جی!'' وہ مسکرائی۔

زینب کے دماغ کو لمحہ بھر کے لیے جھٹکا سا لگا۔ جمیلہ بڑے اشتیاق سے اسے دیکھ رہی تھی اور غالباً اگلے کسی سوال کی منتظر بھی تھی۔ جبکہ وہ نجانے کہاں جا پہنچی تھی۔

ایک دبلی پتلی، سیاہ فام عورت اس کے تصور میں چلی آئی تھی جو نظریں جھکائے ایک چھوٹے سے گھر میں ہر وقت مصروف رہا کرتی تھی۔

''جینو بی بی......'' پھر ایک مردانہ، شوخ آواز اس کے کانوں میں گونجی۔ ''کتنا اچھا لگتا ہے یہ نام تم پر، آج سے میں تمہیں بھی کہوں گا...... جینو...... جینو بی بی!''

دانت پر دانت جما کر اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ ہتھیلیاں آپ ہی آپ سختی سے بھنچ گئی تھیں۔ یہ آواز حقیقت ہے کہ گمان، سچ ہے کہ جھوٹ، باہر سے آ رہی ہے یا میرے دل کے اندر سے احسن ایاز! کیا تم میرے اندر چھپے بیٹھے ہو؟''

اس کا جسم ہولے ہولے کانپنے لگا تھا۔

''بی بی جی...... کیا ہوا بی بی جی؟'' جمیلہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا اٹھی۔ ''آپ ٹھیک تو ہیں؟''

زینب نے بڑی مشکلوں سے خود پر قابو پایا۔ دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں وہ اس پر جھکی ہوئی تھی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں نا جی؟''

''آں...... ہاں میں ٹھیک ہوں۔'' اس پر نقاہت طاری ہو گئی تھی۔ ''ایک گلاس پانی لاؤ۔''

جمیلہ پانی لینے دوڑ گئی۔ زینب خاموش بیٹھی اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنتی رہی۔ وہ پانی لے کر آئی تو زینب نے گلاس تھام کر اسے ایک نظر دیکھا۔

''یہاں کتنے ملازمین ہیں؟ کیا کیا کرتے ہیں؟'' دھیمی آواز میں اس نے پوچھا تھا۔

''میں ہوں، نذیر ہے، صابر ہے، کھانا پکانے کے لیے باورچی ہے اسلم، کرم دین مالی ہے، بشیر ڈرائیور ہے جیوا خان چوکیدار ہے۔ صاحب کے منشی بھی کبھی کبھار آ جاتے ہیں ہم سب کا حساب کتاب رکھتے ہیں۔ صاحب کو تو جی فرصت ہی نہیں ہوتی۔''

''اتنے مردوں میں تم اکیلی لڑکی یہاں رہتی ہو؟'' زینب کو اچنبھا ہوا۔

''میری ماں بھی ہے ناں۔'' وہ مسکرائی۔ ''پہلے وہ کام کرتی تھی لیکن پھر اس کی بینائی چلی گئی اب وہ کام نہیں کرتی۔ کوارٹر میں رہتی ہیں۔''

''اور تم دن بھر یہاں اکیلی ہوتی ہو؟'' اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"اندھی ماں کو بھلا اس کی کیا خبر ہوسکتی تھی۔ یا وہ اس کی حفاظت کے لیے کیا کرسکتی تھی۔" جمیلہ اس کا سوال سن کر بے پروائی سے مسکرادی۔

"ہاں تو جی کیا ہوا۔ یہ تو دستور ہے یہاں کا......"

"کیا دستور؟" وہ بدستور الجھی ہوئی تھی۔

"بیگم صاحبہ میں نے ناشتہ ٹیبل پر لگا دیا ہے۔" باورچی کی مداخلت پر اس کا ذہن ہٹا تھا۔

"ناشتہ؟" وہ سوچ میں پڑی۔ "نہیں میں ناشتہ نہیں کروں گی۔ بس ایک کپ چائے لادو مجھے۔"

"کچھ تو ساتھ لیجئے!" وہ مودب بنا۔ "میں نے آج حلوہ پوری بنائی ہے۔ فرائی قیمہ ہے، اسپیشل آملیٹ ہے، مغز ہے، میں نے آپ کے لیے اسپیشل قسم کا ناشتہ بنایا ہے۔"

زینب مسکرادی۔ اپنی اہمیت کے احساس نے لمحہ بھر کے لیے اس کے اندر ہلچل سی مچائی تھی۔

"اچھا چلو پھر تھوڑا بہت چکھ لیتی ہوں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

ڈائننگ ہال میں طویل و عریض میز اور اس کے گرد چنی ہوئی کرسیاں دیکھ کر ایک بار پھر اس کے اندر احساس تنہائی نے جنم لیا تھا۔ ٹیبل پر سجی ہوئی بے شمار اشیاء نے اس احساس کو مہمیز کیا۔

"کتنی تنہا ہوں میں کتنی اداس!" وہ سوچنے لگی۔ "نجانے کیوں زندگی سے کوئی خوشی مل ہی نہیں پاتی۔" اس کا کچھ بھی کھانے کو جی نہ چاہا۔ ایک کپ چائے پی کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"جمیلہ......" باہر آکر اس نے کہا۔ "ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے۔ مجھے کہیں جانا ہے۔" وہ تیار ہونے اوپر چلی آئی تھی۔ وہ رملی سے ملنے کے لیے جانا چاہتی تھی۔

کمرے میں آکر وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ نجانے اس کا وہاں جانا درست تھا یا نہیں رملی کا رویہ اس بات کا غماز تھا کہ وہ اس سے کبھی بھی ملنا نہیں چاہتی تھی۔

لیکن اس کے ذہن میں چند گرہیں تھیں جنہیں کھولنا وہ ضروری سمجھتی تھی۔ اسے سکندر علی کا بھی خوف تھا۔ نجانے وہ اس کا وہاں جانا پسند کرتا یا نہیں لیکن سکندر علی نے اس پر کبھی بھی کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی تھی۔ نہ اسے کبھی بطور خاص رملی سے گریز کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ بلکہ وہ تو اس سلسلے میں بہت بے پروا دکھائی دیتا تھا۔ یوں بھی اسے بولڈ اور خود اعتماد عورتیں پسند تھیں۔ اپنے فیصلے خود کرنے والی۔

سر جھٹک کر وہ اپنے لیے لباس منتخب کرنے لگی۔ وہ خوب صورت اور طرح دار نظر آنا چاہتی تھی۔ ایک بے حد امیر و کبیر آدمی کی من پسند اور مغرور بیوی۔

بلیو اور بلیک کمبی نیشن کا ایک بہت قیمتی اور نفیس کپڑے کا سوٹ اس نے منتخب کیا، لباس تبدیل کر کے جب وہ آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو چند لمحوں کے لیے خود پر سے نگاہ ہٹانا اس کے لیے دشوار ہوگیا۔ اس کی رنگت اس لباس میں دمک رہی تھی۔ سلیقے سے میک اپ کر کے اس نے بالوں کو جوڑے کی شکل دی سیاہ اسٹون کی بیش قیمت جیولری سے خود کو آراستہ کیا پھر خود کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنے لگی۔

پھر وہ آہستہ سے مسکرا اٹھی۔ اس میں کہیں، کوئی کمی نظر نہ آئی تھی۔ وہ ایک بے حد حسین و جمیل، امیر و کبیر خاتون نظر آتی تھی۔ وہ بالکل ویسی ہی نظر آتی تھی جیسے نظر آنا اس کا شوق تھا۔ اب وہ جاگتی آنکھوں سے اپنے خواب کی تعبیر دیکھ رہی تھی۔

ایک گہری سانس بھر کر وہ آئینہ کے سامنے سے ہٹی اور اپنا پرس اٹھا کر نیچے چلی آئی۔ راستے میں کھڑی جمیلہ اسے دیکھ کر چند لمحوں کے لیے پتھر کی ہوگئی تھی۔ وہ اس پر ایک مغرور نگاہ ڈال کر باہر چلی گئی۔

پورچ میں باوردی ڈرائیور نے اسے سلام کر کے مستعدی سے دروازہ کھولا تھا۔

''رملی بی بی کا گھر معلوم ہے تمہیں؟'' اس نے رک کر استفسار کیا۔

''یس میڈم!''

''ہوں، وہیں چلنا ہے۔'' وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

گاڑی آشنا رستوں پر چل پڑی تھی۔ زینب کی نگاہیں ان رستوں پر بکھری یادوں سے الجھنے لگیں۔ وہ رملی کے گھر جا رہی تھی۔ کبھی اس کا اپنا گھر بھی انہی رستوں پر تھا رملی کے دروازے سے پہلے ایک اور دروازہ بھی تھا۔ ایک چھوٹے سے گھر کا دروازہ۔

وہ گھر ذہن میں در آیا۔ پھر اس گھر میں بسنے والا جس کی ہمراہی میں اس نے زندگی کے چند سال بتائے تھے۔ اب وہ کہاں ہوگا؟ کس حال میں ہوگا؟ وہ اسے یوں چھوڑ کر گیا تھا جیسے سکندر اعظم نے دنیا چھوڑی تھی۔ خالی ہاتھ، خالی داماں۔ ایک بیساکھی کے سہارے وہ کہاں تک گیا ہو گا؟

''زینب! کوئی کسی کے ساتھ یوں بھی کرتا ہے؟'' اس کے اندر نجانے کس کی آواز ابھری تھی۔

ایک بار پھر اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہو گئے۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔ دل اندر ہی اندر ڈوبنے لگا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا دیا۔ گہرے گہرے سانس اس کے اندر سے ابھرنے لگے۔

ڈرائیور نے گاڑی رملی کے گھر کے آگے روک دی تھی اور اب دروازہ کھول کر اس کے اترنے کا منتظر تھا۔

''اینی پرابلم میڈم؟'' جب اس کی حالت میں کوئی تبدیلی نہ آئی تو وہ جھک کر قدرے تشویش سے پوچھنے لگا۔

زینب نے ہوش و حواس بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔

''آپ ٹھیک ہیں نا میڈم؟''

اس نے تھکے تھکے انداز میں سر ہلایا اور گاڑی سے اتر آئی۔ چند لمحوں کے لیے وہ گاڑی کا سہارا لینے پر مجبور ہوئی تھی۔

''میں آپ کا ویٹ کروں میڈم؟''

''نہیں۔'' وہ آہستگی سے بولی۔ ''تم جاؤ۔ میں گھر فون کروں گی پھر لینے آ جانا۔''

''جیسے حکم!'' وہ مودبانہ انداز میں سر ہلا کر اس کے آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگا۔

دروازہ رملی کی ملازمہ نے کھولا تھا۔ وہ چند لمحے حیرانی سے اس کو دیکھتی رہی۔ شاید اس کے سامنے ایک بالکل بدلی ہوئی زینب کھڑی تھی۔ جسے اسے پہچاننے میں کچھ دشواری محسوس ہو رہی تھی۔ پھر یکا یک زینب نے ان آنکھوں کے تاثرات تبدیل ہوتے دیکھے۔ ان میں زینب کے لیے قدرے نفرت اور حقارت ابھری تھی۔

''اماں رملی ہے گھر پر؟'' وہ پریشان ہو کر بول اٹھی۔ اس نے کچھ دیر بعد اثبات میں سر ہلایا اور ایک طرف کو ہو کر اسے اندر آنے کا رستہ دیا۔

زینب اندر چلی آئی۔ پورے گھر میں ملگجا سا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ ایک گھمبیر سناٹا جیسے اس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو۔ حالانکہ رملی کے گھر آ کر تو اسے ہمیشہ زندگی کا، روشنی کا، نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی چمک کا احساس ہوا کرتا تھا۔

''کیا بات ہے اماں؟'' اس نے پلٹ کر ملازمہ سے استفسار کیا۔ ''اتنا اندھیرا کیوں کیا ہوا ہے گھر میں؟ اور یہ رملی کہاں ہے؟''

''اندھیرا تو زندگی میں ہو گیا ہے بی بی!'' اس نے گہری سانس بھر کر کہا۔ ''اور دل میں ہو گیا ہے۔ گھر کے اندھیرے کا کیا ہے؟ اسے تو پل میں دور کیا جا سکتا ہے۔''

اس نے آگے بڑھ کر سوئچ بورڈ کے سارے بٹن دبا دیے۔ پورا گھر جگمگا اٹھا تھا۔

''رملی بی بی اپنے کمرے میں ہیں۔'' وہ کہہ کر کچن کی طرف چلی گئی۔

زینب چند لمحے کھڑی اس کی بات پر غور کرتی رہی تھی پھر وہ رملی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پہلے اس نے دروازے پر دستک دی پھر ہینڈل گھما کر پش کیا۔ دروازہ آہستگی سے کھلتا چلا گیا۔

''رملی!'' اس نے آواز دی پھر اندر داخل ہوگئی۔

پورے کمرے میں اندھیرا تھا، حبس تھا، سگریٹ کی بو تھی۔ زینب کی نگاہیں اندھیرے سے مانوس ہونے کی کوشش کرنے لگیں۔ یکا یک بستر پر لیٹی ہوئی رملی نے سائیڈ لیمپس روشن کر دیے تھے۔ کمرے میں ہلکی سفید روشنی پھیل گئی۔

زینب آہستگی سے چلتی لیٹی ہوئی رملی کے مقابل پہنچ گئی۔ اس نے زینب کو دیکھ کر بھی اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ زینب اس کے پاس جا بیٹھی پھر یکا یک اسے دھچکا لگا

وہ، رملی نہیں تھی۔ وہ تو کوئی اور عورت تھی۔ اندر کو دھنسی ہوئی حلقہ زدہ آنکھوں، سیاہ رنگت اور نیلے ہونٹوں والی کوئی بدصورت سی عورت۔ سانولی سلونی رنگت والی، جامہ زیب رملی سے اس کا کوئی تعلق نہ لگتا تھا۔ وہ زندگی سے بھرپور، چہکتی ہوئی رملی کہاں تھی۔ زینب کی نظریں اس مردہ سی عورت میں کچھ ڈھونڈنے لگیں۔

''کیوں آئی ہو یہاں تم؟'' وہ یکا یک پھنکاری تھی۔ ''میں تمہاری صورت سے نفرت کرتی ہوں۔ کیا بچا ہے اب میرے پاس جو تم لینے چلی آئی ہو۔''

زینب پلکیں جھپکائے بنا اسے دیکھتی چلی گئی۔

''میں نے، میں نے کیا لیا ہے تمہارا؟'' وہ بس اتنا ہی کہہ سکی اور اور وہ بھی بے حد بے یقینی سے اس پر یکا یک ہی بہت کچھ منکشف ہونے لگا تھا۔

''یہ اپنے آپ سے پوچھو زینب شاہ!'' وہ جیسے زہر میں بجھی ہوئی تھی۔ ''پھر بھی سمجھ میں نہ آئے تو اپنے شوہر سے پوچھو، اپنے سو کالڈ شوہر سے۔'' وہ یکا یک طنزیہ ہنسی تھی۔

''ہاں۔'' اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرے پر بکھرے بال ہٹائے اور اٹھ کر تکیے کا سہارا لے کر بیٹھ گئی۔ ''جو آدمی پیسے کی چمک دمک دکھا کر حسین عورتوں کی قربت کچھ عرصے کے لیے حاصل کرتے ہیں وہ شوہر نہیں ہوتے، مان نہیں ہوتے، بے ایمان ہوتے ہیں لیکن یہ بات اس وقت سمجھ میں آئی تھی جب نہ مان رہتا ہے نہ ایمان۔''

وہ پھر پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔ زینب کو ایک لمحے کے لیے اس پاگل عورت سے خوف محسوس ہوا۔ وہ قدرے پیچھے کو سرک گئی۔ رملی ہنسی روک کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔

''بہت، بہت حسین لگ رہی ہو زینب شاہ! بہت حسین لیکن جانتی ہو مجھے تم دنیا کی سب سے بدصورت عورت نظر آ رہی ہو دنیا کی بدصورت ترین عورت، یہ لباس یہ زیوارت، یہ خوشبوئیں، جن کا استعمال تم نے مجھے متاثر کرنے کے لیے کیا ہے ان چیزوں سے ایک عرصہ ہوا میں نے متاثر ہونا چھوڑ دیا ہے۔ تم مجھے متاثر کرتی تھیں کم قیمت لباس میں، بکھرے بکھرے بالوں میں، تمہارے ہاتھ میں پڑی وہ سونے کی چار چوڑیاں جو تمہارا سرمایہ تھیں انہیں میں بہت عقیدت سے دیکھتی تھی۔ ان چوڑیوں سے پارسائی کی کھنک سنائی دیتی تھی۔ ان سے تمہارے شوہر کی سچی محبت کی خوشبو آتی تھی۔ ان...... ان چوڑیوں میں تمہارے شوہر کا دل، اس کا اعتماد اس کا مان باندھا ہوا تھا جسے اپنی کلائی پر سجا کر تم مجھے اس دنیا کی سب سے حسین، سب سے معتبر عورت نظر آتی تھیں آہ!''

اس نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر بیڈ کی پشت سے ٹکا دیا۔

''ہیرے کی انگوٹھیوں سے سجے تمہارے یہ ہاتھ پتھر کے ہیں زینب! ان سے کوئی تاثر نہیں ابھرتا، کوئی جذبہ نہیں پھوٹتا تم اتنی کم قیمت اور بے مایہ ہو چکی ہو کہ مجھے نفرت کے ساتھ ساتھ تم پر ترس بھی آتا ہے۔''

زینب جیسے واقعی پتھر کا بت بن گئی تھی۔ ساکت بیٹھی وہ فردِ جرم سن رہی تھی۔

''اب، اب تم جاؤ زینب! میں نے تصور میں تمہارے وجود پر سنگ باری کی ہے، تمہارے پتلے جلائے ہیں، تمہیں پاتال کی گہرائیوں میں زندہ دفن کیا ہے لیکن نجانے کیوں تمہیں ان قیمتی کپڑوں اور زیوروں میں دفن دیکھ کر مجھے تمہاری بے بسی اور بے چارگی پر ترس آ رہا ہے، تمہارا مقدر بھی تو مجھ سے مختلف نہیں ہے۔ تم میرا آئینہ ہو۔ مجھے تم سے نفرت کرنے کا حق نہیں پہلے مجھے خود سے نفرت کرنی چاہیے۔ اس لیے تم جاؤ! اس نے آنکھیں موند لیں۔ زینب کو جھرجھری آئی تھی۔

''میں، میں ایسے نہیں جاؤں گی رملی!'' وہ ٹھنڈے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''پہلے تمہیں مجھ کو ساری بات بتانی ہوگی۔ ہر بات جو تم آج تک مجھ سے چھپاتی رہی ہو۔'' رملی نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔

''تمہارا سکندر سے کیا رشتہ ہے؟'' اس نے رملی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا تھا۔ وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر تلخ انداز میں مسکرا دی۔

''اپنی زندگی کو عذاب تو تم بنا ہی چکی ہو زینب شاہ اسے عذاب تر مت بناؤ۔''

''تم بہت کچھ کہہ چکی ہو رملی! اتنا کہ اب تمہارے پاس کہنے کے لیے مزید کچھ نہیں ہے۔ مجھے اب میرے سوالوں کے جواب دو۔ بتاؤ مجھے سکندر سے تمہارا کیا رشتہ ہے؟''

''وہی جو تمہارا ہے۔'' وہ بے حد آرام سے بولی تھی۔

ایک لمحے کے لیے زینب کا سانس رک گیا تھا۔ وہ پلک جھپکائے بنا اسے دیکھتی رہی۔

''فرق بس اتنا ہے کہ تم سے اس نے نکاح پڑھوالیا ہے......'' وہ پھر ہنس دی۔ ''ہونہہ مگر اسے زیادہ فرق مت سمجھنا زینب...... ایسے کاغذ کی اہمیت ہوتی بھی نہیں ہے۔ اہمیت تو رشتے کی ہوتی ہے۔'' ''جذبوں کی ہوتی ہے، محبت کی ہوتی ہے اور سکندر علی نے ان چیزوں کو کبھی کوئی اہمیت نہیں دی۔'' اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے جھر جھر آنسو بہنے لگے۔

''تم، تم خود بھی تو قابل نفرت ہو۔'' یکایک زینب کو اس سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔ ''تم بھی اس لائق نہیں ہو کہ تم پر ترس کھایا جائے

تمہارا شوہر تمہارے لیے پیسہ کمانے باہر گیا ہے۔ تمہیں اعتبار اور اعتماد کی سند دے کر اور تم نے یہاں ایک غیر آدمی سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے۔ اپنے شوہر کے اعتماد کی دھجیاں بکھیریں اور...... اور...... دنیا کو دھوکا دیتی رہیں کہ وہ تمہارا بھائی ہے؟ مجھی تم پر تو تھوکنے کو جی کرتا ہے اور...... اور تم مجھے قابل نفرت گردانتی ہو؟ میں نے تو پھر بھی کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس سے شادی کی ہے جائز رشتہ استوار کیا ہے اس سے، تم خود کیا ہو؟ اس کی داشتہ؟''

وہ جو کچھ منہ میں آیا، بولتی چلی گئی تھی۔ شادی کے بعد بہت سی باتوں سے اسے اتنا اندازہ تو ہو گیا تھا کہ رملی اور سکندر علی کے درمیان رشتہ وہ نہیں ہے جو اسے بتایا گیا لیکن اسے یہ اندازہ نہ تھا کہ بات اس حد تک بڑھی ہوئی ہوگی۔ سامنے بیٹھی ہوئی اس عورت سے اس کے شوہر کے ناجائز تعلقات تھے، یہ بات اس کے لیے ایک شاک تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ رملی کا خون ہی پی جاتی یا پھر اپنا سر پھوڑ لیتی۔

رملی نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا اور پھر چند لمحے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے آنسو صاف کیے اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

''ہاں! میں تمہیں قابل نفرت گردانتی ہوں۔ میری نگاہ میں تم اپنے کردار کی پستیوں میں گر چکی ہو اور خود سے میرا مقابلہ مت کرو زینب! مجھ میں اور تم میں بہت فرق ہے۔'' وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

''میں نے سکندر علی سے محبت کی ہے۔ بہت زیادہ شدت سے چاہا اسے، اس نے مجھے اس وقت سہارا دیا جب میں زندگی کے اندھیروں میں اپنا آپ کھو چکی تھی۔ میرا شوہر مجھے شادی کے تھوڑے ہی عرصے بعد چھوڑ کر باہر چلا گیا تھا۔ بعد میں مجھے ایک چھوٹے تعلق کی ڈور میں تو باندھا ہوا تھا لیکن میں جانتی تھی وہ کبھی بھی لوٹ کر واپس نہیں آئے گا۔ اس کے اور میرے تعلق میں نکاح کے تین بولوں، ہر ماہ باقاعدگی سے بھیجی جانے والی رقم اور تین چار مہینوں بعد فون پر رسمی سی گفتگو کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔ مجھ سے شادی اس نے محض اپنی بیمار ماں کی خواہش پر کی تھی۔ وہ میری رشتے کی خالہ تھی۔ میرے ماں باپ کے گزر جانے کے بعد اس نے مجھے پالا تھا۔ مجھ پر اس عورت کے بے تحاشا احسانات ہیں۔ اپنے بیٹے کو مجھ سے زبردستی شادی پر مجبور کر کے اس نے مجھ پر ایک اور احسان کرنا چاہا تھا لیکن یہ میری زندگی کا سب سے بڑا بوجھ بن گیا۔''

وہ خاموش ہو کر تھکے تھکے سانس لینے لگی، زینب ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔

''خالہ کے گزر جانے کے بعد وہ کچھ جھوٹی تسلیاں میرے پلو سے باندھ کر چلا گیا۔ میں اکیلی تن تنہا خوف، مایوسی اور خود ترسی کا شکار بن کر رہ گئی۔ احساس تنہائی مجھے دیمک بن کر چاٹنے لگا تو میر سکندر علی میری زندگی میں چلا آیا۔ میں نہیں جانتی زینب کہ وہ میری جانب کیوں بڑھا تھا مجھ میں کیا چیز تھی جس نے اسے متاثر کیا یا شاید اسے متاثر کرنے کے لیے محض عورت ہونا ہی کافی ہے۔'' وہ ہنس دی تھی۔

وہ میری جانب بڑھا کہ اسے وقت گزاری کے لیے ایک جسم کی ضرورت تھی میں پیاسی دھرتی کی مانند اسے بادل کا ٹکڑا جان کر کھل اٹھی۔ میں نے اسے بے لوث چاہت دی محبت دی وہ سب کچھ دیا جو اس نے چاہا اور میں سمجھتی رہی کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ مجھے اپنانا چاہتا ہے۔''

''میں اس کی دولت کے فریب میں نہیں آئی تھی زینب! میں محبت کے ہاتھوں لٹی تھی۔ مجھ سے نفرت مت کرو، میں نے اپنا آپ بیچا نہیں تھا ایک خوب صورت تحفے کی صورت اسے پیش کیا تھا لیکن وہ یہ بات نہیں سمجھا! وہ یہ بات سمجھ ہی نہیں سکتا۔''

پھر اس نے تاسف سے زینب کو دیکھا۔

''یہ بات تم بھی نہیں سمجھو گی محبت کا سچا، بے لوث جذبہ میں نے تم پر بھی بے اثر ہوتے دیکھا ہے۔ اچھا ہوا جو تم دونوں نے شادی کر لی۔ تم دونوں ایک دوسرے کے لیے ہی بنے ہو۔ تمہیں دولت چاہیے اور اسے وقت گزاری کے لیے ایک خوب صورت جسم! خوب نبھے گی۔''

وہ ایک مرتبہ پھر پاگلوں کی طرح ہنسنے لگی۔ زینب کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ وہ پتھر کے بت کی مانند ساکت بیٹھی تھی۔

''مجھ سے اپنا موازنہ نہ کرتی ہو؟ مجھ سے؟ ہونہہ!'' یکایک رملی غصے سے بھڑک کر بولی تھی۔ ''ارے تم اس قابل کہاں ہو کہ کسی سچی محبت کرنے والے سے اپنا موازنہ نہ کرو۔ مجھے کہتی ہو کہ میں نے اپنے شوہر کے اعتماد کی دھجیاں بکھیری ہیں اور تم نے کیا کیا؟ تم نے تو اپنے محبت کرنے والے شوہر کو جیتے جی مار ڈالا۔ تم تو اتنی ظالم اور بے حس ہو کہ تاریخ میں تمہارا نام رقم ہونا چاہیے۔ مسز زینب سکندر علی!''

زینب کے دل کو اس نے جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ احسن کا خیال ایک کرنٹ بن کر اس کے رگ و پے سے گزرا تھا۔

''اب یہ سب کچھ کہنے سے کیا حاصل ہے رملی؟'' وہ شکستہ لہجے میں بولی۔ ''پہلے تم نے کیوں چپ سادھی ہوئی تھی۔ پہلے یہ سب کچھ کیوں نہ کہا مجھ سے؟''

''مجھے تم پر یقین تھا زینب! اندھا یقین۔'' وہ بے بسی سے بولی۔ ''میں تمہاری کلائی میں پڑی چوڑیوں کی کھنک سنتی تھی تو سوچتی تھی اس آواز سے کوئی عورت جھوٹ نہیں بول سکتی اس عہد سے کوئی عورت منکر نہیں ہو سکتی یہ سچا عہد جو دو محبت کرنے والے دل مل کر باندھتے ہیں۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی۔ سکندر نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں تم سے کبھی بھی اپنے اور اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گی...... بصورت دیگر وہ مجھ سے سارے ناطے ختم کر لے گا۔ میں تمہارے یقین اور اس کے وعدے سے مجبور تم سے کبھی بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ تمہاری طلاق کے بعد اس نے مجھے یقین دلایا کہ وہ خواہ کتنی ہی شادیاں کیوں نہ کر لے۔ اس کا اور میرا تعلق ہمیشہ ہر شے سے زیادہ مستحکم رہے گا۔ اور...... اور اب جبکہ اس کے دل سے ہر خوف مٹ چکا ہے کہ میں تم دونوں کے بیچ آ سکتی ہوں اب وہ مجھ سے ہمیشہ کے لیے الگ ہو چکا ہے۔ وہ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتا، میں فون کرتی ہوں تو وہ فون بند کر دیتا ہے۔ وہ اپنی طرف سے ہر ناطہ توڑ چکا ہے اسی لیے آج میں نے اس کے جھوٹے عہد سے آزاد ہو کر یہ سب کچھ تم سے کہہ ڈالا، جو میری روح میں ایک پھانس بن کر اٹکا ہوا تھا۔''

''مگر، مگر بہت دیر ہو چکی رملی بہت دیر!'' وہ جیسے خواب کے عالم میں بولی تھی۔

''ہاں زینب!'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''بہت دیر ہو چکی ہے۔ ہم دونوں کو لیکن لیکن...... تمہیں تو میں نے بہت بچانا چاہا، بار ہا سمجھایا لیکن تمہاری آنکھوں پر غفلت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ مجھے تو کوئی رملی نہیں ملی تھی۔ میرا بچنا محال تھا لیکن تمہیں تو میں چاہتے ہوئے بھی دوسری رملی بننے سے نہ بچا سکی۔''

زینب کے سر میں یکایک درد کی ایک شدید ٹیس اٹھی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی۔

''سنو زینب!'' یکایک رملی نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ''میں مر جاؤں تو سکندر علی کو میرے جنازے پر مت آنے دینا۔ کم از کم قیامت تک میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی اور تم ضرور آنا تم میرے جنازے پر ضرور آنا۔ کسی ایک شخص کے لیے تو عبرت کا نشان بنوں میں...... ہاں! ہم جیسی عورتوں کو عبرت کا نشان بننا چاہیے۔''

زینب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔



اسی رات تقریباً بارہ بجے رملی کی ملازمہ کا فون آیا تھا۔ رملی نے زیادہ مقدار میں خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

یہ اطلاع صرف زینب کے لیے تھی۔ وہ بہت دیر تک ریسیور کان سے لگائے بے حس و حرکت کھڑی رہی تھی پھر سکندر علی نے اس کے ہاتھ ریسیور لیا تو وہ حواسوں میں آئی۔

''رملی...... رملی مر گئی!'' اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہ تھی۔

''واٹ؟'' وہ لمحہ بھر کو چونکا تھا۔

''رملی مر گئی اس نے خودکشی کر لی۔'' وہ خواب کے عالم میں بول رہی تھی۔

''یہ وقت تو ہر انسان پر آتا ہے۔ تم دل پر مت لو۔ وہ تھی بھی کچھ خبطی سی عورت۔''

''آپ، آپ چل رہے ہیں؟'' اس نے سکندر علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''اتنی رات کو؟ کل چلیں گے بلکہ میری تو ایک ضروری میٹنگ ہے۔تم ڈرائیور کے ساتھ چلی جانا۔''

زینب کو اس پتھر کے انسان سے کراہیت ہونے لگی۔وہ تڑپ کر اس سے دور ہوگئی۔

''اوکے اوکے ڈارلنگ! میں ڈرائیور سے کہتا ہوں۔وہ تمہیں لے جائے گا کچھ دیر بیٹھ کر آ جانا۔''

اسے رملی کا پیغام دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔وہ شاید خود بھی قیامت تک اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔



رملی کی موت اس کے لیے ایک ایسا شاک تھی جس سے از خود سنبھلنا اس کے لیے شاید ممکن نہ تھا۔وہ دن رات ایک خواب کے عالم میں رہتی تھی۔رملی کا سفید کفن میں لپٹا ہوا سیاہ چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے پھرتا رہتا۔زینب کو اسے اس آخری روپ میں دیکھ کر یقین نہ آیا تھا کہ یہ وہی رملی ہے۔سانولی سلونی، خوش شکل رملی جو اوڑھ پہن کر اور بھی پرکشش ہو جایا کرتی تھی۔جب وہ اس سے پہلی مرتبہ ملی تھی تو کتنی بے فکر اور خوش باش تھی۔زینب کو اس پر رشک آیا کرتا تھا اور وہ دل ہی دل میں کتنے ہی گھاؤ چھپائے زینب پر رشک کرتی رہتی اور بالآخر ایک نشانِ عبرت بن کر اس دنیا سے خفا ہو کر چلی گئی۔

زینب اس کی موت پر اس کی یاد میں رونا چاہتی تھی لیکن اسے رونا بھی نہیں آتا تھا۔وہ خالی خالی آنکھوں سے اس حسین محل کے در و دیوار کو گھورتی خاموشی سے ادھر ادھر پھرتی رہتی۔

وہ ہفتہ میر سکندر علی نے بے انتہا مصروفیت کے عالم میں گزارا تھا۔اسے زینب کی حالت کا اندازہ نہ ہوا۔چند ایک راتیں تو اس نے باہر بھی گزاری تھیں۔دن میں کسی وقت کچھ دیر کے لیے ہو کر چلا جاتا تھا۔زینب کو اس بات سے کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوتی تھی کہ وہ اسے وقت دے رہا ہے یا نہیں۔اسے میر سکندر علی سے ہی کوئی دلچسپی محسوس نہ ہوتی تھی۔

بالآخر کتنے ہی دن بعد یہ جمود ٹوٹا تھا۔وہ اس دن گھر میں ہی تھا۔زینب کتنی ہی دیر سے سو کر اٹھی تھی۔نیچے اتری تو اسے ڈائننگ ٹیبل پر دیکھ کر اسے حیرت ہوئی۔

بڑی خاموشی سے آگے بڑھ کر وہ ایک کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگی۔اخبار پڑھتا ہوا سکندر علی چونکا تھا۔

''خوش آمدید!'' وہ بھرپور انداز میں مسکرایا۔''کیسی طبیعت ہے؟''

''جی؟'' اس نے نگاہیں اٹھائیں پھر جھکا لیں۔''میں ٹھیک ہوں۔مجھے کیا ہوا ہے؟''

''ملازم بتا رہے ہیں کہ تمہاری طبیعت کچھ دنوں سے ٹھیک نہیں ہے۔تم کھانا بھی صحیح طرح سے نہیں کھاتیں؟ کوئی پریشانی ہے ڈارلنگ۔''

''جی نہیں!'' وہ کپ میں چائے انڈیلنے لگی۔''آپ کے لیے چائے بناؤں؟''

''نو میں کافی لے چکا ہوں۔'' وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔''پچھلے دنوں تمہیں وقت نہ دے سکا۔آئی ایم ویری سوری ڈارلنگ لیکن اب چند ہی دن میں میں اس کا ازالہ کر دوں گا۔کچھ دنوں کے لیے میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔بہت سی دعوتیں بھی نمٹانی ہیں تمہیں لوگوں سے ملوانا ہے لیکن ڈارلنگ! یہ تم نے کیا حال بنا رکھا ہے؟''

''جی؟'' اس کا کپ لبوں تک لے جاتا ہاتھ رک گیا۔''کیا ہوا میرے حال کو؟''

''رنگت بیماروں جیسی ہو رہی ہے اور آنکھوں کے نیچے حلقے پڑے ہوئے ہیں اور یہ کس قدر ہلکے رنگ کا لباس پہنا ہے تم نے۔مجھے عورتیں شوخ کلرز میں اچھی لگتی ہیں تیز، بھڑکیلے رنگ پہنا کرو۔کھل اٹھتی ہو۔''

''مجھے عورتیں شوخ کلرز میں اچھی لگتی ہیں۔مجھے عورتیں اچھی لگتی ہیں، مجھے عورتیں، عورتیں، عورتیں.....'' اس کا جملہ اس کے ذہن کی ہر دیوار سے

ٹکرا ٹکرا کر لوٹنے لگا۔

اس نے کپ میز پر تقریباً پٹخا تھا۔

''جی میں جانتی ہوں۔'' وہ بولی تو اس کی آواز میں تلخی گھلی ہوئی تھی۔ ''جن عورتوں کے رنگ پھیکے پڑ جائیں وہ آپ کی نگاہ سے اتر جاتی ہیں۔''

سکندر کچھ کہتے کہتے تھم گیا تھا۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''جیسے رملی۔'' وہ خود کو کہنے سے باز نہ رکھ سکی۔

''میں جانتا ہوں۔ تم اس کے مرنے سے پہلے اس سے ملنے گئی تھیں۔'' پھر وہ اطمینان سے بولا۔

''اس نے یقیناً تمہیں خوب خوب کہانیاں سنائی ہوں گی لیکن مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ کہانیوں اور کتابوں کی دنیا میں رہنے والے بے وقوف لوگوں کی اس دنیا میں کمی نہیں ہے۔ میں بڑا پریکٹیکل آدمی ہوں زینب! مجھے یہ تصور، کہانیوں کی دنیا اٹریکٹ کرتی ہے نہ ان میں بسنے والے لوگ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ بس اتنی کہانی ہے۔ کوئی کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتا نا۔ میں نے تمہیں مجبور نہیں کیا تھا ایک چوائس دی تھی تم نے قبول کر لی اگر تم نہ کرتیں تو کیا میں خودکشی کر لیتا؟ کس قدر مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔''

''اس کی زندگی تباہ کر دی، یہ مضحکہ خیز بات ہے؟'' وہ بے حد تاسف سے بولی تھی۔

''زندگی! میں نے تباہ کی؟'' اسے ہنسی آ گئی۔ ''کون کس کی زندگی تباہ کر سکتا ہے؟ اس قدر تیز رفتار دور ہے لوگوں کے پاس سوچنے کا وقت نہیں ہے۔ ہاں! کوئی خود اپنی زندگی تباہ کرنا چاہے تو دوسری بات ہے۔ جیسے رملی نے کیا۔ کیا ضرورت تھی اس ڈھونگ کی؟ مجھے کیا فرق پڑ گیا۔ وہ خود دنیا سے چلی گئی۔''

زینب کے پاس کہنے کے لیے کچھ بھی نہ بچا۔ وہ افسوس کے شدید تاثر میں گھر کر خاموش بیٹھی رہ گئی۔ سنگدلی کی یہ کیفیت اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی تھی۔

''شام کو ایک دعوت ہے۔'' یکایک وہ لہجہ بدل کر خوشگوار آواز میں بولا۔ ''ایک بہت بڑی پارٹی۔ شہر کے تمام اہم لوگ مدعو ہوں گے۔ تمہیں بہت بہت خوب صورت نظر آنا ہے۔ اس پارٹی کی سب سے نمایاں شخصیت۔ تمہارے لباس کے انتخاب میں میں تمہاری مدد کروں گا۔ بیوٹیشن سے ٹائم سیٹ ہے۔ تمہیں پانچ بجے پارلر جانا ہے۔''

زینب نے غائب دماغی سے اس کی بات سنی پھر مزید غائب دماغی سے اسکی جانب دیکھا۔

''جی کہاں جانا ہے؟''

اس نے بہت سکون اور رسانیت سے اپنی بات دہرائی تھی۔

''لیکن، لیکن میرا موڈ نہیں ہے۔ میں کہیں جانا نہیں چاہتی!'' وہ قدرے بے بسی آمیز جھنجلاہٹ سے بولی تھی۔

''نو ڈارلنگ! نو۔'' یکایک اس کے انداز میں وہی سرد مہری اور پراسراریت در آئی، جس سے اسے خوف محسوس ہوتا تھا۔

''ہم پارٹی میں جائیں گے ضرور!'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ ''میں اوپر کمرے میں ہوں۔ ناشتہ کر کے اوپر چلی آؤ۔ وہاں ہم تمہارا شام کا ڈریس سلیکٹ کریں گے اوکے؟''

زینب سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔



رات کو اس نے میر سکندر علی کا منتخب کردہ ڈارک گرے کلر کا میکسی نما ٹخنوں تک لمبا لباس پہنا تھا۔ گلے میں ڈائمنڈ کا نیکلس اور کانوں میں ڈائمنڈ ہی کے آویزے تھے۔ بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اسے اس طرح سنوارا تھا کہ وہ خود اپنے آپ کو نہ پہچان پائی تھی۔

''ونڈرفل۔'' سکندر علی نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ''کیا شے لگ رہی ہو تم! میرا انتخاب بالکل درست تھا۔''

زینب سمجھ نہ پائی کہ اس نے زینب کے انتخاب کی بات کی تھی یا اس کے لباس کی وہ تقریب اس قدر بڑی اور شاندار تھی کہ زینب وہاں پہنچ کر کچھ دیر کے لیے کنفیوژ ہو گئی تھی۔ اس قدر افراد اس قدر روشنیاں اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی تھیں۔

سکندر علی اس کا بازو تھامے اسے مختلف افراد سے ملواتا رہا۔ وہ رسماً مسکراتی رہی۔

ایک بات اس نے بطور خاص نوٹ کی کہ وہ اسے زیادہ تر مرد افراد سے متعارف کروا رہا تھا۔ حالانکہ اس کے حلقہ احباب میں عورتیں کس تعداد میں تھیں یہ بات اسے اپنی شادی کی تقریب میں معلوم ہو چکی تھی۔

میر سکندر علی کسی شخص سے باتوں میں مصروف ہوا تو وہ لیمن جوس کا گلاس تھام کر ایک نسبتاً پرسکون گوشے میں چلی آئی۔

رات بے پناہ حسین تھی۔ آسمان پر پورا چاند تھا اور فضا میں پھولوں کی کھلی ملی مہک اور تازگی تھی۔ ایسی راتیں احسن کو بے حد پسند تھیں۔ وہ اس سے ساری ساری رات جاگ کر باتیں کرنے کی فرمائش کرتا تھا۔ وہ عاجز ہو جاتی تھی۔

آنکھیں موند کر اس نے اپنے دل کے ادھڑے ٹانکوں سے رستے خون کو محسوس کیا۔

''تم سے کتنی دور ہو چکی ہوں احسن اور ہر گزرتا لمحہ مجھے تمہاری یادوں سے قریب تر کرتا چلا جا رہا ہے۔ تمہاری قربت میں کبھی یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ میں تم سے اتنی، اتنی۔''

اس نے آنکھیں کھولیں اور انگلی کو پورے سے پلکوں پر اٹکے آنسو صاف کیے۔ اس سے کچھ فاصلے پر رکھی کرسی پر ایک شخص بیٹھا تھا۔ زینب کو اس کے سیاہ بال اور اس کی سفید شرٹ کا کالر نظر آ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے جیسے اس کا سانس رک گیا۔

''احسن، احسن...... کیا یہ احسن ہے؟''

اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ گیا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اس شخص تک پہنچی تھی۔

''احسن......'' اس نے اس شخص کا کاندھا پکڑ لیا۔

''جی......'' وہ مڑ کر حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ ''یس میڈم؟''

وہ سکتے کی سی کیفیت میں رہ گئی۔ وہ تو کوئی اور تھا۔ اس کے حسن کی ضوفشانیوں سے مرعوب ہو کر وہ ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جیسے اپنی قسمت پر اسے آپ یقین نہ آ رہا ہو۔

''سوری۔'' وہ شکستہ دلی سے ایک طرف کو ہٹ گئی۔

''اور، اور اگر وہ احسن ایاز ہوتا تو بھی تم کیا کرتیں زینب؟ تمہارا اب اس سے کیا ناطہ ہے جو تم اسے یوں پکار سکو، بیچ محفل میں اسے مخاطب ہی کر سکو وہ تو اگر کہیں ملا بھی تو تمہارا ہاتھ جھٹک کر ایک طرف کو بڑھ جائے گا۔''

''زینب ان سے ملو!'' میر سکندر علی کی آواز اسے ہوش میں لے آئی تھی۔ ''ان سے ملو یہ داؤدی ہیں ہماری جان سے عزیز دوست!''

داؤدی صاحب نے بڑی بے تکلفی سے نہ صرف اس سے مصافحہ کیا تھا بلکہ جھک کر اس کے گال سے اپنا گال بھی چھوا۔ زینب اس حرکت پر سن ہو کر رہ گئی۔ کسی غیر مرد کی اس طرح کی بے تکلفی ناقابل برداشت تھی۔ اس نے دیکھا، میر سکندر علی مسکرا رہا تھا۔

''بھئی مان گئے۔ جو سنا وہ کم تھا۔'' داؤدی صاحب مسکرا رہے تھے۔ ''بڑی تعریفیں سنی تھیں مسز سکندر علی کی لیکن یقین نہ آتا تھا کہ اس قدر بھی کیا حور شمائل ہوں گی لیکن بھئی مان گئے۔ جو سنا کم تھا۔''

سکندر علی ان دونوں کو چھوڑ کر کسی تیسرے شخص کی جانب بڑھ گیا۔ زینب کا کوفت کے مارے برا حال تھا۔ داؤدی صاحب کی چمک دیتی نظریں اور حرص سے ٹپکتے ہونٹوں کا وہ زیادہ دیر تک سامنا نہ کر سکی۔ اس سے لٹھ مار قسم کی معذرت کر کے وہ ایک طرف کو بڑھ گئی تھی تقریب رات گئے تک جاری رہی۔ وہ تقریباً تین بجے گھر لوٹے تھے۔

''کیسی رہی پارٹی؟'' سکندر علی ٹائی کی گرہ کھولتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ''شاندار تھی نا؟ ایسی تقریب تم نے اپنی لائف میں شاذ شاذ ہی دیکھی ہوگی۔''

''ایسی تقریب میں نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھی ہے۔'' وہ خشک لہجے میں بولی۔

''میں نے تمھیں داؤدی سے ملوایا تھا تم نے اسے کمپنی نہیں دی۔''

اوہ سوری سکندر! وہ شخص برداشت سے باہر ہے۔ وہ یکایک ٹھنڈے لہجے میں بولا تھا۔

''مجھے اس شخص سے بہت سے کام ہیں میرے کئی تالوں کی چابی ہے وہ۔ اس کے اعزاز میں ایک پارٹی بھی دینی ہے ہمیں اور اس مرتبہ تم اسے نظر انداز نہیں کرو گی۔''

''کیا مطلب؟'' اس نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ ''مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟''

''اتنی معصوم مت بنو زینب ڈارلنگ!'' وہ اس کے قریب چلا آیا ''ایک حسین، طرح دار عورت ہو اتنی سی بات نہیں سمجھ سکتیں؟ اس کو اپنی زلف کا اسیر کر لو، میرے تالے خود بخود کھلتے چلے جائیں گے۔''

''سکندر!'' وہ بے یقینی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔



کسی ڈراؤنے خواب سے ڈر کر وہ جاگی تھی۔ کچھ دیر تک وہ بستر پر لیٹی اندھیروں کو تکتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے سائیڈ لیمپس روشن کیے۔ اس کے سرہانے رکھا ٹائم پیس بارہ بجا رہا تھا۔ دن کے بارہ بج رہے تھے اور دبیز پردوں نے کمرے کو آدھی رات کا سا ماحول بخشا ہوا تھا۔

اس نے جسم میں ہوتے ہلکے ہلکے درد اور تکان کو محسوس کیا پھر بے دلی سے واپس لیٹ گئی۔ اٹھنے کو جی نہیں کرتا تھا۔ کچھ دیر تک لیٹی وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر چھت کو تکتی رہی۔ ذہن پر غنودگی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔

اسے یاد آیا! سلیپنگ پلز کھا کر سوئی تھی۔ اس کا ذہن اور جسم ابھی تک اسی نشے کے زیر اثر تھے۔ شاید ابھی اس کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ کروٹ بدل کر اس نے سونے کی کوشش کی لیکن پھر اسے گزشتہ رات کی باتیں یاد آنے لگیں۔

وہ تقریب، جس میں اس نے سکندر علی کے بصد اصرار شرکت کی تھی۔ اس کے حریص نگاہوں والے مرد، داؤدی صاحب اور پھر واپسی پر سکندر علی کی باتیں! سب کچھ اس کے دماغ میں گردش کرنے لگا۔ اس نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ جی چاہا کہ ایک مرتبہ پھر تین چار گولیاں کھا کر پڑ کر سو جائے لیکن وہ کب تک سو سکتی تھی؟ بالآخر اسے جاگنا ہی تھا۔ زندگی کا سامنا کرنا تھا اور زندگی کے یہ انداز اس کے اپنے منتخب کردہ تھے۔ اس نے بے حد خوشی سے اس راہ کو چنا تھا۔

''اور اب تمہیں یہ راہ بھی کانٹوں سے بھری دکھائی دیتی ہے؟'' کسی نے اس کے اندر سے پوچھا۔ ''تم چاہتی کیا ہو زینب شاہ؟ تمہارا اندر سدا بے کل اور خالی ہی رہتا ہے۔ تم اس قدر دکھی کیوں ہو؟ یہ شاندار انداز زندگی، یہ عالیشان محل، نوکر چاکر، گاڑیوں کی لمبی قطار، نوٹوں سے بھری الماریاں یہی تمہاری خواہش کل تھی۔ اس سے آگے تمہاری سوچ نہ جاتی تھی۔ اب اس مقام پر آ پہنچی ہو تو سوچوں کے دھارے پھر کسی اور سمت کو بہے

جا رہے ہیں۔ اب تمہیں کیا چاہیے؟ کیا؟ کیا؟"

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ ایک بار پھر اسے ہر سوچ سے رہائی پا لینے کی، ہوش و حواس کی دنیا سے دور ہو جانے کی شدید خواہش نے آلیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر پھر سے گولیوں سے بھری شیشی اٹھالی۔ وہ اسے کھولنا ہی چاہتی تھی کہ کوئی اس کے اندر قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"تم واقعی امیر ہوگئی ہو زینب خاتون! یہ ذہنی الجھنیں، یہ نیند کی گولیاں اور یہ بے حد حساب تھکن!" وہ شیشی کو گھورتی رہی۔

"تو کیا ایک دن مجھے بھی رملہ کی طرح یہ ساری گولیاں ایک ساتھ نگلنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ یہ جنگ، یہ اعصاب شکن جنگ ہی تو برپا ہوتی ہوگی جو انسان کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیتی ہوگی۔" میں کس طرح سے یہ جنگ لڑوں۔ میرے ہاتھ خالی ہیں اور میرا ساتھ دینے والا کوئی نہیں، کوئی بھی نہیں!"

اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پھر کتنی ہی دیر بعد وہ تھکے تھکے انداز میں اٹھ کر باتھ روم کی جانب بڑھ گئی تھی۔

نہا کر وہ باہر نکلی تو اسے بھوک اور چائے کے ایک گرم گرم کپ کی بے تحاشا خواہش کا احساس ہوا۔ وہ بالوں میں برش پھیر کر نیچے چلی آئی۔

جمیلہ اسے ایک کونے کی جھاڑ پونچھ کرتی نظر آگئی۔

"جمیلہ! اسلم سے کہو، چائے لے آئے۔" وہ ڈائننگ ہال میں چلی آئی۔

پھر اسے جھٹکا سا لگا تھا۔ سکندر علی وہاں موجود تھا۔ اخبار سامنے پھیلائے وہ مصروف سے انداز میں چائے کے گھونٹ بھر رہا تھا۔ زینب کا جی چاہا، وہاں سے پلٹ جائے لیکن حقیقت یہ تھی کہ پلٹنے کے لیے اب اس کے پاس کوئی رستہ باقی نہ تھا۔

ایک ٹھنڈی سانس بھر کر وہ آگے بڑھ گئی۔ کرسی گھسیٹ کر بیٹھنے لگی تو میر سکندر علی نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"اوہ گڈ نون ڈارلنگ!" وہ مسکرایا تھا۔

وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"لگتا ہے تمہاری رات کی تھکن ابھی تک نہیں اتری۔" وہ اسے بغور دیکھنے لگا۔ "تمہاری آنکھوں کے نیچے حلقے ہو رہے ہیں۔ کچھ دیر اور سو لیتیں۔"

"نہیں میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بے وجہ ہی اخبار آگے کر لیا۔

"کہاں ٹھیک ہو۔ بالکل تھکی ہوئی مرجھائی ہوئی لگ رہی ہو۔ ایسا کرو کوئی فریش جوس لے لو ایپل یا اورنج......"

"نہیں میں چائے پیوں گی۔" اس نے ٹرالی لاتے اسلم کو دیکھ کر اخبار ایک طرف رکھ دیا۔ میر سکندر علی خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ اسے زینب کے موڈ کا اندازہ ہو گیا تھا۔

اسلم نے چائے بنا کر کپ اس کے آگے رکھا۔

"ناشتے میں کیا لیں گی میڈم؟"

"کچھ نہیں، صرف چائے، کچھ دیر بعد میں کھانا کھاؤں گی۔"

"آپ کے لیے کچھ اسپیشل بناؤں؟ صاحب کے لیے میں نے فرائیڈ رائس اور چکن بروسٹ تیار کیا ہے۔"

"میرے لیے کوئی سبزی بناؤ۔" وہ اکتا کر بولی۔

"جی بہتر!" وہ مودب انداز میں سر جھکا کر نکل گیا تھا۔

"کیا بات ہے ڈارلنگ! تم شاید کچھ اچھا فیل نہیں کر رہی ہو۔ تھک گئی ہو یا طبیعت ٹھیک نہیں ہے؟" سکندر علی دونوں ہاتھ سمیٹ کر اپنے آگے میز پر ٹکاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

وہ چائے کا گھونٹ بھر رہی تھی۔ گھونٹ بھر کر اس نے کپ پرچ میں رکھ دیا اور خاموش بیٹھی رہی۔ سکندر علی کی بات کا جواب دینا اس نے زیادہ ضروری خیال نہ کیا تھا۔

''زینب!'' اس کے لہجے میں ہلکا سا تحکم در آیا۔ ''کیا بات ہے؟ بتاؤ مجھے؟''

''کچھ بھی نہیں۔ کیا بات ہوئی ہے۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''بس میرے سر میں کچھ درد سا ہے۔''

''درد کی وجہ ہی جاننا چاہتا ہوں۔ وہ کون سی بات ہے جو سوچ سوچ کر تم نے سر میں درد کر لیا ہے۔ یوں جہاں بھر سے بیزار اور ناراض دکھائی دے رہی ہو۔ اب تم زینب سکندر علی ہو۔ تمہیں خود اپنے رویوں کو چیک کرنا آنا چاہیے۔ وقت اور موقع محل کے حساب سے رویے تشکیل دینا سیکھو۔ تم کوئی معمولی عورت نہیں ہو۔''

''آپ مجھے معمولی عورت ہی سمجھیں تو اچھا نہ ہوگا؟'' اس نے طنز بھری التجا کی۔ ''مجھے غیر معمولی بننا نہیں آتا۔''

''تو سیکھو..... سیکھو زینب خاتون۔ تمہارا آؤٹ لک غیر معمولی ہے۔ یہی آؤٹ لک تمہیں یہاں تک لانے کا باعث ہے لیکن یہاں رہنے کے ضروری ہے کہ تمہارا اندر بھی غیر معمولی ہو۔ تمہیں ہر طرح سے اکسٹرا آرڈنری لک دینا ہے۔''

''کسے؟'' وہ جل بھن گئی۔

''ہر کسی کو۔ تم میری بیوی ہو..... میرا دست راست اور اچھی بیویاں اپنے شوہروں کی دست راست ہی ہوا کرتی ہیں۔ انہیں سپورٹ کرتی ہیں۔ ہر طرح سے ان کی ہیلپ کرتی ہیں۔ اس میں کیا برائی ہے؟''

''آپ مجھے بیوی بنا کر لائے تھے یا کامیابیوں کے آسمان تک پہنچنے کی سیڑھی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔ ''اور اگر ایسا کچھ تھا تو آپ پر لازم تھا کہ مجھے ہر طرح کی کنڈیشنز سے آگاہ کر دیتے۔ میں نے آپ کو کچھ اور سمجھا تھا۔''

میر سکندر علی کے چہرے پر ایک مرتبہ پھر وہی سرد پراسرار سمجھ میں نہ آنے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ وہ چند لمحے وہی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے دیکھتا رہا۔

''ڈارلنگ! تم بہت ٹینس ہو رہی ہو۔'' وہ بے حد نرم لہجے میں بولا تھا۔ ''شاید تم ٹھیک طرح سے میری بات سمجھ نہیں پا رہی ہو۔ چلو ہم اوپر کمرے میں چلتے ہیں۔ وہاں آرام سے بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔''

زینب بے حد بیزاری سے سست قدموں سے آگے بڑھی تھی۔ کمرے میں آ کر میر سکندر علی نے اے سی آن کیا اور بیڈ پر نیم دراز ہو گیا۔ زینب اپنی جگہ کھڑی لاتعلقی سے دیوار کو گھور رہی تھی۔

''زینب! ادھر آؤ ڈارلنگ۔'' وہ سگار سلگانے لگا۔ ''ہم کچھ ضروری باتیں کریں گے۔ تم بے حد بدگمان ہو رہی ہو۔''

وہ آہستہ روی سے چلتی ہوئی اس تک پہنچی تھی۔ وہ اس سے قدرے فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''یہاں میرے قریب آؤ۔''

''میں یہیں ٹھیک ہوں پلیز۔''

''دیکھو زینب!'' وہ چند لمحوں کے لیے سوچ میں گم ہوا تھا۔ ''تم جانتی ہو کہ میں پہلے سے شادی شدہ ہوں۔ میری پہلی شادی کو پندرہ برس گزر چکے ہیں۔ ان پندرہ برسوں میں میں نے دو شادیاں اور بھی کیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔''

زینب اس بات پر بری طرح سے چونکی تھی۔ میر سکندر علی نے اس کے چونکنے کا کوئی نوٹس لیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

''دراصل زینب! ان پندرہ برسوں میں، میں مضطرب اور غیر مطمئن رہا تھا۔ ایک عورت کا جو خاکہ میرے ذہن میں تھا۔ جس طرح کی عورت کا میں خواہش مند تھا وہ مجھے نہ مل سکی۔ ایسی عورت جو مسحور کر ڈالنے کا فن جانتی ہو۔ مقابل کو ہوش وحواس کی پہلی نگاہ میں اپنی مضبوط گرفت میں

لے لے اور پھر اپنی مرضی سے آزاد کرے۔ ایسی عورت مجھے نہ مل سکی۔ یہ میری اپنی خواہش تھی پھر یہ خواہش میری ضرورت بھی بنتی چلی گئی۔ دراصل یہ جو بزنس ہوتا ہے نا زینب! اس میں بڑے داؤ پیچ ہوتے ہیں۔ شطرنج کا کھیل ہوتا ہے یہ۔ کب کہاں، کون سا مہرہ آگے بڑھانا ہے کب کہاں کسے شہ دینی ہے، یہ سب کچھ اس کھیل میں آنا ضروری ہے جسے یہ گیم نہیں آتا وہ آگے بڑھنے کی صلاحیت کھوتا چلا جاتا ہے۔ تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک ساحر عورت کی قربت میری خواہش تو تھی ہی، یہ میری ضرورت بھی بن گئی۔ ایسی عورت جو میرے بزنس کو بڑھانے میں بھی میرا ہاتھ بٹا سکے۔ جو میرے بند تالوں کی چابی بھی بن سکے۔ جو صرف میرا بیڈ روم شیئر نہ کرتی ہو۔ میری لائف کا ہر پارٹ شیئر کرے۔"

وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوا۔

"میری تلاش ایک پیاس بنتی چلی گئی۔ میری پہلی بیوی میرے خاندان کی ہے۔ وہ نہ میری پسند تھی نہ محبت، نہ چوائس۔ وہ محض ایک مجبوری تھی۔ ایک رسم جسے ادا کرنا ضروری تھا اسی لیے ہمارا تعلق بھی بہت رسمی سا ہے۔ میرے تین بچے ہیں میں ان سے ملنے وہاں جاتا ہوں تو اس سے بھی ملتا ہوں۔ کبھی اتفاق ہوا تو اس کو تمہیں ملوا بھی دوں گا۔ وہ بہت بے ضرر سی عورت ہے جو اپنی لمٹس بخوبی پہچانتی ہے۔ اس سے مل کر تم کبھی مجھ سے یہ شکایت نہ کرو گی کہ میں نے تم سے اپنی پہلی شادی کو خفیہ کیوں رکھا۔"

وہ ذرا سا مسکرایا تھا۔

"اس کے بعد میں نے دو شادیاں کیں۔ وہ دونوں بہت خوب صورت تھیں۔ میرے اشارے پر ہر کام کرنے پر تیار بھی رہتی تھیں لیکن ان دونوں میں ہی ایک بہت بڑی خامی تھی۔ وہ بالکل بے تاثر تھیں۔ مشینی عورتیں، ان میں جذبات اور احساسات کی کمی تھی۔ ایسی عورتوں سے مرد کا جی بہت جلدی بھر جاتا ہے۔ وہ نہ مجھے زیادہ لبھا سکیں نہ کسی اور کو ایک خوب صورت مجسمہ کسی کو کس قدر متاثر کر سکتا ہے؟ ہاں پھر مجھے تم ملیں۔ تمہیں دیکھ کر میں نے جانا کہ بس میری تلاش تمام ہوئی یہی ہے وہ ساحر عورت جو میرے ہر سوال کا جواب بن سکتی ہے۔ زینب! تم نہ صرف بے حد حسین ہو بلکہ تمہاری آنکھوں میں جو حسین گہرائی ہے۔ تمہاری آواز میں جو گداز ہے وہ کسی پتھر کے بت میں بھی جان ڈال سکتا ہے۔ تم تاثرات سے بھی مالا مال ہو۔ جانتی ہو زینب! صبح سے داؤدی کے تین فون آچکے ہیں اور یہ وہ شخص ہے جسے فون کر کر کے میں تھک گیا تھا۔ جو کبھی دستیاب ہی نہ ہوتا ہے۔ کیا یہ ایک بہت بڑی کامیابی نہیں؟ یہ تمہاری کامیابی ہے، میری کامیابی ہے، ہماری مشترکہ کامیابی ہے۔ ہم لائف پارٹنر ہیں۔ ہمیں ہر موقع پر ایک دوسرے کا ساتھ دینا چاہیے۔ ہمیں ایک دوسرے کی پہچان ہونا چاہیے۔ اس داؤدی سے تمہاری ایک دو ملاقاتیں اور ہوں گی اور میرا برسوں کا اٹکا ہوا کام یوں چٹکی بجاتے ہو جائے گا۔ بس اپنے بزنس میں میں تمہارا اتنا شیئر چاہتا ہوں۔ تو اس میں کیا برائی ہے؟ اگر کوئی برائی ہے تو مجھے بتاؤ! عورتیں تو چھوٹے سے لے کر بڑے سے بڑے پیمانے تک اپنے شوہروں کے ایسے کام کرتی ہی رہی ہیں تم اتنی چھوٹی سی بات کو لے کر بیٹھ گئی ہو۔ خود کو بیمار کر لیا ہے۔ کس قدر اسٹوپڈ سی بات ہے۔ خود کو نکھارو زینب! اپنی صلاحیتوں کا قتل مت کرو۔ اتنی چھوٹی ذہنیت کا مظاہرہ مت کرو۔ تم کیا بن سکتی ہو تمہیں خود کو علم نہیں ہے۔ سمجھ رہی ہو میری بات؟"

اس نے بس یونہی سر ہلا دیا تھا۔

"ایک دو دن میں ایک پارٹی ارینج کر رہا ہوں۔ نو ڈاؤٹ کہ اس میں داؤدی بھی ہو گا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ یہ پارٹی ہو گی ہی اس کے لیے، تمہیں اس بندے کو ڈیل کرنا ہے۔"

زینب نے کاٹ دار نظروں سے اس کی جانب دیکھا لیکن وہ کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

"مجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"زیادہ کچھ نہیں، بس چند چکنی چپڑی باتیں کر کے میرے کام کا ذکر نکال لینا۔ وہ تمہیں انکار کر دے، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"اور اس کے بدلے میں اگر اس نے مجھ سے کوئی فرمائش کی پھر" اس کا تلخ انداز ہو رہا تھا۔

میر سکندر علی مسکرا دیا۔

"یہی تو کہہ رہا ہوں میں۔ حسین تو تم ہو ہی، ذہین بھی بن جاؤ تو دو آتشہ شراب کی مانند ہو جاؤ گی۔ کس بندے کو کس طرح ڈیل کرنا ہے۔ کسے کہاں تک لے کر جانا ہے، کتنی لفٹ کرانی ہے، یہ سب گر تمہیں آنے چاہئیں دیکھنا چاہو تو دیکھنا زینب ہم کہاں سے کہاں جا پہنچیں گے۔"

اچانک ہی فون کی بیل نے ان دونوں کو چونکا دیا تھا۔ سکندر علی نے ریسیور اٹھایا تھا۔

"ہاں آفندی! سکندر بات کر رہا ہوں۔"

وہ فون پر مصروف ہو گیا۔ زینب خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے نکل آئی تھی۔ سکندر علی کی ہر ہر بات کا مطلب اس نے بخوبی سمجھا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں اپنا حصہ اور اپنا کردار بخوبی سمجھ گئی تھی۔ وہ شطرنج کا کھلاڑی تھا اور اپنے لیے کام کے مہروں کا انتخاب کرتا رہتا تھا۔ پٹے ہوئے مہرے وہ ایک طرف لڑھکا دیا کرتا تھا۔ رہا بیوی کا سوال تو اس کی خاندانی بیوی پندرہ سال سے اس کی رفیق سفر تھی۔ تین بچے تھے۔ یہ خانہ پر تھا۔ یہاں کوئی کمی نہ تھا۔ کمی شطرنج کی بساط پر تھی جہاں فی الحال وہ میر سکندر علی کا وزیر تھی۔ اگر وہ بھی پٹ جاتی تو اسے بھی پہلے مہروں کی مانند ایک طرف کر دیا جاتا۔

وہ لان کی طرف اترتی سیڑھیوں پر آ بیٹھی۔

"تم نے لکھا تھا احسن کہ خدا مجھے وہ سب کچھ دے جو تمہاری ہمراہی میں مجھے نہ مل سکا۔ دیکھو، آج مجھے وہ سب کچھ مل رہا ہے وہ سب کچھ۔ تمہاری بددعا پوری ہوئی۔"

ایک بار پھر اس کی ہتھیلیاں نم ہو گئی تھیں۔ ایک بار پھر دل دھڑکنے لگا تھا۔ احسن ایاز کا خیال رگ و پے میں سنسناہٹ بن کر دوڑ رہا تھا۔



ایک بار پھر وہ تمام رات سو نہ سکی تھی۔ پہلے اس نے سلیپنگ پلز کھانی چاہیں پھر خوفزدہ ہو کر اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ وہ اس نشے کی عادی ہونا نہ چاہتی تھی۔ اس کے ذہن میں اس شیشی کو دیکھتے ہی رملی کا چہرہ گھومنے لگتا تھا۔

رملی کا سفید کفن میں لپٹا ہوا سیاہ چہرا۔ اس کے نیلے ہونٹ دیکھ کر محسوس ہوتا تھا جیسے اسے کسی زہریلے ناگ نے ڈسا ہو اور سچ ہی تو تھا۔ اس کی موت زہریلے ناگ کے ڈسنے سے ہی واقع ہوئی تھی۔ زینب کو اپنی گردن کے گرد اسی رنگ کے چکنے، سیاہ وجود کا حلقہ محسوس ہوتا تھا۔ اسے رملی کی سی عبرت ناک موت سے خوف آتا تھا۔

اس نے وہ شیشی کھڑکی سے باہر پھینک دی تھی۔ وہ اذیت ناک راتیں جاگ کر گزار سکتی تھی لیکن رملی کی سی موت کا تصور بے حد بھیانک تھا۔

سویرے وہ جلدی بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ساری رات کروٹیں بدل بدل کر اس کی کمر دکھنے لگی تھی۔ سر میں درد محسوس ہو رہا تھا۔

وہ نہا کر نیچے چلی آئی۔ سکندر علی دیر ہوئی جا چکا تھا۔ وہ چائے کا کپ پیتے ہوئے اپنا دن گزارنے کے متعلق سوچنے لگی۔ زندگی نے جو بھی رخ اختیار کیا تھا۔ اگر وہ رملی جیسی موت مرنا نہیں چاہتی تھی تو پھر اسے زندگی کو اس طرح سے جینا تھا۔

بے دلی سے اس نے تھوڑا بہت ناشتہ کیا اور ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ کر کمرے میں چلی آئی۔ تیار ہو کر اس نے اپنا پرس ہرے اور نیلے نوٹوں سے بھرا اور نیچے آ گئی۔ وہ شاپنگ کرنا چاہتی تھی۔ حالانکہ کچھ خریدنے کے لیے اس کے ذہن میں کوئی پلان نہ تھا۔ نہ اسے یہ علم تھا کہ اسے کس شے کی ضرورت تھی۔ پھر بھی وہ اب خود کو مصروف رکھنا چاہتی تھی۔

کتنی ہی دیر وہ بے مقصد دکانوں پر پھرتی رہی لیکن کوئی ایک شے بھی خریدنے پر وہ خود کو آمادہ نہ کر سکی۔ اسے کیا چاہیے تھا؟ شادی سے قبل

اس نے سکندر علی کے ساتھ بے تکان شاپنگ کی تھی۔ اس کی الماریاں نئے ان چھوئے کپڑوں سے اٹی پڑی تھیں۔ جیولری اس کے پاس ڈھیروں کے حساب سے تھی۔ کاسمیٹکس کا ڈھیر بنا استعمال کیے ڈریسنگ ٹیبل کی درازوں میں بھرا پڑا تھا۔ اسے کیا چاہیے تھا؟ وہ گھنٹہ بھر دکانوں میں پھرنے کے باوجود نہ جان سکی۔ اسے ہر شے نظروں سے اتری ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ کسی چیز کی کوئی قیمت ہی نہ تھی۔

شاپنگ مال کی سیڑھیاں اترتے ہوئے اس نے ایک بھکارن اور اس کے گرد جمع بچوں کے ڈھیر کو دیکھا جو روٹی کے ٹکڑوں پر جھگڑا کر رہے تھے۔ وہ لحہ بھر کے لیے ان کے پاس رکی تھی۔ اپنا پرس کھول کر اس نے مٹھی بھر نوٹ نکال کر اس بھکارن کی گود میں ڈال دیے۔

اس کا دل ذرا سی خوشی، تھوڑی سی مسکراہٹ کے لیے ترس رہا تھا۔ وہ گاڑی کے قریب آ کر رکی تو ڈرائیور نے اس کے لیے احترام سے دروازہ کھولا۔ زینب بیٹھنا چاہتی تھی کہ یکا یک اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ سانسیں بے ترتیب ہونے لگیں۔ ایک آدمی اس سے کافی فاصلے پر جا رہا تھا۔ اس کے پیر میں کچھ خرابی تھی۔ جو وہ اسٹک کے سہارے چل رہا تھا۔ پیچھے سے وہ بالکل احسن لگ رہا تھا۔

لمحے بھر میں وہ جیسے ہوش وحواس سے بیگانہ ہو کر اس کے پیچھے دوڑی تھی۔

''احسن...... احسن! رک جاؤ میری بات سنو!''

وہ اس کے پیچھے دوڑتی گئی۔ اس کا پرس اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ ایک سینڈل پیر سے نکل گیا تب وہ اس کے قریب پہنچی۔

''احسن!'' وہ اس کا بازو تھام کر پھولتی ہوئی سانسوں کے درمیان بولی تھی۔ پھر کرنٹ کھا کر وہ پیچھے ہٹی۔ وہ بلاشبہ کوئی اور تھا۔

''جی...... جی؟'' وہ حیرانی سے اس خوش لباس مگر مخبوط الحواس نظر آتی عورت کو دیکھنے لگا۔

''معاف...... معاف کیجیے گا۔'' وہ پیچھے مڑ گئی۔

اس نے رستے میں رک کر اپنا سینڈل پہنا۔ پرس اٹھایا، تب تک ڈرائیور گاڑی پارکنگ سے نکال کر لا چکا تھا۔ اس نے گاڑی زینب کے قریب لا کر کھڑی کی۔ اتر کر پچھلا دروازہ کھولا۔ وہ خود بھی بے حد حیران نظر آ رہا تھا لیکن کچھ بھی پوچھنے سے اس نے گریز کیا تھا۔

وہ گاڑی میں بیٹھی تو اسے احساس ہوا۔ اس کے پیر میں کچھ چبھ گیا تھا۔ ٹیس سی اٹھ رہی تھی اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ احساس بے بسی، احساس زیاں بڑی شدت سے اس کے اندر گھر کر رہے تھے۔

''میڈم! کہاں چلوں؟'' ڈرائیور شاید بڑی دیر سے پوچھ رہا تھا۔

وہ چونک اٹھی کہاں؟ اب کہاں جائے؟ کہاں دو پل گزارے؟ کہاں دل کا بوجھ ہلکا کرے؟ اس کے ذہن میں شہر کے سارے رستے بننے اور بگڑنے لگے۔

''رملی بی بی کے گھر چلو۔'' پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''رملی بی بی؟'' ڈرائیور کو اچھنبا ہوا تھا۔ ''لیکن میڈم۔''

اس نے کچھ کہنا چاہا تھا لیکن زینب نے اس کی بات کاٹ دی۔

''میں جانتی ہوں۔سب علم ہے مجھے۔تم وہیں لے چلو!''

''بہتر!''

گاڑی ان ہی رستوں پر دوڑنے لگی۔زینب نے آنکھیں بند کر کے اپنا سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دی۔اس کے ذہن میں اپنا اور رملی کا گھر گھومنے لگا تھا۔وہاں کی یادیں بگولوں کی مانند اس کے وجود کے صحرا سے ٹکرانے لگیں۔

''زینو، زینو۔'' ایک مانوس لب ولہجہ کانوں میں رس گھولنے لگا۔''کیا کر رہی ہو یار۔''

''زین! اچھا ہوا تم آ گئیں۔میں کتنا بور ہو رہی تھی۔'' رملی کی چہکتی ہوئی آواز آئی۔

''جینو بی بی، کتنا اچھا لگتا ہے یہ نام تم پر۔آج سے میں بھی تمہیں جینو کہوں گا۔''

گاڑی رکی تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔اسے احساس ہوا۔اس کے گال آنسوؤں سے بھیگے ہوئے تھے۔اس نے پرس نکال کر گالوں پر پھیرا اور گاڑی سے اتر آئی۔

''میرا انتظار کرو۔میں ابھی آتی ہوں۔'' وہ ڈرائیور سے کہہ کر آگے بڑھ گئی تھی۔

اسے علم نہ تھا کہ ان گھروں میں اب کون بستا تھا؟ بستا بھی تھا یا وہ اب تک خالی اور ویران تھے؟ وہ تو بس ان در و دیوار کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش من میں لیے وہاں چلی آئی تھی۔دروازے پر رک کر اس نے کال بیل کا بٹن پش کیا۔چند لمحوں میں ہی دروازہ کھل گیا تھا۔ایک نوجوان، خوش شکل لڑکی نے سر باہر نکالا تھا۔پھر اسے دیکھ کر اس نے دروازہ پورا کھول دیا۔

''جی؟'' وہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں؟'' وہ ایک لمحے کے لیے جھجکی۔''میں اندر آ سکتی ہوں؟''

''جی ضرور!'' وہ ایک طرف کو ہٹ گئی۔''تشریف لائیں۔''

زینب اندر داخل ہوئی تو اس کے دل کی عجیب کیفیت تھی۔وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پورے گھر میں پھرنے لگی۔

اس کا کمرہ، لاؤنج، کچن کوئی بھی جگہ نگاہوں کو مانوس نہیں لگتی تھی۔ان لوگوں نے بہت مختلف انداز میں گھر سیٹ کیا تھا۔یہ وہ گھر نہیں تھا جس کی تلاش میں وہ چلی آئی تھی۔وہ گھر اب دنیا کے نقشے پر کہیں بھی نہیں تھا۔نہ کبھی اب اپنے گھر کا دوبارہ وجود میں آنا ممکن تھا۔

وہ راہ میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ کر سسکنے لگی۔کوئی اس کے اندر زور زور سے ہنسنے لگا تھا۔

''رو رہی ہو زینب شاہ؟ اب روتی ہو؟ اپنی آنکھوں کو خشک کر لو۔تمہیں اب رونے کی ضرورت نہیں۔اب تمہارا مقدر رو رہا ہے۔''

وہ لڑکی بے حد پریشانی کے عالم میں اسے دیکھ رہی تھی۔پھر وہ لپک کر گئی اور اسکوائش سے بھرا جگ اور گلاس لے آئی۔

''آپ......آپ...... یہ پی لیں۔طبیعت سنبھل جائے گی۔''

زینب نے ایک نگاہ اس کی مہربان، نرم نقوش سے سجی صورت پر ڈالی۔پھر اس کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔گھونٹ گھونٹ کر کے وہ ٹھنڈا شربت اپنے اندر اتارنے لگی۔طبیعت واقعی سنبھلنے لگی تھی۔

''آپ کو کسی کی تلاش ہے کیا؟'' وہ لڑکی متجسس نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

''تلاش؟'' وہ بڑبڑائی۔''میں سایوں کا پیچھا کر رہی ہوں اس تلاش کو کیا نام دوں۔'' پھر اس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی۔سادہ سے لباس میں بھی اس کی شگفتگی بہت نمایاں تھی۔بنا کسی میک اپ کے سادہ سے چہرے میں ایک خاص جاذبیت تھی۔اس کی آنکھوں میں بے تحاشا چمک تھی۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''فائزہ!'' وہ مسکرائی۔

''اور یہاں کون کون رہتا ہے؟'' وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''میں اور میرے شوہر!'' اس کے لبوں پر مدھم مسکان ناچنے لگی۔ ''ہماری شادی کو ابھی سال بھر ہوا ہے تو ان کا ٹرانسفر یہاں ہو گیا۔ پہلے ہم ان کی خالہ کے گھر تھے۔ ابھی مہینہ بھر پہلے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔''

''اکیلی ہوتی ہو سارا دن؟'' وہ غائب دماغی سے پوچھنے لگی۔

''جی لیکن کاموں میں مصروف رہتی ہوں۔ دن گزرنے کا پتا بھی نہیں چلتا۔ شام کو وہ آجاتے ہیں۔'' اس کے لبوں پر پھر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ''پھر ہم گھومنے نکل جاتے ہیں۔''

زینب کے دل سے ایک آہ نکلی۔ اس کے پورے جسم میں درد کی ایک لہر دوڑ گئی۔ یہی جنت تھی جہاں کبھی وہ آباد تھی اس نے اپنی جنت کو اپنے ہاتھوں آگ لگائی تھی۔

''تم، تم لڑتی تو نہیں ہو اپنے شوہر سے؟'' اس نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔

''جی؟'' وہ لمحہ بھر کو حیران ہوئی۔ ''نہیں تو، ہماری تو کبھی لڑائی نہیں ہوئی۔''

زینب کا جی چاہا وہ اپنا سب کچھ دے کر بھی اس خوش قسمت لڑکی سے اپنی قسمت بدل لے۔ اس کے آگے ہاتھ جوڑے، اس کے پیروں پر اپنا سر رکھ دے، اس کا دامن تھام کر التجا کرے کہ خدا کا واسطہ مجھ سے اپنا نصیب بدل لو۔

اس کے آنسو ایک مرتبہ پھر اس کے گالوں پر رواں ہو گئے۔

''آپ بہت دکھی لگتی ہیں۔'' فائزہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔ ''اپنے بارے میں کچھ بتائیں۔ یہاں آپ کے کوئی ریلیٹو رہتے تھے۔ آپ کس کی تلاش میں یہاں آئی ہیں؟ اس گھر سے کیا تعلق ہے آپ کا؟''

نرم لہجے میں اس نے بے شمار باتیں پوچھ ڈالیں۔ وہ بڑی زندہ دل سی، چہکنے والی لڑکی لگتی تھی۔

''میرا کسی شخص سے، کسی گھر سے کوئی تعلق نہیں۔'' وہ خلاؤں میں تکنے لگی۔ ''مجھ سا بدنصیب اس پوری دنیا میں کوئی نہیں ہے۔''

''تعجب ہے!'' وہ اسے یوں دیکھنے لگی جیسے اس کی صحیح الدماغی پر اسے شک ہو۔

''کیوں؟ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟'' وہ دکھ سے مسکرائی۔

''آپ تو...... آپ تو بہت خوش قسمت لگتی ہیں۔ اتنی خوبصورت ہیں آپ، اس قدر ویل ڈریسڈ۔ باہر آپ کی شاندار گاڑی کھڑی ہے۔ میں تو آپ کو دیکھتے ہی مرعوب ہو گئی تھی اور آپ خود کو بدنصیب کہہ رہی ہیں۔''

''آئندہ کبھی کسی سے مرعوب مت ہونا۔'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر کھڑی ہو گئی۔ ''نہ کبھی کسی پر رشک کرنا۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ تم دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہو۔''

وہ باہر نکل آئی تھی۔ وہ رملی کے گھر بھی جانا چاہتی تھی لیکن اب اس نے اپنا ارادہ بدل دیا تھا۔ اب وہ گھر رملی کا نہیں تھا۔ وہاں سے وہ یونہی خالی ہاتھ لوٹتی جیسے اس گھر سے لوٹی تھی۔ کسی پرانی یاد کی رتی برابر مہک لیے بغیر!



سکندر علی دو دن سے گھر نہیں آیا تھا۔ اس نے زینب کو فون پر بتا دیا تھا کہ وہ بے حد مصروف ہے۔ اسے یوں بھی اب اس کا انتظار نہیں تھا۔

رملی کی موت سے اس کے اندر بھی ایک موت واقع ہوئی تھی۔اس کی تمام امنگوں، خواہشوں اور جذبوں کی موت۔ وہ اپنا خالی دل لیے ادھر سے ادھر پھرتی رہتی۔اس شام وہ لان میں بیٹھی بے دلی سے چائے کے گھونٹ بھر رہی تھی جب چوکیدار نے گیٹ وا کر کے کسی گاڑی کو اندر آنے کا رستہ دیا۔

ایک چمکتی ہوئی، بڑی سی گاڑی پورٹیکو میں رکی تھی۔باوردی ڈرائیور نے اتر کر دروازے کھولے۔زینب بڑی توجہ سے اس طرف ہی دیکھ رہی تھی۔اس نے ایک عورت اور دو لڑکیوں کو اترتے ہوئے دیکھا۔وہ ملازم سے شاید اسی کی بابت دریافت کر رہی تھیں۔

وہ کچھ پریشانی کے سے عالم میں اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔وہ لوگ ملازم کی معیت میں اسی کی طرف آ رہی تھیں۔

''میڈم یہ......'' ملازم نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

اس عورت نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''تم جاؤ۔ہم اپنا تعارف کرا لیں گے۔''

''جی بہتر بیگم صاحب!'' وہ پلٹ گیا۔

زینب حیرانی سے ان تینوں کو دیکھنے لگی۔وہ تقریباً چالیس برس کی ایک فربہ اندام عورت تھی۔اس نے ایک بیش قیمت ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔گردن میں موٹی سی چین اور کانوں میں جڑاؤ بندے تھے۔ہاتھوں کی سب انگلیاں قیمتی پتھروں کی انگوٹھیوں سے مزین تھیں۔

دونوں لڑکیوں نے مغربی انداز کے لباس زیب تن کیے ہوئے تھے۔ان کے کٹے ہوئے بال شانوں پر جھول رہے تھے۔چھوٹی لڑکی ہو بہو سکندر علی کی کاپی تھی۔

''بیٹھیے!'' اس نے کرسیوں کی جانب اشارا کیا۔''پہچان گئی ہو؟'' وہ عورت تمسخر سے مسکرائی تھی۔

''جی۔'' وہ رسانیت سے بولی۔

''ہم نے سوچا کہ اسے دیکھ آئیں جس کے چرچے ساری دنیا میں ہیں۔'' وہ کرسی پر براجمان ہوتے ہوئے بولی۔''لڑکیوں کو بھی بڑا شوق تھا تمہیں دیکھنے کا۔وہاں حویلی میں جو بھی آتا ہے تمہارے حسن کے قصیدے پڑھتا ہے۔ہاں،ٹھیک ہے حسین ہو۔''

اس نے زینب کو نظروں ہی نظروں میں تول کر گویا حسین ہونے کی سند دی تھی۔

''لیکن تم نے سنا ہو گا حسن چار دنوں کا ساتھی ہے۔'' وہ پھر تمسخر سے مسکرائی۔

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟'' اس کی پیشانی پر شکنیں ابھریں۔

''سمجھ جاؤ گی، سمجھ جاؤ گی۔چار دن گزریں گے تو سب سمجھ جاؤ گی۔خیر، مجھے شمسہ کہتے ہیں۔میں میر سکندر علی کی جائز، قانونی، خاندانی بیوی ہوں۔اس کے اصل گھر کی اصل مالکن۔یہ میری بڑی بیٹی ہے دانیہ اور یہ چھوٹی سونیا۔ایک بیٹا بھی ہے حیدر علی خان، وہ ہاسٹل میں رہتا ہے۔''

اس کا لہجہ، اسکی آواز، اس کا لفظ لفظ نخوت سے بھرا ہوا تھا۔زینب اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

وہ گہرے سانولے رنگ اور بھدے نقوش کی مالک تھی۔اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں بلا کا غرور تھا۔

''تم سے پہلے بھی سکندر دو شادیاں کر چکا ہے۔'' اس نے اپنی دانست میں گویا اسے نئی اطلاع دی تھی۔

''جی میں جانتی ہوں۔'' وہ سکون سے بولی۔

''مجھے اس بات سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی۔'' وہ پھر مسکرائی تھی۔''مردوں کو ادھر ادھر منہ مارتے رہنے کی عادت ہوتی ہے۔دو چار دن میں دل بھرتا ہے تو پھر اپنے ٹھکانے پر آ جاتے ہیں۔خیر، دیکھتے ہیں یہ نیا شغل کتنے دن جاری رہتا ہے۔''

زینب خاموشی سے بیٹھی اس کی باتیں سنتی رہی۔اسے نہ تو اس کی باتوں پر غصہ آ رہا تھا نہ ان لوگوں سے کسی قسم کی جیلسی محسوس ہو رہی تھی۔

وہ بالکل خالی دماغ لیے بیٹھی تھی۔

''اپنے بچوں کا وہ دیوانہ ہے۔ سونیا میں تو سمجھو، اس کی جان ہے۔ میں ان بچوں کی ماں ہوں۔ تم سمجھ سکتی ہو گی کہ میرا اس کی زندگی میں کیا مقام ہے۔ یہ تو بس وہ حسن کا رسیا ہے اس لیے کبھی کبھار.....''

''حسن کا رسیا ہو کر بھی اس نے آپ سے شادی کی؟'' وہ بڑے پرسکون انداز میں بولی تھی۔

شمسہ بیگم کا چہرہ لمحوں میں سیاہ ہو گیا۔

''مجھ سے شادی اس نے اپنی خواہش سے کی۔ یہ دولت، جس کی چمک دکھا کر وہ تم جیسی عورتوں کو حاصل کرتا ہے یہ ساری دولت میری ہے۔ روپیہ پیسہ میرا ہے۔ میں اپنے ساتھ اپنے بابا کی ڈھیروں جائیداد لے کر آئی تھی جس کے بل بوتے پر آج وہ نہ صرف خود عیش کر رہا ہے بلکہ تم جیسیوں کو بھی کر وا رہا ہے۔''

''چھوڑیں ناں ممی بس اب چلتے ہیں۔'' رانیہ اکتا کر بولی تھی۔

''اپنے حسن پر بہت ناز ہے تمہیں۔'' شمسہ بیگم بپھر چکی تھیں۔ ''ذرا ایک بچہ تو پیدا کر کے دکھاؤ تو میں جانوں۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی اولاد دو دو ٹکے کی عورتوں کی کوکھ سے پیدا نہیں کروائے گا۔'' زینب کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''آپ لوگ جا سکتی ہیں۔'' وہ پھر بھی خود پر قابو پا کر سکون سے بولی۔

''ہاہاہا!'' شمسہ بیگم تمسخرانہ ہنسی ہنس دیں۔ ''چار دن کی چاندنی کچھ دن بعد ہم پھر اسی گھر میں کسی اور حسین چہرے کو دیکھنے آئیں گے۔ وہ بھی شاید یہی کہے، کر لو عیش بی بی! جتنے کر سکتی ہو۔ چلو لڑکیو!''

وہ تینوں کھڑی ہو کر اپنی گاڑی کی جانب بڑھ گئیں۔ باوردی ڈرائیور نے دروازے وا کیے۔ چوکیدار نے گیٹ کھولا اور گاڑی برق رفتاری سے باہر نکل گئی۔

زینب اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی اس طرف دیکھتی رہی۔ اس کے ذہن میں شمسہ بیگم کے الفاظ کے پتھر برس رہے تھے۔



میر سکندر علی چار دن بعد آیا تھا۔ اس نے زینب سے بے تحاشا معذرت کی۔ اپنی مصروفیت کی وجوہات بتائیں۔ اسے بہت مس کرنے کا اظہار کیا۔ وہ پتھر کی طرح بیٹھی رہی۔

''چلو، آج کا سارا دن تمہارے نام۔'' وہ اس کے شانوں پر ہلکا سا دباؤ ڈالتے ہوئے بولا۔ ''ہم پورا دن ساتھ گزاریں گے۔ شام کو فریش ہو کر گھومنے چلیں گے۔ تم اپنے لیے جو چاہو خریدنا۔ پھر ہم تمہاری پسندیدہ جگہ سے ڈنر بھی کریں گے ٹھیک ہے؟''

اس نے دھیرے سے اس کے رخسار کو چھوا۔ اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں جانتا ہوں ڈارلنگ تم خفا ہو۔'' وہ اس کو ساتھ لے کر سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ ''پورا دن اکیلی رہ کر تم بور تو ہوتی ہو گی۔ تمہارا سرکل بھی تو اتنا لمیٹڈ ہے۔ نہ ہونے کے برابر۔ خیر تم فکر مت کرو۔ میں نے اس کا بھی حل سوچا ہے۔ میں تمہارے لیے ایک بوتیک خرید رہا ہوں۔''

''میرے لیے؟'' اس نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔

''ہاں تمہارے لیے۔ تمہاری اس بے زاری سستی اور بوریت کا علاج۔ تم اسے چلاؤ گی۔ اس سے تمہارا ذہن بھی شارپ ہو گا۔ بزنس کے اسرار و رموز تمہاری سمجھ میں آنے لگیں گے۔''

وہ بے حد خوش نظر آتا تھا۔ زینب بھی خاموش ہو کر اس کی تجویز پر غور کرنے لگی۔ یقیناً وہ خود کو مصروف رکھ کر اذیت ناک سوچوں سے بچ سکتی تھی۔

''اچھا خاصا چلتا ہوا بزنس ہے۔ تمہیں زیادہ کام نہیں ہوگا۔ بس لک آفٹر کرنا۔ کوئی پرابلم ہو، تو میں شیئر کروں گا۔ کیسا آئیڈیا ہے؟''

''ہوں ٹھیک ہے۔'' اس نے پرسوچ انداز میں سر ہلایا۔

کمرے میں داخل ہو کر سکندر علی نے اے سی آن کیا پھر کھڑے کھڑے اپنا سگار سلگانے لگا۔

''ہاں، ایک بات میں بتانا بھول رہا ہوں۔''

زینب نے چونک کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ اس کے بہت عام سے لہجے میں کوئی خاص بات چھپی تھی۔

''کل یہاں، اپنے گھر میں پارٹی ہے۔ سارا انتظام مکمل ہے۔ ہم آج تمہارے لیے کوئی بہترین سا لباس بھی خریدیں گے۔ تمہیں جان محفل نظر آنا ہے۔''

زینب خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ تو اس کی خوشی کا اصل سبب یہ تھا!

''داؤدی تم سے ملنے کے لیے بے تاب ہے۔ تمہیں اس کو خاص طریقے سے ڈیل کرنا ہے۔ ہمارا کام چٹکیوں میں ہو جائے گا۔''

وہ اپنے سگار کی جانب متوجہ تھا۔

''ہاں ہاں کہو!'' وہ پوری طرح متوجہ ہوا۔ ''میں تو خود چاہتا ہوں۔ تم کچھ کہو، کوئی فرمائش کرو۔''

''مجھے اولاد چاہیے!''

''کیا؟'' وہ آنکھوں کو بالکل سکیڑ کر نہایت حیرانی سے بولا تھا۔ ''یہ کیا کہا تم نے؟''

''کیا یہ بہت انوکھی، نرالی بات ہے؟'' وہ ابرو چڑھا کر پوچھنے لگی۔ ''آپ کی جائز قانونی بیوی ہوں۔ اولاد کی تمنا میرا حق ہے۔''

''دیکھو ڈارلنگ!'' وہ میٹھے لہجے میں بولا۔ ''ابھی یہ تمنا پینڈنگ میں رہنے دو۔ ابھی ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔''

''کام تو ہوتے رہیں گے۔ ساری عمر پڑی ہے!'' وہ مضبوط لہجے میں بولی۔ ''لیکن میں بچہ چاہتی ہوں۔ کمال ہے، میرے لیے مصروفیت کی تلاش میں آپ بوتیک تو کھول سکتے ہیں۔ مجھے میرا جائز حق نہیں دے سکتے۔ میرے لیے ایک بچہ ہی سب سے بڑی مصروفیت ہوگا!''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ اس مسئلے پر بھی کریں گے بات!'' وہ اسے بہلانے لگا۔ ''فی الحال تو ہم کچھ اور پلان کر رہے تھے۔''

''میں جانتی ہوں، آپ کے تین بچے ہیں۔ آپ کو مزید کی تمنا نہیں لیکن سکندر! یہ آپ سے میری پہلی اور آخری فرمائش ہے۔ بلکہ تقاضا ہے۔ آپ کو میری بات ماننی ہوگی!''

سکندر علی گہری سانس بھر کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ اٹل فیصلہ کیے بیٹھی تھی۔

''دیکھو ڈارلنگ۔'' وہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولا۔ ''میں انکار نہیں کر رہا ہوں۔ تم شوق سے بچے پیدا کرنا لیکن فی الحال فوری طور پر ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ ابھی تمہارے لیے بچہ اہم نہیں ہے۔ ابھی اہم ہے تمہارا حسن تمہارا فگر، تمہاری فٹنس۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہیں بہت سے کاموں میں میرا ساتھ دینا ہے۔ چند سال صبر کر لو پھر بچے پیدا کرتی رہنا۔''

آخر میں اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ در آئی تھی۔

''نجانے یہ فضول خیال کس نے تمہارے ذہن میں ڈال دیا ہے۔ بہرحال، کم ٹو دی پوائنٹ! میں تمہیں داؤدی کے متعلق بتا رہا تھا اسے کس طرح سے ٹریپ کرنا ہے۔ اسکی کس کس کمزوری سے فائدہ اٹھانا ہے۔ یہ سب ذہن نشین کر لو.....''

وہ اسے مزید ہدایات دینے لگا لیکن زینب کا دھیان اس کی جانب نہ تھا۔ اسے ایک بھیانک رات یاد آ رہی تھی جب اس نے درد کی ٹیسوں سے لڑتے لڑتے خود اپنے بچے کا خون کر دیا تھا۔ اسے اسپتال کا کمرہ اور احسن ایاز کی بجھی ہوئی آنکھیں یاد آ رہی تھیں۔ اسے وہ کھلونے یاد آ رہے تھے جو وہ بہت چاؤ سے اپنے ہونے والے بچے کے لیے لایا تھا۔

اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی کیفیت غیر ہوتی محسوس کی۔ اس مرتبہ وہ اس کیفیت کا مقابلہ نہ کر سکی تھی۔ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر وہ بستر پر گر پڑی۔

"زینب! واٹ ہیپنڈ؟" سکندر علی چونک کر اس کی طرف بڑھا تھا۔



دعوت بے حد شاندار طریقے پر منتظم کی گئی تھی۔ پوری کوٹھی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ انتظام دونوں لانوں میں کیا گیا تھا۔

زینب کو تیار کرنے کے لیے بیوٹیشن دوپہر سے ہی آ گئی تھی۔ اس نے سر سے پاؤں تک اس کی ایک ایک چیز کو دلہن کی طرح نکھارا تھا۔

اس کا لباس شہر کے مہنگے ترین بوتیک سے خریدا گیا تھا۔ مکمل طور پر سفید لباس کے ساتھ سچے موتیوں کی جیولری تھی۔ زینب نے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھا۔

زینب بے تاثر نظروں کے ساتھ اپنے عکس کو گھورتی رہی۔ وہ جب بھی آئینہ دیکھتی تھی، اسے رملی کی باتیں یاد آ جاتی تھیں۔ اس نے کہا تھا۔

"بہت حسین لگ رہی ہو زینب شاہ! بہت حسین۔ لیکن جانتی ہو مجھے تم دنیا کی سب سے بدصورت عورت نظر آ رہی ہو۔ یہ لباس، یہ زیورات، یہ خوشبوئیں جن کا استعمال تم نے مجھے متاثر کرنے کے لیے کیا ہے، ان چیزوں سے عرصہ ہوا میں نے متاثر ہونا چھوڑ دیا ہے۔ تم مجھے متاثر کرتی تھیں کم قیمت لباس میں، بکھرے بکھرے بالوں میں، تمہارے ہاتھ میں پڑی سونے کی وہ چار چوڑیاں جو تمہارا سرمایہ تھیں، انہیں میں بہت عقیدت سے دیکھتی تھی۔"

اس نے کہا تھا۔

"تم اتنی بے قیمت اور بے مایہ ہو چکی ہو زینب! کہ مجھے نفرت کے ساتھ ساتھ تم پر ترس بھی آتا ہے۔"

اس نے واقعی ٹھیک کہا تھا۔ بیش قیمت لباس اور نہایت مہنگے زیورات پہن کر بھی وہ اس وقت خود کو اس قدر کم قیمت اور بے مایہ تصور کر رہی تھی کہ اسے اپنے آپ پر ترس آ رہا تھا۔

"میں کیوں سجی ہوں؟ کس کے لیے سنوری ہوں؟ میں عورت ہوں یا طوائف ہوں۔ میر سکندر علی! تم نے مجھے ایک سجا ہوا کوٹھا دکھا کر خرید لیا۔"

ہاہاہا...... ہاہا کوئی اس کے اندر قہقہے لگا رہا تھا۔

دعوت کافی دیر سے شروع ہوئی تھی۔ رات بھیگنے لگی تھی۔ وہ پتھر کے بت کی مانند بے تاثر چہرہ لیے میر سکندر علی کے دوستوں سے ملتی پھر رہی تھی۔

"زینب! ڈارلنگ کہاں ہو تم!" سکندر علی، داؤدی کو لیے اس کے قریب چلا آیا۔ "یہ اپنے داؤدی صاحب آئے ہیں۔ ان کا خیال رکھو!"

داؤدی صاحب نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بلا جھجک اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ انہوں نے جھک کر اس کا گال چھوا۔ وہ مسکراتی رہی۔

میر سکندر علی کچھ دیر بعد ہی انہیں چھوڑ کر کسی اور طرف نکل گیا تھا۔ وہ انہیں مصنوعی پتھروں سے بنائی گئی آبشار کی طرف لے آئی۔ چھوٹے سے خوب صورت تالاب میں بطخیں ساحت بیٹھی تھیں۔ وہ ادھر پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"سکندر بڑا لکی آدمی ہے!" داؤدی صاحب حریص نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتے ہوئے بولے۔ "جب مارتا ہے اونچا ہاتھ مارتا ہے۔"

''یہ لیجئے!'' اس نے قریب سے گزرتے ویٹر کو روک کر شراب سے بھرا گلاس اٹھا کر انہیں تھمایا۔

''ہوں تو کیا کہہ رہے تھے آپ؟''

''میں سراہ رہا تھا، آپ کی اس بے مثال خوب صورتی کو۔'' انہوں نے گھونٹ بھر کر شراب کا سرور اپنے اندر اترتا ہوا محسوس کیا۔ ''ایسا حسن میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ زینب! تمہاری نظروں میں ایک عجیب سی گہرائی ہے۔ ایک نشہ ہے..... سکندر بہت کی ہے۔ کیا شاندار دن رات گزرتے ہوں گے۔''

انہوں نے جیسے آہ بھری تھی۔ وہ مسکراتی رہی۔

''سکندر تو بہت مصروف رہتے ہیں۔ میں اکیلی بور ہوتی رہتی ہوں۔''

''اچھا!'' انہوں نے آنکھیں پھیلائیں۔ ''کل رات کیا کر رہی ہو؟''

''فارغ ہوں بالکل۔ کوئی پروگرام؟'' وہ دل ربائی سے مسکرائی تھی۔

''چاہو تو ڈنر میرے ساتھ کرو۔''

''شیور، مائی پلیور!'' وہ ہولے سے ہنس دی۔

داؤدی صاحب قریب المرگ ہو گئے۔ کچھ دیر بعد وہ انہیں اصل موضوع کی جانب لے آئی تھی۔

''ہمارا ایک کام کب سے آپ کی توجہ کا منتظر ہے سر!'' وہ بولی تھی۔ ''ہمیں شکایت ہے آپ سے۔ آپ ہمیں قابل توجہ نہیں جانتے!''

''اوہ کیا کہہ رہی ہو ڈیر!'' انہوں نے مصنوعی انداز میں سر کھجایا۔ ''شاید تم سکندر کے کام کی بات کر رہی ہو۔ بہرحال! تمہارا کہا ٹالا نہیں جا سکتا۔ کام ہو جائے گا!''

''کب تک۔'' وہ ناز سے انہیں دیکھنے لگی۔

''جس قدر جلد ہو سکا۔ میں پوری کوشش کروں گا۔ بہرحال اس طرف سے بے فکر رہو۔ میں نے کہہ دیا ہے تو سمجھو کام ہو گیا! یہ سکندر بڑا شارپ بندہ ہے۔'' وہ ہنسنے لگے تھے۔ زینب نے ایک بار پھر بھرا ہوا گلاس انہیں تھمایا تھا۔



''ویل ڈن مائی ڈارلنگ ویل ڈن!'' وہ بے تحاشا خوش تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی ہوئی زینب کے گرد اپنے بازو حمائل کرتے ہوئے بولا۔

زینب نے آہستگی سے اس کے ہاتھ خود سے علیحدہ کیے۔ وہ اپنا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

''کمال کر دیا۔ یہ داؤدی بڑی اونچی چیز ہے۔ اسے شیشے میں اتارنا اس قدر آسان نہیں ہے۔ لیکن تم نے تو منٹوں میں اسے زیر کر لیا۔ میں کہتا ہوں نا، تم کوئی معمولی عورت نہیں ہو۔ خود کو پہچانو!''

زینب نے چہرہ صاف کیا پھر اٹھ کر باتھ روم میں گھس گئی۔

وہ کافی دیر کے بعد باہر نکلی تھی۔ اسے حیرت ہوئی۔ وہ اب تک جاگ رہا تھا۔ اس کا منتظر تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے گیلے بال سلجھانے لگی۔

''کیا بات ہے؟ کچھ پریشان ہو؟''

''نہیں۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولی۔

''جلدی آ جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں!''

''لیکن میں سونا چاہتی ہوں۔ مجھے سخت نیند آ رہی ہے!'' وہ قطعی لہجے میں کہہ کر سونے کے لیے لیٹ گئی تھی۔

وہ ایک بار پھر پرس نوٹوں سے بھر کر شاپنگ کے لیے نکل کھڑی ہوئی تھی۔ اس مرتبہ اس نے بلا تکان شاپنگ کی ہر، ہر دکان سے ہزاروں کی خریداری کی، کپڑے، جوتے، میک اپ کی اشیاء، جیولری وہ ہر سامنے آنے والی شے خریدتی چلی گئی۔ حتیٰ کہ اس کا پرس بالکل خالی ہوگیا۔ ڈرائیور اس کا سامان گاڑی میں رکھ رہا تھا جب کسی نے اس کا کاندھا تھاما۔

''زینب! زینب شاہ!''

زینب مانوس لب ولہجے پر چونک کر مڑی تھی۔ چند لمحوں کے لیے اسے سامنے کھڑی ہستی کو پہچاننے میں دشواری محسوس ہوئی پھر وہ چیخ اٹھی تھی۔

''فارحہ! تم فارحہ ہو نا!''

وہ دونوں بغلگیر ہوگئیں۔

''تم کتنا بدل گئی ہو زینب؟'' وہ علیحدہ ہوتے ہوئے بولی۔ ''میں نے تمہیں پہچانا ہی نہیں تھا۔ پتا ہے، میں کتنی دیر سے یہی سوچ رہی تھی کہ تمہیں میں نے کہاں دیکھا ہے! تم تو یار کوئی شے بن گئی ہو۔''

وہ زینب کا جائزہ لیتے ہوئے بولی۔

''اور تم۔'' اس نے بغور فارحہ کو دیکھا۔ ''تمہیں کیا ہوا؟''

وہ اپنی عمر سے دس سال بڑی دکھائی دے رہی تھی۔ اس کا جسم بے حد فربہ ہوگیا تھا اور رنگت بالکل مدھم پڑ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد گہرے سیاہ حلقے تھے۔ بالوں کا اسٹائل بھی اس نے بدل ڈالا تھا۔

فارحہ شرمندگی سے ہنس دی۔

''کیا پوچھتی ہو یار، یہ باتیں سنانے کے لیے تو عمر درکار ہے۔''

''چلو میرے ساتھ!'' زینب نے اسے پیشکش کی۔ ''بیٹھ کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔''

''لیکن۔'' وہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

''گھر فون کر دینا! چلو فارحہ۔''

اسے واقعی ایک عرصہ کے بعد خوشی کی ہلکی سی رمق کا احساس ہوا تھا۔

''اچھا چلو!'' وہ واقعی تیار ہوگئی۔

دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

''گھر چلو ڈرائیور۔'' زینب نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔

''تمہارا لائف اسٹائل تو بالکل بدل گیا ہے زینب۔'' فارحہ حیران نظر آتی تھی۔ ''بڑی ترقی کی ہے احسن بھائی نے۔ تمہاری اپنی گاڑی ہے یہ؟''

''ہاں!'' ایک گہری سانس اس کے لبوں سے نکلی تھی۔

''قسمت کی بات ہے۔'' فارحہ نے بھی گہری سانس بھری تھی۔ ''کس قدر بے وقوف تھی میں اور کتنے بیوقوفانہ تھے میرے خیالات۔''

گاڑی جب زینب کی کوٹھی کے پورٹیکو میں جا کر رکی تو فارحہ کی حیرانی قابل دید تھی۔ آنکھیں پھیلائے وہ ہر ہر شے کو دیکھ رہی تھی۔ زینب کے بیڈروم تک آتے آتے اس کا صبر جواب دے گیا۔

''خدا کے لیے زینب مجھے مزید حیران مت کرو۔ مجھے بتاؤ'' کیا کوئی الہ دین کا چراغ تمہارے ہاتھ آ گیا ہے؟''

زینب تلخی سے مسکرائی تھی۔

''نہیں......الہ دین کا چراغ میرے ہاتھ نہیں آیا۔ میں خود ایک جن کی قید میں آ گئی ہوں۔ وہ مجھے میری جنت سے نکال کر کوہ قاف میں لے آیا ہے!''

فارحہ پلکیں جھپک جھپک کر اسے دیکھنے لگی۔

''میں احسن ایاز کی بیوی نہیں ہوں فارحہ!'' اس کے حلق میں گولے پھنسنے لگے تھے۔ ''میں میر سکندر علی کی داشتہ ہوں۔''

وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''تم شاید مجھ پر رشک کر رہی تھیں۔ مجھ پر رشک مت کر فارحہ! میں تو نشان عبرت ہوں۔''

فارحہ ساکت بیٹھی، پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ آنسوؤں اور ہچکیوں کے درمیان اسے اپنی داستان سناتی رہی۔

''وہ مجھے چھوڑ کر گیا تو مجھے احساس ہوا، وہ میرے لیے کیا تھا۔ میں وہ بدنصیب ہوں فارحہ! جو محبوب کے جدا ہونے کے بعد اس کی محبت میں مبتلا ہوئی ہوں۔ شاید یہ میری سزا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے میری سزا ہے کہ میں ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کے عشق میں مبتلا ہوتی چلی جا رہی ہوں۔ میں ہر محفل میں دیوانوں کی طرح اسے تلاشتی ہوں، سڑک پر گزرتے ہر شخص پر مجھے اس کا گمان ہوتا ہے۔''

وہ اپنا سر پیٹنے لگی۔

''میں کیا کروں، میں کیا کروں۔ وہ مجھے کیوں چھوڑ گیا فارحہ؟ وہ تو مجھ سے اندھی محبت کرتا تھا۔ میں تو اس کی سانسوں کی ضمانت تھی۔ میرے بنا وہ کیسے جیتا ہوگا؟ کیسے؟''

فارحہ نے اس کا سر اپنے کاندھے سے لگا لیا۔ وہ خود بھی رو رہی تھی۔

اُف'' میں نے اس سے خود کہا کہ وہ مجھے طلاق دے دے فارحہ! میں نے اس سے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ مجھے آزاد کر دے۔ سوچو فارحہ! میں نے خود کہا۔ اس کے دل پر کیا بیتی ہوگی؟ وہ کہاں گیا ہوگا؟''

وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔ اتنے عرصے کے بعد اس کو کتھارسس کا موقع ملا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے غم سے اس کا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ پتھر میں سے یکا یک ٹھاٹھیں مارتا پانی نکل آیا تھا۔

بہت دیر کے بعد وہ خود پر قابو پا سکی تھی۔

''کچھ دیر آرام کر لو'' فارحہ نے اسے مشورہ دیا۔

''نہیں میری قسمت میں اب آرام یا سکون کے لمحے نہیں ہیں۔'' پھر اس نے فارحہ کی جانب دیکھا۔

''تم اپنی سناؤ۔ تم کب پاکستان لوٹیں۔ کیسی گزر رہی ہے؟'' وہ اپنا دھیان بٹانا چاہتی تھی۔

''پاکستان لوٹے تو مجھے چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ میں ہمیشہ کے لیے آ گئی ہوں!''

''اور فیصل بھائی؟''

''وہ وہیں ہیں۔ اپنی پہلی بیوی کے پاس!''

''کیا؟'' اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ ''پہلی بیوی؟''

''ہاں زینب!'' وہ اداسی سے مسکرا دی۔ ''میرا حال تم سے کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ سنہرے خوابوں کا باب تو شادی کے کچھ عرصے بعد ہی بند ہو گیا تھا۔ بس، اب یہ ہے کہ زندگی اپنی ہے، اپنے انداز سے جی رہی ہوں۔''

''علیحدہ ہو گئی ہو؟'' وہ تاسف سے اسے دیکھنے لگی۔

''یوں ہی سمجھو!'' وہ سر جھکا کر بولی۔ ''میں اب کبھی فیصل کے پاس نہیں جاؤں گی۔ وہاں ان کی قانونی بیوی موجود ہے۔ میں مجرموں کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہوں۔ اس لیے ہم دونوں نے یہی فیصلہ کیا کہ مجھے پاکستان میں رہنا چاہیے۔ وہ مجھے خرچا بھیجتے رہتے ہیں۔''

زینب کے ذہن میں رملی گھوم گئی۔ اسے جھرجھری آ گئی۔

''ہم جیسی عورتوں کا یہی انجام ہوتا ہے زینب! جن کی آنکھوں پر ان کے رنگین خوابوں کی پٹی بندھی ہوتی ہے۔ میرے لیے بے شمار رشتے موجود تھے لیکن مجھے انتظار تھا کسی ایسے رشتے کا جو مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دے۔ ہر لڑکی میری قسمت پر رشک کرے۔ مجھے یہ ملک پسند نہیں تھا۔ میں یہاں کے سسٹم کو کوستی تھی۔ یہاں کے لوگوں پر تنقید کرتی تھی۔ فیصل سے شادی کے بعد تو مجھے یہاں کے لوگ کیڑے مکوڑے لگتے تھے۔''

وہ ہنس دی۔

''دیکھ لو۔ آج میں ان ہی کیڑوں کے درمیان رینگ رہی ہوں۔ سچ ہے، انسان کو اپنے اصل کی پہچان نہیں کھونی چاہیے۔''

''فیصل بھائی اسے چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ تمہیں تو انہوں نے بڑی محبتوں سے اپنایا تھا۔''

اس نے فارحہ کا ہاتھ ہلکے سے دبا کر ہمدردی سے پوچھا تھا۔ وہ طنز سے ہنس دی۔

''وہ ابھی بھی یہی کہتے ہیں۔ میں ان کی محبت ہوں اور وہ ان کی ضرورت، اور انسان محبت کے بغیر رہ سکتا ہے، ضرورت کے بغیر نہیں۔ وہ وہاں ان کے مستقبل کی تابناکی کی ضمانت ہے۔ کسی بڑے لارڈ کی بیٹی ہے۔ ان کے بیٹے کی ماں ہے۔ اسی لیے انہوں نے مجھے وہاں بلوا تو لیا لیکن بیوی کا درجہ نہیں دیا۔ میں کب تک مجرموں کی طرح چھپ چھپ کر زندگی گزارتی۔ ایک دن اس باہمی سمجھوتے کے تحت واپس چلی آئی کہ وہ مجھے ہر ماہ باقاعدہ سے خرچا بھی بھیجیں گے اور سال میں ایک مرتبہ ملنے بھی آئیں گے۔ محبت کے لیے اتنی خیرات کافی ہے!''

وہ دونوں بہت دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔ پھر فارحہ نے اس کی جانب دیکھا۔

''لیکن اگر تم اس زندگی سے خوش نہیں ہو تو اس شخص سے طلاق کیوں نہیں لے لیتیں۔ کب تک یہ ڈھونگ سے بھری زندگی گزارو گی۔''

''طلاق؟ لیکن اس سے طلاق لے کر میں کہاں جاؤں گی؟ اب میرے لیے کون سا آشیانہ بچا ہے؟''

''سنو زینب!'' فارحہ نے ہمدردی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ ''تم یوں گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی۔ یہ زندگی گزارنا تمہارے جیسی عورت کے بس کی بات نہیں۔ تم سے ایک غلطی ہوئی ہے۔ اسے بار بار مت دہراؤ۔''

''میں کیا کروں فارحہ۔'' وہ بے بسی سے بولی۔ ''میرے پر کٹ چکے ہیں اور میں سونے کے اس پنجرے میں مقید رہنے پر مجبور ہوں۔''

''تم احسن بھائی کو اتنا چاہتی ہو، وہ بھی تمہیں اب تک یاد کرتے ہوں گے مجھے یقین ہے۔ اگر ایک بار تم انہیں ڈھونڈ نکالو۔ ان سے معافی مانگو تو وہ تمہیں کھلے دل سے معاف کر دیں گے۔ محبت کرنے والوں کے دل ایسے ہی کشادہ ہوتے ہیں۔''

زینب پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

''اگر تمہیں پھر سے اپنا لیں تو تمہاری زندگی دوبارہ گلزار بن جائے گی۔ یوں بھی میر سکندر علی سے طلاق لے کر تم جائز طریقے سے ان کی زندگی میں شامل ہو سکتی ہو۔''

''کیا...... کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا ایسا ممکن ہے فارحہ؟ لیکن اب وہ مجھے کہاں ملیں گے؟''

''ڈھونڈنے سے تو خدا بھی مل جاتا ہے۔ وہ تو یہیں اسی شہر میں کہیں ہوں گے، شاید اپنی منہ بولی بہن کے یہاں ہوں۔ میری مانو تو ایک مرتبہ ان سے مل لو!''

زینب کے دماغ میں آندھیاں چلنے لگیں۔ ہاتھ پیروں میں سنسناہٹ ہونے لگی۔

''ہائے! کتنا خوش کن احساس ہے، جیسے'' جیسے ایک بھیانک سپنے کے بعد آنکھ کھل جائے اور سب کچھ پہلے جیسا ہو۔''

''احسن، احسن کیا تم مجھے پھر سے مل سکتے ہو۔ میں تمہارے پیروں کی خاک بن کر زندگی گزاروں گی!''

اس کا تنفس تیز تیز چل رہا تھا۔

''کہاں کھو گئی ہو؟'' فارحہ نے ہمدردی سے اس کا شانہ ہلایا تو وہ چونک اٹھی۔

''اس خیالی دنیا میں...... جس کا نقشہ ابھی تم نے کھینچا تھا۔ ایسا کیسے ممکن ہے فارحہ؟'' پھر وہ بے بسی اور ناامیدی سے بولی۔ ''یہ سب کچھ سوچنا تو بے حد آسان ہے لیکن...... ایسا ہونا ناممکن ہے!''

''ناممکن کیوں؟ اسلام میں حلالہ کی رعایت اسی لیے تو ہے نا کہ اگر دو فریقین باہمی رضامندی سے دوبارہ ایک ہونا چاہیں تو ہو سکتے ہیں۔ احسن بھائی تم سے بے حد محبت کرتے تھے اور سچی محبت اسی کا نام ہے کہ آدمی دوسرے کی غلطی معاف کرنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ مجھے یقین ہے زینب! وہ بھی تمہیں بھلا نہ پائے ہوں گے۔ ان کی آنکھیں آج بھی تمہارا راستہ دیکھتی ہوں گی۔''

''میں اور احسن اگر ایسا چاہیں بھی فارحہ تو اس قید سے رہائی پانا بھلا کب ممکن ہے؟'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ ''میں میر سکندر علی کا ٹرمپ کارڈ ہوں۔ وہ مجھے کبھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہوگا۔''

''بھئی میں نے تو ایک حل تمہارے سامنے پیش کر دیا ہے۔'' فارحہ گہرا سانس بھر کر بولی۔ ''اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم خوش امیدی کا دامن تھام کر اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کرتی ہو یا پھر ناامیدی اور ممکنات اور ناممکنات کے الجھاؤ میں گھر کر ہمیشہ کے لیے اس میں غرق ہو جاتی ہو۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ شخص تمہیں استعمال کر رہا ہے۔ جب اس کے مقاصد پورے ہو جائیں گے اور تمہارے وجود میں اس کے لیے کوئی کشش باقی نہ رہے گی اس وقت یہ خود تمہیں دودھ میں پڑی مکھی کی طرح سے نکال کر اپنی دنیا سے باہر پھینک دے گا۔ پھر اس وقت تم کیا کرو گی، کہاں جاؤ گی؟ ابھی تو تمہارے پاس پھر بھی ایک آپشن ہے لیکن اس وقت در در کی ٹھوکریں کھانے کے سوا کوئی اور چارہ نہ ہوگا۔ یا تو لوگوں کے برتن مانجھو گی یا پھر گناہوں بھری زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گی۔ عقل سے کام لو زینب!''

وہ خالی خالی نظروں سے فارحہ کو تکنے لگی۔ اس قدر ہولناک زندگی کا تو اس کے نزدیک کوئی تصور ہی نہ تھا۔ یہ عجیب و غریب نقشہ تو کبھی نظروں کے سامنے سے گزرا ہی نہ تھا۔

''فارحہ!'' اس نے فارحہ کے ہاتھ تھام لیے۔ ''میں نے کیا کر دیا فارحہ؟ یہ میں نے اپنے ساتھ کیا کر لیا ہے؟ کوئی اس طرح بھی اپنی خوشیوں کو آگ لگاتا ہے؟''

''ہر کسی کے لیے پچھتاوے کی کوئی نہ کوئی آگ ہے زینب!'' فارحہ سانس بھر کر بولی۔ ''سب اپنی اپنی آگ میں جھلس رہے ہیں بس قسمیں مختلف ہیں۔''

''اگر، اگر احسن نے مجھے معاف نہ کیا فارحہ...... تو؟ تو؟''

فارحہ اس کی طرف دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اس سوال کا بھلا کیا جواب دے سکتی تھی۔



یہ گلیاں، یہ کوچے چھوڑے ہوئے گو بہت زیادہ عرصہ گزرا تھا لیکن زینب کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ صدیوں بعد کسی شناسا دنیا میں آئی ہو۔ گزارا ہوا وقت خواب کی مانند اس کی نگاہوں کے سامنے سے گزرنے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں جیسے کسی خواب پر ٹھہری ہوئی تھیں۔

میر سکندر علی کی بڑی شاندار گاڑی کا اس تنگ گلی میں سے گزرنا ممکن نہ تھا اس لیے وہ گلی کے دہانے پر ہی اتر گئی تھی۔

"تم انتظار کرو۔ میں ابھی آتی ہوں۔" اس نے جھک کر ڈرائیور سے کہا۔

"جی بیگم صاحب!" اس نے سر ہلایا۔

زینب آہستہ روی سے چلنے لگی۔ اس کا دل خدشات کے طوفان میں گھرا، کسی شاخ پر اٹکے آخری پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ ذہن میں سوالات کی بھرمار تھی اس طرح کہ اس کے پاس کسی سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ بس چلتی جارہی تھی۔

یہاں آنے کے لیے وہ بے حد سادگی سے تیار ہوئی تھی۔ اس نے ہلکے رنگ کا کاٹن کا سوٹ پہنا تھا اور زیور کے نام پر ناک کی لونگ اور گلے میں پڑی زنجیر کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ امارت کے لیے شرمندگی سے بھرا وہ طوق تھی جسے وہ گلے سے اتار کر گھر میں ہی رکھ آئی تھی۔

گیٹ کھلا ہوا تھا۔ اس نے لمحہ بھر رک کر بیل بجانے کا سوچا پھر یہ خیال ترک کر کے وہ اندر داخل ہو گئی۔ دستک دینے کی صورت میں اگر اسے اندر داخل ہونے کی اجازت نہ ملتی تو وہ کیا کرتی۔

فرخندہ آپا کا گھر بالکل اسی حالت میں تھا جس حالت میں وہ چھوڑ گئی تھی۔ ایک طرف اوپر کو جاتی سیڑھیاں دیکھ کر اس کا دل بری طرح سے دھڑکا۔

"اگر، اگر وہ پھر سے یہیں آ گیا ہو، اگر وہ پھر سے یہیں رہتا ہو اگر وہ اوپر ہو۔" ایک لمحے کے لیے اس کا سامنا کرنے کا خیال ایسا تھا کہ اسے اپنے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ پھر دوسرے ہی لمحے وہ دیوانہ وار سیڑھیاں چڑھنے لگی۔ ایک سانس میں تمام سیڑھیاں عبور کر کے وہ دروازے کے سامنے پہنچی تھی لیکن کنڈی میں لگے ہوئے تالے کو دیکھ کر وہ یکا یک ہی ٹھنڈی پڑ گئی۔

بڑی آہستگی سے مڑ کر وہ اترنے ہی لگی تھی کہ ٹھٹک کر رک گئی۔ آخری سیڑھی سے تھوڑا پرے فرخندہ آپا کھڑی تھیں۔

اب تک وہ اس کی پشت دیکھتی رہی تھیں اس لیے ان کی نگاہوں میں حیرت تھی لیکن اس کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی ان کے تاثرات خطرناک حد تک بگڑ گئے۔

"تم؟" وہ غضب ناک ہو گئیں۔ "یہاں کیا لینے آئی ہو؟ اب یہاں کیا ہے تمہارا؟"

"فرخندہ آپا، میں میں......" وہ ہکلا کر رہ گئی۔

"میں کہتی ہوں فوراً سے پیشتر یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اس گھر میں تمہیں ایک منٹ کے لیے بھی برداشت کرنا نہیں چاہتی۔" ان کی آواز دھیمی تھی۔

"فرخندہ آپا!" وہ گڑگڑا کر بولی۔ "خدارا میری بات تو سن لیں!"

"میں ایک لفظ سننا نہیں چاہتی۔ میرے بھائی کی زندگی تباہ کر کے بھی تمہیں سکون نہیں ملا؟ تم پھر چلی آئی ہو؟"

"میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں آپا۔" وہ سیڑھیاں اتر کر ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

فرخندہ آپا بدک کر دو قدم پرے ہو گئیں

"آپا! میں صرف ایک مرتبہ احسن سے ملنا چاہتی ہوں۔ صرف ایک مرتبہ۔" وہ ہاتھ جوڑ کر رو پڑی۔

"خدارا مجھ پر یہ احسان کر دیں، اس کے علاوہ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔"

"مر گیا احسن!" وہ دانت پیس کر بولی تھیں۔

"کیا؟" اسے جیسے شاک لگا۔ صدمے سے اس کی آنکھیں پھٹنے کو ہو گئیں۔

"میرے منہ میں خاک!" پھر وہ پیشانی پر ہاتھ مار کر بڑبڑائی تھی۔ "تمہاری وجہ سے نجانے کیا اول فول بک رہی ہوں میں۔ تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ یہاں سے چلی جاؤ۔"

"نہیں، نہیں میں احسن سے ملے بغیر نہیں جاؤں گی۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

لمحہ بھر پہلے کہے گئے ان کے جملے نے اس کی وہ کیفیت کر دی تھی کہ اس کا سارا جسم فالج زدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا دل بری طرح کانپ رہا تھا۔

"میں صرف ایک مرتبہ اس سے ملنا چاہتی ہوں، اس خواہش کے علاوہ میری زندگی میں اور کچھ بھی نہیں۔ میں صرف ایک مرتبہ اس سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد وہ میرے ساتھ جو سلوک چاہے کرے۔ مجھ پر تھوک دے، مجھے ٹھوکر مار کر گزر جائے، جو چاہے کرے..... مگر میں اس سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔ خدارا آپا! ہر گناہ گار کو اتنا تو حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی معافی ہی مانگ لے۔ پھر سامنے والا اسے معاف کرے نہ کرے یہ اس کی مرضی۔"

"دیکھو زینب۔" وہ قدرے نرم پڑ گئیں۔ "تم غلط جگہ پر آئی ہو اور اپنا اور میرا دونوں کا وقت ضائع کر رہی ہو۔ احسن یہاں نہیں ہے اور کہاں ہے، میں بھی نہیں جانتی۔"

"آپ کو کچھ تو پتہ ہوگا کچھ تو خبر ہوگی۔" وہ امید سے بولی۔ "ساری دنیا میں آپ اس کی واحد رشتہ دار ہیں۔ اس کا یقیناً آپ سے رابطہ ہوگا کچھ نہ کچھ اندازہ تو ہوگا آپ کو۔"

"وہ یہ شہر چھوڑ کر جا چکا ہے۔ کبھی نہ لوٹنے کے لیے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"کہاں، کہاں، کون سے شہر؟ آپ مجھے اس کا پتہ دے دیں۔ میں دنیا کے آخری کونے تک چلی جاؤں گی پلیز آپا۔"

دونوں ہاتھ جوڑے وہ کسی بھکارن کی طرح بول رہی تھی۔

"مجھے علم نہیں ہے زینب! اس کا مجھ سے کوئی رابطہ نہیں۔ میں نہیں جانتی وہ کہاں کس شہر میں ہے۔"

"آپ، آپ جھوٹ بول رہی ہیں۔" وہ ایک مرتبہ پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ "اس قدر کٹھور مت بنیے آپا! آپ نہیں جانتی میں کس آگ میں جھلس رہی ہوں۔"

"ہم دونوں اپنی اپنی کہہ سن چکے۔ اب تم جاؤ زینب! میری نماز کا وقت نکل رہا ہے۔"

اس نے آنسوؤں سے لبریز نظروں سے ان کے دھندلاتے سراپے کو دیکھا پھر لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے باہر کو بڑھ گئی۔

باہر نکل کر وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ سامنے والے گھر کی گیلری پر صوفیہ کھڑی تھی۔ اس کی نظریں زینب سے ٹکرائیں تو لمحہ بھر کے لیے ان میں استعجاب ابھرا پھر وہ تیزی سے مڑ کر اندر غائب ہو گئی۔

اس نے کبھی کہا تھا۔ "آپ جب بھی آئیں، مجھے یہیں پائیں گی۔"

"ٹھیک کہتی تھیں تم۔ تم ہی سچی تھیں۔" وہ بڑبڑا کر آگے کو بڑھ گئی۔

"آپا!" ساتھ والے کمرے سے آواز ابھری تھی۔

وہ ٹھٹک کر رہ گئیں۔ پھر آہستہ روی سے چلتی کمرے میں داخل ہوئیں۔ کمرہ سگریٹ کے دھوئیں سے بھرا ہوا تھا۔

"احسن!" وہ محض اتنا ہی کہہ پائیں۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا آپا کہا تھا نا کہ وہ ایک دن پلٹ کر ضرور آئے گی۔" اس کے لہجے میں اتنا گہرا غم تھا کہ ان کا دل کانپ گیا۔

''دیکھا آپ نے وہ کتنی جلدی پلٹ آئی۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ وہ آنکھیں بند کیے جس گلی میں جا رہی ہے، اس کے دوسری جانب کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ گلی بند میں داخل ہو رہی ہے......''

''میں نے جو کچھ بھی کیا تمہارے لیے یہی بہتر تھا بیٹے۔''

وہ ہولے سے ہنس دیا۔

''میں نے کچھ کہا آپا! یہ وعدہ تو میں نے خود آپ سے لیا تھا کہ اگر کبھی وہ آئی تو آپ اسے میرے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گی۔ خود اس سے وعدہ کیا ہے میں نے کہ میں اسے زندگی میں کبھی بھی، کہیں بھی نہیں ملوں گا۔ اسی لیے میں یہاں سے چلے جانا چاہتا ہوں۔ ہمیشہ کے لیے اتنی دور کہ اسے میرے سائے کی خبر بھی نہ ملے۔''

''ہاں بیٹا! اب میں بھی تمہیں نہیں روکوں گی۔ جانا چاہتے ہو تو بے شک جاؤ لیکن مجھ سے کیا وعدہ نباہ کر۔''

جواب میں دوسری جانب گہری خاموشی چھا گئی تھی۔



وہ لان میں بیٹھی ہوئی تھی جب گاڑی کا ہارن بجا۔ باوردی چوکیدار نے بڑی سرعت سے گیٹ کھولا تھا۔

میر سکندر علی کی چمکتی ہوئی گاڑی بڑی شان سے پورچ میں جا رکی۔

اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر وہ لان میں ہی چلا آیا تھا۔

''ہیلو ڈارلنگ! کیسی ہو؟'' اس نے پیار سے اس کا گال چھوا پھر ستانے والے انداز میں اس کے سامنے بیٹھ گیا، کیا ہو رہا تھا؟''

''کیا ہو سکتا ہے؟'' وہ قدرے تلخی ہوئی۔

میر سکندر علی نے اس کی جانب دیکھا اور مسکرا دیا۔

''لہجے میں اتنی تلخی مت گھولا کرو ڈارلنگ! تلخی مجھے صرف کافی کی اچھی لگتی ہے۔'' اس نے دور کھڑی ملازم کو اشارہ کر کے بلایا۔

''بہترین قسم کی کافی لاؤ۔ ذرا جلدی میں سخت تھکاوٹ محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ پورے چار دن کے بعد گھر آیا تھا۔

''تمہارے بوتیک کا کام بس مکمل ہونے والا ہے، پھر تمہیں یہ فراغت اتنی بری نہیں لگا کرے گی۔ اگلے ماہ کی کسی تاریخ سے ہم اس کا باقاعدہ اور شاندار قسم کا افتتاح کریں گے۔''

زینب خاموش بیٹھی رہی۔

''تم بہت خاموش ہوتی جا رہی ہو۔ خوش نظر نہیں آتیں؟ کیا نہیں ہے تمہارے پاس؟ کوئی فرمائش ہے تو بولو؟''

وہ چپ چاپ کیاریوں میں بہار دکھاتے پھولوں کو دیکھتی رہی۔ اس کے پاس ان تمام سوالات کے جواب تھے لیکن وہ جواب یقیناً اس کی سماعت پر گراں گزرتے۔ اس لیے وہ خاموش بیٹھی رہی۔

''زینب خاتون!'' اچانک ہی وہ بے حد عجیب لہجے میں بولا تھا۔ ''جو ہو چکا ہے اسے دل سے قبول کر لو۔ یہ بساط دوبارہ پلٹنے کے لیے نہیں بچھائی گئی۔''

زینب چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم کس کس سے ملتی ہو۔ کہاں کہاں جاتی ہو سب کاموں کی مجھے خبر رہتی ہے۔ مجھے اتنا بے خبر مت جانو۔''

زینب کا رواں رواں کھڑا ہو گیا۔ وہ آنکھوں میں بڑی عجیب چمک لیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف سرسرانے لگا۔

''اپنے بارے میں نہایت پر یقین ہوں اس لیے میں نے تمہیں آزاد چھوڑا ہوا ہے۔ تم بھی ایک بات کا یقین کر لو کہ اڑان بس یہیں تک تھی۔ اس سے آگے کچھ نہیں ہے۔ میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے۔ میرا ساتھ دینا ہے۔ میں احسن ایاز نہیں میر سکندر علی ہوں۔'' اس کے لبوں پر بڑی پر اسرار مسکراہٹ کھلنے لگی تھی۔ زینب ایک لفظ بھی نہ بول سکی۔ بس ٹکر ٹکر اس کی سمت دیکھتی رہی۔

''اچھا ڈارلنگ!'' وہ یکا یک لہجہ اور انداز بدل کر یوں اٹھ کھڑا ہوا جیسے ابھی ان کے درمیان کوئی بات ہی نہ ہوئی تھی۔ ''میں ذرا چینج کر کے آتا ہوں۔ بس پانچ منٹ لوں گا۔ کافی ہم دونوں یہیں لان میں پئیں گے۔ ٹھیک؟''

وہ اس کا گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا۔ وہ شاک کی کیفیت میں بیٹھی رہ گئی تھی۔ اس کے الفاظ ابھی تک اس کے ارد گرد چکرا رہے تھے۔

''میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا، میں احسن ایاز نہیں میر سکندر علی ہوں۔''

''میں احسن ایاز نہیں میر سکندر علی ہوں۔''

''احسن ایاز!''

اس کے اندر سے ایک آہ ابھری تھی اور تمام بندوں کو توڑتی اس کی آنکھوں کے رستے ٹپک پڑی تھی۔

''تم، تم احسن ایاز کیسے ہو سکتے ہو؟ کوئی بھی احسن ایاز کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو...... وہ تو کچھ اور ہی تھا کوئی اور ہی تھا۔''

اس کی آنکھوں سے لہو قطرہ قطرہ رستا رہا۔ اس کا دل قطرہ قطرہ پگھلتا رہا۔



رات تک اس کے دل کا بوجھ بے تحاشا بڑھ چکا تھا۔ اتنا کہ اسے اپنے سینے میں بائیں طرف درد محسوس ہونے لگا۔ پھر یہ درد بڑھ کر شانے اور پھر کہنی تک جا پہنچا۔ وہ بے حال ہونے لگی تو نہ چاہتے ہوئے بھی سکندر علی کو جگانا پڑا۔ اس کا پورا جسم پسینے میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

''پہلے بھی کبھی اس طرح کا درد محسوس ہوا ہے؟'' وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا۔

''نہیں، بس آج ہی، نجانے کیوں دل بہت گھبرا رہا ہے۔''

''یہ تو انجائنا پین لگتا ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ ''خیر حوصلہ کرو، میں ڈرائیور سے کہتا ہوں گاڑی نکالے ہم ہاسپٹل جا رہے ہیں۔''

ہاسپٹل پہنچ کر اس کے شک کی تصدیق ہو گئی تھی۔ مختلف قسم کے ٹیسٹوں کا مشورہ دیتا ہوا ڈاکٹر پر یقین تھا کہ یہ انجائنا پین ہی تھا۔

''کسی قسم کی کوئی ٹینشن؟ کوئی مسئلہ؟'' ڈاکٹر اس سے مخاطب تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اثبات میں سر ہلانے سے کچھ حاصل نہ تھا۔

''آپ یہ ٹیسٹ وغیرہ کروائیں۔ رپورٹس آنے پر ہی میں کچھ کہہ سکوں گا۔ فی الحال میں نے جو ٹیبلٹس دی ہیں ان سے آرام آ جائے گا۔''



''تو تم دل کی مریضہ بن گئی ہو۔'' رپورٹس آنے پر وہ قدرے جھنجھلایا ہوا تھا۔ ''نجانے تمہیں کیا تکلیف ہے۔ وہ سب کچھ تمہارے پاس ہے جس کی تمنا تم نے کی۔ جس کے لیے تم اپنی پچھلی زندگی سے دستبردار ہوئیں۔ اب یہ سب کچھ حاصل کر کے بھی تم خوش نہیں ہو؟ تم کیا چاہتی ہو؟''

وہ خاموش بیٹھی رہی۔ نجانے کیوں اس کا اندر خوش تھا۔ وہ دل کی مریضہ بن کر بڑا اطمینان محسوس کر رہی تھی۔

''میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مت الجھو۔ بڑی بڑی خوشیوں کو محسوس کرو۔ تم چاہو تو ایک دنیا کو خرید سکتی ہو......

لیکن تم مڈل کلاس عورتوں کی طرح......'' وہ جھنجلاہٹ میں جملہ بھی مکمل نہ کر سکا۔

''یہ دل کا درد یونہی تو نہیں پال لیا تم نے۔ کوئی تو الجھن ہے جو تمہیں تنگ کرتی رہتی ہے۔'' وہ اسے بولنے پر آمادہ کرنا چاہ رہا تھا۔

وہ لب بھینچے بیٹھی رہی۔ وہ کچھ بھی بولنا نہیں چاہتی تھی۔ اسے اس فراڈ شخص سے نفرت تھی۔ اسے پریشان ہوتا دیکھ کر، جھنجلاتا دیکھ کر اس کا دل خوش ہو رہا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے سگار سلگایا پھر قدرے ٹھنڈا ہو گیا۔

''اچھا یوں کرتے ہیں گھومنے کا پروگرام بنا لیتے ہیں۔ آج کل ملک سے باہر جانا تو ممکن نہیں یہیں کسی پر فضا مقام پر چلتے ہیں۔ مہینے دو مہینے بعد ورلڈ ٹور پر نکلیں گے۔ کیا خیال ہے؟''

''جیسے آپ کی خوشی۔'' وہ طنزاً بولی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ وہ ایک کٹھ پتلی ہے اور اس کی ساری ڈوریاں سکندر علی کے ہاتھ میں ہیں۔

''کچھ دن بعد اسلام آباد میں ایک میٹنگ ہے تم میرے ساتھ چلو۔ وہاں سے ہم مری، بھوربن وغیرہ ہو آئیں گے۔ تمہارا دل بھی بہل جائے گا۔ تم بہت ٹینس ہو گئی ہو ڈارلنگ!'' وہ یکا یک ہی بے حد میٹھا ہو گیا۔

''ہاں، شاید میرا بھی قصور ہے۔ میں نے تمہیں شادی کے بعد وہ توجہ نہیں دی جس کی تم مستحق ہو۔ لیکن میں آج کل بے حد مصروف ہوں، تمہیں اپنے شوہر کی مجبوریوں کو سمجھنا چاہیے۔ انہیں شیئر کرنا چاہیے بیوی کا رول بہت امپارٹینٹ ہوتا ہے۔ اسے سمجھنے کی کوشش کرو۔ تم بے حد ذہین ہو میں نے تمہارا انتخاب یونہی نہیں کیا لیکن تم ضرورت سے زیادہ حساس ہو۔ اس حساسیت سے تمہیں اور مجھے نقصان پہنچ سکتا ہے۔''



دنیا میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس سے وہ کچھ کہتی اور وہ اسے دلاسا دیتا۔ جس کے سامنے وہ اپنی غلطیوں، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتی اور وہ اسے نئی، آنے والی زندگی کی امید دلاتا۔ اس کے گناہوں کے معاف ہو جانے کا یقین دلاتا۔ وہ خود کو اس قدر تہی داماں اور خالی محسوس کر رہی تھی۔ کہ اب اسے لگتا تھا ان زہریلی سوچوں سے نجات کا محض ایک ذریعہ ہے۔ وہی چھوٹی سی شیشی جو رملی کی نجات کا باعث بنی تھی پھر اسی رملی کا سیاہ نیلگوں لب والا چہرہ دیکھتی تو اسے رملی کی باتیں یاد آتیں۔ تیار ہونا چاہتی تو داؤدی اور اس جیسے نجانے کتنوں کی حریص نگاہیں اپنے وجود سے لپٹی ہوئی محسوس ہوتی۔

اسے لگتا تھا زندگی میں کرنے کے لیے اس کے پاس اب کچھ بھی نہیں ہے۔ کچھ بھی نہیں۔ حال دل سنانے کے لیے کوئی ایک ہمدرد اور غمگسار بھی نہیں۔

تب اسے آمنہ یاد آئی۔ آمنہ، اس کی سنگی۔ اس کی بچپن کی سہیلی جس سے وہ اپنا دکھ، ہر خوشی کہتی تھی۔

''کتنی قیمتی باتیں کرتی تھی آمنہ تم۔'' سرد آہ بھر کر اس نے سوچا۔ ''میرا ذہن اور میرا دل، وہ کشکول تھے جن میں محض معمولی سکوں کی کھنک ہی گونجتی ہے۔ قیمتی پتھر نہیں رکھے جاتے۔ میں نے تمہارے اس خزانے کی حفاظت نہیں کی۔ دیکھو...... آج میں کس قدر تہی داماں ہوں۔''

تھوڑی ہی دیر بعد وہ ڈرائیور کو گاڑی نکالنے کا کہہ رہی تھی۔ ہر چند کہ آمنہ کا سامنا کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ وہ سوچتی تھی تو شرم سے پانی ہونے لگتی تھی لیکن اس سے ملنے کی خواہش اس قدر شدید تھی کہ وہ ہر بات کو بھلا کر اس سے ملنے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔

آمنہ کا گھر بھی ایسی گلی میں تھا جہاں اس کی گاڑی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ گاڑی سے اتر کر پیدل چلتی اس گھر تک پہنچی تھی۔

دروازے پر دستک دے کر وہ سوچتی ہوئی نگاہوں سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھی جب ایک نوعمر لڑکے نے باہر سر نکال کر اسے چونکا دیا۔

''جی کس سے ملنا ہے باجی!''

''آں..... وہ یہاں آمنہ رہتی ہے نا مجھے ان سے ملنا ہے۔''

''آمنہ؟'' اس نے حیرانی سے دہرایا۔ ''نہیں جی یہاں تو آسیہ آپا رہتی ہیں۔ میں ان کا چچا زاد بھائی ہوں۔''

''آسیہ!'' وہ پریشان ہوگئی۔

تب تلک ایک ادھیڑ عمر کی عورت دروازے پر آ چکی تھی۔

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

''یہاں آمنہ میرا مطلب ہے انوار علی صاحب رہتے تھے؟''

''ہاں رہتے تھے۔'' اس نے اطمینان سے سر ہلایا۔ ''ان کو یہ مکان چھوڑے کافی دن ہوئے ہم نے ان سے خرید لیا تھا۔''

''پھر اب وہ کہاں رہتے ہیں؟'' وہ پریشان ہوئی۔

کیا اس بھری دنیا میں آمنہ بھی کہیں کھو گئی تھی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

''میرے پاس ان کا پتہ لکھا ہوا ہے۔ میں آپ کو دے دیتی ہوں۔''

''اوہ بڑی مہربانی۔'' اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

کچھ دیر بعد وہ اس عورت کے دیے ہوئے پتے کے مطابق جا رہی تھی۔

ڈرائیور نے گاڑی جب مطلوبہ مکان کے سامنے روکی تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ وہ ایک عمدہ طرز پر بنا ہوا ڈبل اسٹوری مکان تھا۔ مکان کی حالت بہترین تھی۔ اس پر حال ہی میں رنگ و روغن کرایا ہوا لگتا تھا۔

اس نے بیل بجائی۔ دروازہ انوار علی کی بیٹی نے کھولا تھا۔ زینب اسے پہچان گئی۔

''بیٹا آپ کی امی گھر پر ہیں؟''

''جی۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''کون ہے گڑیا؟'' چند لمحوں میں ہی آمنہ دروازے پر تھی۔

''زینب تم!'' خوشی سے آمنہ کی چیخ نکلی تھی۔

دوسرے ہی لمحے وہ دونوں بغل گیر ہو چکی تھیں۔

''سچ زینب مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ تم ہی ہو تم کہاں چلی گئی تھیں، میں تمہارے گھر گئی تھی لیکن..... ارے..... تم رو رہی ہو؟'' آمنہ کو حیرت ہوئی۔

''چلو اندر چل کر بیٹھتے ہیں۔ شاید گرمی سے گھبرا گئی ہو۔'' وہ اسے اندر لے آئی۔

''تم بیٹھو میں کچھ ٹھنڈا لے کر آتی ہوں؟'' وہ اسے ہی آن کر کے کمرے سے نکلی تھی۔

زینب نے آنسو صاف کیے اور کمرے کا جائزہ لیا۔ اسے بے تحاشا حیرت ہوئی تھی۔ آمنہ کے لائف اسٹائل میں زبردست فرق آ چکا تھا۔ وہ غالباً آمنہ کا بیڈ روم تھا۔ اس کی سجاوٹ بڑی عمدہ طرز پر کی گئی تھی۔ فرنیچر بالکل نیا اور خاصا مہنگا معلوم ہوتا تھا۔ کمرے میں ضرورت کی ہر شے موجود تھی۔ ہر شے بے حد صاف ستھری اور مکینوں کے اعلا ذوق کی نمائندگی کرتی تھیں۔

''یہ لو ٹھنڈا ٹھنڈا شربت پیو۔'' چند لمحوں میں آمنہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھی۔ ''پھر ہم اطمینان سے باتیں کرتے ہیں۔''

زینب نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔ دبلی پتلی، سانولی سی آمنہ ایک خوب صورت، تندرست عورت کے سراپے میں ڈھل گئی تھی۔ اس کا جسم بھر گیا تھا اور رنگت بے حد صاف ہوگئی تھی۔ اس نے ہلکے رنگ کے پرنٹ کا ایک خوب صورت لباس پہنا ہوا تھا اور ہونٹوں پر ہلکے رنگ کی لپ

اسٹک لگائی ہوئی تھی۔ دائیں ہاتھ کی کلائی میں سونے کے جڑواں کنگن تھے۔

''بہت بدل گئی ہو آمنہ!'' وہ بے ساختہ بول گئی۔ ''اتنی خوب صورت ہو گئی ہو۔''

وہ اپنی ازلی سادگی سے مسکرا دی۔

''اچھا۔ مجھے تو تم ہمیشہ کی طرح بہت خوب صورت لگ رہی ہو لیکن تم کمزور ہو گئی ہو زینو۔''

زینب نظریں چرا گئی۔

''تمہارا گھر بھی بہت اچھا ہے۔'' وہ بات بدل کر بولی۔ ''بہت اچھا سیٹ کیا ہے۔ اپنا خریدا ہے؟''

''ہاں زینب!'' آمنہ نے اطمینان کی گہری سانس بھری۔ ''اللہ نے بڑا کرم کیا ہم لوگوں پر بڑا احسان ہے اس کا انوار کی نوکری کا تو تمہیں پتا تھا گزارا تو اس میں بھی ہو جاتا تھا مگر بڑا کھینچ تان کر۔ پھر ایک دوست نے بزنس میں پیسہ ملانے کے لیے کہا۔ ان کے پاس تو جمع شدہ کچھ نہیں تھا۔ اماں نے ہم لوگوں پر احسان کیا، انہوں نے اپنا مکان بیچ کر سارا پیسہ ہمیں دے دیا۔ میں نے اپنا زیور بیچ دیا۔ یوں ہم نے بزنس میں روپیہ لگا دیا۔ خدا کا کرم ہوا بزنس بہت اچھا چل نکلا۔ ہماری توقعات سے زیادہ آمدنی ہوئی۔ یوں وہ پرانا گھر بیچ کر ہم یہاں چلے آئے۔ مہینہ ہوا، اماں کا انتقال ہو گیا۔ بے چاری بہت بیمار رہنے لگی تھیں۔ وہ کہتی تھیں آخری وقت میں میں نے ان کی جیسی خدمت کی ہے۔ اللہ مجھے اس کا اجر ضرور دے گا۔ شاید مجھے ان کی دعا لگی ہے۔ اللہ نے ہر نعمت سے نواز دیا ہے۔''

''ہاں آمنہ تم ٹھیک کہتی ہو۔ تمہارے جیسے لوگوں پر اللہ کا انعام ہوتا ہے۔'' اس نے سانس بھری۔

''مجھ میں بھلا ایسی کیا بات ہے۔'' وہ سادگی سے مسکرا دی۔

''اتنے صبر والی، اتنے حوصلے والی، ہر حال میں خوش رہنے اور خوش نظر آنے والی، کاش آمنہ! کاش، میں بھی تم جیسی بن سکتی۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔

''تم خود اتنی اچھی ہو زینب۔'' آمنہ نے محبت سے اس کا ہاتھ تھاما۔ ''تمہیں مجھ جیسا بننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہر لحاظ سے تم مجھ سے زیادہ اچھی اور مجھ سے زیادہ خوش قسمت ہو۔ احسن بھائی کی بے حد و حساب محبت ہے، اس کا تمہیں اس کا اندازہ نہیں ہوا؟''

زینب سے مزید ضبط کرنا محال ہو گیا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ آمنہ کے لیے یہ نہایت حیرت انگیز منظر تھا۔ وہ منہ کھولے، ہونق بنی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔

"زینب!" پھر اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں بمشکل کہا۔"سب......سب خیریت ہے نا۔ایسے کیوں رو رہی ہو تم؟ احسن بھائی تو ٹھیک ہیں نا؟"

"کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے آمنہ! کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے۔سب تباہ ہو گیا،سب برباد ہو گیا۔وہ گھر،وہ محبت،وہ خوشی،میں ہر شے سے محروم ہو گئی۔"

اس کا جی چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار کر روئے۔آمنہ پتھر کے بت کی طرح ساکن بیٹھی اس کا چہرہ تک رہی تھی۔

پھر اس نے آہوں،سسکیوں اور دبی دبی چیخوں کے درمیان ساری کہانی اسے کہہ سنائی۔اپنا ہر گناہ،خطا پوری ایمانداری اور دیانت سے تسلیم کی۔

"میں پاگل ہو گئی تھی آمنہ! مجھے کچھ سمجھ نہ آتا تھا دولت کی چمک نے جیسے میرے اعصاب پر حملہ کر کے مفلوج کر ڈالا تھا۔سکوں کی جھنکار نے مجھے سماعت سے محروم کر دیا تھا۔میں اندھی،بہری ہو گئی۔میں نے اپنے ہاتھوں اپنا نشیمن اجاڑ ڈالا۔اب میرے پاس وہ سب کچھ ہے جو میں نے چاہا،لیکن میرا دل،میرا چین میرا سکون،اطمینان یہ سب کچھ مجھ سے چھن گیا۔اس نے تو بچھڑتے سمے بھی مجھے دعا دی تھی لیکن اس کی دعا میرے لیے بددعا بن گئی۔میرا اپنا وجود میری جرم کی سزا ہے۔" وہ روئے جا رہی تھی۔آمنہ سے تاسف کی شدت کے سبب کچھ کہنا محال ہو رہا تھا۔وہ بس خاموش بیٹھی،جیسے کسی شدید صدمے کی کیفیت میں گھر کر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

پھر اس نے بلکتی ہوئی زینب کا سر اپنے شانے سے لگا لیا۔

"جو کچھ ہو گیا،اس کی تلافی ممکن نہیں زینب! لیکن یہ بات بھی اچھی ہے کہ تمہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا اور تم نے دل سے اپنی خطائیں تسلیم کیں۔اب تمہارے لیے محض یہی ایک رستہ ہے کہ اپنی اگلی زندگی کو پرسکون بنانے کی کوشش کرو۔جو شخص تمہارا شوہر بن چکا ہے اس کے ساتھ ذہنی ہم آہنگی پیدا کر کے زندگی کو خوشگوار بناؤ۔پچھلی باتوں کو فراموش کر ڈالو۔بس،یہی ایک رستہ ہے زینب!" وہ آنسو پونچھ کر تلخی سے مسکرا دی۔

"میں نے شادی نہیں کی آمنہ! خود کو بیچ ڈالا ہے۔وہ میرا شوہر نہیں میرا سوداگر ہے۔اس نے جو پیسہ مجھ پر لگایا ہے وہ میرے ذریعے ہی اس کی وصولیابی کا طریقہ جانتا ہے۔اس نے میرا انتخاب بے حد سوچ سمجھ کر کیا تھا۔وہ خود بھی کہتا ہے نجانے میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو کیا ہوا تھا۔"

آخر میں وہ خود کلامی کے انداز میں بڑبڑائی تھی۔

"پھر......" آمنہ فکرمندی سے اسے دیکھنے لگی۔"تم نے کیا سوچا ہے اپنی آئندہ زندگی کے بارے میں؟ کیا یونہی اس شخص کے ہاتھوں استعمال ہوتی رہو گی؟ اگر وہ واقعی غلط آدمی ہے تو وہ تمہیں مزید غلط طریقوں سے استعمال کرنے کا سوچے گا۔"

"میں زہر کھا لوں گی آمنہ!" وہ جذباتیت سے بولی۔پھر یکایک وہ خاموش ہو گئی تھی۔اس کے ذہن میں رملی کا چہرہ گھوم گیا تھا۔اس اذیت ناک موت کا انتخاب کچھ آسان کام نہ تھا۔

"فارحہ کہتی ہے......" کچھ دیر کے بعد وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی۔"مجھے میر سکندر علی سے طلاق لے لینی چاہیے۔پھر میں دوبارہ احسن سے شادی کر سکتی ہوں۔"

آمنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"لیکن احسن بھائی......کیا وہ راضی ہو جائیں گے؟"

اس نے ٹھنڈی سانس بھر کر سر جھکا لیا۔

"وہ ایک مرتبہ مجھے ملیں تو میں ان کے قدموں میں سر رکھ کر اتنا روؤں آمنہ! کہ میرے سارے گناہ،میری تمام خطائیں میرے آنسوؤں میں بہہ جائیں۔وہ بس اتنا کہہ دیں کہ انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے پھر اس کے بعد خواہ وہ مجھے ٹھوکر مار کر گزر جائیں،مجھے کوئی شکایت نہ ہو گی بس

بس یہ دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے آمنہ! لیکن میں انہیں کہاں ڈھونڈوں؟''

''وہ بھلا کہاں جا سکتے ہیں۔ جیسا کہ تم بتا رہی ہو، انہوں نے جن حالات میں تمہیں چھوڑا ہے، ان حالات میں کہیں بہت دور جانا ان کے لیے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟ وہ اپنی آپا کے پاس ہی گئے ہوں گے۔''

''وہ وہاں نہیں ہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔ ''فرخندہ آپا کا کہنا ہے کہ وہ یہ شہر چھوڑ کر جا چکے ہیں اور کہاں گئے ہیں ان کو بھی علم نہیں۔''

''ہو سکتا ہے انہوں نے تم سے غلط بیانی کی ہو۔'' آمنہ سوچتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ ''وہ یقیناً احسن بھائی کے متعلق جانتی ہوں گی۔''

''اگر ایسا ہے بھی تو میں کیا کر سکتی ہوں آمنہ!'' وہ بے بسی سے سر جھکا کر رہ گئی۔

''اگر تم واقعی سنجیدہ ہو تو میں کچھ کوشش کروں؟''

زینب چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھے۔

''میں انوار سے کہتی ہوں وہ جا کر احسن بھائی کے متعلق استفسار کریں۔ ان کا کوئی پرانا دوست بن کر۔ ہو سکتا ہے فرخندہ آپا احسن کا پتا دینے پر آمادہ ہو جائیں۔''

زینب کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔

''آمنہ!'' اس نے آمنہ کے ہاتھ تھام لیے۔ ''خدا کے لیے آمنہ اگر ایسا ممکن ہو جائے تو میں تمہارا یہ احسان عمر بھر نہ بھولوں گی پلیز آمنہ! مجھے ایک مرتبہ ان سے ملنا ہے بس ایک مرتبہ پھر اس کے بعد خواہ کچھ ہو؟''

''میں کوشش کرتی ہوں لیکن زینب اگر تم واقعی صدق دل سے احسن بھائی سے معافی مانگنا چاہتی ہو اور دوبارہ ان کی زندگی میں شامل ہونے کی خواہش مند بھی ہو تو پہلے تمہیں میر سکندر علی سے بات کرنی ہوگی۔ کیا وہ تمہیں طلاق دینے پر آمادہ ہو جائے گا؟ راضی بخوشی؟''

زینب کی خوشی سے چمکتی نگاہیں ماند پڑ گئیں۔ اس کا سر نفی میں ہلنے لگا۔

''میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا تمہیں میرے ساتھ ہی رہنا ہے، میرا ساتھ ہی دینا ہے۔ میں احسن ایاز نہیں میر سکندر علی ہوں۔''

اس کے کانوں میں الفاظ گونجے۔ ایک مرتبہ پھر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خوف سرسرانے لگا۔

''پھر؟ احسن بھائی کو ڈھونڈنے سے کیا ملے گا تمہیں؟'' آمنہ افسوس سے بولی۔

''نہیں، نہیں۔'' اس نے شدت سے نفی میں سر ہلایا۔ ''میں ہر حال میں احسن سے ملنا چاہتی ہوں...... میں، میں ہر حال میں میر سکندر علی کی قید سے آزادی چاہتی ہوں۔''

''پھر میر سکندر علی سے بات کرو۔ کھل کر۔'' آمنہ فیصلہ کن انداز میں بولی۔ ''اسے کہو کہ دنیا میں رنگین چڑیوں کی کمی نہیں ہے۔ اسے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے بہت سی دوسری مل جائیں گی جو بخوشی یہ سب کچھ کرنے پر تیار ہوں گی۔ اس سے کہو کہ وہ تمہیں آزاد کر دے ورنہ تم کوئی غلط قدم اٹھا لو گی۔ اس سے ڈرنے کے بجائے اسے ڈرانے کی کوشش کرو زینب! ایسے لوگ اندر سے بہت بزدل ہوتے ہیں۔'' وہ ہولے ہولے اسے سمجھا رہی تھی۔

زینب کی آنکھیں کسی گہری سوچ میں کھوتی جا رہی تھیں۔



''مجھے آپ سے ایک بے حد ضروری بات کرنی ہے۔'' اگلی شام کو وہ اس سے کہہ رہی تھی۔ ''لگتا ہے بات کچھ خاص ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''تمہارے لہجے میں بڑا خاص پن ہے ڈارلنگ!''

''جی ہاں، میرے لیے تو فی الحال اس بات سے زیادہ خاص اور کوئی بات نہیں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔ اپنا کپ اس نے پرچ میں رکھ کر ٹرالی پر ٹکا دیا۔

''اس رنگ میں تم بے حد خوب صورت لگ رہی ہو۔'' اس نے یکا یک بات کا رخ پلٹ دیا۔ ''بہت شائن کر رہی ہو۔''

زینب جز بز ہو کر رہ گئی تھی۔ اس نے شیشوں کی کڑھائی سے مزین، کاٹن کا سی گرین کلر کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کچھ دیر قبل اس نے شاور لیا تھا۔ کھلے بال اس کے نازک وجود کا احاطہ کیے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ میک اپ سے قطعی مبرا تھا لیکن وہ جانتی تھی۔ اس لباس میں وہ واقعی بے حد حسین نظر آتی تھی۔ یہ لباس شہر کے مہنگے ترین بوتیک سے اس نے شادی کے وقت بڑے چاؤ سے خریدا تھا۔

''اوہ تم بے حد حسین لگ رہی ہو زینب خاتون! شام کی اس روشنی میں تمہاری شربتی آنکھیں ہیرے کی کنی کی مانند دمک رہی ہیں۔''

وہ غالباً شرارت کے موڈ میں تھا۔ زینب پہلو بدل کر رہ گئی۔

''یہی بتانا چاہتے ہیں آپ؟'' وہ جھنجھلا گئی تھی۔

نجانے کب سے لفظوں کو جوڑ جوڑ کر اس نے وہ بات کہنے کی ہمت خود میں مجتمع کی تھی اور وہ بار بار اسے ادھر ادھر بھٹکا رہا تھا۔

''نہیں۔'' وہ ہنسا۔ ''میں کچھ اور بتانا چاہتا ہوں۔ کل ہم اسلام آباد جا رہے ہیں۔ ہم یعنی میں اور تم۔ ساڑھے تین بجے کی فلائٹ ہے۔ تین چار دن وہاں سکون اور اطمینان سے گزاریں گے تم فریش ہو جاؤ گی میں بھی کچھ عرصے سے مسلسل کام کر کے تھک گیا ہوں۔ کچھ ریسٹ چاہتا ہوں۔ وہاں میں تمہیں بھرپور وقت دوں گا۔ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں رہے گی۔''

وہ اپنی پلاننگ بتا رہا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔ جو بات وہ کہنا چاہتی تھی شاید اس کے لیے اب یہ وقت مناسب نہ تھا۔ وہ بے حد خوشگوار موڈ میں تھا۔

''تم اپنی تیاری رکھنا۔ ملبوسات بہترین قسم کے ہونے چاہئیں۔ وہاں ہمیں کئی دعوتوں میں شرکت کرنی ہو گی۔''

''آپ تو اپنی بزنس میٹنگ میں جا رہے ہیں نا......'' وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی تھی۔ ''پھر بھلا میں ساتھ جا کر کیا کروں گی۔''

''اوہ ڈارلنگ یو ڈونٹ وری۔ صرف ایک صبح مجھے میٹنگ کے لیے درکار ہے۔ باقی سارا وقت تمہارے لیے وقف ہو گا۔ تم گھومنا پھرنا، شاپنگ کرنا جو چاہو خریدنا۔''



اگلے دن شام کو وہ اسلام آباد کے بہترین ہوٹل کے سویٹ میں موجود تھے۔

''شاور لے کر فریش ہو جاؤ ڈارلنگ...... ہم کچھ دیر بعد نکلیں گے۔ تمہیں ایک اہم شخصیت سے ملوانا ہے۔'' وہ اپنا سوٹ کیس کھولے، مصروف سے انداز میں کہہ رہا تھا۔

نجانے کیوں اسے عجیب سے احساس نے آلیا۔ وہ مڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیسی شخصیت؟''

''ہمارے لیے بے حد اہم۔'' اب وہ اپنا سگار سلگا رہا تھا۔ ''ذوالفقار جنجوعہ بہت اہم عہدے پر فائز ہے اس سے تمہیں بے حد سوچ سمجھ کر ملنا ہو گا۔''

''مجھے؟'' اس کا تنفس تیز ہو گیا۔

سکندر علی کا سارا تانا گیم یکا یک اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ وہ اسے یہاں کیوں لایا تھا۔ وہ اس قدر پر جوش اور خوش کیوں نظر آتا تھا۔ وہ اس پر اتنا مہربان کیوں ہو رہا تھا۔ ساری بات لمحہ بھر میں اس کی سمجھ میں آ گئی تھی۔

غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ اس نے دانت پر دانت جما لیے اس کا جی چاہا، وہ کمرے میں موجود ہر چیز اٹھا کر سکندر علی کے سر پر دے مارے۔ اسے غلیظ ترین گالیاں دے۔ چیخ چیخ کر پورے ہوٹل کو اپنے سر پر اٹھا لے۔

''تم سن رہی ہو نا۔'' وہ اس کی جانب متوجہ ہوا۔ ''تمہیں اس شخص پر خاص توجہ کرنی ہے۔ اسے ہر حال میں اپنی ذات، اپنے وجود کا احساس دلانا ہے۔ یوں بھی وہ خاصا دل پھینک واقع ہوا ہے۔ اسے رام کرنے میں تمہیں زیادہ دقت پیش نہیں آئے گی۔ ایک آدھ شام اسکے ساتھ گزار لوگی تو میرا بہت کام ہو جائے گا۔''

''سمجھ بھی رہی ہو؟''

''بہت اچھی طرح سکندر صاحب!'' وہ دیوار کو گھورتی رہی۔

''گڈ'' تم سمجھدار ہوتی جا رہی ہو ڈارلنگ! تم جانتی نہیں ہمیں اس کام سے کتنا فائدہ ہوگا۔'' وہ خوش ہو گیا۔

''آپ محض اپنے فائدے کی بات کر رہے ہیں۔'' وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔ ''میرے فائدے کی بات بھول رہے ہیں۔''

وہ چونک اٹھا۔

''کیا مطلب؟ میں سمجھا نہیں؟''

زینب اپنی جگہ سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے سامنے پہنچ گئی۔

''مجھے یقین ہے سکندر صاحب! جس قدر آپ نے مجھ پر خرچ کیا ہے، اس سے دگنا تگنا منافع آپ اپنی پچھلی ڈیل سے حاصل کر چکے اب اس ڈیل سے جو کچھ آپ کو ملے گا اس کے عوض مجھے آپ سے کچھ چاہیے۔''

''کیا؟'' وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھنے لگا۔

''آزادی! مجھے طلاق چاہیے۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تھی۔

''واٹ؟'' وہ اچھنبے سے اسے دیکھنے لگا۔ ''تم بھول رہی ہو۔ میں نے تم سے کیا کہا تھا؟ اس بات کو بھول جاؤ زینب کہ اب ہم کبھی الگ ہوں گے۔''

''تو پھر آپ بھی بھول جایئے کہ آپ کو ذوالفقار جنجوعہ نامی کسی شخص سے کچھ کام نکلوانے ہیں اور اس کے بعد آئندہ بھی کبھی میں کوئی ایسا کام نہیں کروں گی۔ کسی قیمت پر نہیں میں آپ کا سدھایا ہوا کوئی جانور بننے پر تیار نہیں جس کا تماشا دکھا کر آپ لوگوں سے رقم بٹوریں۔''

اس کا لہجہ قطعی تھا۔ چند لمحوں کے لیے سکندر علی کے چہرے کی تمام رگیں تن گئیں۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئیں۔ کچھ دیر تک وہ اسے گھورتا رہا پھر یکا یک اس نے خود میں تبدیلی پیدا کی اور نارمل ہو گیا۔

''دیکھو زینب!'' اس نے زینب کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔

اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پرے کر لیا۔

''میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اب بے حد رسانیت سے بولا تھا۔ ''یہ کوئی خراب کام نہیں ہے۔ ہائی سوسائٹی میں عورتیں اسی طرح اپنے شوہروں کو سپورٹ کرتی ہیں۔''

''بھاڑ میں جایئے آپ کی سوسائٹی اور بھاڑ میں جائیں ایسے شوہر جو اپنی بیویوں کو طوائف بننے پر مجبور کریں۔ یاد رکھیں سکندر! میں بظاہر کتنی ہی دبو اور بزدل نظر آؤں لیکن گناہ کی زندگی مجھے منظور نہیں۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے میں کچھ بھی کر سکتی ہوں۔ میں رملی کی طرح زہر کھا کر جان دے دوں گی مگر......''

''ریلیکس...... ریلیکس ڈارلنگ...... ریلیکس۔'' وہ ایک مرتبہ پھر وہی میر سکندر علی بن چکا تھا جو نرم لہجے سے اپنا ہر کام نکالنے کا گر جانتا تھا لیکن زینب اب اس کے تمام داؤ پیچ جان چکی تھی۔

''اس قدر جذباتیت کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ نرمی سے بولا۔ ''تمہیں یہ کام پسند نہیں ہے۔ تم یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتیں ٹھیک ہے۔ آئندہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا لیکن اس مرتبہ میرا ساتھ دو۔ آخر ہم اتنی دور سے......''

وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

''یہی کام کرنے آئے ہیں۔'' زینب اس کا ادھورا فقرہ مکمل کر کے طنز سے ہنس دی۔ ''بہت خوب سکندر صاحب، بہت خوب۔ آپ واقعی شطرنج کے بہت اچھے کھلاڑی ہوں گے لیکن اس مرتبہ میں کسی مہرے کی طرح استعمال ہونے کے لیے تیار نہیں۔ میں یہ کام اسی شرط پر کروں گی کہ اس کے بعد آپ مجھے آزاد کر دیں گے۔ مجھ پر جو کچھ آپ نے لگایا وہ آپ منافع کے ساتھ کما چکے اب آپ کسی نئی چڑیا کو تلاش کریں۔ اس دنیا میں حریص مردوں کو کمی نہیں ہے تو حسین چہرے بھی قدم قدم پر ملتے ہیں۔ آپ کے مطلب کی بہت سی عورتیں آپ کو دستیاب ہوں گی جو راضی بخوشی آپ کی پسند کی بیوی بننے پر تیار ہوں گی۔''

سکندر علی چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے گہری سانس بھری تھی۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ بولا۔ ''مجھے منظور ہے۔ اگر تمہاری زلفوں کا اسیر ہو کر ذوالفقار جنجوعہ میرا کام کر دیتا ہے تو پھر میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔''

زینب نے گہری سانس بھری تھی۔



اندر آتی فرخندہ آپا کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سفری بیگ تھا۔ ان کے لب آہستہ آہستہ ہل رہے تھے۔ پاس آ کر انہوں نے اس کا چہرہ تھام کر اس کی پیشانی پر پھونک ماری۔

''خدا تمہارا حامی و ناصر ہو۔ خدا تمہیں کامیاب کرے۔'' انہوں نے محبت سے اس کے سر پر بوسہ دیا تھا۔

''آپ کی محبت ہے آپا! جس نے جیتا رکھا ہے۔'' اس نے ان کے ہاتھ تھام لیے۔ ''ورنہ کیا ہے میرے پاس۔''

''ناامید نہیں ہوتے بیٹا! زندگی چند سالوں کا نام نہیں ہے جو گزر گئے تو زندگی تمام ہوئی۔ خدا تمہیں میری عمر بھی لگائے ابھی تو تم نے بہت جینا ہے۔ بہت سی محبتیں دیکھنی ہیں۔ بہت سی خوشیاں دیکھنی ہیں۔'' وہ تلخی سے مسکرا دیا۔

''کب تک لوٹو گے؟''

''بس چند دنوں میں۔'' وہ بولا۔ ''انٹرویو دے کر اگلے دن کی ٹرین پکڑ لوں گا۔''

''اسلام آباد میں، میں نے تمہیں جو پتہ دیا ہے وہ میرے ماموں زاد بھائی کا ہے۔ انٹرویو تو تمہارا کسی بڑے ہوٹل میں ہوگا نا؟ لیکن ٹھہرنا تمہیں میرے بھائی کے گھر ہی ہے ہوٹلوں کی خاک مت چھانتے پھرنا۔ گھر کا آرام کسی جگہ نہیں ملتا۔ میں ان لوگوں کو فون کر دوں گی تم اطمینان سے جانا۔ بڑے محبت والے لوگ ہیں۔''

اس نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میں خدا کے حضور گڑ گڑا کر دعا کروں گی کہ یہ نوکری تمہیں مل جائے۔ بس پھر اس کے بعد میں تمہاری شادی کروں گی یاد ہے تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اب تم وہی کرو گے جو میں تم سے کہوں گی۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا! لیکن میرا یقین کیجیے میں فی الوقت ذہنی طور پر اس کام کے لیے تیار نہیں۔ مجھے سنبھلنے کا موقع تو دیں۔ فی الوقت میں کسی کو خوش نہیں رکھ سکتا پھر کسی کے ساتھ یہ ظلم کیوں ہو۔''

''صوفیہ کے متعلق تو تم اچھی طرح جانتے ہو حسن! ہر حال میں ساتھ دینے والی، ہر صورت نباہ کرنے والی جب وہ تمہاری شادی کے بعد خاموشی سے اتنے سال بیراگی بن کر گزار سکتی ہے تو تمہارے ساتھ رہنا تو اس کی سب سے بڑی خوشی ٹھہری۔ وہ تم سے کبھی کوئی شکوہ نہیں کرے گی۔''

''ابھی اس کے جذبات کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے آپا!'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''لیکن شادی کے بعد اس کی ناخوشی اور اداسی کا ذمہ دار میں ٹھہروں گا۔ خواہ وہ مجھ سے شکوہ کرے یا نہ کرے میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے چاہتی ہے لیکن کسی کو چاہنا اور بات ہے اور شادی کے بعد اسی محبوب کی بے رخی اور بے توجہی برداشت کرنا دوسری بات۔ وہ ہرٹ ہوگی ہر صورت۔''

''کیا اب تمہارا یہ مسلسل انکار اسے ہرٹ نہیں کرے گا؟''

''پلیز آپا!'' وہ عاجزی سے بولا۔ ''میں آپ سے درخواست کرتا ہوں۔ اس موضوع کو پھر کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھیں۔ میں ذہنی طور پر ڈسٹرب رہا تو انٹرویو بھی صحیح طرح سے نہیں دے پاؤں گا۔''

''ٹھیک ہے بیٹا!'' وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی تھیں۔ ''جیسے تمہاری خوشی۔''

''لکڑی کی ٹانگ اور پتھر جیسے جذبات والا شوہر کیا کسی لڑکی کو کوئی خوشی دے سکتا ہے۔'' وہ تلخی سے ہنسا تھا۔ ''لڑکیاں تو نجانے کیا کچھ چاہتی ہیں۔'' اس کی آواز مدھم ہوگئی تھی۔

''ہر لڑکی کا......'' آپا کچھ کہتے کہتے یکلخت خاموش ہوگئیں۔

''اچھا آپا خدا حافظ!'' وہ بیگ اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھ گیا تھا۔

''خدا کی امان میں سونپا!'' ان کے لب ہلے تھے۔



ہوٹل کے وسیع و عریض، سرسبز لان میں وہ ذوالفقار جنجوعہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔

جارجٹ کے ہلکے پیازی رنگ کے لباس میں اس کی اپنی رنگت سنہری ہو رہی تھی۔ لانبے بال اس نے اچھی طرح سنوار کر کھلے چھوڑے ہوئے تھے۔ کانوں میں ہیرے کے آویزے دمک رہے تھے۔ اس نے ہلکا مگر بہترین تاثر دینے والا میک اپ کیا ہوا تھا۔

''آپ یقیناً متاثر کرنے کا فن جانتی ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا۔ ''آپ جیسی خواتین کے قصے تو تاریخ میں ہیں۔''

''میں آپ کا مطلب نہیں سمجھی؟'' وہ مبہم انداز میں مسکرائی۔

حالانکہ وہ اس کا مطلب بخوبی سمجھ رہی تھی۔

''تاریخ میں ایسی حسین عورتوں کے تذکرے ہیں جو حکومتوں کے تختے الٹ دیتی تھیں......'' وہ ہولے سے ہنسا۔

وہ درمیانی عمر کا ایک وجیہہ شخص تھا۔ اس کے انداز بڑے شائستہ تھے۔ یہ زینب کی اس سے تیسری ملاقات تھی اور وہ اس کا مدعا بھی سمجھ چکا تھا لیکن اب تک اس نے کوئی ناشائستہ بات یا نازیبا حرکت نہ کی تھی۔

زینب اس کی بات پر دلکشی سے مسکرا کر رہ گئی۔

''پھر کیا خیال ہے آپ کا؟ ہمارا کام ہو جائے گا؟'' وہ بڑے ناز سے پوچھنے لگی۔

اسے پورا یقین تھا۔ ذوالفقار جنجوعہ پوری طرح سے اس کا اسیر ہو چکا تھا۔ وہ اسے انکار کر ہی نہیں سکتا تھا۔

''آپ کا کام ہو جائے گا حسین خاتون! لیکن ہمارا بھی تو کچھ بھلا ہونا چاہیے۔ آپ کو خبر ہے یہ کروڑوں کا معاملہ ہے۔''

وہ سگریٹ نکال کر سلگانے لگا۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟'' وہ پوچھنے لگی۔

''محض ایک رات۔ آپ کی نرم زلفوں تلے۔'' وہ دلکشی سے مسکرایا۔

زینب کا سانس لمحہ بھر کے لیے رک گیا تھا۔ وہ جانتی تھی، ایسی کسی بھی ڈیل کے دوران یہ لمحہ بھی آسکتا ہے لیکن یہ بات جاننا اور بات تھی۔ یہ

مطالبہ سننا اور اس کا جواب دینا اور بات وہ سن ہو کر بیٹھی رہ گئی۔

''کہیے کیا خیال ہے؟''

''آپ، آپ جانتے ہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' اسے پسینہ آنے لگا۔ ''میں ایک عزت دار، شادی شدہ عورت ہوں۔''

ذوالفقار کے لبوں پر بڑی شریر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔ وہ اسے غور سے دیکھنے لگا۔ زینب کٹ کر رہ گئی۔

''آپ یونہی عزت دار اور شادی شدہ رہیں گی۔'' وہ شرارتی انداز میں بولا۔ ''کل صبح میں بڑی عزت سے بصد احترام آپ کو آپ کے شوہر کو ہینڈاوور کردوں گا اور آپ اتنا پریشان نظر آرہی ہیں جیسے یہ کوئی بہت انوکھی بات ہے۔ جو مطالبہ آپ کر رہی ہیں یہ تو اس کا بہت معمولی سا عوضانہ ہے اور عزیز من اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں آپ کو تو کافی تجربہ ہوگا؟'' وہ دوسری سگریٹ سلگانے لگا۔

زینب کو اندازہ ہوا۔ وہ جس قدر شائستہ باہر سے نظر آتا تھا، اندر سے اتنا ہی کریہہ اور بدصورت تھا۔ بے حد عیاری سے وہ اسے ایک ایسے دوراہے پر لے آیا تھا جس کے ایک طرف کنواں تھا اور دوسری جانب کھائی۔

اسے انکار کرنے کا رسک وہ کسی صورت نہیں لے سکتی تھی۔ میر سکندر علی کے ساتھ اس کا جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے وہ ہر صورت یہ کام کرنے کی پابند تھی۔ اس کی رہائی کا پروانہ اسی شخص کے ہاتھ میں تھا جس کے مطالبے نے اس کے سر پر آسمان لا گرایا تھا۔

''کیا سوچنے لگیں آپ؟'' وہ اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ''ہم نے تو آپ کے حکم پر اسی لمحے سر تسلیم خم کر لیا تھا اور آپ ہماری ذرا سی خوشی کے لیے اتنا سوچ رہی ہیں۔''

زینب کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں۔ اس کا وجود بگولوں کی زد میں تھا۔ آگ کا ایک سمندر تھا جس کے دوسری جانب اس کی آزادی تھی۔

''اور اگر میں اسے انکار کر دیتی ہوں تو سکندر علی کبھی آزاد نہیں کرے گا اور پھر کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں مجھے ایسے ہی کسی مطالبے پر سر تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ اگر زہر کا پیالہ پینا ہی ہے تو کل کا انتظار کیوں کروں..... آج کیوں نہ جان سے گزر جاؤں۔'' اس کے اندر شور مچاتا جوار بھاٹا بیٹھنے لگا۔

''کچھ کہیے عزیز من!'' وہ سراپا سوال بنا بیٹھا تھا۔

''مجھے، مجھے منظور ہے۔'' اس نے تھوک نگلا تھا۔



شہر کے بہترین ہوٹل کے تھرڈ فلور پر اس کا انٹرویو تھا۔ اس کے اپنے خیال کے مطابق اس کا انٹرویو بہت اچھا ہوا تھا۔ انٹرویو بورڈ کے تمام اراکین کے سوالات کے جوابات اس نے بڑے تسلی بخش، بڑے سلجھے ہوئے انداز میں دیے تھے۔ اس نے باہر آکر سگریٹ سلگایا اور ہال کی جانب چل دیا۔ وہ کچھ دیر اطمینان سے بیٹھ کر ایک کپ اچھی سی چائے پینا چاہتا تھا۔ پھر اسے اپنے میزبانوں کی طرف جانا تھا۔

حالانکہ اب اس کا اس دنیا میں کسی سے بھی ملنے کو جی نہ چاہتا تھا لیکن آپا کی محبت کے ہاتھوں وہ مجبور ہو جایا کرتا تھا۔ شاید محبت کے ہاتھوں ہار جانا اس کی سرشت میں شامل تھا۔ چائے کا آرڈر دے کر وہ کچھ دیر کے لیے آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔ یہ غلطی وہ اکثر کرتا تھا، چشم تصور میں یک لخت کچھ چراغ جھلملائے اور ان چراغوں کی لوؤں کی اوٹ سے اس کا مسکراتا چہرہ نظر آنے لگا۔ اس سے ہر ناتا ٹوٹ چکا تھا لیکن تصور کا ناتا شاید کبھی، کسی سے نہیں ٹوٹتا۔ وہ ہر دوسرے پل اس کے تصور کی دنیا میں وارد ہو جایا کرتی تھی۔ ایک زخم تھا جو دکھنے لگتا تھا۔ ایک درد تھا جو اٹھنے لگتا تھا۔ اس کی یاد میں کوئی خوشی نہ تھی۔ غم ہی غم تھا۔

ویٹر نے چائے کی طشتری اس کے سامنے لا کر رکھی تو برتنوں کی کھنک نے اسے چونکا دیا۔ وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

اسٹیج پر بجتے آرکسٹرا کی نرم، دھیمی دھن اس کی اذیت میں اضافہ کرنے لگی۔ ایسی دھنیں کیوں بنائی جاتی ہیں، کیوں بجائی جاتی ہیں جو دل

کے درد کو مہمیز کر دیں۔ زخموں کے کھرنڈ کھرچنے لگیں۔ کچھ ایسا یاد دلانے لگیں جو انسان بھولنا چاہتا ہو۔

وہ اپنی پیشانی مسل رہا تھا جب اس نے ہال کا دروازہ کھلتے اور ایک جوڑے کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس کے دماغ میں ایک جھماکا کا سا ہوا۔

''تصور کا فریب..... نظر کا دھوکا.....'' اس نے ہمیشہ کی طرح سوچا تھا۔

ایسے فریبوں کا وہ اکثر شکار ہو جایا کرتا تھا۔ ایسے دھوکے اسے ہوتے رہتے تھے۔ لیکن..... لیکن شاید اس بار یہ فریب نہ تھا۔ شاید اس بار حقیقت اپنی پوری تلخیوں کے ساتھ سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے پیشانی پر رکھے ہوئے ہاتھ سے اپنا چہرہ تقریباً ڈھانپ لیا۔ وہ دونوں لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہے تھے۔

ہاں! اس مرتبہ حقیقت اپنی پوری تلخیوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ وہ زینب تھی۔ زینب سکندر علی! لیکن جو مرد اس کی کمر میں ہاتھ ڈالے اس کے وجود کو خود سے لگائے اس کے ہمراہ تھا وہ میر سکندر علی نہیں تھا۔ لبوں پر خوبصورت مسکان سجائے وہ وجیہہ شخص اسے یوں خود سے لگائے ہوئے تھا جیسے وہ اسی کی ملکیت تھی۔

ہلکے گلابی لباس میں ملبوس زینب کسی گڑیا کی مانند خوبصورت مگر خطرناک حد تک بے جان نظر آ رہی تھی۔ اس کا چہرہ تاثرات سے عاری تھا۔ وہ پیروں کو اس طرح گھسیٹ کر چل رہی تھی۔ جیسے اس میں انہیں اٹھانے کی سکت نہ ہو۔ وہ دونوں اس کے دائیں جانب والی میز پر آ بیٹھے تھے۔

''کیا منگواؤں آپ کے لیے۔'' ذوالفقار جنجوعہ نے مسکراتی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''تھوڑا سا زہر۔'' اس کے ذہن میں اس سوال کے جواب میں پہلی سوچ ابھری تھی۔ ''مجھے بس چٹکی بھر زہر چاہیے..... جو اتنا سریع الاثر ہو جو لمحہ بھر میں میری سوچوں کی ہر پرواز کو منقطع کر دے۔ میرے دل کی ہر دھڑکن کو جامد کر دے۔ پل بھر میں میری روح کو اس گندے لباس سے چھٹکارا دلا دے کیونکہ اب میں جینا نہیں چاہتی..... یہ دنیا مجھے تیزاب سے بھرا ہوا برتن لگ رہی ہے۔ میرا وجود گل، سڑ رہا ہے۔'' بڑی خاموشی سے ایک آنسو اس کی پلک پر آ ٹھہرا۔

''ارے.....'' وہ ہنسا تھا۔ ''رات اتنی بری تو نہ گزری تھی۔ رو کر مجھے شرمندہ تو نہ کریں۔ میں نے تو آپ کا بڑا خیال رکھا ہے..... جتنا کسی کانچ کی گڑیا کا رکھا جاتا ہے۔''

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' وہ ٹھہری ہوئی آواز میں بولی۔ ''لیکن کانچ پھر بھی ٹوٹ گیا ہے اور سارے ٹکڑے میری روح میں پیوست ہو گئے ہیں کبھی نہ نکلنے کے لیے!''

''اوہ.....'' وہ مسکرانے لگا۔ ''الفاظ کی بازی گری سے بھی واقف ہیں۔ آپ واقعی شاندار خاتون ہیں زینب..... ہم تو آپ کے معترف ہو گئے ہیں بلکہ اسیر کہیے، دل چاہتا ہے آپ کی ہر رات اپنے نام لکھوائی جائے۔ کیا خیال ہے؟ میر سکندر علی سے کوئی ڈیل کی جائے؟'' اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

''ٹھیک ہی تو ہے۔ ایسے الفاظ ہی میرا مقدر بننے چاہئیں جو مجھے احساس دلائیں کہ میں کیا ہوں؟''

''کیا سوچ رہی ہیں آپ؟ آپ کی افسردگی میرے بے حد خوشگوار موڈ پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ پلیز اسمائل..... یہ تھوڑا سا وقت مجھے اور انجوائے کرنے دیں۔ نجانے پھر میر صاحب کو ہم سے کب کام پڑتا ہے۔'' وہ شرارتی انداز میں بولا۔

اسی لمحے بائیں جانب والی میز پر بیٹھا ہوا آدمی اٹھا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ چلتا ہوا دروازے کی جانب چل دیا۔ راستے میں ان کی میز تھی۔ وہ لمحہ بھر کو رکا تھا۔ زینب کی آنسوؤں سے لبریز نظریں اٹھیں اور اس کی نظروں سے الجھیں۔

اس کا دل دھڑکنا بھول گیا سانس اپنی جگہ تھم گئی۔ نگاہیں وہیں جم گئیں۔ پھر احسن اگلے ہی لمحے آگے بڑھ گیا تھا۔

اس کے جسم میں جان نہ تھی جو وہ اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگتی۔ اس کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی ورنہ وہ اسے پکارتی۔ بس وہ پھٹی پھٹی

نگاہوں سے اسے وہاں سے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ اسے کیسے پکارتی، کیسے روکتی؟ اس کے پہلو میں ایک غیر مرد موجود تھا۔ اس کے چہرے پر گزری ہوئی رات کا لمحہ لمحہ بکھرا ہوا تھا۔

اس کی آنکھوں میں اپنی جاں بلب ناموس کا نوحہ رقم تھا۔ وہ اسے کیسے روکتی۔

آہ! سامنا ہوا بھی تو کب، کیسے موڑ پر آ کر! اس کے اندر آندھیاں اٹھ رہی تھیں، مگر باہر سے اس کا وجود ساکت تھا۔

پھر یکا یک اس کے لبوں سے کچھ بے معنی آوازیں برآمد ہوئیں اور وہ ایک جانب لڑھک گئی۔ اس کے ساتھ بیٹھے ذوالفقار جنجوعہ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔ وہ مدد کے لیے ویٹر کو پکارنے لگا۔



اپنی وسیع و عریض، عالیشان خواب گاہ میں وہ اپنے آرام دہ بستر پر نیم دراز تھی۔ ابھی ابھی ڈاکٹر اس کا چیک اپ کر کے باہر نکلا تھا۔ گزشتہ ہفتہ بھر سے اس کی خدمت پر مامور نرس کو بھی چھٹی دے دی گئی تھی۔ اس کی کنڈیشن اب اطمینان بخش تھی۔

آرام کرسی پر بیٹھ کر سگار پیتے ہوئے سکندر علی کی آنکھوں میں گہری سوچ کی چھاپ تھی۔ کبھی کبھار وہ ایک نگاہ زینب کے ستے ہوئے چہرے پر ڈال لیا کرتا تھا۔ وہ تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندے ہوئے تھی۔

''ڈاکٹرز کہتے ہیں...... یہ ایک معمولی نوعیت کا اٹیک تھا۔'' وہ چند لمحوں کے بعد بولا۔ ''اس کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں...... ہاں آئندہ کے لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ دوائیاں ٹائم پر لینا اور کسی بھی بات کی ٹینشن نہ لینا بے حد ضروری ہے۔ میرا خیال ہے...... اس الو کے پٹھے نے تمہیں ذہنی طور پر ڈسٹرب کر دیا تھا۔ تم بے حد نازک بھی تو ہو۔''

اس نے آنکھیں کھول دی تھیں لیکن کچھ بھی کہے بغیر وہ محض اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

''میرا خیال ہے...... میں نے تمہیں غلط طریقے سے استعمال کیا ہے۔'' اس نے اپنے چہرے پر ندامت کا تاثر لانے کی کوشش کی۔ ''آئی ایم ویری سوری زینب! میں آئندہ کے لیے محتاط ہو چکا ہوں۔ اب میں تمہیں ہمیشہ خود تک محدود رکھوں گا۔ ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہیں آئے گا۔ تم اس ٹینشن سے باہر نکلو۔''

''ہمارے بیچ...... اب کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ یک لخت بولی تھی۔

اندرونی تھکن اور نقاہت کے باوجود اس کی آواز بلند اور پاٹ دار تھی۔ سکندر علی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''آپ شاید وہ معاہدہ بھلانے کی کوشش کر رہے ہیں سکندر صاحب! لیکن ایک ہارٹ اٹیک سے میری یادداشت اتنی متاثر نہیں ہوئی...... میرے لیے وہ رات، رات نہیں تھی۔ وہ ایک آگ کا کنواں تھا جس میں چھلانگ لگانے سے پہلے میں نے سو بار سوچا تھا لیکن بدقسمتی سے میرے پاس اس کنویں میں چھلانگ لگانے کے سوا کچھ چارہ نہ تھا کیونکہ میں نے خود کو اس معاہدے کی پابند جانا تھا۔ میں اس کنویں سے اپنی رہائی کا پروانہ لے کر ایک جلے ہوئے، سڑے ہوئے وجود کے ساتھ باہر نکلی ہوں۔ میں آپ کے لفظوں کے جال میں پھنس کر یہ بات بھول نہیں سکتی کہ اب آپ، اصولی طور پر مجھے رہا کرنے کے پابند ہیں۔''

''آہاں...... ہاں ہاں ٹھیک ہے!'' وہ قدرے گھبرا کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ ''میں اپنی زبان سے پھر نہیں رہا ہوں۔ ویسے میں دلی طور پر اپنے جذبات کا اظہار کر رہا تھا۔ تم اگر چاہو تو......''

''میں محض آزادی چاہتی ہوں ہر قیمت پر۔'' اس کا لہجہ حتمی تھا۔ ''بلکہ قیمت میں ادا کر چکی ہوں۔''

میر سکندر علی آنکھوں میں گہری سوچ لیے اسے دیکھتا رہ گیا۔



''احسن......احسن......بیٹا!''فرخندہ آپا خوشگوار انداز میں مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی تھیں۔

اپنے ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کو قریب رکھی ہوئی ایش ٹرے میں مسل دیا اور انگلیوں کی پوروں سے آنکھوں کے نم گوشے صاف کرنے لگا۔

''یہ لو......لیٹر آیا ہے اسلام آباد سے۔ ذرا جلدی سے کھولو اسے اور خوشخبری سناؤ۔''وہ سیدھا ہو بیٹھا۔

لیٹر اسی کمپنی کی جانب سے تھا جس میں نوکری مل جانے کی اسے قوی امید تھی۔

اس نے لفافہ چاک کیا۔ فرخندہ آپا بڑی بے تابی سے قریب آ بیٹھی تھی۔

سفید کاغذ پر چند سطریں رقم تھیں۔ اس کے لبوں پر تھکی تھکی سی مسکان آ گئی۔

''نوکری مل گئی ہے آپا۔''

''اوہ میرے خدا...... تیرا شکر ہے۔''فرخندہ آپا نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔''خدا میرے بچے کو قدم قدم پہ کامیابی سے سرفراز فرمائے۔ آمین!''

پھر انہوں نے اس کی پیشانی چوم لی۔

''میں نہ کہتی تھی تم سے...... جتنی تکلیفیں مقدر میں ہوتی ہیں، وہ اپنے آگے آتی خوشیوں کا پیغام بھی لاتی ہیں۔ تم کہتے تھے نا...... یہ بڑی اچھی نوکری ہے؟''

''ہاں آپا...... اچھی ہے۔ عزت والی جگہ ہے۔ تنخواہ بہت پرکشش ہے۔ دیگر مراعات بھی ہیں۔ نوکری تو بہت اچھی ہے۔''

وہ دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

''تو مسکراؤ نا میرے بچے! خوشی کا کچھ اظہار کرو۔ ہر وقت اداسی کی اسی سیاہ چادر میں لپٹے رہتے ہو۔ احسن! خدا کو بھی یہ بات ناپسند ہے کہ انسان ہر وقت کسی حادثے کے سوگ میں خود کو مبتلا رکھے۔ خوشیوں کا اظہار خود پر حرام کر ڈالے۔''

''نہیں آپا! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں اداس نہیں ہوں۔ اس نے مسکرانا چاہا مگر ناکام رہا۔

''اب تم کچھ بھی کہو۔ خواہ کتنا ہی انکار کرو۔ میں آج ہی صوفیہ کے گھر جاؤں گی اور اس کی ماں سے بات کروں گی۔ وہ بے چاری بھی بیٹی کے غم میں بیمار رہتی ہے اور بیٹی ہے کہ تمہارے نام زندگی لکھ کر ہر خوشی سے ہاتھ اٹھا کر بیٹھ گئی ہے۔''

ان کے لہجے میں دکھ تھا۔

''آپا......! کیوں میرا امتحان لیتی ہیں۔ میں کیسے کہوں آپ سے...... میرے دل میں اس لڑکی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اسے کچھ نہیں دے پاؤں گا۔''

''یہ باتیں قبل از وقت ہیں۔ جس کے لیے تمہارے دل میں بہت کچھ تھا، اس نے تمہیں کیا دیا یا تمہاری دی ہوئی کس چیز کو قابل احترام جانا۔ دلوں کے جذبے بدلتے رہتے ہیں۔ مجھے یقین ہے صوفیہ کے جذبوں پر۔ وہ بہت جلد تمہیں اپنا اسیر کر لیں گے۔ تم اسے موقع تو دو۔''

جواباً وہ خاموش رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک اس کی جانب سے کسی جواب کی متوقع رہیں پھر اٹھ کر باہر چلی گئیں۔

''جس کے لیے تمہارے دل میں بہت کچھ تھا......''

اس کے اندر فرخندہ آپا کے الفاظ گونجے اور تصور کے افق پر پھر اس کا چہرہ نمودار ہو گیا اس کی آنسوؤں سے لبریز آنکھیں، ان آنکھوں سے چھلکتا دل کا درد، غم کا قصہ سناتی نگاہیں وہ سکتے کی سی کیفیت اور...... اس کے پہلو میں بیٹھا، مسکراتا ہوا شخص سمجھنے کے لیے بہت کچھ تھا۔ دل یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں گھرا ہوا تھا۔

''کیا اس کے لیے دل میں ابھی بھی کچھ ہے؟ آنسوؤں سے لبریز ان آنکھوں کا خیال دل سے کسی آکٹوپس کی طرح لپٹا ہوا ہے...... کیوں؟''



جمیلہ کی ہمراہی میں آمنہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ زینب کو اسے دیکھ کر نا قابل بیان خوشی ہوئی، وہ بستر سے اٹھ کر اس کے گلے جا لگی۔

''زینب یہ کیا حال ہو گیا ہے تمہارا؟'' آمنہ اسے علیحدہ کر کے تشویش سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم زینب ہی ہو؟ مجھے یقین نہیں آتا۔''

وہ ہولے سے ہنس کر سامنے لگے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھنے لگی۔ آمنہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ سوچوں کی نا قابل بیان تپش نے اس کے وجود کو جیسے جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ سانولی پڑتی رنگت، گہرے حلقوں اور سیاہ لبوں نے اس کی تمام خوبصورتی کو ڈھانپ لیا تھا۔ وہ برسوں کی بیمار نظر آ رہی تھی۔ اس پر اس کے ملگجے لباس اور الجھے بالوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔

''کیا ہوا ہے زینب تمہیں؟'' آمنہ بیٹھ کر پوچھنے لگی۔ ''تم بیمار ہو کیا؟''

''میری روح بیمار ہو گئی ہے آمنہ!'' وہ اداسی سے بولی۔ ''مجھے دیمک لگ گئی ہے۔ میں کھوکھلی ہوئی جا رہی ہوں۔''

''اتنی دل برداشتہ مت ہو میری بہن...... میں تو کب سے تمہیں ایک خوش خبری سنانے کے لیے بے چین تھی، آج تمہارا سندیسہ ملا تو بھاگی چلی آئی ہوں۔''

''خوش خبری؟'' وہ اسے دیکھنے لگی۔

''ہاں...... احسن بھائی یہیں ہیں۔ اسی شہر میں، فرخندہ آپا کے گھر رہتے ہیں۔ انوار خود معلوم کر کے آئے ہیں۔''

زینب بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

''تم سچ کہہ رہی ہو؟ لیکن احسن کو تو میں نے اسلام آباد میں دیکھا تھا؟''

''ہاں...... پچھلے دنوں وہ کوئی انٹرویو دینے کے لیے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ انوار بھی ان ہی دنوں فرخندہ آپا کے گھر گئے تھے۔ کیا تمہاری ان سے ملاقات ہو چکی ہے؟''

''ملاقات؟'' اس کی نگاہوں میں وہ منظر گھوم گیا۔ وہ سر جھکا کر رہ گئی تھی۔

''سکندر علی سے تمہاری بات ہوئی؟ وہ کیا کہتے ہیں؟'' آمنہ پوچھنے لگی۔

زینب کا سر نفی میں ہلنے لگا۔

''میں جانتی ہوں...... وہ کسی صورت اس پنجرے کا دروازہ کھولنے پر راضی نہ ہو گا لیکن میں بھی طے کر چکی ہوں آمنہ! ہر صورت ہر قیمت میں آزاد ہو کر رہوں گی۔ میں نے اس سونے کے پنجرے سے باہر نکلنے کے لیے بہت بڑی قیمت چکائی ہے...... اگر مجھے اس سے بڑی کوئی قیمت ادا کرنی پڑی تو وہ بھی کروں گی۔''

''جو کرنا ہے سوچ سمجھ کر اور جلد کر لو۔ نجانے کیا بات ہے زینب...... یہ سب کچھ سوچتی ہوں تو میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ میری دعا ہے کہ تم جلد سے جلد اس شخص سے جان چھڑا کر پھر سے اپنی جنت میں لوٹ جاؤ۔ خدا کرے احسن بھائی تمہیں قبول کر لیں تو تمہارے وجود میں پھر سے گلاب کھل اٹھیں۔''

''میرے جسم پر جو زنگ آلود سوئیاں گڑی ہیں آمنہ...... انہیں کون نکالے گا؟''

وہ دیوار پر نگاہیں مرکوز کر کے سوچ رہی تھی۔



چند دن اور گزر گئے تھے۔ میر سکندر علی کی جانب سے خاموشی چھائی تھی۔ وہ روزانہ اس کا انتظار کرتی تھی...... نہایت بے چینی اور بے تابی سے لیکن وہ نجانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اب اس کی بے چینی اور بے تابی میں غصے اور جھنجھلاہٹ کی آمیزش بڑھتی جا رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں...... میں جانتی ہوں...... میں تمہارے لیے کیا ہوں۔'' اس روز اسے اچانک نجانے کیا ہوا تھا۔ وہ میر سکندر علی کی قدِ آدم تصویر کے سامنے جا کھڑی ہوئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ''میں تمہارے لیے ہر روز سونے کا انڈا دینے والی مرغی ہوں اور تم اتنے بے وقوف نہیں ہو جو اس مرغی کو ذبح کرنے کا سوچو۔ تم چاہو گے کہ میں یونہی تمہاری قید میں مقید، سونے کے انڈے دیتی رہوں لیکن تم جانتے نہیں کہ تمہاری اس قید نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے۔ میں تمہیں وہ سبق سکھاؤں گی کہ تم ساری عمر یاد رکھو گے۔ اس حسن کی وجہ سے یہ قید ہے نا؟ سارا جھگڑا اس چہرے کا ہے نا میر سکندر علی؟ اسی چہرے کا...... اس نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔''

اس کی آواز بھرانے لگی تھی۔ پھر یکا یک ہی وہ مڑ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

''جمیلہ...... اسلم!'' وہ سیڑھیوں کی جانب مڑتی ہوئی ریلنگ کے قریب آ کر چلائی تھی۔ جمیلہ دوڑی چلی آئی۔

''جی...... جی بیگم صاحبہ؟'' وہ گھبرا گئی تھی کہ آج سے قبل اسے کبھی اس طرح نہ پکارا گیا تھا۔ ''ڈرائیور سے کہو گاڑی نکالے مجھے شاپنگ کے لیے جانا ہے۔''

''جی...... جی کہتی ہوں بی بی جی۔'' اس نے باہر کی جانب دوڑ لگا دی تھی۔

وہ دوبارہ کمرے میں چلی آئی۔ لباس تبدیل کر کے اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور نیچے چلی آئی۔

''تمہارے صاحب آ جائیں یا ان کا فون آئے تو کہنا، میں شاپنگ کے لیے گئی ہوں۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں لوٹ آؤں گی۔''

وہ مرکزی دروازے کی جانب بڑھتے ہوئے بولی تھی۔

''جی بیگم صاحب!''

ڈرائیور کو لیے وہ کچھ دیر یونہی بے مقصد پھرتی رہی تھی۔ پھر اس نے ایک شاپنگ مال کا نام لیا تھا۔ اس کا ذہن مسلسل کچھ تانے بانے بننے میں مصروف تھا۔ دل میں ایک آگ بھڑک رہی تھی۔

ڈرائیور نے پارکنگ ایریا میں گاڑی لے جا کر پارک کر دی تو وہ اسے انتظار کرنے کا کہہ کر باہر نکل آئی۔

شاپنگ مال کے ایک دروازے سے داخل ہو کر وہ ایک بغلی دروازے سے باہر نکل آئی تھی۔ وہاں سے ٹیکسی پکڑ کر وہ ایک مصروف بازاری علاقے میں چلی آئی۔ یہاں اسے ایک دوکان کا علم تھا جہاں اس کی مطلوبہ شے مل سکتی تھی۔ کافی زیادہ رقم دے کر اس نے اپنی مطلوبہ شے حاصل کر لی۔ اسے ہینڈ بیگ میں رکھ کر وہ مطمئن انداز میں ٹیکسی میں آ بیٹھی۔

اب وہ واپس شاپنگ مال کی جانب جا رہی تھی۔



پورے پندرہ دن بعد وہ لوٹا تھا۔

اسے دیکھ کر زینب کے پورے بدن میں شدید غصے اور نفرت کی ایک لہر اٹھی تھی۔

''ہیلو ڈارلنگ!'' بریف کیس ایک جانب رکھ کر وہ اس بے قراری سے اسکی جانب بڑھا جیسے وہ اسکے لیے اتنے دن سے تڑپ رہا ہو۔

زینب نے ایک جھٹکے سے خود کو آزاد کرا لیا اور قدرے دور چلی گئی۔

''ایک تو تم خفا بہت جلدی ہو جاتی ہو'' اس کی ہنسی میں قدرے خفت شامل تھی۔

''کہاں تھے آپ؟'' وہ اسے شعلہ بار نگاہوں سے دیکھنے لگی۔''کیا آپ جانتے ہیں آپ نے مجھے انتظار کی سولی پر ٹانگ رکھا تھا؟''

''اوہ......اوہ......'' وہ ہاتھ مسل کر ہنسنے لگا۔''یقین کرو ڈارلنگ! میں خود تم سے ملنے کے لیے بے حد بے قرار تھا لیکن مصروفیات کچھ ایسی تھیں کہ میں چاہتے ہوئے بھی نہ آسکا...... خیر اب ہم ساری شکایات کا ازالہ کرلیں گے۔''

''مجھے آپ سے ملنے کی کوئی بے قراری نہیں تھی۔'' وہ دانت پیس کر غرائی۔''میں محض اس قید خانے سے رہائی چاہتی ہوں جلد سے جلد......''

میر سکندر علی کے والہانہ انداز یک لخت غائب ہوگئی۔ اس کی بھنویں تن گئیں۔ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر وہ اس کے قریب چلا آیا۔

''یہ فتور تمہارے دماغ سے نکلا نہیں؟'' اس کا لہجہ سخت تھا۔

زینب کا دل لمحہ بھر کے لیے کانپا، اسکی نگاہوں میں عجیب سی سرد مہری در آئی تھی جو اس کے بدن کو ٹھنڈا کر کے رکھ دیتی تھی۔

پھر اس کے کانوں میں آمنہ کی آواز گونجنے لگی۔ اس نے کہا تھا ایسے لوگ اندر سے بہت بزدل ہوتے ہیں۔

''یہ فتور نہیں......ایک قطعی فیصلہ ہے۔'' اس کی آواز دھیمی پڑ گئی۔''آپ مجھے زبردستی اپنا قیدی بنا کر رکھیں گے تو یہ ہم دونوں کے لیے اچھا نہ ہوگا۔''

''میں اپنے مفادات تم سے بہتر طریقے سے جانتا ہوں......'' وہ پھنکارا۔''اور ایک بات اچھی طرح سے سن اور سمجھ لو۔ اگر اس عالیشان محل کو تم اپنا قید خانہ سمجھتی ہو تو پھر اسی قید خانے کو اپنا نصیب سمجھ لو اور ایک بات اور...... تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں تم سے کہوں گا...... اس میں تمہاری خوشی اور بھلائی پوشیدہ ہے۔ میں نے بہت کوشش کی کہ تمہارے ساتھ حتی الامکان نرم برتاؤ کروں...... مگر تم نے مجھے مجبور کر دیا۔''

''کہ آپ اپنے چہرے پر لگا یہ نقاب اتار پھینکیں۔'' وہ زہر خند لہجے میں بولی۔

''جو بھی سمجھو!'' وہ یکا یک پرسکون نظر آنے لگا۔''بہتر یہی ہے کہ دماغ کے اس فتور سے جلد سے جلد چھٹکارا حاصل کرلو۔ ایوری تھنگ از کلیئر ناؤ۔''

زینب کے دل و دماغ میں الاؤ بھڑکنے لگے تھے۔ اس کا وجود جیسے جہنم کی آگ میں جھلسنے لگا وہ اپنی جگہ پر کھڑی تیز تیز سانسیں لینے لگی، جبکہ وہ سب کچھ کہہ کر مطمئن انداز میں کوٹ اتار کر ہینگ کر رہا تھا۔

''کل ہمارے یہاں ایک پارٹی ہے۔ یونہی ایک گیٹ ٹو گیدر ہے۔ کسی خاص مقصد کے تحت ارینج نہیں کی گئی لیکن بہر حال تمہیں بہت اچھے طریقے سے تیار ہونا ہے۔ بہت اچھے طریقے سے لوگوں سے ملنا ہے۔ کوئی اچھا ڈریس منتخب کر دیا چاہو تو شام کو ہم شاپنگ کے لیے چلے چلیں گے۔''

وہ اب بے حد پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں ذرا ہاتھ لے کر فریش ہو جاؤں پھر ہم مزید بات کرتے ہیں۔''

''ہاں...... ہاں میں جانتی تھی۔ میں جانتی تھی کمینے آدمی کہ تم یہی بات کرو گے۔ تم جیسے اخلاقی پستی کی حدوں میں گرے ہوئے انسان سے میں نے اگر قول و فعل کی پابندی کی توقع رکھی تو یہ میری غلطی تھی۔ اس غلطی کا اور اپنی ہر غلطی کا کفارہ میں ہی ادا کروں گی۔ تم مجھے قید کر کے رکھنا چاہتے

ہوتا؟ دیکھتی ہوں کس طرح سے قید کرتے ہو مجھے...... یہ حسین چہرہ ہی اس قید کی وجہ ہے تو آج یہ وجہ ختم ہو جائے گی۔ مجھے چارہ بنا کر دوسروں کے آگے پیش کرتے ہو...... آج کے بعد تمہیں اس خیال سے ہی شرمندگی ہوگی۔ بس، اب یا میں نہ رہوں گی یا یہ قید نہ رہے گی...... تمہیں اب مجھ سے کوئی فیض حاصل نہ ہوگا۔ اتنا طے ہے میر سکندر علی!"

اس نے ایک عالم وحشت میں الماری کھول کر ایک بوتل نکالی تھی۔

"اپنی ہر غلطی کا کفارہ میں ادا کروں گی...... ہر غلطی کا......" وہ اس کا کارک کھولتے ہوئے بڑبڑا رہی تھی۔ "میرے دماغ کا فتور، میری ہر غلطی کی بنیاد...... یہ چہرہ ہی ہے نا...... آج میں اسے مٹا کر خاک کر دوں گی۔"

اس نے بوتل اپنے سر پر انڈیلنا شروع کی...... دوسرے ہی لمحے اس کی بھیانک چیخوں نے کمرے کے درودیوار ہلا کر رکھ دیے۔ بوتل پھینک کر وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی پھر اگلے ہی لمحے وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح زمین پر آ رہی تھی۔

باتھ روم سے ٹاول باندھے ہوئے میر سکندر علی گھبرایا ہوا برآمد ہوا تھا۔ پھر تہذیب کو دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ تقریباً بھاگتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا تھا اور چیخ چیخ کر ہر ملازم کو آواز دینے لگا تھا۔



کوئی نامعلوم شخص اسے نیم مردہ حال میں ہاسپٹل کے دروازے پر چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔ "بچنے کی امید تو بالکل نہیں ہے۔ بہر حال ہم کوشش کر دیکھتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کرتے ہوئے کہا تھا۔



نجانے کتنے دن موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد وہ زیست کی جانب لوٹ آئی تھی۔ کسی نہایت مضبوط اور اٹل تمنا نے اسے موت کے رستے سے واپس بلا لیا تھا۔

"کیا نام ہے آپ کا؟"

ڈیوٹی پر موجود ایک لیڈی ڈاکٹر نے نہایت مترنم آواز میں اس سے پوچھا تھا۔

وہ ایک کراہ کے سوا کچھ جواب نہ دے سکی۔ اس کا سارا وجود جیسے کسی تیل کے کھولتے کڑھائی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے روئیں روئیں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"آپ ہوش میں ہیں...... کیا آپ اپنا نام بتا سکتی ہیں؟"

اسے وہی مترنم آواز دوبارہ آئی لیکن وہ کراہوں اور سسکیوں کے سوا حلق سے کوئی دوسری آواز نہ نکال سکی۔

ڈاکٹر نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور قدرے فاصلے پر چلی گئی۔

"نجانے اس غریب کے ساتھ کس نے درندگی کا یہ مظاہرہ کیا ہے۔"

"اس کی قسمت اچھی تھی ڈاکٹر صاحب! جو یہ بچ گئی۔ یہ تو بالکل مردہ حالت میں ملی تھی۔ اسے جو چھوڑ کر گیا ہے شاید اس نے بھی اسے مردہ ہی سمجھا تھا۔" ڈیوٹی نرس بولی تھی۔

"یہ غریب مر ہی جاتی تو اس کے لیے اچھا تھا۔" ڈاکٹر دکھ سے بولی تھی۔ "اس کا سر، چہرہ، گردن بالکل جھلس گئے ہیں۔ آئینہ دیکھے گی تو خود سے گھن آئے گی اسے۔ نقش بالکل ختم ہو گئے ہیں سر کی کھال جل گئی ہے۔ مجھے حیرت ہے۔ یہ بچ کیسے گئی؟ بہت طاقتور تیزاب ڈالا گیا ہے اس کے

اوپر۔ نجانے کون درندہ صفت شخص تھا جس نے اس کا یہ حال کیا ہے۔"

"اس دنیا میں درندوں کی کمی نہیں ہے ڈاکٹر صاحب!" نرس نے تاسف سے سر ہلایا۔

ڈاکٹر اپنا راؤنڈ مکمل کرنے چلی گئی تھی۔



اس کا سر اور چہرہ پٹیوں سے جکڑا ہوا تھا۔ بستر پر وہ تکیوں کے سہارے نیم دراز تھی۔ ڈیوٹی نرس اس کا بلڈ پریشر چیک کر رہی تھی۔

"اب آپ کی حالت بہتر ہے....." وہ کہہ رہی تھی۔

"اب آپ بات وغیرہ بھی کر سکتی ہیں..... نیم بے ہوشی کے درمیان آپ نے کئی مرتبہ پانی وغیرہ مانگا ہے لیکن ہوش میں آ کر آپ کچھ نہیں بولتیں..... یہ پولیس کیس ہے، ابھی آپ کا بیان ریکارڈ ہونا ہے لیکن آپ کچھ بولتی ہی نہیں۔" وہ خاموش اور ساکت بیٹھی رہی۔

"اپنا نام اور پتا وغیرہ بتائیں تاکہ ہم آپ کے گھر والوں سے کانٹیکٹ کر سکیں۔ ہمیں بتائیں، کس نے آپ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے؟ یہ پولیس کیس ہے، پولیس والے دو مرتبہ آپ کا بیان لینے آ چکے ہیں لیکن آپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ آپ کا بیان لیا جاتا لیکن اب تو آپ کی حالت بہتر ہے آپ بیان دے سکتی ہیں۔"

"مجھے..... مجھے کچھ یاد نہیں ہے..... کچھ یاد نہیں ہے....." وہ آہستہ سے بولی۔ نرس اس کے قریب چلی آئی۔

"کچھ یاد کریں..... اپنا نام..... اپنا گھر....."

"مجھے کچھ یاد نہیں ہے سسٹر..... میں کوئی بیان نہیں دینا چاہتی....." وہ سسکنے لگی تھی۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے....." وہ اس کا شانہ تھپکنے لگی۔ "پریشان مت ہوں، بالکل ایزی رہیں کوئی آپ سے بیان لینے نہیں آنے گا۔ روئیں مت، پلیز!"



"آؤ..... اندر آ جاؤ!" فریدہ نے اپنے کوارٹر کا دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کا اشارہ کیا تھا۔ "بے فکر رہو، یہاں میرے سوا کوئی نہیں رہتا۔"

وہ اس کے پیچھے پیچھے اندر چلی آئی۔

"اب چادر اتار دو۔ آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میں تمہارے اور اپنے لیے کھانا لاتی ہوں۔" وہ اپنا دوپٹہ تہہ کر کے رکھتے ہوئے بولی۔

اس کے جانے کے بعد وہ آہستگی سے کمرے کے بیچوں بیچ پڑی چارپائی کے کونے پر ٹک گئی۔ اس نے کمرے میں حبس کے باوجود اپنی چادر نہیں اتاری تھی۔ بڑی سی چادر سے صرف اس کی ایک آنکھ نظر آ رہی تھی۔ باقی سارا وجود سیاہ چادر میں چھپا ہوا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ غربت اس گھر کے کونے کونے سے عیاں تھی۔ ایک کمرے اور ایک برآمدے والے اس گھر کا پہلی نظر میں ہی پورا جائزہ لیا جا سکتا تھا۔

ایک چارپائی اور کونے میں رکھی ایک خستہ حال میز کے سوا کوئی تیسری شے کمرے میں نہ تھی۔ دیوار میں بنی سیمنٹ کی الماری پر ایک پرانا سا پردہ ڈالا گیا تھا۔

میز پر ایک استری، کچھ کتابیں اور ایک پرانا سا ریڈیو پڑا ہوا تھا۔ کمرے کی دیواروں کی سفیدی اکھڑ چکی تھی اور فرش جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا تھا۔ باہر برآمدے میں ایک جھلنگا سی چارپائی پڑی تھی اور ایک کونے میں پانی کا مٹکا رکھا ہوا تھا۔ برآمدے کے ساتھ تھوڑی سی جگہ میں کچن اور ٹوائلٹ وغیرہ بمشکل تعمیر کیے گئے تھے۔

یہ نرس فریدہ کا کوارٹر تھا۔ وہ زینب کو اپنے ساتھ لے آئی تھی۔ ہمدرد اور ٹھنڈے مزاج کی اس عورت نے اسپتال میں قدم قدم پر اس کا بڑا

ساتھ دیا تھا۔

فریدہ ٹرے میں کھانا رکھ کر لائی تو وہ اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔

''ارے.....'' اسے حیرت ہوئی۔ ''تم اب تک یونہی بیٹھی ہو۔ یہ چادر اتار دو بہن..... یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ ٹھہرو، میں پنکھا چلاتی ہوں۔''

وہ کھانا چارپائی پر رکھ کر سوئچ بورڈ کے قریب گئی۔ زینب نے پلیٹ میں پڑی پتلی اور پیلی دال پر ایک نگاہ ڈالی۔ ساتھ کٹوری میں آم کا اچار تھا۔ دستر خوان میں دو تیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ اسٹیل کے چھوٹے سے جگ میں بھرے پانی میں برف کا ڈلا تیر رہا تھا۔

نجانے کیوں کھانے کی ٹرے دیکھ کر اس کے دل میں برسوں بعد پیٹ بھر کر کھانا کھانے کی امنگ جاگی۔ اسے اس زور کی بھوک محسوس ہوئی جیسی برسوں پہلے اسکول سے لوٹ کر محسوس ہوا کرتی تھی۔ شاید کھانے کی اس ٹرے نے اس کے ذہن میں ماضی کے دریچے وا کر دیے تھے۔

اس نے چادر اتار کر ایک طرف رکھی اور کھانا کھانے بیٹھ گئی۔ ہر چند کہ دال بالکل بے ذائقہ تھی اور اچار بھی برسوں پرانا معلوم ہوتا تھا پھر بھی اس نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔

''اب تم تھوڑی دیر آرام کر لو۔'' فریدہ برتن سمیٹتی ہوئے بولی۔ ''میں برآمدے میں لیٹ جاتی ہوں۔''

''نہیں، ادھر ہی آجاؤ!'' زینب بولی۔ ''باہر گرمی ہوگی۔''

''اچھا..... میں اپنا بستر نیچے ڈال لیتی ہوں۔''

وہ برتن دھونے چلی گئی تو زینب لیٹ کر چھت پر بے دلی سے گھومتے پنکھے کو دیکھنے لگی۔ اس کی ہوا نہ ہونے کے برابر تھی۔

تھوڑی ہی دیر میں فریدہ بھی آگئی اور اپنی دردی بچھا کر اس کی چارپائی کے قریب ہی لیٹ گئی۔

''فریدہ!'' کچھ دیر بعد زینب بولی تھی۔ ''میں تمہاری شکر گزار ہوں، تم نے میری بے حد مدد کی ہے۔''

فریدہ دھیرے سے ہنس دی۔

''بہن! میں بھلا کس قابل ہوں؟ پیسہ بڑی شے ہے۔ تمہاری دو چوڑیاں اور انگوٹھی بیچ کر جو رقم ملی تھی، اس نے سب کے منہ بند کیے رکھے اور پولیس کا جھنجھٹ ختم ہوا۔ میرا اس میں کیا کمال؟''

''پھر بھی..... میری خاطر تمہیں اتنی زحمت کرنی پڑی.....''

''انسان ہی انسان کے کام آتا ہے۔'' فریدہ مختصراً بول کر خاموش ہوگئی۔

دونوں کے بیچ میں خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔ پھر فریدہ نے ہی اس خاموشی کو توڑا۔

''لیکن میرے خیال میں تم نے ٹھیک نہیں کیا۔ تمہیں پولیس کو بیان دینا چاہیے تھا۔ وہ شخص تمہیں یوں بے دردی سے اسپتال کے سامنے پھینک کر چلا گیا جیسے کسی کتے یا بلی کو مرنے کے بعد کہیں بھی پھینک دیا جاتا ہے۔ آخر کچھ بھی سہی تم اس کی بیوی تو تھیں نا..... اس نے کس سفاکی سے تمہیں مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔''

زینب آہستگی سے ہنس دی۔

''میری اہمیت اس کے نزدیک بس اتنی ہی تھی فریدہ! ساری قیمت اسی چہرے کی تھی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے جلا ڈالا ہے اس کے بعد مجھ اور کسی کتے یا بلی کے مردہ جسم میں کوئی فرق نہ رہا..... اور پولیس سے کچھ کہہ کر مجھے کیا مل جاتا؟ کیا کچھ ایسا ہے جو میں اب حاصل کرنا چاہوں؟ اب تو مجھے اس کاغذ کی بھی ضرورت نہیں..... آج اگر میں جا کر اس کے سامنے کھڑی ہو جاؤں اور کہوں کہ میں ہوں زینب سکندر علی! تمہاری بیوی۔ مجھے اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دو تو وہ پہلی فرصت میں مجھ پر تین لفظ بھیج کر مجھے گھر سے نکال دے گا۔''

''پھر..... اب تم کیا کرو گی۔ کہاں جاؤ گی؟''

اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تھی اور بہت دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

"بس فریدہ! صرف اور صرف ایک خواہش مجھے اپنے سامنے نظر آتی ہے..... وہ کہیں ملے اور میں اس کے قدموں میں سر رکھ کر اس سے معافی مانگوں۔ اپنی زندگی برباد کرنے کی، اس کی زندگی برباد کرنے کی..... ایک جنت اجاڑنے کی معافی..... اس کے بعد کیا ہوگا میں نہیں جانتی۔" وہ دونوں پھر خاموش ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد اس سناٹے کو اس کی لرزتی ہوئی آواز نے توڑا تھا۔

"فریدہ.....! کیا وہ مجھے پہچان پائے گا؟ میں..... میں..... کیسی نظر آتی ہوں؟"

فریدہ اس سوال کا کچھ جواب نہ دے پائی۔ زینب کی دبی دبی سسکیاں ماحول میں ارتعاش پیدا کرنے لگی تھیں۔



فریدہ کے جانے کے بعد وہ گھر میں اکیلی تھی۔

فریدہ نے اسے بے حد اصرار سے روکا تھا لیکن وہ رکنا نہ چاہتی تھی۔ کوئی طاقت تھی جو اسے کسی انجانی منزل تک لے جانے پر اصرار کر رہی تھی۔

اس نے اپنی چادر نکالی اور اوڑھ کر دروازے کی جانب بڑھ گئی۔ پھر یکایک وہ رک گئی تھی۔ ایک خیال اس کے دل و دماغ میں سنسناہٹ پیدا کرنے لگا تھا۔

اس حادثے کے بعد سے اب تک اس نے آئینہ نہ دیکھا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی مگر اسے اسپتال میں کسی نے آئینہ فراہم نہ کیا تھا۔ یہاں آ کر بھی اس نے ادھر ادھر آئینے کی تلاش میں نگاہ دوڑائی تھی لیکن شاید یہ فریدہ کی شعوری کوشش تھی جو اسے کہیں بھی مطلوبہ شے دکھائی نہ دی تھی۔ تاہم، صبح اس نے فریدہ کو تیار ہوتے وقت وہ آئینہ میز کی دراز سے نکالتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ زینب کو سوتا جان کر بے فکری سے تیار ہو کر آئینہ وہیں رکھ کر اسپتال چلی گئی تھی۔

وہ اندر کمرے میں چلی آئی۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا کیا حال ہو چکا ہے، پھر بھی نجانے کیوں اس کی خواہش تھی کہ وہ ایک مرتبہ آئینہ دیکھے۔ اپنا انجام وہ اپنے سامنے، اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی تھی۔

کپکپاتے ہوئے ہاتھوں سے اس نے دراز کھولی اور اندر رکھا آئینہ نکال لیا۔ پھر اپنی تمام ہمتوں کو مجتمع کرتے ہوئے اس نے اسے اپنے چہرے کے مقابل کیا تھا۔

"آ..... آ..... آہ....." یکلخت تمام ہمتیں دم توڑ گئی تھیں۔

اس کے لبوں سے پہلے آہیں، پھر سسکیاں اور پھر چیخیں نکلنے لگیں۔ اس نے بہت سوچا تھا۔ ذہن میں ہزار ہا طریقوں سے اپنا چہرہ سوچا تھا لیکن یہ حقیقت جو نگاہ کے سامنے تھی، یہ ہر تصور سے زیادہ بھیانک اور اذیت ناک تھی۔

اس کے چہرے پر کچھ بھی نہ تھا! نہ آنکھ، نہ ناک، بس جلی ہوئی کھال تھی اور نشانات جو نقوش کی نشاندہی کرتے تھے۔ جلی ہوئی گردن اس قدر بھیانک لگتی تھی کہ اسے دیکھ کر دل باہر نکلتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ چیخ چیخ کر روتی رہی۔ دل کی بھڑاس نکالتی رہی۔

"ہاں..... یہی سزا ہے..... یہی سزا ہونی تھی۔ احسن ایاز! دیکھو تو تمہاری زینب نے خود کو کتنی کڑی سزا دی ہے۔ کیا اب بھی معاف نہ کرو گے؟ کیا اب بھی معاف نہ کرو گے....."



فرخندہ آپا نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑی اس عورت کو دیکھا تھا جس نے سیاہ چادر میں اپنا وجود چھپا رکھا تھا۔

"کیا بات ہے بی بی؟ کون ہو تم؟" وہ اسے کوئی مانگنے والی سمجھی تھی۔

''میں......اندر آسکتی ہوں۔'' وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولی۔

وہ بہت دیر کے لیے خاموش ہوگئیں۔

''تو تم ہو......'' پھر وہ گہری سانس بھر کر بولیں۔ ''پھر آگئی ہو؟ اب کیا لینے آئی ہو؟''

''آپا...... مجھے ایک مرتبہ احسن سے ملنے کی اجازت دے دیں۔'' اس کی کپکپاتی ہوئی آواز میں ہزار ہا التجاؤں کی گونجتی صدا تھی۔ فرخندہ آپا کا دل لحہ بھر کے لیے جیسے کسی نے اپنی مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔

''زینب! میں نے کہا تھا نا...... احسن یہاں نہیں ہے۔''

''آپا......'' چادر کے اندر اس کی سسکیاں گونجنے لگیں۔ ''میں آپ سے کچھ چھیننے نہیں آئی ہوں میں کچھ چھین بھی نہیں سکتی...... میں...... میں صرف ایک نگاہ کی طلب گار ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے...... خدارا مجھ پر یہ احسان کر دیں۔''

''مجھے تم پر ترس آرہا ہے زینب!'' پھر وہ بولی تھیں۔ ''لیکن میں مجبور ہوں۔ احسن نے مجھے قسم دی ہے کہ میں......''

''قیامت کے روز میں آپ کا ہر گناہ اپنے سر لے لوں گی۔'' اس نے روتے ہوئے ان کی بات کاٹ دی۔ ''کیا اس کے بعد بھی آپ انکار کریں گی آپا؟ مجھے اندر آنے دیں۔''

فرخندہ آپا کا دل پسیج گیا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''میں نے تمہیں اپنی بیٹی کی طرح سمجھا ہے زینب...... بہت محبت کی ہے تم سے...... لیکن تم مجھے سمجھ نہ سکیں...... تم کسی کو بھی نہ سمجھ سکیں اپنی جنت کو بھی جنت نہ سمجھیں اور اس وقت میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی بیٹی! میں تمہیں اندر آنے سے نہیں روکتی لیکن اندر تمہارے لیے کچھ نہیں ہے۔ احسن یہاں سے جا چکا ہے۔''

''کہاں...... کہاں؟'' اس کے اندر کچھ ٹوٹنے لگا تھا۔

''چند دن قبل اس کا نکاح تھا۔ صوفیہ کے ساتھ۔ وہ لوگ میرے گھر سے ہوٹل شفٹ ہو گئے تھے۔ آج انہیں اسلام آباد جانا تھا۔ وہاں احسن کی نوکری لگ گئی ہے۔ میرا خیال ہے وہ لوگ روانہ ہو گئے ہوں گے...... لیکن بیٹی! میری مانو تو اب اس سے ملنے کا خیال ترک کر دو۔ اب بھلا اس سے مل کر تمہیں کیا حاصل ہوگا۔ اس ملاقات میں نہ تمہاری بھلائی ہے نہ اس کی۔''

وہ دروازے کا پٹ تھامے ساکت کھڑی تھی۔ احسن کا نکاح ہو گیا تھا۔ یہ خیال دل کی تمام رگوں کو کاٹتا چلا گیا تھا۔

''اور یہ تکلیف تو اس نے بھی سہی تھی زینب شاہ! آج تمہیں احساس ہوا کہ یہ تکلیف کیا بلا ہے۔''

وہ تھکے تھکے قدموں سے واپس پلٹ گئی تھی۔



ریلوے اسٹیشن پر بے حد گہما گہمی تھی۔ ٹرین کے روانہ ہونے میں محض چند منٹ باقی تھے۔ وہ اپنا سامان برتھ پر رکھ کر اس کے برابر آبیٹھا۔

''پہلے کبھی ٹرین میں سفر کیا ہے!''

صوفیہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

''آج پہلا سفر ہے اور بہت خوبصورت اور انوکھا ہوگا یہ سفر!'' خوشی کی جگمگاہٹ اس کی آنکھوں میں بھری ہوئی تھی۔

وہ دھیرے سے مسکرایا۔

اور نجانے کیوں ہمیشہ کی طرح اس کی مسکراہٹ نے صوفیہ کے دل کو دکھی کر دیا۔ وہ اسی طرح سے مسکراتا تھا۔ اداس آنکھوں اور بے تاثر چہرے کے ساتھ۔ اس کی مسکراہٹ صوفیہ کے دل کو دکھی کر دیا کرتی تھی۔ جیسے وہ اس کا دل رکھنے کی خاطر جبراً مسکراتا ہو۔

''پیاس سی محسوس ہوتی ہے۔'' وہ اپنے خیال کی زد سے نکلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ وہ چونک اٹھا تھا۔

''او..... سوری صوفیہ! مجھے دھیان نہ رہا۔ مجھے جوس یا کولڈ ڈرنکس وغیرہ لینی چاہیے تھیں۔ میں لے کر آتا ہوں۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''رہنے دیجیے۔'' وہ جلدی سے بول پڑی۔ ''ٹرین چلنے والی ہے۔ آگے کسی اسٹیشن سے پانی لے لیں گے۔''

''ہم نے غلطی کی۔ ہمیں پانی کا انتظام کرنا چاہیے تھا۔ اچھا ٹھہرو۔ میں منرل واٹر لے کر آتا ہوں'' وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

صوفیہ بے چینی سے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

وہ پانی کی بوتل لے کر مڑا تھا جب ٹرین نے وسل دی۔ وہ جلد سے جلد بڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ تب ہی ایک ہاتھ نے اسکا پیر تھام لیا۔

احسن نے حیرانی سے مڑ کر دیکھا۔ سیاہ چادر میں لپٹی وہ عورت زمین پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صرف اس کا وہ سفید ہاتھ چادر سے باہر تھا جس سے اس نے احسن کا پیر تھاما ہوا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اس ہاتھ پر ڈالی پھر بیٹھتا چلا گیا۔

''زینب!'' اس کی لرزتی، کپکپاتی ہوئی آواز نکلی تھی۔

چادر میں سے ایک سسکی ابھری تھی۔

احسن کا تنفس تیز ہو گیا۔

''اب رستہ کیوں روکتی ہو؟'' اس کا لہجہ شکایت سے لبریز تھا۔

''مجھے..... مجھے..... معاف کر دو احسن!'' وہ رو رہی تھی۔ اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگی ہوئی تھی۔

ٹرین آہستہ آہستہ سرکنے لگی تھی۔ اس لمحے ہوا کا تیز جھونکا آیا اور اس کا چہرہ کھل گیا۔

''زینب!'' وہ سکتے کے عالم میں رہ گیا تھا۔ ''زینب..... زینو!''

''بس ایک بار کہو کہ مجھے معاف کیا..... بس ایک بار.....'' اس کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

''ہاں ہاں معاف کیا آج نہیں آج سے بہت پہلے معاف کر چکا ہوں۔'' وہ رو رہا تھا۔ ''تم مجھے سمجھ کیوں نہیں پاتیں زینو۔''

''بس!'' اس نے سر جھکا لیا۔ ''اور کچھ نہیں چاہیے..... کچھ بھی نہیں۔ اب جاؤ..... جاؤ احسن! وہ تمہارا راستہ دیکھتی ہو گی۔''

''تمہیں یوں چھوڑ کر؟ اس حال میں.....''

''جاؤ احسن..... اس محبت کی قسم ہے تمہیں..... جو آج بھی ہم دونوں کے دل میں ایک دوسرے کے لیے موجود ہے..... آہ! میں بہت خوش ہوں۔ زندگی سے اب مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔ ایک لمحہ بھی نہیں..... بس! اب تم جاؤ احسن!''

اس نے اپنا سر گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔

گاڑی کی رفتار تیزی پکڑ چکی تھی۔ جب وہ صوفیہ کو آتا دکھائی دیا۔

اس کی جان میں جان آئی تھی۔

''اتنی دیر لگا دی آپ نے؟''

''ہاں..... شاید میں نے دیر کر دی!'' شکستہ سا اس کے قریب بیٹھ گیا تھا۔

''وہ..... وہ عورت کون تھی؟'' اس نے وہ منظر دیکھا تھا۔

''وہ..... وہ'' گم صم تھا۔

''کوئی مانگنے والی تھی؟'' صوفیہ نے خود ہی اندازہ لگایا۔

''میرے پاس اسے دینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا'' وہ رو پڑا تھا۔



''ارے دیکھو بھائی...... یہ عورت کون ہے!'' ایک قلی نے اس کی جانب لوگوں کو متوجہ کیا تھا۔ اس کا بے جان لاشہ اسٹیشن پر بے یارومدد گار پڑا تھا۔

کچھ دیر بعد ڈاکٹر کا بندوبست کیا جاسکا تھا۔

''اسے مرے ہوئے تو غالباً گھنٹہ ہو گیا ہے...... دل کی مریضہ تھی شاید...... ہارٹ اٹیک معلوم ہوتا ہے۔''

ڈاکٹر نے کارروائی منٹوں میں پوری کر ڈالی۔

''کوئی بھکارن معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال اسے اسپتال روانہ کر دو۔ ضروری کارروائی کے بعد رفاہی ادارے والے اس کی تدفین کر دیں گے۔''

اس کے وجود کو اسی کی سیاہ چادر سے ڈھک دیا گیا تھا۔

